نامہ
پاکیزہ
کراچی

لرانِ اعلیٰ : معراج رسول

مدیرۂ اعلیٰ : عذرا رسول

مدیرہ : نزہت اصغر

معاون : آمنہ حماد



رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

منیجر اشتہارات

محمد شہزاد خان

0333-2256789

سرکولیشن منیجر

سید منیر حسین

0333-3285269

فوٹوگرافی: موسیٰ رضا

میک اپ: روز بیوٹی پارلر

سرورق ماڈل: صائمہ انصار

ت فی پرچا (پاکستان) 70 روپے

ت فی پرچا (سعودی عرب) 12 ریال یا مساوی متحدہ عرب امارات





جشن آزادی مبارک

Office: 63-C, Phase-II (Ext), D.H.A. Commercial Area, main Korangi Road Karachi.

پبلشر و پرو پرائٹر: نیشان رسول • مقامِ اشاعت: گراؤنڈ فلور C-63 فیز II ایکس ٹینشن ڈیفنس مین کورنگی روڈ کراچی 75500

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مجھے کچھ کہنا ہے......!

قارئینِ کرام! السلام علیکم!

تمام اہالیانِ وطن کو اس پاک سرزمین کا اکہترواں یومِ آزادی مبارک ہو۔

الحمدُللہ آج ہم قائداعظم محمد علی جناحؒ اور ان کے سچے رفقائے کار کی جدوجہد کی بدولت اس آزاد فضا میں سانس لے رہے ہیں۔ یہ ماہ ہم پاکستانیوں کے لیے نہایت مُسرّت کے لمحات لاتا ہے کہ جب ہم آزادی کی اہمیت اور افادیت کو سمجھتے ہوئے جشنِ آزادی پورے جوش و جذبے سے مناتے ہیں۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ ایسے ہی خوب صورت شب و روز ہم پاکستانیوں کا مقدرر ہیں۔ الٰہی آمین!

قارئین! جیسا کہ آپ جانتے ہیں کسی بھی جمہوری ملک میں شفاف انتخابات وہاں کا نظامِ حکومت چلانے کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ اس کی ایک معینہ مدت ہے کہ ہر پانچ سال بعد حکمران تبدیل ہوں گے۔ اب اگر کارکردگی اور نظامِ حکمرانی عوام کی فلاح و بہبود اور ملک و قوم کی ترقی کا باعث ہو تو وہی حکومت اگلے پانچ سال بھی اقتدار میں رہ سکتی ہے ورنہ پھر عوام ہر قسم کے صوبائی، لسانی، علاقائی تعصبات سے بالاتر ہو کر نئے نمائندوں کو منتخب کرنے کا پورا، پورا حق رکھتے ہیں اور یہی عمل دراصل جمہوری عمل ہے مگر افسوس کہ کبھی، کبھی ایسا نہیں بھی ہوتا۔

خیر ہمیں تو آج یہی کہنا ہے کہ جو بھی پارٹی فتح یاب ہوئی اسے اپنے انتخابی منشور کو ہرگز بُھلانہیں دینا چاہیے......وہی منشور جس میں ملک و قوم کی ترقی کے بلند و بانگ دعوے و عوام کو سہولیات بہم پہنچانے کے بھاری بھر کم وعدے شامل تھے وہ محض "تھے" نہ رہ جائیں بلکہ ان پر نیک نیتی اور راست بازی سے عمل بھی کیا جائے۔ اقتدار میں آنے کا مطلب بائیس کروڑ عوام پر حکمرانی نہیں بلکہ اسے اپنی ذمے داری سمجھنا چاہیے کہ ان منتخب نمائندوں کو عوام الناس کی خدمت کا موقع دیا گیا ہے اور اس سرزمینِ پاک کا وقار بلند کرنے کے قابل سمجھا گیا۔

ہماری نیک تمنائیں اور پُرخلوص دعائیں اس نئی حکومتی ٹیم کے ساتھ ہیں جو ہم عوام کے ووٹ کو عزت و وقار دینے میدانِ عمل میں آئی ہے۔

پروردگارِ عالم کے حضور دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں دوست نما دشمنوں کی سازشوں سے اپنی امان میں رکھے، الٰہی آمین......

مدیرہ

نزہت اصغر

اور ہمارے لیے اس دنیا میں (بھی) نیکی لکھ اور آخرت میں بھی۔ یقیناً ہم نے تیری طرف رجوع کرلیا ہوا ہے۔ (اللہ نے) فرمایا میرا عذاب اسے پہنچتا ہے جسے میں چاہتا ہوں۔ اور میری رحمت ہر شے کو گھیرے ہوئے ہے۔ سو میں، عنقریب اسے ان لوگوں کے لیے جو پرہیزگاری کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں، لکھ دوں گا۔ (۱۵۶) وہ لوگ جو اس رسول نبی اُمّی کی پیروی کرتے ہیں۔ جس (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ انہیں نیک کاموں کا حکم دیتا ہے اور بُرے کاموں سے روکتا ہے۔ اور وہ ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتا ہے۔ اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام کرتا ہے۔ اور وہ ان کے بوجھ اور طوقوں کو جو اُن پر تھے ان سے اتارتا ہے۔ پس وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اس کو قوت پہنچائی اور اس کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ ہی نازل ہوا ہے۔ وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ (۱۵۷) (اے رسول) کہہ دو کہ اے لوگو! یقیناً میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول ہوں۔ وہی (خدا) جس کا اختیار آسمانوں میں بھی ہے اور زمین میں بھی۔ سوائے اس کے کوئی معبود نہیں، وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ پس تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول نبی اُمّی پر (بھی) جو خود بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتا ہے۔ اور تم لوگ اسی کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ (۱۵۸) اور موسیٰ کی قوم میں بھی ایک گروہ تھا جو حق کے ساتھ ہدایت کرتے تھے اور اسی (حق) کے ساتھ عدل کیا کرتے تھے۔ (۱۵۹) اور ہم نے انہیں بارہ گھرانوں میں گروہ، گروہ کرکے تقسیم کردیا تھا اور ہم نے موسیٰ کو وحی کی جبکہ اس کی قوم نے اس سے پانی طلب کیا کہ اپنے عصا سے پتھر کو مار پس اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے یقیناً ہر آدمی نے اپنا گھاٹ جان لیا۔ اور ہم نے ان پر بادلوں کا سایہ کیا، اور ان پر ہم نے من اور سلوٰی نازل کیا۔ جو پاک چیزیں ہم نے تمہیں روزی دی ہیں ان میں سے کھاؤ۔ اور انہوں نے ہمارا کچھ نقصان نہیں کیا لیکن وہ اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ (۱۶۰) اور (وہ وقت یاد کرو) جبکہ ان سے یہ کہا گیا کہ اس بستی میں آباد ہو جاؤ۔ اور اس میں سے جہاں سے تمہارا جی چاہے کھاؤ، اور حطہ (توبہ) کہتے جاؤ، اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو تو ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے۔ عنقریب ہم نیکی کرنے والوں کو بڑھائیں گے۔ (۱۶۱) پھر ان لوگوں نے جو اُن میں سے ظالم ہو گئے تھے۔ وہ بات جو انہیں کہی گئی تھی دوسری بات سے بدل دی۔ پس ہم نے اس ظلم کی وجہ سے جو وہ کیا کرتے تھے، ان پر آسمان سے عذاب بھیجا۔ (۱۶۲) اور (اے رسول) ان سے اس بستی کی بابت پوچھ، جو دریا کے کنارے تھی۔ جبکہ وہ سبت (ہفتہ) کے دن زیادتی کیا کرتے تھے، جبکہ ان کے سبت کے دن ان کی مچھلیاں پانی کے اوپر ظاہر ہو کر آجاتیں۔ اور جس دن سبت (ہفتہ) نہ ہوتا، وہ نہ آتی تھیں۔ اسی طرح بوجہ اس کے کہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے، ہم انہیں آزمایا کرتے تھے۔ (۱۶۳) اور (وہ وقت یاد کرو) جبکہ ان میں سے ایک گروہ نے یہ کہا کہ تم ان لوگوں کو نصیحت ہی کیوں کرتے تھے جن کو اللہ تعالیٰ ہلاک کرنے والا ہے یا انہیں سخت عذاب سے معذّب کرنے والا ہے وہ بولے کہ تمہارے پروردگار کی طرف معذرت کرنے کے لیے اور تاکہ وہ باز آجائیں (۱۶۴) پس جب وہ اس بات کو بھول گئے جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان لوگوں کو نجات دے دی جو برائی سے منع کیا کرتے تھے۔ اور ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا، ہم نے بڑے عذاب میں پکڑ لیا، اس لیے کہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے۔ (۱۶۵)

آنحضرت ﷺ کے اسمائے گرامی

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَاطٰهٰ

سید کونین، ختم المرسلین، افضل الانبیا رسول پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الٰہی صفاتی اسمائے مبارکہ میں سے ایک نام سیدنا طٰہٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہے جس کے معنی ومفہوم اے طاہر، اے ہادی کے ہیں۔

شرح المواہب میں علامہ زرقانی نے اس کی تفسیر یوں بیان فرمائی ہے کہ اس اسم پاک کے معنی ہیں...... اے انسان، اے آدمی، اے طاہر اور اے ہادی، گناہوں سے پاک اور مخلوق کے ہادی ورہنما، شفاعت طلب کرنے والے۔

نوٹ: چونکہ مندرجہ بالا مفہوم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمہ گیر شخصیت کے بہت سے پہلوؤں کو اجاگر کرتا ہے مگر اس کا حقیقی علم تو اللہ تبارک وتعالیٰ کو ہے اس لیے جو حدیث مبارک منتخب کی گئی ہے وہ بھی ذاتِ اقدس کے ہمہ گیر پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے۔

2۔ **الحدیث:** آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے اور رسولِ برحق ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود کو اسی کی رضا کے لیے وقف کردیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دُرشت مزاج اور سخت گو نہ تھے۔ کبھی زور سے نہ بولے اور نہ ہی دشمنوں سے ان کی حرکتوں کا ویسا بدلہ لیا، وہ معافی مانگتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معاف فرما دیتے اور عفو وچشم پوشی سے کام لیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقدس کام دنیا کے دوسرے مذاہب کو برائیوں سے پاک کرنا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم نے اندھوں کو آنکھیں دیں۔ بہروں کو کان دیے اور دلوں سے غفلت کے پردے ہٹا دیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر خوبی سے آراستہ اور اخلاق سے متصف تھے۔ سکینہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لباس، نکوئی (نیکی) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شعار، تقویٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ضمیر، حکمت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام، عدل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت، راستی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت اور اسلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت کا راستہ دکھایا اور گمراہی سے لوگوں کو نکالا اور گمناموں کو عظمت اور شہرت عطا فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے تنگ دست خوشحال ہو گئے اور محتاج غنی بن گئے۔ (بخاری)

3۔ **الوائے:** سیرت نگار تاریخ نہیں بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم عصر دشمن جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشن کو جھٹلایا۔ یک زبان ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزگی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انصاف پسندی، عدل وانصاف، سچائی، رحمدلی، منکسر المزاجی کی اس وقت تعریف کی جب کسی قسم کے الوہی تقدس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کا احاطہ نہیں کیا تھا۔ (لی اسمتھ)

4۔ **الفضائل:** ۱۔ جو کوئی اس بات کا خواہاں ہو کہ اس پر رحمتِ الٰہی کا نزول ہو تو وہ روزانہ فجر کی نماز کے بعد یا مغرب کی نماز کے بعد تیس مرتبہ یہ اسم مبارک سیدنا طٰہٰ پڑھ کر مطلوبہ دعا مانگے اسے مقصد میں کامیابی ہوگی۔

۲۔ اگر کسی کا قلب بہت زیادہ سخت ہو اور اسے کسی پر رحم اور ترس نہ آتا ہو اور وہ چاہے کہ اس کے دل کی سختی دور ہو تو روزانہ باوضو حالت میں نمازِ عصر کے بعد سو مرتبہ یہ اسم مبارک پڑھ لیا کرے، انشاء اللہ تعالیٰ دل کی یہ سختی دور ہو جائے گی۔

اللہ اور اس کا نور

قرآن پاک سے عشق کی پُرنور داستان ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کے قلم سے

باب نوزدہم

قرآن مجید فرقان حمید پوری کائنات کے لیے سر چشمۂ ہدایت

قرآن پاک کی سورتوں سے لیے گئے احکامات پچھلے کئی ابواب سے مسلسل درج کیے جارہے ہیں...... یہ مضامین ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کی قرآنی تحقیق کا نچوڑ ہیں۔ یہ کتابی شکل میں بعنوان ''اللہ اور اس کا نور'' کے تحت شائع ہوچکے ہیں۔ پاکیزہ قارئین کے بے حد اصرار پر ہم ان مضامین کا اعادہ کررہے ہیں جو بلاشبہ ہر دفعہ نیا مضمون ہی معلوم ہوتا ہے۔ اللہ پاک مصنفہ کو

کے لیے زادِ آخرت بنیں اور اس سے استفادہ کرنے والوں کے عملِ خیر میں اضافہ ہو۔ الٰہی آمین...... اب ہم اختتامی اسباق کی طرف گامزن ہیں۔ آپ سب بہنوں کے سلام، دعائیں اور قیمتی آراء ذکیہ آپا تک پہنچا دی جاتی ہیں، وہ بھی اپنی تمام بہنوں، بیٹیوں کے لیے خلوصِ دل سے دعاگو رہتی ہیں...... یہ سطور انہی کی جانب سے جواب سمجھیے، انشاء اللہ ان کی صحت بہتر ہوتے ہی ہم ان سے مزید آپ بہنوں کے لیے قرآن کی تحقیق کے حوالے سے معلوماتی گفتگو کریں گے.... فی الحال آپ یہ باب پڑھیں...... (مدیرہ)

آج ہم سورۂ مزمل 73 سے آغاز

کرتے ہیں۔

407۔ ''پس جتنا آسانی سے ہوسکے اتنا قرآن پڑھ لیا کرو۔ اس نے جان لیا کہ بعض تم میں بیمار ہیں اور بعض تلاشِ معاش میں ملک میں سفر کرتے ہیں اور بعض اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں تو جتنا آسانی سے ہوسکے اتنا پڑھ لیا کرو......اور نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو......اور اللہ کو قرضِ حسنہ دیتے رہو۔

سورۂ مدثر 74 :

408۔ ''دوزخ پر 19 داروغہ متعین ہیں (30) اور ہم نے دوزخ کے داروغہ فرشتے ہی بنائے ہیں۔'' (31)

409۔ ''ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے میں رہن ہے۔'' (38)

410۔ ''مگر داہنے ہاتھ والے (پرہیزگار لوگ) رہن نہیں ہیں۔'' (39)

سورۂ قیامتہ 75 :

411۔ اے نبی! وحی پڑھنے میں زبان نہ ہلایا کرو کہ اس کو جلد یاد کرلو۔'' (14)

412۔ ''اس کا جمع کرنا اور پڑھانا میرے ذمے ہے۔'' (17)

نیک لوگ

سورۂ دھر 76 :

1۔ یہ لوگ نذریں پوری کرتے ہیں۔ (7)

2۔ اور اس کی محبت میں فقیروں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ (8)

3۔ ہم تم کو کھانا خالص اللہ کے لیے کھلاتے ہیں ہم تم سے نہ بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ...... (9)

سورۂ مطففین۔ 83 :

414۔ ناپ اور تول میں کمی کرنے والوں کے لیے خرابی ہے۔ (1) کہ جب لوگوں سے ناپ کرلیں تو

دیں۔ (3)

415۔ سجین، کافروں کے لیے نامۂ اعما
جگہ۔ علیین، نیک لوگوں کے اعمال کی جگہ۔

سورۂ اعلیٰ 87 :

416۔ بامراد ہوا وہ شخص جو پاک ہوا۔
اور اپنے رب کا نام لیتا رہا اور نماز
رہا...... (10)

(اے منکرو) تم تو دنیا کی زندگی کو مقدم ر
ہو۔ (14)

حالانکہ آخرت کہیں بہتر اور پائیدار ہے۔ (7
یہی بات پہلے صحیفوں میں لکھی گئی ہے۔ (18
یعنی ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔ (19

سورۂ فجر 89 :

417۔ تو انسان کو جب اس کا رب آزماتا
اس کو عزت و نعمت بخشتا ہے تو کہتا ہے میرے پرور
نے مجھے عزت بخشی۔ (5)

اور جب اس کو آزماتا ہے یعنی اس پر روزی تن
کردیتا ہے تو کہتا ہے میرے رب نے مجھے ذل
کیا۔ (16)

یوں نہیں بلکہ تم لوگ یتیم کی خاطر نہیں کرتے۔ (7
اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہ
دیتے۔ (18)

اور میراث کا سارا سامان سمیٹ کر کھا جا
ہیں۔ (19)

اور مال سے بہت زیادہ محبت کرتے ہو۔ (20
418۔ اے اطمینان پانے والی رو
(27) تو اپنے رب کی طرف لوٹ چل، تو اس سے
راضی اور وہ تجھ سے خوش (28) تو تو میرے بندو
میں شامل ہوجا (29) اور میری بہشت میں داخل
ہوجا (30)

...... پہ کہاں بچیں کہ دل ہے

رفعت سراج

بنی اسرائیل کا سونے کا بچھڑا آج ڈالر، پونڈ، یورو، درہم و دینار کی شکل اختیار کر چکا ہے۔
دل جذبات کا استعارہ ہے مگر اب وہ دل کہاں . . .
سونے کے بچھڑے میں دل بھی سونے کا ہے . . .
دل کو رویا جاتا ہے، جگر کو پیٹا جاتا ہے . . .
کبھی ناقدروں کے حوالے کر دیا جاتا ہے، باریاں ٹوٹ جاتی ہیں۔
الزام تراشیوں کا ایک طوفان بدتمیزی برپا ہو جاتا ہے۔
دل سے دل کو راہ بھی ہوتی ہے . . .
آج کا انسان براہ راست سٹیلائٹ کے ذریعے search کرنے کی کوشش کرتا ہے۔
دل اور سونے کا بچھڑا . . .
عبادات، معاملات . . .
جنت گم گشتہ کے بے دخل باسیوں کی ازلی کہانی . . .

رگ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا
غم اگرچہ جاں گسل ہے پہ کہاں بچیں کہ دل ہے
غم عشق گر نہ ہوتا، غم روزگار ہوتا
ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

قسط 25

زارا کے لیے یہ انتہائی اور پیچیدہ قسم کی صورت حال تھی...... پہلی مرتبہ اس نے خود اعتمادی کی کمی محسوس کی...... شاید یک دم خود کو دنیا میں تنہا اور غیر محفوظ محسوس کرنے لگی تھی۔ ماں کی موجودگی کا احساس جو کسی بھی انسان کو ایک انوکھی توانائی اور اعتماد بخشا کرتا ہے...... وہ ان اہم لمحات میں اپنے اندر ایک خالی پن محسوس کر رہی تھی۔

چار و ناچار اس نے آپا کی خدمت میں سلام پیش کیا جو اتنے مؤدبانہ اور دھیمے لہجے کا سلام سن کر اپنی جگہ سے پھڑک کر کھڑی ہو گئیں اور ''بے بے برکتے'' کے انداز میں اسے دبوچ کر سینے سے لگا لیا۔ جو گاؤں کی کسی بھی بیاہی لڑکی کی میکے آمد پر راستے ہی میں نچھاور ہونے لگتی ہے۔

''ماشاء اللہ...... ماشاء اللہ...... کتنی پیاری ہے...... اللہ نیک نصیب بنائے۔'' وہ زارا کی پیشانی چوم کر از خود رفتگی کے

عالم میں دعا دے رہی تھیں۔ خوشی کی ایک انتہا ہوتی ہے...... ان لمحات میں انسان اسی طرح توازن کھو سکتا ہے۔ جس طرح ناپسندیدہ حادثے کے وقت آسانی سے کھو دیتا ہے...... وہ خود کو مربوط نہیں کر پا رہی تھیں۔

زارا کا دم گھٹ رہا تھا۔ وہ ایسی بے ساختگیوں سے نا آشنا تھی۔ طبقۂ اشرافیہ میں پہلی بار ملنے کے کچھ آداب ہوتے ہیں، اپنائیت کے مظاہرے بھی بہت تکلف سے کیے جاتے ہیں بس گلے لگایا ایک علامتی بوسہ دیا اور اپنی، اپنی جگہ سنبھال کر بیٹھ گئے...... موسم سے بات شروع کی پھر معمول کی مصروفیات پر کچھ خیال آرائی ہوئی...... مسکراہٹیں، تکلیف، فاصلے یہ لپٹ جھپٹ، بے ساختگیوں تو اپر کلاس میں توانائی کا ''ناجائز'' استعمال گردانی جاتی ہیں...... اور اس کلاس کے کچھ مغرور لوگ تو ''جہالت'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

اس نے بہت محتاط انداز میں آپا کی گرفت سے خود کو چھڑایا اور تاجور کی طرف دیکھے بنا خاصے فاصلے پر بیٹھ گئی۔ اس لیے نہیں کہ اُن کی طرف دیکھنا بھول گئی تھی بلکہ اسے یاد تھا کہ ان کی طرف دیکھنا نہیں ہے۔ وہ اپنی دلی کیفیت ان پر ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھی۔ دل میں غم و غصہ دبا ہوا ہو تو نگاہیں چار کرنا ایسا ہی ہے جیسے پلکوں سے پتھر سرکانے کی کوشش کرنا۔

ساحل، تاجور کی موجودگی کی وجہ سے حد درجہ محتاط تھا۔ یہ احتیاط کے موسم تھے۔ اس کے بعد تمام بے احتیاطیاں اس کا حق بننے جا رہی تھیں۔

''مجھے تو امیر الدین نے بتایا مانو میرے تو اوسان خطا ہو گئے، میں نے اسے سمجھایا کہ دیکھو شادیاں اپنے جوڑ میں ہی اچھی ہوتی ہیں...... بچی جس عیش و آرام کی عادی ہے وہ تو ہم اسے نہیں دے پائیں گے...... پھر پتا نہیں وہ تمہارے ساتھ خوش بھی رہتی ہے یا نہیں...... بعد میں مسئلے مسائل پیدا ہوں گے...... دیکھیں ناں شادی کا مطلب تو گھر بسانا ہوتا ہے۔ گھر میں ہی سکھ چین نہ ہو تو شادی کا فائدہ؟

مگر اس نے کہا کہ آپ ٹینشن نہ لیں آپا بس آپ آ جائیں اور بیگم صاحبہ سے بات کر لیں سو میں آ گئی...... آنا پڑا...... اس کی ماں بھی میں ہوں اور باپ بھی۔ بڑی بہن تو خیر ہوں ہی۔''

ساحل کو عجیب طرح کی گھبراہٹ لاحق ہونے لگی...... آپا تو اورنج ٹرین کی طرح چل پڑیں جو جگہ، جگہ نہیں رکتی۔

زارا کو اس احساس سے کوفت نہیں، رونا آ رہا تھا کہ یہ جاہل یا illiterate سی عورت اس کی In law بننے جا رہی ہے۔

''بہت اچھا کیا آپ آ گئیں...... بات یہ ہے کہ آج کل شریف، محنتی، ویل ایجوکیٹڈ لڑکے بہت مشکل سے ملتے ہیں۔ اگر اللہ نے مجھے اپنی شانِ کریمی سے بے حساب نوازا ہے تو آپ بھی بہت بڑی نعمت سے مالا مال ہیں۔ ایک قابل نوجوان کی بہن ہیں۔'' تاجور، آپا کی کم اعتمادی یا احساسِ کمتری کو نوٹ کر چکی تھیں اس لیے خصوصی کلمات سے ان کے اندر اعتماد پیدا کرنے کی کوشش کی اور اس کوشش کا خاطر خواہ اثر بھی نظر آنے لگا...... آپا کے وجود میں نئے سرے سے توانائیاں انگڑائیاں لینے لگیں...... فخریہ انداز میں ساحل کی طرف دیکھا ان کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ سرپھرا سا بھائی ایک دن اسٹیٹس سمبل بن جائے گا۔

''اللہ کا لاکھ، لاکھ شکر ہے۔'' آپا نے دونوں ہاتھ اٹھا کر اللہ کا شکر ادا کیا۔

''اس نے کبھی وقت ضائع نہیں کیا ہمیشہ پڑھائی میں دل لگایا اس کو تو بس یہی دھن لگی رہی کہ بس زندگی میں بہت زیادہ آگے جانا ہے، ترقی کرنی ہے۔ کبھی بری صحبت میں نہیں بیٹھا...... کبھی کوئی گھر میں اس کی شکایت کرنے نہیں آیا۔'' تاجور کی حوصلہ افزائی کی دیر تھی اور آپا نے بھائی کی تعریفوں کے پل باندھ دیے، انداز میں فطری بے ساختگی تھی اور سچائی کا اپنا اثر ہوتا ہے۔ تاجور نے اپنے اندر گہری طمانیت اترتی محسوس کی انہیں اپنے درست انتخاب پر فخر محسوس ہوا۔



گا...... رشتہ لڑکی کی طرف سے جائے تو سمجھا جاتا ہے کہ لڑکی والوں کی پتا نہیں کیا مجبوری ہے جو اپنے منہ سے بیٹی کا رشتہ د
کی بات کر رہے ہیں جبکہ ہمارے مذہب میں بھی ایسی کوئی پابندی یا ممانعت نہیں ہے۔ یہاں تو بڑے عجیب حساب کتاب چ
پڑے ہیں...... دین کی روح کہیں نظر نہیں آتی، رسم و رواج کو دین کی طرح اپنا لیا ہے۔'' تاجور آہستہ آواز میں بول رہی تھی
اور آپا تھیں کہ بس ان پر فدا ہوئی جا رہی تھیں۔

زارا جو ساحل کی تعریفوں کی کثرت سے پریشان حال نظر آ رہی تھی ایک دم اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔

''اماں اب میں جا سکتی ہوں؟'' اس کا خیال تھا کہ آپا لڑکی دیکھنے آئی تھیں اور اب دیکھ چکیں۔

ساحل جو تاجور کی موجودگی کی وجہ سے حد درجہ محتاط تھا اور زارا کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہا تھا ایک عاشقِ صادق
طرح تڑپ کر رہ گیا...... بے اختیار زارا کی طرف دیکھا...... جس کی مہکتی موجودگی سے قلب و جان کو عجیب سی سرخوشی و تقوی
مل رہی تھی...... ذہن و دل تو مسلسل زارا کی ذات کی طرف متوجہ تھے...... ایک مسلسل تجسس تو بہر حال لاحق تھا۔ وہ اس
تنہائی میں کچھ کہنا چاہتی تھی...... اور ایسا کیا تھا جو اس نے آدھی رات کے بعد جگا کر صبح کہنے کی بات کی تھی۔

''کیا تم ہمارے ساتھ چائے نہیں پیو گی......؟'' تاجور کو عجیب سی کوفت نے آ لیا۔

''نہیں...... میرے سر میں بہت درد تھا اس لیے میں نے کافی پی لی تھی...... کافی پینے کے بعد چائے پینا ایسا ہی ہے جیس

سے آنے والے پانی کا بہاؤ روکنے کے لیے زور آزمائی کی جاتی ہے۔
آپا نثار ہوتی نظروں سے زارا کو سر سے پاؤں تک دیکھ رہی تھیں۔
''اوکے......'' تاجور نے کچھ محسوس کر لیا تھا...... اس لیے انتہائی مختصر الفاظ کے ساتھ اُسے اذنِ رخصت دیا...... زارا تو یوں وہاں سے نکلی گویا چودہ سال بامشقت کے بعد رہائی نصیب ہوئی ہو۔
ساحل اور آپا دونوں کی نظروں نے اس کا تعاقب کیا مگر وہ پلک جھپکتے میں منظر سے اوجھل ہو گئی۔
تاجور گہری نظروں سے آپا کے تاثرات ملاحظہ کر رہی تھیں۔ آپا کی آنکھوں میں بچوں کی سی بے ساختہ مسرت جھلک رہی تھی۔ تاجور کو ایک گونہ سکون محسوس ہوا...... اور آگے بات بڑھانے کا حوصلہ ہوا کیونکہ انہیں یہ تو اندازہ ہو ہی گیا تھا کہ آپا شاید آنے والے دنوں کے بارے میں کوئی حتمی اور فیصلہ کُن بات نہ کر سکیں۔
ساحل کا دل پھڑک، پھڑک کر نڈھال ہوا جاتا تھا...... گویا جانے والے، دل کو بھی ان دیکھی ڈور سے باندھے کھینچے چلے جاتے تھے...... خود غرض و دل پھینک انسان بہت خوش نصیب بھی ہوتا ہے کوئی بات دل پر نہیں لیتا...... خوش رہنے کے بہانے ڈھونڈ ہی لیتا ہے۔
معاً تاجور کی آواز اسے گہرے خیال سے باہر کھینچ لائی۔
''میں شادی جلدی کرنا چاہتی ہوں...... کیونکہ اب مجھے واقعی ایک بیٹے کی کمی محسوس ہونے لگی ہے۔ بزنس پھیلتا رہا، میں مصروف ہوتی گئی مگر اب اکیلے یہ سب سنبھالنا آسان نہیں رہا۔''
ساحل کو تو یوں محسوس ہوا گویا تاجور نے خزانوں کی چابی اس کے حوالے کر دی ہو...... اس نے بے اختیار ہو کر آپا کی طرف دیکھا۔ اسے خدشہ ہوا آپا کوئی ایسی بات نہ کر دیں کہ شادی میں خواہ مخواہ کی تاخیر ہو جائے...... مگر بڑی بہن کی موجودگی میں اپنی شادی کی تاریخ بھی خود نہیں دے سکتا تھا۔
''میں، امیر الدین سے بات کر کے آپ کو جواب دوں گی...... یہ بھی ٹھیک ہے جب شادی کرنا ہی ہے تو بلاوجہ تاخیر کیوں کی جائے؟ مگر کچھ تیاری تو کرنا ہوگی۔'' آپا کے معقول جواب پر ساحل نے سکون کی سانس لی جو سینے میں کہیں پھنسی ہوئی تھی۔
''تیاری سب ہم کریں گے...... بس آپ اپنی طرف کے کارڈز ضرور چھپوا لیں اور ہمیں بس اتنا بتا دیں کہ بارات میں آپ کی طرف سے کتنے لوگ ہوں گے۔ کیونکہ ہوٹل میں بکنگ کرانا ہوگی وہاں per head کا حساب ہوتا ہے۔''
''ہو...... ہوٹل میں......؟'' آپا نے گھبرا کر ساحل کی طرف دیکھا جو اَب خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا...... پہلی ملاقات میں کارڈ، بارات سب کچھ زیرِ بحث آ رہا تھا...... آپا کا ہونق پن قدرے خجالت کا باعث بن رہا تھا۔ جس کے اثرات محو کرنے کے لیے ساحل جلدی سے بول پڑا۔
''جی...... آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں...... ہمارے زیادہ سوشل کانٹیکٹس تو پنڈی میں ہی ہیں، چند رشتے دار کراچی میں ہیں بمشکل سات یا آٹھ ہوں گے۔ آفس کے لوگ اور کچھ دوست ملا کر کل پندرہ سولہ لوگ ہی ہوں گے۔''
''بس......؟'' تاجور نے حیرانی سے ساحل کی طرف دیکھا۔
''آپ کے رشتے دار پنڈی سے آ کر بھی تو شرکت کر سکتے ہیں۔''
''وہ بات یہ ہے کہ دوسرے شہر سے آنا کوئی آسان نہیں ہوتا۔ بڑا خرچہ ہو جاتا ہے...... پھر امیر الدین کے چھوٹے سے فلیٹ میں مہمان داری نہیں ہو سکتی......'' آپا نے اپنی مخصوص بے ساختگی کے ساتھ سیدھا جواب دیا۔
''ارے...... stay کا کوئی مسئلہ نہیں...... ہوٹل میں رومز بُک کرائے جا سکتے ہیں...... وہاں مہمانوں کو ٹھہرائیں

گزر رہی تھیں۔ سیدھا، سیدھا لاکھوں کا خرچہ......
''وہ...... ابھی ہماری اتنی گنجائش کہاں......'' وہ دبی آواز میں گویا ہوئیں۔
''یہ میری ذمّے داری ہے...... یہ خرچے ورچے کی ٹینشن نہ لیں...... یہ آپ کا مسئلہ نہیں ہے۔''
ساحل تو سنتے ہی ریشہ خطمی ہو گیا۔ جی چاہا پورا راولپنڈی invite کر لے...... تاکہ دو شہروں کے لوگ امیر الد
ساحل کی شادی میں شرکت کریں اور مدتوں اس شادی کا تذکرہ کریں۔
''ارے نہیں...... آپ کیوں بلاوجہ اتنا خرچہ کریں...... ہم کیوں آپ پر بوجھ ڈالیں...... میرے میاں اور بچے الب
شادی میں ضرور شریک ہوں گے۔'' آپا نے خاکساری و انکساری کا حق ادا کر دیا۔
''جیسے آپ کی مرضی......'' تاجور کو اصرار کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ شہر سے چار سو کے لگ بھگ مہمان تو ان کے اپنے
ہونے کا امکان تھا۔ کاروباری لوگوں کے سماجی رابطے سالوں سے بن رہے ہوتے ہیں اور ایسے موقعوں پر سب کو یاد رکھنا پڑتا ہے۔
اسی وقت ملازم نے میز پر چائے لگنے کی اطلاع دی۔
''چلیے چائے پیتے ہیں...... باقی باتیں چائے کے ساتھ......'' تاجور نے کھڑے ہو کر آپا اور ساحل کو باہر کی طرف چلنے
اشارہ کیا۔
''تاریخ تو لڑکی والے دیتے ہیں......'' آپا کو قدم بڑھاتے ہی یاد آ گیا۔ ساحل نے آپا کو بات کرنے سے روکنے کے
لیے اشارہ کرنے کی کوشش کی مگر تاجور فوراً ہی بول پڑی تھیں۔
''جی...... بالکل تاریخ ہم ہی دیں گے۔''
''اللہ نے تو آپ کو دینے والوں میں بنایا ہے...... بیٹی سمیت سب کچھ آپ ہی دے رہی ہیں...... ہمارے پاس ت
بس اللہ کا دیا ہوا یہ لڑکا ہی ہے۔'' آپا کی حد درجہ انکساری ساحل کو اس کی دانست میں بہت بے توقیر کر رہی تھی...... مگر مجبوری
تھی...... آپا کے بغیر بات آگے بھی تو نہیں بڑھ سکتی تھی بس بغلیں جھانک کر رہ گیا۔
تاجور کی تقلید میں دونوں ڈائننگ کی طرف بڑھ رہے تھے...... آپا ایک، ایک شے کو یوں دیکھتی آگے بڑھ رہی تھیں جیسے
چک جھمرہ کے کسی دور افتادہ بے گھروں سے آباد گاؤں کا کوئی باشندہ خواب میں ڈزنی لینڈ پہنچ گیا ہو۔

☆☆☆

''احتیاط کے ضمن میں یہ ٹیکسٹ کر رہا ہوں کہ شاید آپ unknown نمبر اٹینڈ نہ کرتی ہوں...... آپ کی خاطر یہ سم
آج ہی حاصل کی ہے آپ نمبر save کریں، میں پانچ منٹ بعد آپ کو کال کرتا ہوں پرنس شہپر......''
سفینہ حیرت و خوشی کی انتہا پر منہ کھولے آنکھیں پھیلائے میسج پڑھ رہی تھی۔ مزے کی بات یہ لگ رہی تھی کہ میسج پرنس نے
اردو میں ٹائپ کیا تھا رومن یا انگلش میں نہیں......
یوں لگ رہا تھا۔ ''مہرالنسا'' نے کبوتر کی چونچ سے محبت نامہ وصول کیا ہو...... ایک بار نہیں...... کئی بار پڑھا۔
''آپ کی خاطر......'' یہ تین الفاظ...... گویا محبت کا احساس بارش کی طرح برس رہا تھا...... جذبات میں وہ لطافت تھی کہ
زندگی کا مطلب سمجھ آ گیا تھا...... پل، پل دل سے ایک میٹھی سی لہر اٹھتی تھی جس کی لذت سے وہ بے خود ہوئی جاتی تھی...... جی
چاہتا تھا یہ انوکھے اور خوشگوار جذبات ابدی ہو جائیں اور دنیاداری کے سب کام بھاڑ میں جائیں۔
''آپ کی خاطر......'' وہ سرشاری کی کیفیت میں مسکرا رہی تھی۔ اس کی خاطر پرنس نے اپنے اصول قربان کرنے کی
ابتدا کر ڈالی تھی...... اور یہ عشق کی بے ساختگی کی ضمانت تھی۔

''ہیلو......'' جذبات کے غلبے سے آواز میں ہلکی سی لرزش تھی۔
''السلام علیکم......'' پرنس کی مردانہ کشش سے لبریز دھڑکنیں بے ترتیب کر دینے والی آواز سماعت سے ٹکرائی۔
''وعلیکم السلام......'' سفینہ گھبرائی ہوئی تھی، بس بے اختیار وعلیکم السلام کہہ دیا...... اس وقت وہ گاؤں کی اس گوری کی مثال تھی جس کا ساجن اچانک پردیس سے واپس آ کر سامنے آ کھڑا ہو...... اور وہ شرم و خوشی سے ادھ موئی ہوئی جاتی ہو۔
''ابھی تو ابتدا ہے...... آگے، آگے دیکھیے کیا حال ہوتا ہے ہمارا...... کوئی چاند تارے توڑ کر لانے کی بات کرتا ہے، کوئی پہاڑ چیر کر دودھ کی نہر نکالتا ہے...... میں نے سب سے بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔'' پرنس کی آواز میں دھیما پن تو وہی تھا جو اس کی شخصیت کا خاصہ تھا مگر اس دھیمے پن پر شوخی کا عنصر غالب تھا جس نے دھڑکنوں کو گھنگرو پہنا دیے تھے، سفینہ کی سانسیں بے ترتیب ہو رہی تھیں...... جذبات کا غلبہ اسے سراسیمہ کر رہا تھا...... بھرے بادل کی طرح کھل کر برسنے کو بھی جی چاہتا تھا اور سات پردے لپیٹ کر چھپ جانے کا جذبہ بھی سر ابھار رہا تھا۔
''ارے آپ تو بالکل خاموش ہو گئیں...... میں نے وعلیکم السلام سننے کے لیے تو سیٹلائٹ کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے......'' پرنس کی سرگوشی کا تاثر دیتی آواز سماعت سے ٹکرائی۔
''جی میں سن رہی ہوں......'' گھبراہٹ میں منہ سے نکل گیا۔
''میں نہ غزل سنا رہا ہوں نہ گیت...... مجھے تو آپ کی ڈھیروں شکایتیں سننا ہیں...... چلیے شروع ہو جائیں...... نمبر ون......'' پرنس کی شوخی جان لیوا ہونے لگی...... سفینہ نے دل تھام لیا۔
''آپ سے کس نے کہہ دیا کہ مجھے آپ سے شکایتیں ہیں......؟'' سفینہ کی ادائیں خود کار نظام کے تحت محبوبانہ و دلبرانہ ہونے لگیں۔
''پرسوں سے کچھ دیر پہلے تک میرے دل میں خوشگواری کی کوئی لہر پیدا نہیں ہوئی...... جس کا سیدھا سا مطلب ہے کہ جس سے آٹھ پہر کا روحانی رابطہ ہے، وہ اداس یا پریشان ہے...... اور اس کی یہ کیفیت میں وصول کر رہا ہوں۔'' سفینہ کا منہ حیرت سے کُھلے کا کُھلا رہ گیا۔ آنکھیں دیوار کی طرف اٹھیں اور مہر کی طرح گویا چسپاں ہو گئیں۔
کتنی نرالی باتیں کرتا تھا...... جن کا فوری جواب تک بجھائی نہیں دیتا تھا۔
''سفینہ جو دل میں ہو کہہ دینا چاہیے...... سچائی میں بہت کشش و طاقت ہوتی ہے، سچائی کا پرستار سچ سن کر کبھی برا نہیں مناتا بلکہ سچائی کی لذت سے لطف اندوز ہوتا ہے...... نیچر کو انجوائے کرتا ہے۔'' پرنس نے اس کی خاموشی کو توڑنے کی سر توڑ کوشش کی۔
''جی...... definitely انتظار اور مس کمٹ منٹ سے تکلیف تو ہوتی ہے۔'' سفینہ کو بہر حال جواب دینا پڑا۔
''آئندہ سے انتظار کو انجوائے کرنا...... تکلیف تو بدگمانی سے ہوتی ہے۔ مجھے تم سے صرف اور صرف ایک احساس چاہیے کہ تم میری محبت کی قدر کرتی ہو، مجھ پر اعتماد کرتی ہو، زندگی دھوکا دے سکتی ہے۔ پرنس کی ڈکشنری میں یہ لفظ ہی نہیں۔ کسی ایک کا ہو کر جینے میں جو مزہ ہے یہی زندگی کا ایسنس ہے، میری زندگی اتنی خوب صورت ہو چکی ہے کہ جب صبح اور رات گئے مراقبہ کرتا ہوں تو کائنات کا چھپا ہوا حسن بارش کی طرح برستا ہوا محسوس ہوتا ہے۔'' پرنس کی مخمور آواز میں اتنی تاثیر و کشش تھی کہ سفینہ ایک دم چونک پڑی۔
''آپ مراقبہ کرتے ہیں......؟ یہ تو صوفی لوگ کرتے ہیں...... میرا مطلب ہے اللہ والے کرتے ہیں......'' سفینہ گڑبڑا کر قدرے بدحواس ہوئی۔ پرنس کا جاندار قہقہہ سماعت سے ٹکرایا...... دل سکڑا اور پھیلا۔
''سب اللہ والے ہیں...... اس کائنات کی کوئی شے اللہ کے بغیر ہے؟'' پرنس سوال کر رہا تھا...... اور لاجواب بھی......
''جی، جی...... آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں......'' سفینہ کو فوری طور پر یہی جواب سوجھا...... ساتھ ہی چہرے سے پسینہ صاف کیا۔
''...... پرنس کے انداز میں ...... کے باوجود ایک وقار کا تاثر بھی نمایاں تھا۔

''آپ کے لیے مشکل تو نہیں...... آپ آسکتے ہیں۔'' سفینہ محجوب انداز میں گویا ہوئی۔
''آپ کو نہیں پتا بہت مشکل ہے......'' پرنس دھیرے سے ہنس دیا۔
''جی......؟'' سفینہ پریشان ہوئی۔
''حیران ہونے کی بھی کوئی حد ہوتی ہے، ایک لڑکی جو ابھی میری بیوی نہیں بنی، میرا اس پر اختیار نہیں...... پھر اسے ...
سے بھی ملنا نہیں ہونا چاہیے۔''
''مائی گاڈ......'' سفینہ کے دماغ کے تو جیسے پرخچے اڑنے لگے۔
''لیکن اس سے پہلے بھی تو ہماری کئی بار ملاقات ہوئی ہے......'' اس کے منہ سے بلا ارادہ نکل گیا تھا۔
''آس پاس اور بہت لوگ بھی تھے...... اصل میں بنیادی طور پر انسان بہت کمزور شے ہے...... لوگ کہتے ہیں کسی ...
اندھا بھروسا نہیں کرنا چاہیے...... میں کہتا ہوں اپنے آپ پر اندھا بھروسا نہیں کرنا چاہیے...... کسی کمزور لمحے کے گزر جا...
کے بعد روح اداس ہو جاتی ہے...... اسی لیے میں نے سوچا ہے کہ آپ کے فائنل سمسٹر کا انتظار نہیں کیا جائے گا...... میر...
گرینڈ مام کہتی ہیں کہ میں اگلے مہینے تمہاری شادی کرنا چاہتی ہوں۔''
پرنس نے ایک دھماکا کر دیا تھا۔
سفینہ کی تو حالت غیر ہونے لگی......
''ش...... ش...... ا...... دی......؟''
''دیکھا آپ کو اس اناؤنسمنٹ سے کتنی خوشی ہوئی...... بات کرنا مشکل ہو گیا۔'' پرنس کی شوخی نے رہی سہی کسر پوری کر دی...
''شادی کے بعد ہم کچھ عرصہ لاہور میں ہی ہوٹل میں رہیں گے...... چند ماہ بعد آپ فارغ ہو جائیں گی اور ہم واپس کراچی......
''اور گرینڈ مام......؟'' سفینہ نے برجستہ پوچھ لیا...... جواب میں پرنس کا قہقہہ بہت جاندار تھا...... سفینہ پر گویا گھڑوں پانی پڑ گیا۔
''گڈ یعنی آپ نے done کر دیا......؟'' پرنس نے شرارت کے انداز میں پوچھا تھا۔
''done تو اماں ہی کر سکتی ہیں۔'' اس نے یہ کہہ کر اپنی طرف سے رابطہ منقطع کر دیا اور پھر فوراً ہی پاور ڈ آف کر دیا...... اب اسے دھڑکنیں مرتب کرنے کے لیے مہلت درکار تھی۔

☆☆☆

چائے پینے کے بعد تاجور نے ساحل کو چونکا دیا۔
''میں فوزیہ (آپا) سے پرائیویسی میں کچھ ضروری بات کرنا چاہتی ہوں...... آپ دو گھنٹے کے لیے آفس کے کام دیکھ آئیں پھر فوزیہ کو پک کر لیں۔''
آپا نے بری طرح ٹپٹا کر ساحل کی طرف دیکھا تھا...... دو گھنٹے تک وہ اس سے کیا باتیں کریں گی......؟ کچھ الٹا سیدھا منہ سے نہ نکل جائے اور بھائی کا بنتا ہوا کام بگڑ جائے، یہ اکل کھرا تو پھر زندگی میں بہن کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھے گا۔
ساحل اپنی جگہ فکر مند نظر آیا۔
تاجور دو گھنٹے کے لیے اسے منظر سے ہٹا رہی تھیں...... یہ بھی تو کہہ سکتی تھیں کہ آپ اتنی دیر زارا کی کمپنی میں وقت گزاریں ایسی باتیں کریں...... مگر تاجور کے سامنے اپنی بات رکھنے کی مجال نہیں تھی...... اس کے لیے تو تاجور کا کہا حکم کا درجہ رکھتا تھا۔
''او کے......'' اس نے لاشعوری طور پر اپنی رسٹ واچ پر نگاہ دوڑاتے ہوئے کہا اور فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔
آپا نے معصوم بچے کی طرح فریادی نظروں سے دیکھا تھا جیسے کہہ رہی ہوں...... ''مجھے یہاں اکیلا چھوڑ کر مت جاؤ......''
''ٹھیک ہے آپا......! آپ ایزی فیل کریں میں دو گھنٹے ...... واپس آجاؤں گا۔''

الفاظ کا چناؤ تاجور کے لیے تھا اور لہجہ ذو معنی... آپا کے لیے تھا......

''ٹھیک ہے۔'' آپا نے سر ہلایا...''ٹھیک ہے۔'' یوں کہا جیسے کہہ رہی ہوں بہت ہی غلط ہے۔

ساحل فوراً ہی منظر سے اوجھل ہو گیا تھا۔

''آپ بالکل بھی پریشان نہ ہوں...... اب بات وہاں تک آ گئی ہے کہ سمجھیں آپ ہماری فیملی ممبر ہیں آج سے......''

تاجور، آپا کی پریشانی محسوس کر چکی تھیں۔

اپنی باتیں کرنے سے پہلے ضروری تھا کہ آپا کے اعصاب پر کوئی بوجھ نہ ہو......

''کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ مردوں کے سامنے کرنا اچھا نہیں لگتا...... اب دیکھیے ناں آپ ساحل کی بڑی بہن بھی ہیں اور ماں بھی...... زارا کے لیے تو آپ کی اہمیت سب سے بڑھ کر ہے۔''

تاجور کی بات سن کر درحقیقت آپا کا اعتماد بحال ہونے لگا۔

''شادی کی جلدی اس لیے ہے کہ مجھے کئی ماہ کے لیے ملک سے باہر رہنا ہوگا۔ اسپین میں ہمارا اپنا آفس بن چکا ہے...... وہاں کا سیٹ اپ دیکھنے کے لیے میرا وہاں ہونا ضروری ہے۔''

تاجور بول رہی تھیں اور آپا مارے عقیدت کے دوہری ہوئی جا رہی تھیں۔

''کیسی جی دار مردنما عورت ہے...... ایک ہم ہیں گھر سنبھالنے کے چکر میں ہی پاگل ہوئے جاتے ہیں۔'' انہوں نے سوچا۔

''جی...... میں تو آپ سے زیادہ جلدی میں ہوں...... اللہ جھوٹ نہ بلوائے اس ایک سال میں، میں نے اکیس لڑکیوں کے رشتے امیر الدین کو بتائے...... بچوں سے کہتی ماموں کو فوٹو سینڈ کرو...... ساتھ ہی لکھ دو کہ کتنا پڑھی ہوئی ہے اور کیا کر رہی ہے...... مگر بھی اس کو کوئی سمجھ نہ آئی...... اب اللہ کا حکم تو اِدھر کے لیے تھا ناں...... اسے کوئی کیوں سمجھ آتی۔''

اوسان بحال ہوتے ہی آپا نے اپنی فطرت کے عین مطابق پورا قاعدہ پڑھ دیا۔ تاجور اس سادگی پر بے ساختہ مسکرا پڑیں...... قدرت ان کا بھرپور ساتھ دے رہی تھی۔

''اب آپ آ گئی ہیں تو نکاح کر کے جائیں، پندرہ دن بعد رخصتی رکھ لیتے ہیں نکاح کے بعد اس کپل کا نیا گھر سیٹ کرنا ہوگا...... زارا رخصت ہو کر نئے گھر میں ہی جائے گی۔''

''مگر میں تو کل واپس چلی جاؤں گی......'' آپا نے پریشان ہو کر قطع کلامی کی رُات تو اب سر پر کھڑی تھی۔

''ابھی آپ کی سیٹ تو confirmed نہیں ہے۔'' تاجور نے اپنی یادداشت پر زور دیتے ہوئے بتایا کیونکہ آپا کے آنے جانے کا انتظام تو ان کے ذمے تھا۔ ان کے سکریٹری نے ان سے پوچھا ہی تھا کہ ریٹرن ٹکٹ ہوگا یا ون وے......؟ تو انہوں نے ون وے ہی کہا تھا کیونکہ ان کے ذہن میں بہت کچھ تھا۔ وہ آپا کی آمد کو ہر صورت کارآمد بنانے کا سوچ رہی تھیں۔

''ابھی آپ کی سیٹ کنفرم نہیں ہے...... آپ فکر نہیں کریں کل عصر، مغرب کے درمیان نکاح رکھ لیتے ہیں...... رات نو بجے کی سیٹ مل جاتی ہے تو آپ واپس چلی جائیے گا ورنہ صبح سویرے کی کوئی سیٹ تو مل ہی جائے گی......'' تاجور کا انداز تسلی دینے والا تھا۔

آپا نے سر جھکا کر چند ثانیے سوچا پھر بولیں۔

''میاں، بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی...... ! اچھا ہے میرے دماغ کو بھی کچھ سکون ملے گا...... اماں بھی کبھی، کبھی خواب میں آتی ہیں تو لگتا ہے ان کو تو اس دنیا سے جا کر بھی سکون نہیں، امیر الدین کی فکریں لگی ہوئی ہیں۔''

تاجور نے ایک گونہ سکون کی سانس لی...... تمام معاملات ان کے حق میں جا رہے تھے۔

تاجور نے چند ثانیے کچھ سوچا پھر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''میں بس دو منٹ میں واپس آتی ہوں...... آپ کے لیے اچھی سی چائے بنواؤں......؟''

''ابھی چائے پے دیر ہی کتنی ہوئی ہے......'' آپا نے چاہ کے باوجود ذرا شرما کر تکلف فرمایا۔

''وہ تو باتوں میں ٹھنڈی ہو گئی ہوگی...... میں نوکر سے کہتی ہوں کہ آپ کو چائے دے...... اور میں دو منٹ میں واپس آ ہوں۔'' یہ کہتے ہی وہ ڈرائنگ روم سے نکل گئیں۔

آپا پھر الجھ گئیں ان کی کیفیت تو گا ہے، گا ہے بدل جاتی تھی۔ یوں گویا کہ کوئی دیہاتی حادثاتی طور پر خواب میں طلسماتی دنیا میں پہنچ گیا ہو۔

وہ ڈیکوریشن پیس کی کرسٹل کی گڑیا کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگیں جو دھیرے، دھیرے رقص کر رہی تھی اور روشنی دلفریب انتظام کی وجہ سے کرسٹل یوں چمکتے تھے جیسے سیاہ رات میں ستارے ٹمٹماتے ہیں۔

☆☆☆

زارا نے اطالوی طرز کے دریچے سے ساحل کو تنہا کار میں جاتا دیکھ لیا تھا...... عذاب ناک بے قراری کی وجہ سے نہ بیٹھ چین تھا نہ کھڑے...... وہ دیوانی غائب دماغی کی کیفیت میں دریچے کے شیشے سے ناک چپکائے باہر جھانک رہی تھی۔

فرسٹ فلور پر بنے ہوئے تمام بیڈ رومز کی خصوصیت یہ تھی کہ گھر کا داخلی بیرونی حصہ واضح نظر آتا تھا۔

اس نے ساحل کو کار بیک کر کے باہر لے جاتے دیکھا تو اس کے برابر والی سیٹ بالکل خالی نظر آئی تھی اور جیسے ہی کا تھوڑا سا مڑی تو پچھلی سیٹ پر بھی کوئی نظر نہیں آیا۔

''پر بڑی بہن کو وہ بیک سیٹ پر کیوں بٹھائے گا......'' اس نے سوچا۔

''کیا وہ پہلے چلی گئیں؟'' ایک تجسس لاحق ہونے لگا۔ وہ بالکنی کا دروازہ کھول کر بے تابی سے بالکنی میں آئی تھی کیونکہ بالکنی سے کار پورچ واضح نظر آتا تھا...... پورچ میں گھر کی تمام گاڑیاں اپنی صبح والی ترتیب سے کھڑی ہوئی تھیں۔

''تیا......؟ اس ڈفر لوفر کی سسٹر کہاں غائب ہو گئیں؟'' بے بسی اور دلائل کی عدم دستیابی کی صورت میں انسان کے پاس صرف گالیاں ہی بچتی ہیں۔

جی چاہا کمرے سے باہر جا کر صورتِ حال ملاحظہ کرے...... مگر ہمت نہ ہوئی مبادا تاجور اور آپا اسے لاؤنج میں براجمان نظر آ جائیں۔

''ساحل اکیلا واپس چلا گیا؟''

یہی سوال گردش کر رہا تھا...... فکر، پریشانی، تجسس مختلف جذبات کی یلغار تھی......

''شاید اس کی آپا اِدھر ہی stay کریں گی۔'' معاً اسے منطقی نکتہ سُوجھ گیا۔

''اُفوہ...... کہیں مجھے ڈنر پر ساتھ بیٹھنا نہ پڑے...... مجھے تو سمجھ ہی نہیں آ رہی اس بونگی سی خاتون کے ساتھ بات چیت کیسے کی جائے۔ common interest والی تو ایک بات نہیں...... اور جو رات یہیں رک گئیں تو میرے بیڈ روم میں آ کر دھرنا نہ دے دیں۔'' زارا درحقیقت ایک ذہنی عذاب میں مبتلا ہو چکی تھی۔

جو کچھ وہ ساحل سے کہنا چاہتی تھی وہ ہنوز گیس کا گولہ بن کر اس کے پیٹ میں گھوم رہا تھا...... اتنے بوجھ ہوں تو طبیعت تو خود بخود بوجھل ہوگی...... اسے تو یوں لگ رہا تھا جیسے اسے قیدِ بامشقت ہو گئی ہو اور قید خانے میں آزاد دنیا میں گزاری ہوئی زندگی یاد آ رہی ہو۔

☆☆☆

''یہ یہ...... کیا ہے؟'' آپا کی آواز حلق سے پھنس، پھنس کر نکل رہی تھی۔ تاجور کے ہاتھ میں پانچ ہزار کے نوزائیدہ خوشبودار نوٹوں کا پیکٹ تھا۔ جس کے گرد سفید کاغذ کی پٹی لپٹی ہوئی تھی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ پیکٹ سے ایک نوٹ بھی نہیں نکالا گیا تھا۔

تاجور نے پیکٹ آپا کی گود میں ڈال دیا تھا

کنڈلی مارے بیٹھا ہو۔
''پانچ لاکھ ہیں۔'' آپ کو اور ساحل کو کچھ نہ کچھ تیاری اپنی طرف سے کرنی ہوگی...... آپ اپنے اور بچوں کے برانڈڈ ڈریس خریدیں...... کیونکہ ہمارے ملنے جلنے والے پہلی بار آپ سے شادی میں ملیں گے۔''

آپا کی خودداری کو ایک زبردست دھچکا لگا۔

''آپ فکر نہ کریں، ہم آپ کو شرمندہ نہیں ہونے دیں گے...... ہم اپنی تیاری کر لیں گے، آپ پریشان نہ ہوں۔'' آپا سر جھکا کر بولیں۔ ابھی تک انہوں نے پیکٹ کو چھوا تک نہیں تھا۔

''آپ خدانخواستہ یہ سمجھ رہی ہیں کہ میں آپ کی انسلٹ کر رہی ہوں ایسی بات نہیں...... آپ اس طرح سے سمجھیں کہ لڑکی جو اپنے جہیز میں سسرال والوں کے لیے کچھ کپڑے وغیرہ لے کر جاتی ہے غالباً اس رسمی کارروائی کا نام ''پہناوَنیاں'' ہے، ہم نے تو دینا ہی ہیں، آپ اور بچے اور ساحل اپنی پسند سے لیں گے تو زیادہ خوشی ہوگی۔''

''اچھا...... ''پہناوَنیاں......'' سادہ سی آپا فوراً بہل گئیں۔ پانچ ہزار کے نئے ان چھوئے نوٹوں کی خوشبو میں کالے جادو جیسی تاثیر ہوتی ہے، جس کے اثر سے بچنا ناممکن نہ سہی مشکل ضرور ہوتا ہے۔

''مگر یہ بہت زیادہ ہیں......'' آپا نے چھوئی موئی بن کر اب پیکٹ گود سے اٹھالیا اور تاجور کی طرف بڑھاتے ہوئے بولیں۔

''کوئی زیادہ نہیں...... ہلکے سے ہلکا برانڈڈ سوٹ بھی دس ہزار سے کم میں نہیں آتا...... آپ کو جو اچھا لگے خریدیں...... پیسوں کی تو ٹینشن ہی نہیں لیں۔''

''ہلکا سوٹ وہ بھی دس ہزار کا......! ارے اللہ میری توبہ......''

آپا کو ونڈو شاپنگ کی فرصت تھی نہ شوق...... بڑے بڑے مالز کو باہر سے ہی دیکھ کر خوش ہو جاتی تھیں...... بچیوں کو بہت روک ٹوک کے ساتھ پالا تھا، وہ بھی اِدھر اُدھر گھومتی نظر نہیں آتی تھیں...... اپنے وقت اور حالات کے حساب سے زندگی گزار رہی تھیں۔ ماں کی آنکھوں سے خواب دیکھتی تھیں...... حقیقت پسند اور فرمانبردار تھیں کبھی فرمائشیں، ضدیں کر کے ماں کو ہلکان نہیں کرتی تھیں۔

''پہناوَنیاں'' سن کر تو سارے خوابیدہ خواب آنکھیں ملتے اٹھ کھڑے ہوئے چشمِ تصور میں خود کو مہنگے مال میں دیکھ کر گویا مسرت سے کانپنے لگیں۔ قوتِ خرید کے اعتماد سے آنکھیں جھلملانے لگیں۔

''اتنا قابل، محنتی، کوالیفائڈ لڑکا...... جس کی کامیابیوں کے پیچھے یقیناً آپ کا ہاتھ ہوگا...... اب اتنا تو حق بنتا ہے آپ لوگوں کا......'' تاجور نے آپا کا بحال ہوتا ہوا اعتماد محسوس کر کے گویا مہر لگا کر یہ باب ہی بند کر دیا۔

کرنسی نوٹوں کی مہک نے گویا مشامِ جاں معطر کر کے رکھ دیے...... وہ کانپتے ہاتھوں سے ہینڈ بیگ میں رکھ رہی تھیں۔

تاجور یوں ہلکی پھلکی نظر آئیں جیسے اُن نوٹوں میں بہت وزن تھا...... جو ان کے سر اور کاندھوں پر دھرا تھا۔

''چلیں اب کھلی ہوا یعنی لان میں بیٹھ کر کل کا پروگرام فائنل کرتے ہیں۔'' اب انہوں نے آپا سے کہا۔

آپا روبوٹ کے انداز میں ان کے پیچھے چل پڑیں۔

☆☆☆

''really...... نیکسٹ منتھ شادی کرنا چاہتے ہو؟'' لیڈی صوفیہ لائبریری میں اپنی مطلوبہ کتاب تلاش کرنے کے بعد ذرا دم لینے کو سنہری تخت نما کاؤچ پر لیٹی ہوئی تھیں...... پرنس جو اُن کی تلاش میں لائبریری تک آ پہنچا تھا۔ انہیں اطمینان کی حالت میں دراز پایا تو وقت ضائع کیے بغیر اپنے دل کی بات کہہ ڈالی کیونکہ اسے شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ اب وہ ہر پل سفینہ کو اپنے ساتھ دیکھنا چاہتا ہے...... ذہن کسی کام پر یکسو نہیں ہو پاتا تھا...... اس کے معمولات بری طرح متاثر ہو رہے تھے...... وہ روحانی سفر جو بس اللہ کے حکم سے بلا ارادہ و نیت شروع ہو گیا تھا۔ اب یوں لگتا تھا منزل سے پہلے کثرت سے پڑاؤ

''جی...... کیونکہ یہ ایک نیچرل فیل اور پراسس ہے اسے ان نیچرل رویوں سے kill نہیں ہونا چاہیے۔''

"excellent n wonderful" لیڈی صوفیہ اٹھ بیٹھنے کے لیے بے تاب ہو گئیں...... پرنس نے سہارا دے کر ان کی مدد کی۔

''لیکن ابھی اس کا فائنل باقی ہے...... ہم committed ہیں...... نئی بات کرنا ہمیں سوٹ نہیں کرتا پرنس......'' لیڈی صوفیہ کو ایک خیال آیا اور ان کا مسکراتا ہوا چہرہ تفکرات کے جال میں مقید نظر آیا۔

''بس میری سفینہ سے بات ہو گئی ہے...... وہ انڈر اسٹینڈ کر رہی ہے......'' پرنس نے دادی کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر نرمی سے دبایا...... لیڈی صوفیہ کھل اٹھیں۔

''good God...... پھر تو کوئی ایشو ہی نہیں تمام barriors ٹوٹ گئے...... ٹریک بالکل smooth ہے۔ والٹ ڈزنی نے کیا خوب کہا ہے۔

If you can dream it'you can do it (اگر آپ خواب دیکھ سکتے ہیں تو خواب کو عملی جامہ بھی پہنا سکتے ہیں) کچھ طے کر لیا ہے تو کر ڈالو...... اگر مگر اور next مت کھیلو...... یہ تو میرے دل کی پکار ہے...... تمہاری محبت اور تاجور کی مجبوری کو میں نے محبت کی قوت کے بل بوتے پر برداشت کیا...... ورنہ میں چاہتوں میں delay practice کی قائل نہیں ہوں۔'' لیڈی صوفیہ فرطِ مسرت سے کانپ رہی تھیں۔

فطری جذبات کو فطرت کی رضامندی کے خلاف روکنا یا kill کرنا تو فطرت کے خلاف کھلا اعلانِ جنگ ہے۔

لڑکیاں بزنس پڑھ رہی ہیں ان کی مرضی...... اللہ نے حکم نہیں دیا...... عورت کی کوئی مجبوری نہ ہو تو وہ ڈومیسٹک لائف انجوائے کرے...... عورت اپنے بچوں کے ساتھ مکمل ہوتی ہے۔

میں آج ہی تاجور سے ملنے جاؤں گی...... schedule کرو......'' لیڈی صوفیہ مارے جذبات کے کھڑی ہو گئیں بغیر سہارے کے...... کہ خوشی میں بے اندازہ قوت ہوتی ہے...... جس کا عملی مظاہرہ لیڈی صوفیہ نے ابھی، ابھی کیا تھا...... اور پرنس ہاتھ بڑھانے کا سوچتا ہی رہ گیا تھا۔

''ارے گرینڈ مام آپ تو ایک دم ایموشنل ہو گئیں...... ابھی ان سے کانٹیکٹ کر کے پوچھنا ہوگا کہ کل وہ ٹائم دے سکتی ہیں یا نہیں...... ان کا اپنا پراپر شیڈول ہوتا ہے...... ہم خود ہی سے وہاں جا کر تو نہیں بیٹھ سکتے......'' پرنس نے کھڑے ہو کر بہت نرمی و پیار سے لیڈی صوفیہ کو شانوں سے تھام لیا۔

''Oh, yes, it's ok...... واقعی میں تو کچھ زیادہ ہی ایکسائٹڈ ہو گئی۔'' لیڈی صوفیہ اب قدرے محجوب نظر آئیں۔

''منیجر سے کہو وہ تاجور کو کانٹیکٹ کرے اور ملاقات کا ٹائم سیٹ کر کے ہمیں بتائے...... اور یہ کام آج ہی کیا جا سکتا ہے...... اور یہ کام منیجر ہی کو کرنا چاہیے...... میری حالت تو اب بچوں جیسی ہے...... خود کو کنٹرول کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور میں فون پر شادی کی بات نہیں کرنا چاہتی...... ان کے لیے shocking ہو سکتا ہے۔ am I right?'' اپنی بات کر کے انہوں نے پرنس کو سر اٹھا کر دیکھا اور تائید چاہی۔

''تھینک گاڈ آپ نے خود ہی درست فیصلہ کر لیا...... ورنہ میں یہی سوچ رہا تھا کہ آپ ڈائریکٹ بات کریں گی تو...... ففٹی پرسنٹ تو فون پر ہی بتانا پڑے گا۔''

"mean I am very smart still" لیڈی صوفیہ بچوں کی طرح خوش ہو کر بولیں۔

"you are so amazing" پرنس نے دادی کو سراہتے ہوئے بے اختیار گلے سے لگا لیا۔ آنے والے خوشگوار دنوں کے احساس سے اب دونوں ہی سرشار تھے۔

☆☆☆

تاجور کو لان میں آپا کے ساتھ بیٹھے تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ اہم فون کالز آنا شروع ہوگئیں...... اور وہ تذبذب کا شکار ہوگئیں...... کالز بھی اتنے ذمے دار لوگوں کی تھیں کہ وہ نظرانداز نہیں کرسکتی تھیں...... وہ ساحل کو دو گھنٹے بعد پک کرنے کا کہہ چکی تھیں...... وہ دو گھنٹے تک صرف آپا سے باتیں کرنا چاہتی تھیں۔ رشتہ تو پسند کرلیا تھا معاملات بھی تقریباً طے تھے مگر ایک کُھد بدی دل میں ہورہی تھی...... یہی وجہ تھی کہ وہ اب کہنے کے بجائے صرف سننے کے موڈ میں تھیں...... کہ بندہ بات کرتا ہے تو بہت سی حقیقتیں سامنے آجاتی ہیں۔

وہ جاننا چاہتی تھیں کہ ان کی فیملی میں کوئی بڑے مسئلے تو نہیں ہیں......؟ مثلاً بینکوں کے قرض، خاندانی جھگڑے...... گھریلو ماحول میں اخلاقیات کا تناسب، تعلیم وغیرہ، وغیرہ...... اگرچہ فیصلے کے بعد ان سب باتوں کا سوچنا ایسا ہی تھا جیسے تیر چھوڑنے کے بعد خالی کمان کو گھورنا البتہ پیش بندی کے طور پر بہت کچھ کرنے کے بارے میں سوچا جاسکتا تھا مگر کالز اتنی اہم تھیں کہ سارا پلان دھرے کا دھرا رہ گیا۔

انہوں نے فوراً اس مسئلے کا بھی حل نکال لیا۔

''آپ بہت تھکی ہوئی لگ رہی ہیں اور میں مسلسل آپ سے باتیں کیے جارہی ہوں...... آپ تھوڑا ریسٹ کرلیں۔''

تاجور کی بات سن کر آپا قدرے چونکیں...... انہوں نے صاف ستھرے، سلیقے سے بنی سنوری باوقار تاجور کو دیکھا۔

''ریسٹ تو بس گھر جا کر ہی کروں گی...... فی الحال تو بہت ضروری باتیں کرنی ہیں...... مثلاً دلہن کے نکاح کا جوڑا...... مٹھائی کتنی ہونی چاہیے...... اور......''

''بس...... بس......'' تاجور نے سیل فون کی چمکتی اسکرین پر ایک نگاہ ڈالتے ہوئے آپا کو ٹوکا...... آفس کے سینئر اکاؤنٹنٹ کی تیسری بار کال آرہی تھی۔

''آپ کو کچھ نہیں کرنا...... آپ دونوں بہن، بھائی بس اچھے سے تیار ہوکر وقت پر پہنچ جائیں...... ڈریس، سوئیٹس، یہ سب رخصتی پر ہوگا...... آئیے میرے ساتھ...... میں آپ کو گیسٹ روم میں لے چلتی ہوں...... پھر ایک دو ضروری فون کرکے آپ کے پاس آتی ہوں...... پھر ہم کل کا پروگرام فائنل کرتے ہیں میرا مطلب ہے...... وقت اور guest وغیرہ......'' تاجور عجلت کے انداز میں اٹھ کھڑی ہوئیں تو آپا کو بھی نشست چھوڑنا پڑی۔

☆☆☆

زارا حیران، پریشان دونوں کو لان سے نکل کر اندر کی طرف جاتا دیکھ رہی تھی...... ونڈو کے شیشے سے ستواں ناک کی نوک ٹکائے دونوں ہاتھ شیشے پر جمائے اپنی جگہ بُت کی صورت جمی کھڑی تھی۔

''یہ...... ابھی تک یہیں ہیں...... یقیناً...... اماں نے ڈنر کے لیے روکا ہوگا مگر...... وہ کہاں ہے؟ اماں تو بڑے مزے سے ان سے باتیں کررہی تھیں جیسے کوئی بچھڑی ہوئی فرینڈ اچانک مل گئی ہو۔ پتا نہیں کیا ہونے جارہا ہے...... کیا باتیں کررہی تھیں۔'' زارا کے لیے اتنا تجسس ناقابلِ برداشت تھا...... وہ تو جیسے بے کلی کی انتہا پر تڑپنے ہی لگی اور ایسے میں ذہن بھی برق رفتاری سے کام کررہا تھا۔ اس عذاب ناک تجسس سے تو آخر پیچھا چھڑانا تھا۔

وہ تیزی سے آگے بڑھی اور گھنٹی بجا کر کچن میں کام کرنے والے ہیلپر کو طلب کیا اور دھپ سے بیڈ پر بیٹھ گئی...... لڑکے کو اوپر آنے میں دو منٹ تو لگ سکتے تھے حالانکہ اس کے کمرے سے جب طلبی کی پکار گونجتی تھی تو ملازم کا بس نہیں چلتا تھا کہ پاؤں سر پر رکھ لے اور اڑ کر پہنچے...... آج تک کسی ملازم نے اس کا خوشگوار موڈ نہیں دیکھا تھا۔ جیسے ہر وقت بھری بیٹھی رہتی تھی۔

دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور اس نے رکی ہوئی سانس خارج کی۔

''یس......'' اذن ملتے ہی ہینڈل گھوما اور ملازم نے اندر جھانکا۔

''جی بی بی......'' وہ مؤدب طور پر ... ہر کام سننے کے لیے تیار تھا۔

''وہ مٹھن...... مجھے ایک کپ چائے دو...... اور ہاں...... وہ جو گیسٹ آئے ہوئے تھے چلے گئے......؟'' وہ چند
پا چھ رہی تھی۔

''جی...... وہ سر جو آپ کے آفس میں کام کرتے ہیں وہ تو چلے گئے تھے اور وہ جو زنانی ان کے ساتھ آئی تھیں وہ م
والے کمرے میں ہیں...... بیگم صاحبہ نے بولا تھا اے سی کے ریموٹ میں نئے سیل ڈالو...... اور اے سی آن کرکے آؤ......
ابھی وہیں سے آیا تھا...... اس لیے تھوڑی دیر لگی۔ اُدھر خالی بوتلیں پڑی تھیں وہ ڈسٹ بن میں......''

''اسٹاپ......'' زارا نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے...... اور زور سے بولی۔

مٹھن ذہنی طور پر تیار تھا خاموش ہوکر سر جھکا کر جھاڑ جھپاڑ سننے کے لیے گویا خود کو پیش کردیا۔

''ہزار مرتبہ کہا ہے...... یہ زنانی ممانی اپنے گاؤں میں چھوڑ کر آیا کرو زنانی نہیں...... ''میم......'' کہتے ہیں۔''

''چلو جاؤ یہاں سے...... گیٹ آؤٹ......'' زارا کو اپنے مطلب کی خبر مل گئی تھی اب اگر مٹھن چائے لانا بھول بھی جا
زارا نے اسے کچھ نہیں کہنا تھا۔

''کیا مصیبت ہے...... پتا نہیں کتنے دن کا stay ہے...... اور پتا نہیں کیا، کیا باتیں ہوئی ہیں...... جو کچھ میرے س
ہونے جارہا ہے اس کے بعد خوش کوئی بھی نہیں رہے گا۔'' احساس شکست عود کر آیا...... شرف انسانیت کو جمائیاں آنے لگیں

☆☆☆

سفینہ ہنوز پرنس کی آواز، لہجے اور باتوں کے سحر میں جکڑی ہوئی تھی۔ کچھ بھی کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا بس پرنس
تصور میں کھوئے رہنے سے اچھا کچھ بھی نہیں تھا...... دوشیزگی کے اولین خواب بہت رنگین ہوتے ہیں...... چہرہ بھیگا، بھیگا ر
اور پُرنور دکھائی دیتا ہے...... نگاہ میں غضب کی مقناطیسیت ہوتی ہے...... گہری آنکھوں کی مثال جوانی ہی میں دی جاتی ہے۔
کسی نے بوڑھی عورت کی آنکھوں کو گہری آنکھیں کبھی نہیں کہا...... جھریوں میں جکڑی آنکھیں گہرائی سے باہر آچکی ہوتی ہیں
سفینہ کھڑکی کے بالکل قریب چیئر رکھے بیٹھی ہوئی تھی جھٹپٹے کا وقت تھا، جاتی دھوپ کی پُراسرار چمک اب بھی کھڑ
سے چھن، چھن کر آرہی تھی...... بظاہر اس کی نگاہ شیشے کے پار دیکھ رہی تھی مگر درحقیقت وہ وقت و خلا سے ماورا کسی اور جہ
میں پہنچی ہوئی تھی۔

باہر سے آنے والی ہلکی روشنی کی چمک چہرے کو ''چندا'' سا بنا رہی تھی۔ آنکھیں ہیرے کی کنی کی طرح دمک رہی تھیں...
ہونٹوں پر مبہم سی غیر اختیاری سی مسکراہٹ تھی۔

ماہین دروازے کے فریم میں کھڑی مبہوت سی دیکھ رہی تھی اور سفینہ کی اس مدہوشی سے لطف اندوز ہورہی تھی...... مگر آ
کب تک بالآخر اسے کھنکھار کر متوجہ کرنا پڑا۔

اور سفینہ چونکی پھر شرمندہ بھی نظر آئی جیسے رنگے ہاتھوں چوری کرتی پکڑی گئی ہو۔

''اوہ تم آگئیں...... actually میں تمہارا ہی wait کررہی تھی۔''

''ہم بن کر بالکل تیار ہوکر دنیا میں تشریف لائے تھے...... ہمیں بنانے کی کوشش کروگی تو اپنا ہی وقت ضائع کروگی......
ماہین نے قریب آکر اس کے بال بکھیر دیے...... درحقیقت سفینہ کا یہ انداز اس نے پہلی بار دیکھا تھا اور بہت ہی بھایا تھا۔

''اگر کسی خوب صورت لڑکی کو دل و جان سے پیار کیا جائے تو وہ مزید خوب صورت ہوجاتی ہے اگر نارمل لڑکی کو سچ کی محب
مل جائے تو وہ بھی بیوٹی کوئین بن سکتی ہے...... آج تم اتنی اچھی کیوں لگ رہی ہو...... تمہارے بالوں سے لگ رہا ہے کہ تم نے شا
بھی نہیں لیا...... ڈریس بھی کل والا ہے......'' ماہین شریر انداز میں اپنی طرف سے پورا زور لگا رہی تھی کہ سفینہ خود ہی کچھ بول پڑے۔

''وہ سادہ سی باتیں بھی کرے تو اس کی باتوں میں جادو ہے......'' سفینہ کا انداز بھی شریر تھا۔

ماہین خوشگوار حیرت سے چند ثانیے ساکت ہوئی پھر زور سے تالی بجائی۔

''اوہ...... باتیں ہوئی ہیں بھئی...... جلدی سے بتاؤ کیا باتیں ہوئیں......'' وہ بچوں کے سے اشتیاق سے ماہین کی طرف دیکھ رہی تھی ہاتھ میں پکڑی بکس بھی ٹیبل پر رکھنا بھول گئی تھی۔

سفینہ کا جی چاہا وہ ماہین کے ساتھ شادی والی بات شیئر کرے مگر اس نے خود کو روک لیا...... توبہ اگر بتا دیا تو جان عذاب میں آ جائے گی کیونکہ شادی والا معاملہ تو کسی کے وہم و گمان میں نہیں آ سکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ فائنل سے پہلے تو یہ بات ڈسکس ہی نہیں کی جا سکتی تھی۔

''نہیں بتاؤ گی......'' ماہین نے اس کا بازو دبوچ لیا۔

''نہیں بتاؤں گی......'' سفینہ نے دوٹوک جواب دیا۔

''کیوں......؟'' ماہین دونوں ہاتھوں سے اپنی کمر تھام کر گویا لڑنے مرنے کو تیار ہو گئی ہو۔

''انہوں نے ''منع کیا ہے...... اپنے سر کی قسم دی ہے۔'' سفینہ بھی شرارت کے مکمل موڈ میں تھی...... اس نے جان بوجھ کر پرنس کا نام لینے کے بجائے ''انہوں نے'' کے الفاظ استعمال کیے۔

''اُف...... کتنی شرمیلی ہو تم...... شادی کے بعد تو تم انہیں پرنس جونیئر کے ڈیڈ کہا کرو گی...... اور وہ خیمے والا برقع اوڑھ کر بیڈ پر سویا کرو گی...... ویسے خیمہ ٹھیک ٹھاک بڑا ہوتا ہے، کافی گنجائش ہوتی ہے......'' ماہین نے ہونٹ دانتوں تلے دبا کر آنکھ مارتے ہوئے کہا۔

سفینہ نے اس کے ہاتھوں سے کتابیں جھپٹ کر اس کی کمر پر ہلکے سے ماریں اور انہی بکس سے ہی دھکیل کر اسے آگے کیا۔

اب دونوں ٹرین کے دو ڈبوں کی طرح آگے پیچھے چل رہی تھیں۔ زندگی سے بھرپور ہلکے، ہلکے قہقہے گونج رہے تھے...... اور فطرت اپنی بلائیں لے رہی تھی۔

☆☆☆

''کل......؟'' تاجور سیل کان سے لگائے حیران پریشان کھڑی تھیں۔

''جی میم...... لیڈی صاحبہ کا میسج ہے کہ وہ کل آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔'' منیجر بہت مؤدبانہ انداز میں گزارش کر رہا تھا۔

''وہ آپ کو کچھ آئیڈیا ہے کہ لیڈی صاحبہ کسی خاص وجہ سے ملنا چاہ رہی ہیں یا یہ روٹین کی ملاقات ہو گی......'' درحقیقت اس کال نے تاجور کو پریشان کر کے رکھ دیا تھا...... اسی لیے بہت محتاط اور ہچکچاہٹ کے انداز میں پوچھ رہی تھیں۔

''میم...... ڈیٹیل تو آپ کو نہیں بتا سکتا...... سوری...... بس لیڈی صاحبہ کا میسج ہی کنوے کر سکتا ہوں۔'' منیجر نے سابقہ انداز میں جواب دیا۔

''اوکے......'' تاجور نے گہری سانس لے کر مہلت لی اس دوران جواب مرتب کیا۔ ''وہ...... actually ایسا ہے کہ کل گیسٹ آ رہے ہیں...... اگر مجھے پہلے میسج ملتا تو میں کل کا پروگرام postpone کر دیتی کیونکہ میرے لیے لیڈی صاحبہ کی وش پوری کرنا بہت آنر کی بات ہے۔'' تاجور نے ٹھہر ٹھہر کر بہرحال مناسب انداز میں معذرت کر لی...... ابھی تو کل کا پروگرام ان کے سر پر سوار تھا...... کجا کہ نئی صورت حال کا سامنا ہو گیا۔

''اوکے میم...... میں لیڈی صاحبہ کو بتا دیتا ہوں......''

''ایک منٹ...... آپ لیڈی صاحبہ کو کہہ دیں کہ وہ پرسوں شام ہمارے ساتھ چائے پئیں یا ڈنر کریں...... دونوں آپشنز ان کے پاس ہوں گے، بس آپ مجھے کنفرم ضرور کر دیں۔'' تاجور نے اس خیال سے بے ساختہ منیجر کی بات کاٹی مبادا وہ فون بند کر دے جیسے کہ وہ الوداعی کلمات کہہ رہا تھا۔

''شیور...... تھینک یو ویری مچ...... میم......'' ائیر پیس سے آواز آنا بند ہو گئی۔ تاجور نے گہری سانس لے کر وال کلاک کی

کے ساتھ کل کی مختصر سی تقریب کے بارے میں بھی کچھ کہنا سننا تھا۔

اب ان کا رخ گیسٹ روم کی طرف تھا...... مگر ذہن لیڈی صوفیہ میں اٹک کر رہ گیا تھا۔

''کچھ زیادہ دن تو نہیں ہوئے...... وہ کیوں ملنا چاہ رہی ہیں؟ شاید بڑھاپے کی بوریت سے عاجز آ کر بس یونہی گپ شپ کے لیے آنا چاہ رہی ہیں......'' ان کے اعصاب اب بوجھل ہو رہے تھے۔ یوں قدم اٹھا رہی تھیں جیسے قدم گن بھی رہی ہوں۔

☆☆☆

''ثوبان آپ کو بہت مس کر رہا ہے...... بہت ضد کر رہا ہے آپ سے ملنے کی۔'' پرنس مغرب کی نماز کے بعد گھر آیا تو فوراً ہی صندل کی کال آ گئی۔ صندل کی آواز سے اس کے اعصاب کو زوردار جھٹکا لگتا تھا...... دل ایک دم زور سے سکڑ کر پھیلتا تھا کہ جانے اب کیا انہونی ہوئی ہو۔

ثوبان کا نام سن کر اعصاب یک دم پُرسکون ہو گئے۔

''آپ ثوبان کو یہاں بھیج دیجیے...... وہ کچھ وقت میرے ساتھ گزارے گا تو فریش ہو جائے گا...... یاد سے اس کا اسکول بیگ ضرور ساتھ رکھیے گا۔'' پرنس حد درجہ محتاط انداز میں بات کر رہا تھا۔ sp زوار حسین نے اسے بتا دیا تھا کہ میڈم صندل کو لیگل ایڈ فراہم کر دی گئی ہے اور ان کے خلع کے پیپرز تیار ہو گئے ہیں۔

پہلے وہ سلمان کی منکوحہ ہونے کی وجہ سے بہت محتاط تھا۔ اب وہ مطلقہ ہونے جا رہی تھی تو پہلے سے زیادہ محتاط ہونے کی ضرورت تھی۔

''جی...... شیور...... میں یاد رکھوں گی...... اور...... وہ...... لیڈی صاحبہ کیسی ہیں؟'' صندل اب قدرے ہچکچاتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''اللہ کا شکر ہے اچھی ہیں......'' پرنس کو آج تک کسی سے بات کرنا اتنا بوجھ محسوس نہیں ہوا تھا جتنا اس وقت محسوس ہو رہا تھا۔

''میرا سلام کہیے گا...... اور...... آپ سے ایک خصوصی ریکوئسٹ بھی کرنی ہے۔'' صندل کا انداز بھی حد درجہ محتاط تھا۔

''فرمائیں...... میں سن رہا ہوں......'' پرنس کو کچھ الجھن سی محسوس ہوئی مگر شائستہ لہجے پر آنچ نہیں آنے دی۔

''لیڈی صاحبہ نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے...... میں اس کا بدلہ نہیں اتار سکتی...... مگر کیا مجھے ان کی خدمت کرنے کا موقع مل سکتا ہے...؟ یقین کیجیے میں ایک کنیز کی طرح ان کی خدمت کرنا چاہتی ہوں...... میں پھانسی گھر سے واپس آئی ہوں...... اس آزادی اور کھلی ہوا کی قدر کوئی مجھ سے پوچھے......'' بولتے، بولتے صندل کی آواز آنسوؤں میں بھیگ چکی تھی۔

''اوہ...... تھینک یو ویری مچ...... آپ کا اتنا کہہ دینا ہی بہت ہے...... انشاء اللہ بہت جلد آپ ایک بہت اچھی اور خود مختار زندگی گزاریں گی...... آپ کے لیے آپ کے status کے لحاظ سے کوئی فروٹ فل کام بھی دیکھیں گے... thanks again'' پرنس نے جلدی سے فون منقطع کر دیا...... جانے کیوں صندل سے بات کرتے ہوئے وہ خود کو کسی مشکل میں گھرا محسوس کر رہا تھا۔

سلسلۂ کلام منقطع ہوتے ہی اسے یوں محسوس ہوا جیسے پرندے نے پنجرے کے کھلے دروازے سے سرخوشی کی کیفیت میں اڑان بھری ہو......

☆☆☆

''کل...... کل...... کل نکاح ہے......'' زارا کے دماغ کے تو جیسے پرخچے اڑ گئے۔ وہ وحشت بھری آنکھوں سے ایک ٹک تاجور کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

''بھئی اس میں اتنی حیرت کی کیا بات ہے، کل نہ ہوتا تو اگلے ہفتے ہو جاتا یا اگلے مہینے ہو جاتا...... جب بات طے ہو جاتی ہے تو کسی وقت بھی نکاح ہو سکتا ہے۔'' تاجور نظریں چرا کر عام سے انداز میں بات کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

تاجور کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔

''شرم کرو...... ماں کے سامنے کس طرح کی باتیں کرتی ہو......'' تاجور نے سرزنش کی۔

''ماں......'' زارا طنزیہ مسکرائی۔

''ماں تو میری مر گئی...... اب آپ کو اماں کہنا تو مجبوری ہے......'' زارا کے سارے خوف دور ہو چکے تھے...... جیسے جنگل میں کسی کمزور جانور نے جان بچانے کے تمام گُر سیکھ لیے ہوں۔

''فی الحال تو تم نے بہت سے کام مجبوراً کرنا ہیں...... لیکن جب زندگی آگے سفر کرے گی تو تمہیں میری قدر پتا چلے گی اور ایک دن تم خود مانو گی کہ اگر تمہاری سگی ماں بھی ہوتی تو تمہاری بھلائی کے لیے یہی کچھ کرتی......''

''آپ کو خوش رہنا آتا ہے...... خوش رہیں...... مگر مجھے اتنی جلدی نکاح کی سمجھ نہیں آ رہی......''

''کل تمہارا نکاح ہے...... تمہیں سمجھ آ رہی ہے یا نہیں...... میں تمہیں بتا رہی ہوں کہ کل تمہارا نکاح ہے...... and that's all''

تاجور کی آواز قدرے اونچی تھی' لہجے میں خاندانی اور پشتوں کی محنت کا اعتماد، دبدبہ، وقار اور اپنے بااختیار ہونے کا پورا وثوق جھلک رہا تھا۔

''میں نے تو ابھی تک ساحل سے کوئی بات تک نہیں کی۔'' زارا کے منہ سے پریشانی کی کیفیت میں بلا ارادہ نکل گیا تھا۔

تاجور نے آہستگی سے گھنیری پلکیں اٹھا کر زارا کی طرف دیکھا۔

''تم اس سے بلا وجہ بے حساب باتیں کر چکی ہو...... اچھی طرح دیکھ چکی ہو، شادی سے پہلے لڑکی کے لیے اتنا کافی ہوتا ہے۔ رخصتی پندرہ دن بعد ہو گی...... ظاہر ہے تیاری کے لیے کچھ وقت تو چاہیے۔'' تاجور نے اب مکمل پروگرام سے آگاہ کر دیا۔

زارا ایک مرتبہ پھر گویا سانس لینا بھول گئی۔

''پندرہ دن...... only fifteen days تو نکاح بھی پندرہ دن بعد ہو سکتا تھا۔'' وہ پھر بول پڑی۔

''میں تمہیں بتا چکی ہوں، کل تمہارا نکاح ہے......'' تاجور کے انداز میں اب ایسی سرد مہری تھی...... کہ زارا کی تیکھی زبان برف ہو گئی۔

''تمہارے پاس بہت خوب صورت ڈریسز ہیں کوئی بھی پہن لینا...... رخصتی پر تمہارے لیے تمہاری پسند سے برائیڈل ڈریس تیار کراؤں گی......'' یہ کہہ کر تاجور نے باہر جانے کے لیے قدم بڑھائے...... پھر کسی خیال سے چونکیں اور پلٹ کر زارا کی طرف دیکھا۔

''سفینہ گھر سے بہت دور ہے...... ابھی اس کے ساتھ کچھ شیئر کرنے کی ضرورت نہیں، وہ ڈسٹرب ہو جائے گی...... تمہیں کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ وہ اپنی اسٹڈی کی وجہ سے گھر سے دور ہے...... اپنا لگژری بیڈ روم چھوڑ کر ہاسٹل کے روم میں رہتی ہے، دوسروں کے ساتھ شیئر کرتی ہے۔'' یہ کہہ کر تاجور فوراً باہر نکل گئیں۔

''میری سگی ماں ہوتی تو میں رو، رو کر اپنی بات منوا لیتی...... اب تو پتا چل رہا ہے کہ سگی ماں کیا ہوتی ہے۔'' بے بسی کی کیفیت میں زارا کی آنکھیں جھلملانے لگیں۔

''کریں اپنی ہی...... ساحل خود آپ کے پاس سوری کہنے آئے گا...... ایک دن صاف کہہ دے گا کہ اس لڑکی کو سنبھالنا میرے بس کی بات نہیں......'' ابھی تک وہ خود کو جتنا سمجھا بجھا چکی تھی نکاح کا اعلان ہوتے ہی گویا وہ سب ہوا میں اُڑ گیا کیونکہ اب پختہ یقین ہو چلا تھا کہ اس کے خلاف انتقامی کارروائی ہو رہی ہے۔

''اگر میں نے کہہ دیا تھا کہ میں پرنس کو like کرتی ہوں تو کون سی قیامت آ گئی تھی...... میں اسے ڈسپرین کی طرح پانی میں گھول کر تو نہیں پی جاتی...... مگر میڈم تاجور نے تو کچھ زیادہ ہی مائنڈ کر لیا۔''

تمام سر پھرے، سرکش، کوتاہ اندیش لوگوں کی طرح اسے اپنی کوئی غلطی، غلطی ہی نظر نہیں آتی تھی۔ انجام کار وہ پھر سے

برے سے ایک اَن دیکھی آگ میں جل رہی تھی۔

☆☆☆

آپا ساحل کے فلیٹ میں پہنچیں تو انہیں یوں محسوس ہوا، بڑے سے باغ میں اٹکھیلیاں کرتا ہوا پرندہ کسی چڑی مار نے ٹوکرے میں بند کر دیا ہو۔

''کیسا ٹھنڈا گھر ہے...... گیسٹ روم...... بھئی کیا مہمانوں کے ناز نخرے اٹھائے جاتے ہیں...... واہ...... بھئی واہ......''

آپا نے چور نگاہوں سے ساحل کے بیڈ کی طرف دیکھا...... جس پر بچھی چادر میں اتنی سلوٹیں تھیں جیسے کسی بوڑھے ضعیف کے چہرے پر زمانے کے سرد و گرم کے نشان...... ''وہ تو بہت کہہ رہی تھیں کہ رات یہیں رک جاؤ...... دل تو میرا بھی چاہ رہا تھا کہ رک جاؤں...... لڑکی سے کچھ باتیں واتیں بھی ہو جائیں گی...... پھر سوچا پتا نہیں اور کیا انٹرویو لینے بیٹھ جائیں...... منہ سے کچھ الٹا سیدھا نکل جائے اور تمہارا کام خراب ہو جائے......''

آپا نے نہ چاہتے ہوئے بھی خود کو بستر پر گرا دیا...... اب چادر جھٹکنے یا نئی بچھانے کی ہمت نہیں تھی۔ میٹرس کیا تھا بھیگی ہوئی ڈبل روٹی ہی تھا آپا تو اچھی خاصی دھنس گئیں۔

''فکر نہ کریں آپا...... جب دس بارہ دن بعد آئیں گی تو ایک شاندار گھر میں قیام کریں گی۔ اعلیٰ کلاس کا فرنیچر، چم، چم کر رہا ہو گا...... لان میں پینگ ڈلواؤں گا اور لاؤنج میں جھولا...... جب دل چاہے گا پینگیں اور جب دل چاہے جھولا جھولیں۔''

ساحل کے سامنے چند گھنٹے پہاڑ سے کھڑے تھے جن کا گزرنا گویا جوئے شیر نکالنے کے مترادف لگ رہا تھا۔

ان چند گھنٹوں کے اس پار اس کے خواب مسکرا رہے تھے جو حقیقت کا روپ دھارنے جا رہے تھے۔

انگ، انگ مسرت سے سرشار تھا...... زارا تو بہت دور نظر آ رہی تھی مگر وہ موجود لمحے میں خود کو ''ملین مین'' محسوس کر رہا

تھا۔ آپا کی آنکھیں قدرے نیند سے مُندی جا رہی تھیں۔ کچھ سفر کی تھکان کچھ بول، بول کر بھی نڈھال ہو چکی تھیں۔

ساحل نے آہستگی سے اپنی ٹیبل سے اپنی نوٹ بک اور پین اٹھایا اور لائٹ آف کر کے باہر چلا آیا۔

کچھ سوچ رہا تھا یوں جیسے بارش کی کثرت سے دریا ابل پڑتے ہیں۔ وہ لاؤنج میں صوفے پر آ کر بیٹھ گیا...... یہ بھی بھول گیا کہ آتے ہوئے راستے میں آپا کے لیے جو مٹن کڑاہی اور نان لیے تھے وہ تو کچن میں ویسے کے ویسے ہی رکھے ہیں......شاید آپا کو بھوک بھی نہیں لگی تھی...... تاجور کے ہاں چائے پر اتنا اہتمام تھا، رات کا کھانا تو ذہن سے محو ہونا ہی تھا...... ماش کی دال کے دہی بڑے آپا کو بہت پسند آئے تھے اور تاجور نے اصرار کر کے کھلائے بھی تھے۔ اور نہ ہی اسے ابھی تک بھوک کا احساس ہوا تھا...... ایک ماورائی قوت گویا اسے خوشی کی لہروں کے ساتھ ایندھن فراہم کر رہی تھی...... نہ بھوک، پیاس کا احساس تھا نہ تھکاوٹ نہ ہی نیند کا غلبہ......

اس نے نوٹ بک کھولی اور بارش کی طرح برستے الفاظ مرتب کرنے لگا۔

جو خواب مجھے سہانے لگے
وہی لوگوں کو فسانے لگے
خدا گواہ میں نے لڑکی نہیں پھنسائی
لڑکی والے مجھے گھیرنے پھنسانے لگے
غریب کی کوئی say نہیں ہوتی
بہن کو سمجھانے میں زمانے لگے
محنت کر حسد نہ کر میرے یار
رشتے والے بھی سبق پڑھانے لگے
بڑا زعم تھا میرے تیر انداز کو
پتا چلا تیر پر اُڑ کر نشانے لگے

بے تکی تک بندی کر کے قدرے ہلکا پن محسوس ہوا......

آنے والے لمحات کا کوئی اندازہ نہیں تھا...... نکاح کے بعد کے مناظر کیا ہوں گے؟

سامنے ایک دبیز پردہ پڑا تھا...... تجسس، مسٹری، انوکھے لمحات کا انتظار یہ کسی بھی انسان کی بڑی دلچسپ کیفیت ہوتی ہے جب اس کا اپنا ذہن پردے چاک کرنے سے معذرت کر لیتا ہے...... اور انسان اندازے لگانے سے بھی قاصر ہو جاتا ہے۔

☆☆☆

''تاجور نے کل کے لیے تو معذرت کر لی ہے...... البتہ پرسوں میٹنگ رکھنے پر اُن کی طرف سے اوکے ہے...... چائے یا ڈنر...... دو آپشنز ہیں...... اب تم جو کہو میں کنفرم کر دوں گی۔''

لیڈی صوفیہ نے تاجور کا جواب ملنے کے بعد پرنس کو اپنے بیڈ روم میں طلب کیا تھا...... انجیلا ان کو میڈیسن کھلا رہی تھی...... پانی کا گلاس لیڈی صوفیہ کے ہاتھ میں تھا اور ٹیبلیٹس انجیلا کی ہتھیلی پر...... اپنی بات کہہ کر اب انہوں نے ایک ٹیبلیٹ انجیلا کی ہتھیلی سے اٹھا کر منہ میں رکھی اور پانی کا گھونٹ لے کر نگلنے لگیں۔

پرنس جواب میں کیا کہتا، ظاہر ہے تاجور کو کل میٹنگ رکھنے پر مجبور تو نہیں کر سکتا تھا...... بس ایک خلش سی دل میں چبھن پیدا کر رہی تھی کہ اس محدود زندگی کا ایک دن انتظار میں ضائع ہو جائے گا...... کل بات ہوتی اور آنے والے کسی خوشگوار دن کے احساس میں ذہن کو خوشگوار مصروفیت مل جاتی۔

''اوکے...... بس پھر پرسوں کا تو ڈن ہو گیا...... میرا خیال ہے ہم ڈنر کے بجائے tee time میں میٹنگ کر لیتے ہیں...... ڈنر میں واپسی بہت لیٹ ہوتی ہے اور آپ rest less ہو جاتی ہیں......'' پرنس نے کہا۔ دوسری ٹیبلیٹ نگل کر لیڈی صوفیہ پوتے کی طرف دیکھ کر بہت محبت سے مسکرائیں۔

''بہت جلدی میں ہو...... ڈنر ٹائم تک انتظار بہت طویل ہو جائے گا جو شاید اب تمہیں قبول نہیں......''

وہ جگری دوست کے انداز میں چھیڑ چھاڑ کرنے لگیں...... روبوٹ نما انجیلا بھی مسکرانے پر مجبور ہو گئی۔

''اوکے...... آپ ریسٹ کیجیے، میرا خیال ہے ڈرائیور ثوبان کو لے کر آ گیا ہو گا تھوڑی دیر اسے کمپنی دیتی ہے۔'' پرنس نے اپنی رسٹ واچ پر ایک سوچتی ہوئی نگاہ کی۔

''ثوبان...... اس وقت؟'' لیڈی صوفیہ کے لیے حیرت کا جھٹکا بھی ایسا ہی تھا جیسے کسی نے پکڑ کر جھنجوڑ دیا ہو۔

''وہ مجھ سے ملنا چاہتا تھا...... اب بچوں کا اتنا خیال تو کرنا پڑتا ہے۔'' پرنس نے نرم مسکراہٹ سے وہ جواب دیا جس کے بعد سوال کرنے کی گنجائش نہ ہو مگر سوال پھر بھی آ گیا۔

''اس کی ماں بھی تو ساتھ نہیں آ رہی......؟'' لیڈی صوفیہ کے چہرے کی جھریاں گہری ہونے لگیں...... پرنس کی طرف گھورنے کے انداز میں دیکھ رہی تھیں۔

''میں نے ثوبان کی بات کی ہے گرینڈ مام......'' پرنس نے مؤدبانہ جواب دیا۔

''be careful ہینڈسم اور قابل بیٹے کی ماں کو بھی بہت فکریں ہوتی ہیں۔ زلیخا نے پہل کی تھی...... یوسف کو دیکھ کر اختیار کھو بیٹھی تھی...... this is pure nature''

''کم آن گرینڈ مام...... وہ شادی شدہ ایک بچے کی ماں ہے......'' پرنس قدرے شرمسار سا ہو کر گویا ہوا۔

''زلیخا بھی شادی شدہ تھی...... اس کا سوشل اسٹیٹس بھی بہت ہائی تھا مگر غلام پر دل آ گیا تھا...... یہ نیچر کے facts ہیں...... اگنور نہیں کیے جا سکتے۔'' لیڈی صوفیہ کے اشارہ کرنے پر انجیلا باہر جا چکی تھی...... وہ اب جیسے بہت کھل کر بات کر رہی تھیں۔

''کیا ہی اچھا ہوتا اگر اس وقت ہم سفینہ کی باتیں کرتے......'' پرنس نے شریر انداز میں کہا۔

''we must talk about her پتا نہیں یہ ثوبان درمیان میں کیوں آ جاتا ہے۔'' لیڈی صوفیہ کے بوڑھے اعصاب بوجھل ہونے لگے۔

''آپ ریسٹ کیجیے گرینڈ مام......'' پرنس نے آگے بڑھ کر دادی کو لیٹنے میں مدد دی۔

دادی کی لطیف گفتگو نے مسکراہٹ کا سامان مہیا کر دیا تھا۔ گدگدی سی ہو رہی تھی۔

''تم کیوں مسکرانے لگے؟ میں نے تو ایسی کوئی بات نہیں کی۔'' لیڈی صوفیہ دراز ہو چکی تھیں اُن کی نظریں پرنس کے چہرے پر تھیں۔ لہجے میں تفکر تھا۔

''آپ نے سفینہ کی بات کی ہے گرینڈ مام...... انسان خوش ہو تو خود بخود مسکرانے لگتا ہے۔'' پرنس نے لطیف مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

''so sweet'' لیڈی صوفیہ نے اب مسکرا کر ہوائی بوسہ ارسال کیا۔

☆☆☆

''ارے بھیا مجھے کیا پتا تھا کہ آناً فاناً نکاح بھی طے ہو جائے گا...... میں تو ڈھنگ کے کپڑے بھی ساتھ نہیں لائی۔''

آپا کو صبح ہوتے ہی ہول پڑ گئی تھی۔

ہے......ابھی بہت ٹائم ہے......ساحر واش روم میں واش بیسن کے سامنے شیو بنا رہا تھا......مشین کی ہلکی سی بھنبھناہٹ ماحول میں سنائی دے رہی تھی۔

''ارے واہ......وہ تو شادی کی تیاریوں کے لیے ہیں......'' آپا چمک کر بولیں۔

''آپا پانچ لاکھ ہیں......پانچ ہزار نہیں......'' ساحر نے آئینے میں آپا کو دیکھتے ہوئے شرارت بھرے لہجے میں کہا۔

''اللہ میرے بھائی کو سلامت رکھے...... جگ، جگ جیو......ارے سالوں سے سوچ رہی ہوں......دو کنگن بنوالوں......چار دن خود پہن لوں گی بعد میں کسی بچی کو جہیز میں دے دوں گی......کمیٹی نکلنے سے پہلے ہی کوئی بڑا خرچہ نکل آتا ہے۔ اتنے مہنگے کپڑے جوتے خرید کر کیا پیسہ برباد کرنا......جو پہن لیا پرانا ہو گیا......سونا پھر سونا ہے۔''

آپا کی آنکھوں میں سونے جیسے سنہری خواب جھلملا رہے تھے......

''جیسے آپ کی مرضی......میڈم نے آپ کو دیے ہیں......آپ اپنی مرضی سے خرچ کریں۔''

''شام کو نکاح ہے اور ابھی تک میڈم، میڈم کر رہے ہو......'' آپا نے اعتراض کیا۔

''پھر کیا کروں......؟'' وہ ٹاول سے چہرہ صاف کرتا ہوا واش روم سے باہر آ گیا......بہن کی سرخوشی دیکھ کر عجیب سی مسرت کا احساس ہو رہا تھا۔

''اماں بولو......اب وہ تمہاری ہونے والی ساس ہیں......ان کی بیٹی اماں بولتی ہے۔ جو تمہاری بیوی بولتی ہے وہی تم بولو گے......'' آپا نے تربیت کا بیڑا اٹھایا۔

''بیوی......وہ تو شام کو بنے گی......'' ساحل نے شوخ لہجے میں کہا اور وارڈ روب سے کپڑے نکالنے لگا۔

''شام کون سی دور پڑی ہے، صبح ہو گئی ہے تو سمجھو شام بھی ہوئی۔''

''آپا یقین کریں آپ بہت خوش قسمت ہیں......میں نے اتنی محنت کرنے کے بعد بھی اکٹھے پانچ لاکھ نہیں دیکھے......''

ساحر نے شرٹ ہینگر سے اتارتے ہوئے آپا کی مسرت کو celebrate کیا۔

''ارے بس......چپ، دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں......آج کل لوٹ مار کا بازار گرم ہے......احتیاط کرنی چاہیے......''

''اوہ......یہ تو آپ نے ٹھیک کہا......'' ساحر کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اپارٹمنٹ کا ماحول تو یوں بھی بہت بند، بند سا ہوتا ہے۔ ایک راہداری سے دس، دس گزرتے ہیں۔ خاص طور پر تیسرے درجے کے پروجیکٹ میں......

''اور ہاں سنو......'' آپا کچن کی طرف جاتے، جاتے رکیں اور ساحل کے قریب آئیں......ساحل نے ان کے رازدارانہ انداز پر چونک کر دیکھا۔

''اپنے دولہا بھائی کو ان پانچ لاکھ کی ہوا نہ لگا دینا......انہیں پرانی کار کے بریک کلچ ٹھیک کرانے کی سوجھے گی پھر دو دن بعد یاد آئے گا کہ چھ مہینے سے آئل change نہیں ہوا......کالا پڑ گیا ہے......چار پیسے انہیں نظر آ جائیں، گاڑی کے دس کام یاد آ جاتے ہیں......'' آخری الفاظ انہوں نے شدید ناگواری کی کیفیت میں ادا کیے۔

''فکر نہ کریں آپا......اگلے مہینے آپ کو نئی کار دلا دیں گے......'' ساحل نے بغیر توقف حاتم طائی کی قبر پر لات رسید کی......آپا تو گویا نہال ہی ہو گئیں آگے بڑھ کر ہونہار بھائی کی پیشانی چوم لی۔

''اللہ میرے بھائی کو نظرِ بد سے بچائے......چاند جیسی دلہن اور تخت و تاج بھی......ماشاءاللہ، ماشاءاللہ......''

☆☆☆

ساری رات کانٹوں پر بسر ہوئی تھی۔

اب وارڈ روب کے چاروں پٹ کھولے اپنے ملبوسات کی طرف گھور کر دیکھ رہی تھی۔

...داری سے ''ہونہہ'' کہا۔

''اگر سکینہ کا نکاح ہوتا تو وہ بھی پہنے ہوئے کپڑے پہنتی......؟'' اس کے سینے سے ہوک سی اٹھی۔

بے شمار انسان اپنے رویوں پر غور کرنے کے بجائے ساری زندگی دوسروں کے رویوں پر غور کرتے رہتے ہیں......دوسروں کے ردِعمل پر دل برداشتہ رہتے ہیں......مگر اپنی عادات و حرکات و سکنات پر لمحہ بھر متوجہ ہونے کی اہلیت نہیں ہوتی اس کا شمار انہی لوگوں میں ہوتا تھا۔

خداداد حسن، دنیاوی نعمتیں ہونے کے باوجود ہر آن منفی جذبات کا غلبہ رہتا تھا......ساری دنیا ناانصافیوں سے اٹی ہوئی نظر آتی تھی۔

معاً منتقم مزاجی کا عنصر عود کر آیا......اس نے ایک اعلیٰ برانڈڈ خریدا ہوا مگر گھر میں پہننے کا سادہ سا سوٹ منتخب کر لیا۔

''یہی پہنوں گی......جیولری بھی نہیں پہنوں گی......میک اپ بھی نہیں کروں گی۔'' وہ تاجور کی جان جلانے کے خیال سے ہی تر و تازہ ہونے لگی۔

''اپنی مرضی سے شادی کر سکتی ہیں......ڈریس اپ نہیں کر سکتیں......سب کچھ آپ نہیں کر سکتیں اماں......ہم بھی کچھ کر سکتے ہیں۔ اس barrior (رکاوٹ) کو گرانے کے لیے step تو لینا ہے۔ پھر میں ہوں......اور میری مرضی......تھینک یو ساحل......تمہاری وجہ سے life time freedom کا احساس مل رہا ہے......آگے بڑھنے کے لیے تم سے گزرنا پڑ رہا ہے......مگر آزادی کی یہ قیمت کچھ زیادہ نہیں......تھینک گاڈ ہم بھی زندگی کو feel کریں گے......یہ کرو......وہ نہ کرو......اسٹینڈ اپ......سٹ ڈاؤن......ہری اپ stop...stepforward...no...yes... no more... carry on... یار......یہ بھی کوئی زندگی ہے؟''

زارا نے ہاتھ میں تھاما ہوا ڈریس گولہ بنا کر بیڈ پر دے مارا۔

☆☆☆

سکینہ اپنی پوری قوتِ ارادی کو مجتمع کر کے لیکچر سنتے ہوئے پوائنٹ لے رہی تھی اور اسے پہلی بار محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی بہت فضول سا کام کر رہی ہے۔

''ایک مہینے میں شادی......کیا اماں مان جائیں گی......؟'' لکھتے، لکھتے یہ سوال پھر اِدھر اُدھر تھرکنے لگتا جیسے قوال کے ہمنوا ایک ہی مصرعے کو گاتے رہتے ہیں۔

اس نے چور نگاہوں سے پہلو میں بیٹھی ماہین کی طرف دیکھا جو بڑی ہونہار طالبہ بنی تیزی سے قلم چلا رہی تھی۔

وہ نیا پوائنٹ لیتے ہوئے سچ مچ اتنی بیزار ہوئی کہ اپنی حالت پر رونا آ گیا۔

''کیا ہو گیا ہے مجھے......concentration کیوں نہیں بنتی......کیا فضول سے خیال آتے رہتے ہیں۔''

آتشِ عشق کی لپٹیں......ساحلی شہر سے اٹھتی تھیں اور اسے لپیٹ میں لے لیتی تھیں......مشینی زندگی گزارتے، گزارتے......جذبات و احساسات کی لطیف دنیا سے آگاہی کیا ہوئی......گویا کسی کام کی نہ رہی۔ ''ابھی سے یہ حال ہے شادی کے بعد کیسے اسٹڈی کروں گی......'' اب ایک خوف نے اس کو سہما دیا......سالہا سال کی محنت داؤ پر لگ رہی تھی۔

وہ ہڑبڑا کر گہرے خیال سے باہر آئی تو ماہین نوٹ بک کا پیج الٹ رہی تھی۔ وہ صفحہ بھر چکی تھی جبکہ اس کا صفحہ آدھا تھا......یعنی اتنی دیر وہ ذہنی طور پر کلاس سے غیر حاضر رہی......وہ حیرت آمیز صدمے سے دوچار ہوئی......دوسرے پیریڈز کے دوران تو اسٹوڈنٹس لیکچر ریکارڈ بھی کر لیتے تھے مگر پروفیسر ہادی تو ہاتھ میں سیل فون دیکھتے ہی برس پڑتے تھے۔








''اب ماہین سے ہی لینا پڑے گا۔'' پروفیسر کو دکھانے کے لیے قلم تو چلاتے رہنا تھا...... سوچلا رہی تھی۔

☆☆☆

تاجور کو خاص موقع پر اس کا حلیہ دیکھ کر کڑھن تو ہوئی مگر ضبط کر گئیں وہ سمجھ گئی تھیں کہ وہ بھری بیٹھی ہے اور ان کو چڑانے کے لیے یہ حرکت کی ہے تاکہ وہ کچھ بولیں تو وہ بے تکا بولنا شروع کر دے۔

صبر و برداشت کے کمال کو چھو کر گزر گئیں...... اور نرمی سے گویا ہوئیں۔

''میرا خیال ہے تم ایک بڑی چادر اوڑھ لو...... ساحل کی بہن تمہاری تیاری کو ضرور نوٹس کریں گی...... ان کے علاوہ تو کوئی female گیسٹ نہیں ہے۔ میرے آفس کے ہی پانچ چھ لوگ ہیں۔ میں چادر لے کر آتی ہوں۔'' ان کے صبر و تحمل پر زارا کی تلملاہٹ مزید بڑھ گئی مگر وہ کچھ بولی نہیں...... خود پر ترس کھانے کی وجہ سے چند آنسو رخسار پر لڑھک آئے جو فوراً صاف کیے...... اور چادر کے انتظار میں بیڈ کے کنارے ٹک گئی۔

☆☆☆

ساحل کی تیاری غضب کی تھی سیاہ ڈنر سوٹ، سرخ ٹائی، کوٹ کی جیب میں پھول بنا سرخ رومال، سلیقے سے سنورے بال...... کامیابی کے احساس سے تمتماتا ہوا پُرکشش چہرہ......

نکاح خواں گواہان، وکیل سب موجود تھے دلہن کا انتظار ہو رہا تھا۔ ڈائننگ سے برتنوں کی کھڑ پڑ مہمانوں کو تسلی دے رہی تھی کہ ہاتھ کے ہاتھ پیٹ پوجا کا انتظام بھی ہو رہا ہے۔

کچھ ہی دیر بعد تاجور چادر میں لپٹی زارا کو لے کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں۔ آپا جو ساحل کے اصرار پر ایک برانڈڈ ڈریس خرید ہی لائی تھیں اور پہننے کے بعد بہت کانشس ہو رہی تھیں جیسے کانچ کے ٹکڑے ہاتھوں میں لیے بیٹھی ہوں...... تھک مر کر تو کہیں کرتا شلوار ملا تھا ورنہ جو ڈریس پسند آیا بقول ان کے ایک گز میں بنے پاجامے کے ساتھ تھا۔

پرپل کلر کا ہلکے کام کا شلوار سوٹ تھا جس کا دوپٹا بہت زبردست تھا۔ وہ تو زارا کا سادہ سا لباس جو بڑی چادر میں بھی ظاہر ہو رہا تھا۔ دیکھ کر ہکا بکا رہ گئیں مگر دوسرے ہی لمحے زارا کی سادگی پر فدا ہو گئیں۔

''امیر الدین بہت خوش قسمت ہے کتنے سادہ رئیس لوگ ملے ہیں۔ کسی کو بتاؤں تو کوئی یقین نہیں کرے......'' اب تو سچ مچ پیٹ میں درد شروع ہو گیا تھا کہ کب پنڈی پہنچیں اور پڑوسنوں کو ساری واردات مزے لے، لے کر سنائیں۔

زارا کے بیٹھتے ہی نکاح خواں نے کھنکھار کر تاجور سے نکاح پڑھانے کی اجازت چاہی۔

''جی...... بسم اللہ کریں......'' تاجور نے دھیمی آواز میں اجازت مرحمت فرمائی۔

''بیٹی زارا بنت عرفان قریشی آپ کو بعوض دس لاکھ حق مہر عبدالطلب امیر الدین بن نصیر الدین کے عقد میں دیا جاتا ہے کیا آپ کو قبول ہے؟''

''دس لاکھ'' آپا کی تو اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچی رہ گئی۔ عبدالطلب کا مطلب بھی سمجھ سکتی تھیں پڑھی لکھی تھیں...... زیادہ نہ سہی مگر اپنے زمانے کے لحاظ سے تو اچھی تعلیم تھی۔

نکاح خواں نے تین مرتبہ یہ جملے دُہرائے۔

تینوں مرتبہ زارا نے واضح ''جی'' کہا...... روایتی دلہن کی طرح الفاظ دبا کر نہیں بولی۔ ساحل کو یوں محسوس ہوا گویا ساحل کنارے کھڑی کشتی کے بادبان کھل گئے اِدھر تاجور کے سر پر دھری ایک من کی نادیدہ بوری دھڑام سے فرش پر گری...... کھل کر سانس لینے کی لذت سے آشنا ہوئیں......

زارا دستخط کر رہی تھی۔

ساحل کو یوں لگ رہا تھا گویا وہ بلینک چیک پر دستخط کر رہی ہو۔



میرا وطن رہے سلامت

نگہت غفار

"زین بیٹا کیوں شور مچا رہے ہو؟ کیوں بہن سے لڑ رہے ہو؟ ادھر آؤ میرے پاس۔" میں نے زین کو آواز دی۔

"مما، دیکھیں زین نے میری بک لے لی۔ مجھے ہوم ورک نہیں کرنے دے رہا۔" بیٹی کی فریاد پر میں نے زین کو دوبارہ آواز دی وہ چیختا چلاتا شور مچاتا میرے بیڈروم میں آ گیا۔

"کیا ہوا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"بہن کو کیوں تنگ کر رہے ہو۔ وہ ہوم ورک کر رہی ہے، کرنے دو......اور ہاں تمہیں ہوم ورک نہیں کرنا کیا ہے؟"

مجھے چودہ اگست پر مضمون لکھوادیں۔'' زین نے صفائی پیش کی'' مما آپ لکھوادیں ناں۔'' وہ منمنایا۔

''اچھا چلو، کاپی پنسل لاؤ میں لکھواتی ہوں۔''

''مما چودہ اگست کو یوم آزادی بھی کہتے ہیں ناں......؟'' اس نے میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''ہاں بیٹا......'' میں نے اقرار میں سر ہلایا۔

''ہماری مس کہہ رہی تھیں کہ ہمیں اس روز غلامی سے چھٹکارا ملا اور ہمیں آزادی ملی تھی۔''

''ہاں بیٹا! آپ کی مس صحیح کہتی ہیں۔''

''مما آزادی اور غلامی کیا ہوتی ہے؟'' اب چوتھی کلاس کے زین کو کیا سمجھاؤں۔ یہ بات میں سوچ رہی تھی۔

''بیٹھو میں سمجھاتی ہوں۔'' میں نے زین کو اپنے قریب بٹھالیا۔

''آزادی، غلامی...... بظاہر یہ پانچ، پانچ حروف سے مل کر بنے ہیں لیکن ان کے معنوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ غلامی کو برداشت کرنا اور اس کی گرفت میں رہنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ کسی کا محکوم بن کر رہنا یعنی اپنی مرضی، اپنی خواہشات، اپنی خوشیوں کا خون کرنا پڑتا ہے۔ سر جھکا کر مالک کی ہاں میں ہاں ملانا، حکم کی تکمیل کرنا ہوتی ہے اور ایسی زندگی سے انسان تو کیا چرند پرند بھی چھٹکارا چاہتے ہیں۔''

زین کے لیے یہ باتیں سمجھنا مشکل ہو رہا تھا جبھی وہ مجھے دیکھے جا رہا تھا۔

''آزادی بہت بڑی نعمت ہے اس کا حاصل کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ جب یہ مل جاتی ہے تو آزادی پانے والا خود کو دنیا کا خوش قسمت ترین فرد سمجھنے لگتا ہے۔ اور قوموں کی آزادی یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے مذہب اور رسوم و رواج کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ اپنے ملک، اپنی سر زمین میں ہی کسی اور قوم کے غلام بن کر نہ رہیں۔ اپنے وطن کے ہر کونے ہر گوشے کو خوب سے خوب صورت بنائیں۔ سلامتی کے لیے اپنا تن من دھن لگا دیں۔''

''مگر مما ہمیں یہ آزادی کس نے دلائی؟''

''ہمیں آزاد اسلامی مملکت دلانے والے ہمارے قائد ہیں...... قائداعظم محمد علی جناح......''

''ہاں، یہ تو مجھے معلوم ہے۔'' زین کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔

''ہمارے قائد نے اپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ مل کر اس اسلامی مملکت پاکستان کی بنیاد رکھی۔ علامہ اقبال نے پاکستان کا خواب دیکھا تھا اور اس خواب کی خوب صورت سنہری جگمگاتی تعبیر پیش کی قائداعظم محمد علی جناح نے۔''

''مما ہم ان رہنماؤں کے احسان کا شکریہ کیسے ادا کر سکتے ہیں؟'' زین کے اس سوال پر میں حیران رہ گئی۔ میں نے چند لمحے تک زین کے اس سوال پر حیرت سے اس کی طرف دیکھا پرائمری کا بچہ اور اس کا سوال؟

''بیٹا جی...... ہم نے تو اصل شکریہ ادا کیا ہی نہیں...... اس نعمت کو، اس قیمتی تحفے کو، اس امانت کو ہی سنبھال کر رکھ نہیں پا رہے۔ اس وطن کی بنیادوں میں ہمارے بزرگوں کا لہو شامل ہے۔'' میں کیا بتاتی کہ اس کی بنیادوں میں کتنی انمول جانیں اور کنواری پھول جیسی لڑکیوں کی عصمتیں، پاکدامن عورتوں کے سہاگ، ضعیفوں اور کمزوروں کے سہارے دفن ہیں۔ یتیموں اور بیواؤں کی دردناک آہیں دفن ہیں۔

''بیٹا ہمیں آزادی اس لیے نہیں ملی کہ ہم اس کا ناجائز فائدہ اٹھائیں بلکہ اس لیے ملی کہ ہم ہر لمحہ، ہر گھڑی اس کی قدر کریں۔''

''پھر مما ہمیں کیا کرنا چاہیے۔'' مضمون کی کاپی ایک طرف رکھ کر وہ اب مجھ سے سوال پر سوال کیے جا رہا تھا۔

''ہمیں تو قائداعظم، لیاقت علی خان، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مادرِ ملت اور ان جیسی دیگر

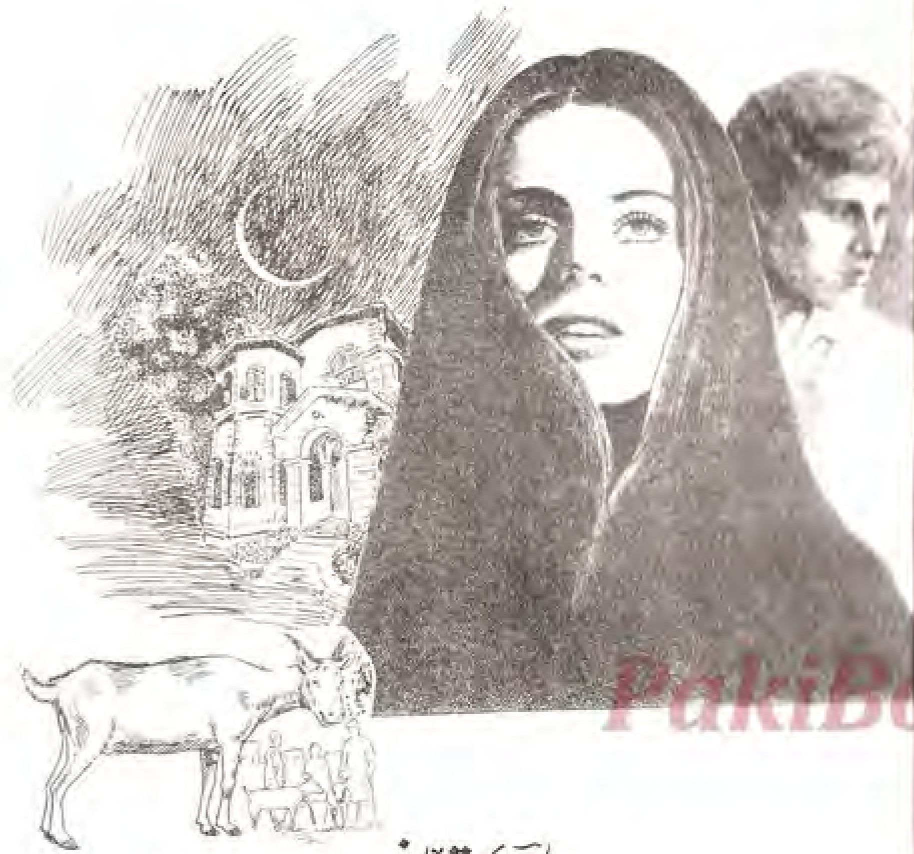
کرنا ہوگا۔ اس انمول خزانے...اس پاک مملکت کی ہر آن حفاظت کرنی ہے۔ اس میں ہر پاکستانی کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا یہ اس کا حق ہے ہم پر۔ ہمیں اس وطن کی حفاظت کرنی ہے۔ اس پھول کی خوشبو کو سنبھال کر رکھنا ہے۔ اس ستارے کی روشنی کو ماند نہیں ہونے دینا۔ اس انمول تحفے کو سینے سے لگا کر رکھنا ہے۔ اس کی قدر کرنی ہے۔'' میں کافی جذباتی ہو گئی تھی۔ اور کیوں نہ ہوتی اپنے وطن اپنی سر زمین کی جہاں بات آئے تو ایک محبِ وطن کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔

''ارے بھئی بیگم صاحبہ آپ کا آرٹیکل مکمل ہوا کہ نہیں۔'' حارث کمرے میں داخل ہوئے اور مجھے تقریر کرتا دیکھ کر پوچھنے لگے۔

''جی بس تھوڑا سا باقی ہے۔'' میں نے چیزیں سمیٹتے ہوئے کہا اور حارث کے لیے چائے بنانے کچن کی جانب بڑھ گئی۔

☆☆☆

چائے کا پانی کب سے کھول رہا تھا مگر وہ 1947ء کے غدر میں پھنسی ہوئی تھیں، کیسے ان کی نانی ابھی کل ہی تو کہہ رہی تھیں...... ''میرے اپنے ابدی نیند سو رہے تھے کیسی افراتفری کا سماں تھا۔ عورتوں کی بے حرمتی ہو رہی تھی۔ کیا ہم نے اس لیے اتنی قربانیاں دیں، اتنے کڑے امتحانوں سے گزرے، اتنی صعوبتیں، اتنی اذیتیں اس لیے برداشت کیں کہ آج...... آج اس جان سے زیادہ عزیز انمول اور قیمتی وطن کو یوں برباد ہوتا دیکھیں۔ اس کے چپے، چپے میں میرے بہادر کڑیل نوجوانوں کا لہو ہے۔ ہمارے بزرگ، بھائی، بیٹے، سر کے تاج، شیر خوار ننھے معصوم پھول سب ہی نے تو قربانیاں دی ہیں۔ میں اتنی سیانی تھی کہ اس وقت کی یادیں آج بھی میرے دماغ میں پیوست ہیں، ہم خوش قسمت تھے شاید کہ کسی نہ کسی طرح اس پاک سرزمین پاکستان پہنچ گئے تھے۔'' جب بھی چودہ اگست آتی نانی کی کہانیاں بلکہ تلخ حقائق شروع ہو جاتے۔ وہ



اساسِ قربانی

ریحانہ اعجاز

''پاپا، آپ کو پتا ہے مینا کے پاپا اتا (اتنا) بڑا بکرا لائے ہیں، اتا بڑا.....'' ننھی ثمرہ نے اپنے ہاتھوں کو حتی المقدور پھیلاتے ہوئے بکرے کا سائز بتایا تو سرمد کو اپنی نو سالہ بیٹی پر ٹوٹ کر پیار آیا۔ اسے اٹھا کر اپنی گود میں بٹھاتے ہوئے چٹ چٹ اس کی بلائیں لے ڈالیں۔

''پاپا، مینا کہتی ہے وہ لوگ عید پر اپنا بکرا کاٹیں گے۔''

''ارے بیگم صاحبہ چائے لے آئیے۔'' شوہر کی آواز پر وہ چونکی تھیں۔ انہوں نے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔

''اے میرے رب تو میرے زین کو میرے وطن کے جیالے بہادر نڈر جوانوں کی صف میں کھڑا کر دے۔ میں ایک زین تو کیا اپنے اور بیٹوں کو بھی اس مقام پر دیکھنا چاہتی ہوں...... یہ میرا خواب ہے۔ اے خدایا مجھے اس کی خوب صورت حسین اور سچی تعبیر نصیب کرنا۔'' پانی کی بھاپ کے ساتھ ان کا چہرہ بھی گرم، گرم آنسوؤں سے تر تھا۔

☆☆☆

وقت گزرتا رہا۔ ایک کے بعد ایک چودہ اگست گزرتی چلی گئی۔ سال پر سال بیتتا رہا۔ زین اب فوج کا کڑیل جوان بن گیا تھا۔ بے حد صورت ہینڈسم پُروقار سا لگ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بلا کا نور تھا۔ وہ بھی یہی چاہتا تھا کہ وہ وطن کے کام آئے۔ جب وہ ماں کے ان جذبوں اور دیوانگی کو دیکھتا تو کہتا۔

''مما...... میں جانتا ہوں...... میں آپ کی فیلنگز سمجھتا ہوں۔ یاد ہے آپ کو، جب ایک بار، میں نے آپ نے کہا تھا کہ مما مجھے چودہ اگست پر مضمون لکھنا ہے تو اس روز آپ سے مضمون لکھوانے کے ساتھ، ساتھ مجھے کتنی ڈھیر ساری نصیحتیں کی تھیں اور میں نے آپ سے کہا تھا، میری مما جان انشاء اللہ میں ضرور آپ کے اس خواب کو پورا کروں گا۔ اب دیکھیے آپ کا زین دبلا پتلا سا بچہ نہیں رہا۔ آپ کے خواب کی تعبیر...... آپ کا فخر...... آپ کا مان...... آپ کا غرور بن گیا ہے اور مجھے یقین ہے ایک دن آپ کی آنکھیں نم ضرور ہوں گی مگر چہرے کی روشنی آپ کے وجود پر چھائے قوس وقزح کے سارے رنگ چیخ، چیخ کر خوشیاں منا رہے ہوں گے اور آپ کا سر فخر سے بلند ہوگا۔ آپ کا یہ سکون، یہ اعتماد اور طمانیت دیکھ کر میں شہادت کے اس روپ میں بھی مسکرا دوں گا کہ دیکھیں مما جان آپ کے بیٹے نے آپ

آج مما لبوں پر دکھی کانپتی لرزتی مسکان لیے بڑے اعتماد اور فخر کے ساتھ اپنے شہید بیٹے کا آخری دیدار کر رہی تھیں۔ ان کی آنکھیں اس کے پرچم میں لپٹے تابوت پر گڑی ہوئی تھیں جس میں لگے چھوٹے سے شفاف شیشے سے اس کا پُرسکون چہرہ نظر آ رہا تھا۔ وہ بالکل چپ بالکل ساکت تھیں۔ سب اپنی، اپنی رائے دے رہے تھے کوئی کہہ رہا تھا کہ زبردستی رُلاؤ، کوئی کہہ رہا تھا ایسے ہی رہنے دو کچھ دیر بعد خود ہی ٹھیک ہو جائیں گی، کوئی پانی پلا رہا تھا۔ چند ضعیف خواتین نے کہا کچھ ایسی باتیں کرو کہ وہ خاموشی توڑ دے اسے رُلاؤ...... اسے رُلاؤ...... تب ہی ننھا پوتا شرجیل آ کر ان کی گود میں بیٹھ گیا۔

''دادو...... دادو...... میں بھی فوجی بنوں گا۔ بالکل بابا جانی کی طرح...... ٹھیک ہے... آپ مجھے بھی فوجی بنائیں گی ناں......!'' نہ جانے اس ننھے بچے کی باتوں میں ایسا کیا تھا کہ اسے کلیجے سے بھینچ کر اس ضبط کی تصویر نے زار و قطار رونا شروع کر دیا تھا۔ ساس، بہو کا بند ایسے ٹوٹا کہ لگ رہا تھا کہ اب یہ سیلاب کبھی نہیں رکے گا۔ یہ طوفان کبھی نہیں تھمے گا۔ وہ بار، بار پوتے کو بے تحاشا چوم رہی تھیں۔

''ہاں، ہاں میں شہید کی ماں ہوں اور تم...... تم بھی چند سالوں بعد شہید کی ماں بنوگی۔'' وہ اپنی بہو سے کہہ رہی تھیں جسے زبردستی رلایا گیا تھا۔

''میرے زین کی شہادت قبول ہوگئی...... اے قائد...... میں نے...... میں نے تو اپنا فرض پورا کیا، میرا بیٹا اس وطن پر قربان ہوا ہے۔ تم شہید کی بیوی ہو ناں......'' انہوں نے بہو کو سینے سے لگا کر اتنے آنسو بہائے کہ ہر آنکھ اشکبار تھی۔

''اللہ سے میری دعا ہے کہ میرے پاک وطن کی ہر ماں مجھ جیسی بن جائے۔ ہر شخص وطن کا خیر خواہ، ہمدرد اور سچا رہبر بن جائے' یا اللہ میرے پاک وطن کو سلامت رکھنا۔'' وہ پوتے کو سینے سے لگائے اپنے رب کے حضور دعا گو تھیں۔

''ثمرہ بیٹا، بتایا تھا ناں کہ کاٹیں گے نہیں ذبح کریں گے......'' صالحہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے تصحیح کی۔

''جی، جی ماما جی...... میں بھول گئی تھی۔'' ثمرہ نے معصومیت سے کہا تو دونوں ہنس پڑے۔

''پاپا ہمارا بکرا کب آئے گا؟'' ثمرہ کی سوئی بکرے سے آگے بڑھ نہیں رہی تھی۔

''لائیں گے بیٹا جی، جلد لائیں گے۔ آپ بھی میرے ساتھ منڈی چلنا۔ ہم دونوں باپ، بیٹی مل کر بکرا لائیں گے......''

''یا ہو......!'' ثمرہ خوشی سے اچھلتی ہوئی اپنی دوست مینا کو یہ خبر سنانے بھاگ گئی تو صالحہ نے شوہر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ اس بار بیل نہیں لائیں گے؟''

''نہیں یار، ثمرہ کو بکرے کا شوق ہو رہا ہے سو بکرا ہی لے آتے ہیں۔ کہو تو دو لے آؤں؟''

''ہاں ٹھیک ہے پھر دو لا یئے گا۔ بکرے میں سے گوشت کم نکلتا ہے۔ بانٹنا بھی ہوتا ہے اور آئے گئے کی خاطر داری میں پکوان بھی بنانے ہوتے ہیں......'' صالحہ نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے، دو بکرے لے آتے ہیں اس بار۔ آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔'' سرمد نے کچھ شوخی سے صالحہ کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا تو وہ جھینپ گئی۔

☆☆☆

صالحہ کا تعلق اچھے پڑھے لکھے، کھاتے پیتے گھرانے سے تھا۔ ماں باپ کے گھر بھی بہت آرام والی زندگی گزاری تھی کہ یہ صرف دو بہنیں تھیں صالحہ اور شائلہ...... دونوں بہنوں کی دو سال کے فرق سے آگے پیچھے شادی ہوئی تھی۔ ماں باپ نے اچھی تعلیم کے ساتھ، ساتھ تربیت بھی اچھی کی تھی۔ اللہ نے رشتے بھی اچھی جگہ کروا دیے تو ماں باپ کے دل سکون سے بھر گئے۔

صالحہ کی شادی کو چھ اور شائلہ کی شادی کو چار سال

ادائیگی کے بعد ضروری جانا کہ اب اللہ کے گھر جانے کا فرض بھی ادا کر لیا جائے تو اچھا ہے۔ اس وقت صالحہ کی گود میں پانچ سالہ ثمرہ تھی تو شائلہ کی گود میں تین سالہ ارباب تھا۔ دونوں بہنوں نے ماں باپ کو ہنسی خوشی اللہ کے گھر روانہ کیا تھا۔ لیکن یہ خوشی اس وقت دکھ میں بدل گئی جب خانہ کعبہ میں کرین کا حادثہ ان کی ساری ہنسی، ساری خوشیاں اپنے ساتھ لے گیا۔ ماں باپ کی میتیں وصول کرتے ہوئے دونوں بہنیں غم سے نڈھال تھیں مگر وقت ایسا مرہم ہے جو رفتہ، رفتہ ہر زخم مندمل کر دیتا ہے۔ رفتہ، رفتہ دونوں بہنیں اس اندوہ ناک المیے کے حصار سے باہر آ ہی گئیں لیکن ماں باپ سے جدائی کی کسک دل میں قیامت ڈھائی رہتی۔

☆☆☆

سرمد کے گھر میں ایک چھوٹی بہن اور ماں باپ کے علاوہ ایک دور کی پھپو صفیہ رہتی تھیں جو بیوگی کے بعد مستقل سرمد کے والد کے در پر ہی پڑی تھیں۔ وہ بہت اچھی ملنسار خاتون تھیں۔ اکثر صالحہ کا خیال اس کی ساس سے بھی زیادہ رکھتیں۔ ثمرہ، جہاں اپنے دادا، دادی اور پھپو کی جان تھی تو صفیہ پھپو بھی اسے بے انتہا پیار کرتی تھیں۔

شائلہ کی سسرال میں سسر کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ ان دونوں پر ذمے داریاں بھی نہیں تھیں مگر سسر بھی بہت شفیق اور خیال رکھنے والے تھے۔ سو شائلہ کی بھی بہت اچھی زندگی گزر رہی تھی۔ ارباب دادا کا لاڈلا تو ماما، پپا کی جان تھا۔ عید کی آمد، آمد تھی اور شائلہ نے آفتاب سے بکرا لانے کو کہا تھا۔ جبکہ اس کا خیال تھا کہ ہمیشہ کی طرح حصہ ڈال لیا جائے تا کہ سب جگہ گوشت کی بھرپور تقسیم کی جا سکے۔ پر شائلہ بضد تھی کہ نہیں اس دفعہ بکرا ہی لانا ہے۔ ابا جی نے جو یہ تکرار سنی تو بہو کی دل آزاری نہ ہو اس لیے بیٹے کو بکرا لانے کا کہہ دیا۔ جبکہ آفتاب سخت پریشان تھا۔ جس کمپنی میں وہ کام کرتا تھا وہ گزشتہ چند ماہ سے پے در پے نقصانات ...... ہونے کے قریب ہو گئی تھی۔ جس کی

...... ورکرز کو فارغ کر دیا گیا تھا۔ جن میں آفتاب بھی شامل تھا۔ لیکن آفتاب نے ابھی تک اس بات کا ذکر گھر میں نہیں کیا تھا کہ اللہ نے سات سال بعد دوبارہ خوشی کی نوید دی تھی۔ جس کی وجہ سے شائلہ کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں رہتی تھی۔ سو آفتاب نہیں چاہتا تھا کہ وہ بیوی کو کسی قسم کا اسٹریس دے۔ اس نے کافی جگہ اپلائی کر رکھا تھا اور امید تھی جلد ہی کہیں جاب کا انتظام ہو جائے گا مگر تقریباً ایک ماہ ہو گیا تھا، وہ روزانہ اپنی آفس ٹائمنگ میں جاب کی تلاش کے لیے نکلتا اور شام کو تھکا ہارا لوٹ آتا۔ اچھے وقتوں میں کی گئی بچت کام آ رہی تھی لیکن بکرا لینے کا مطلب تھا پینتیس، چالیس ہزار کا خرچہ، عید کے دیگر اخراجات کے علاوہ...... اور سب سے بڑھ کر عید کے فوراً بعد شائلہ کی ڈلیوری۔ وہ اسی شش و پنج میں تھا کہ کرے تو کیا کرے......؟

☆☆☆

آج صالحہ اور سرمد، شائلہ کے گھر آئے ہوئے ...... نے ذکر چھیڑ دیا قربانی کے جانور کا۔

''ارے...... کی ضد ہے اس بار بکرا لانا ہے۔'' سرمد نے ...... بیٹی کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پیار ...... لہجے میں کہا۔

''کیا بات ہے یار، کیا تال میل ہے دونوں خالہ، بھانجی میں۔ ادھر شائلہ کی بھی یہی ضد ہے۔'' آفتاب نے ہنس کر کہا۔

''اچھا......! تو پھر کب جا رہے ہیں آپ بکرا لینے آفتاب بھائی؟'' صالحہ نے پوچھا تو یک دم آفتاب کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

''کیا بات ہے آفتاب بھائی؟ آپ کچھ پریشان نظر آ رہے ہیں؟'' صالحہ نے بغور اس کا چہرہ دیکھا اور بولی۔

''ارے نہیں، نہیں ایسی کوئی بات نہیں صالحہ۔'' آفتاب ایک دم گھبرا گیا۔

''ارے بیٹا ہونا کیا ہے۔ آفتاب ہمیشہ کی طرح

اور میں بھی بہو کے ساتھ ہوں۔ بس یہی مسئلہ ہے۔'' آفتاب کے والد کہنے لگے۔

ان کی بات پر سب ہنسنے لگے۔ بات ہنسی مذاق میں اُڑ گئی لیکن صالحہ نے بھانپ لیا تھا کہ کچھ تو ہے جو آفتاب چھپا رہا ہے۔ اس نے شائلہ سے بھی چپکے سے پوچھا۔

''آپا پریشان نہ ہوں ایسی کوئی بات نہیں۔ اگر ہوتی تو کیا مجھے خبر نہ ہوتی؟'' شائلہ نے صالحہ کی تسلی کرا دی۔

☆☆☆

آج سرمد نے بکرا لینے جانا تھا۔ دن بھر کام کاج کے دوران صالحہ کا دھیان ایک دو بار آفتاب کی طرف گیا تو اس نے اپنی ساس اور صفیہ پھپو سے سرسری سا ذکر کیا تو صفیہ پھپو نے سمجھداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''بٹیا اگر تمہیں ایسا لگتا ہے تو تم آفتاب کو کال کر کے خود پوچھ لو۔ ہو سکتا ہے کوئی ایسی بات ہو جو وہ شائلہ کو نہ بتانا چاہتا ہو۔ خیر سے بچی دوسرے جی سے ہے۔ بہن ہے تمہاری...... تمہارا کام ہے اس کی خبر گیری کرنا۔''

''بیٹا اب تم ہی اس کا میکا ہو۔ بڑی بہن ہو ہر دکھ سکھ میں تمہیں اس کا ساتھ دینا ہے۔ تم آفتاب میاں سے پوچھ لو کیا مسئلہ ہے۔ شاید کوئی حل نکل آئے۔'' ساس نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔

صالحہ کی روح تک سرشار ہو گئی۔

''بہت شکریہ آپ دونوں کا۔'' وہ خوشی کے آنسوؤں سے لبریز آنکھیں لیے بولی۔

''یقین کریں امی جان، آپ سب کی محبت نے مجھے کبھی احساس نہیں ہونے دیا کہ میرے ماں باپ اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ میں ابھی کال کرتی ہوں آفتاب کو۔''

☆☆☆

دے کر نکلا تھا اور اب اس کا رخ ایک اور ملٹی نیشنل کمپنی کی طرف تھا جہاں تین بجے اس کا انٹرویو تھا۔ وہ گھڑی پر نظر ڈالتا تیز، تیز قدموں سے پارکنگ میں موجود بائیک کی طرف جا رہا تھا۔ جب اس کے موبائل پر آتی کال نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ صالحہ آپا کا نمبر دیکھتے ہی اس نے کال اوکے کی۔

''السلام علیکم آپا!''

''وعلیکم السلام! کیسے ہو آفتاب؟''

''ٹھیک ہوں آپا۔''

''آفتاب دیکھو میں صرف شمائلہ کی ہی نہیں تمہاری بھی آپا ہوں۔ کل میں نے محسوس کیا تم کچھ پریشان تھے۔ اگر کوئی مسئلہ ہے تو بلا جھجک مجھے بتاؤ، اس مان کے ساتھ کہ میں تمہاری بڑی بہن ہوں۔''

صالحہ کے پیار بھرے جادو اثر الفاظ نے چند لمحوں کے لیے آفتاب کو خاموش سا کر دیا۔

''ارے نہیں، نہیں آپا ایسی کوئی بات نہیں آپ نے خواہ مخواہ ٹینشن لے لی۔ کوئی بھی بات نہیں۔''

''ٹھیک ہے آفتاب، اس کا مطلب تم مجھے بہن سمجھتے ہی نہیں۔'' آپا نے لہجے میں ہلکی سی ناراضی شامل کرتے ہوئے کہا۔

آفتاب شش و پنج میں پڑ گیا۔ کرے تو کیا کرے۔ آخر اس نے سچ بتانے کا فیصلہ کر لیا اور گویا ہوا۔

''آپا آپ بہت اچھی ہیں۔ یہ آپ کا اخلاص ہی ہے جس نے محسوس کر لیا کہ میں پریشان ہوں۔ گو کہ یہ اتنی بڑی بات نہیں ہے لیکن فی الحال میرے لیے واقعی پریشانی کا سبب ہے۔'' وہ آہستہ آہستہ بولا۔

''تو میرا دل صحیح کہہ رہا تھا۔ جلدی بتاؤ میں تو پریشان ہو گئی ہوں۔'' صالحہ گھبرائی۔

تب آفتاب نے تمام صورت حال آپا کے گوش گزار کر دی تو اسے اپنا آپ ہلکا پھلکا لگا کہ وہ جو اپنی پریشانی کسی سے شیئر نہیں کر پا رہا تھا۔ ایک مخلص ہستی کے ساتھ بانٹنے سے جیسے اس کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔

ہوئے کہا۔ ''بات ہے تو پریشانی والی آفتاب لیکن شکر ہے جو میں سمجھی تھی وہ نہیں۔ میں شمائلہ کی صحت کو لے کر پریشان تھی۔ باقی رہ گئی تمہاری جاب کی بات تو بھیا یہ اتار چڑھاؤ تو زندگی کا حصہ ہوتے ہیں۔ ایسے میں تمہیں شمائلہ کو اپنے اعتماد میں لینا چاہیے تھا۔''

''آپا......'' آفتاب بے بسی سے بولا۔ ''میں نے بارہا چاہا کہ شمائلہ سے یہ سب شیئر کروں لیکن آپ کو پتا ہے جس کنڈیشن سے وہ گزر رہی ہے، جوں جوں وقت گزر رہا ہے اس کی طبیعت میں چڑچڑا پن بڑھ رہا ہے اور میں اس کو خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا ہوں۔ آپ کو پتا ہے ناں کہ عید کے فوراً بعد ہی اس کی ڈلیوری متوقع ہے۔ بس یہی بات میرے لیے پریشانی کا سبب بن رہی ہے کہ اگر میں بکرا لے آتا ہوں تو اس وقت کا خرچہ بھی منہ کھولے کھڑا ہے۔ ایسے میں میں کس طرح سمجھاؤں شمائلہ کو۔ اس نے تو جیسے ضد ہی پکڑ لی ہے کہ مجھے بکرا چاہیے جبکہ پہلے کبھی اس نے اس طرح ضد نہیں کی۔''

''ہاں تم صحیح کہہ رہے ہو۔'' صالحہ آپا نے کہا۔

''چلو تم فکر نہ کرو۔ میں پورے دل سے تمہارے لیے دعا ہوں...... اللہ جلد ہی تمہاری جاب کا بندوبست کر دے گا۔ باقی میں دیکھتی ہوں کہ شمائلہ کو کیسے سمجھایا جا سکتا ہے اور اس مسئلے کو کس طرح حل کیا جا سکتا ہے۔''

''بہت شکریہ آپا۔'' آفتاب متشکرانہ لہجے میں بولا۔ ''یقین کریں اپنی پریشانی آپ سے شیئر کر کے میرے دل کا بوجھ بھی ہلکا ہو گیا۔ بس آپ دعا کیجیے کہ مجھے جلد از جلد جاب مل جائے۔ اب بھی انٹرویو کے لیے جانا ہے۔ تین بجے میرا انٹرویو ہے۔''

''جاؤ بھیا، اللہ تمہیں کامیاب کرے۔'' آپا نے دعائیں دیتے ہوئے فون بند کیا اور گہری سوچ میں مستغرق ہو گئیں۔

☆☆☆

سرمد ابھی، ابھی ثمرہ کے ساتھ مویشی منڈی سے

ادا کی فرمائش پر پانچ دن پہلے ہی وہ دو عدد صحت مند خوب صورت بکرے لے آئے تھے۔ صالحہ آپا نے بھی خوشی کا اظہار کیا لیکن وہ ہنوز سوچ میں تھیں۔

ساری رات سوچوں میں کٹی لیکن سرمد اتنا تھکے ہوئے تھے کہ صالحہ نے فی الحال ذکر کرنا مناسب نہ سمجھا۔ دوسرے دن سرمد کے آفس جانے کے بعد جب سوچ، سوچ کر وہ تھک گئیں اور کوئی سرا ہاتھ نہ آیا تو بالآخر اپنی ساس اور صفیہ پھپھو سے ذکر کر ہی ڈالا۔

''بیٹی یہ تو کافی پریشانی کی بات ہے۔'' حسب معمول پہلے صفیہ پھپھو ہی گویا ہوئیں۔ ''آفتاب میاں کو کم سے کم اپنے والد سے ضرور ذکر کر دینا چاہیے تھا تا کہ وہ اپنی بہو کی ہاں میں ہاں نہ ملاتے بلکہ کسی اور طریقے سے اسے سمجھا دیتے کہ قربانی کا مقصد اللہ کی خوشنودی ہے، بکرا ہو یا حصہ...... اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

''جی پھپھو آپ صحیح کہہ رہی ہیں۔ لیکن بقول آفتاب اس کی ہمت نہیں پڑی کہ باپ یا بیوی کا دل توڑے۔ اسی لیے خود پریشانی اٹھا رہا ہے۔''

''بیٹی تم پریشان نہ ہو۔ اللہ سب بہتر کرے گا۔'' ساس نے کہا۔

''امی جان میں سوچ رہی ہوں فون کر کے شمائلہ سے بات کروں؟'' صالحہ بولی۔

''نہ بیٹی۔'' ساس نے فوراً منع کر دیا۔ ''جب شوہر اپنا مان رکھنا چاہتا ہے تو ہم تم کون ہوتے ہیں میاں بیوی کے بیچ ایسی بات کرنے والے جس سے رنجش پیدا ہوں۔''

''میں کبھی نہیں امی جان...... کیسی رنجشیں؟'' صالحہ نے حیرانی سے ساس کو دیکھا۔

تب صفیہ پھپھو مدبرانہ لہجے میں بولیں۔

''بیٹا جب تم شمائلہ کو سمجھاؤ گی تو وہ لامحالہ پوچھے گی کہ آپ کو یہ سب کس نے بتایا۔ تم آفتاب میاں کا نام لو گی تو اس کے دل میں اپنے شوہر کی طرف سے کدورت پیدا ہو جائے گی جس نے بیوی کو بتانے کے بجائے تمہیں بتایا۔ اس وقت شمائلہ کو یہ مصلحت بھی سمجھ

نئی روشنی

جب اس کی پہلی بیوی راہی ملک عدم ہوئی تو اس نے ایک بہت اچھا لوح مزار تیار کروایا اور اس پر یہ الفاظ کندہ کروائے۔

''میری زندگی کا دیا بجھ گیا۔''

چند ماہ بعد اس نے دوسری شادی کر لی۔ ایک دن وہ اپنی دوسری بیوی کے ساتھ اپنی پہلی بیوی کی قبر کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کی بیوی نے جب اتنے اچھے جذبات لوح مزار پر کندہ دیکھے تو اس نے ہمدردی اور حسد کے ملے جلے جذبات میں اپنے خاوند کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

''کیا یہ حقیقت ہے؟''

''ہاں، یہ بالکل حقیقت ہے۔'' اس کے خاوند نے جواب دیا۔ ''لیکن اب میں نے دیے میں دوبارہ تیل ڈال لیا ہے اور اب پھر روشنی ہی روشنی ہے۔''

راست گو

وہ مچھلیاں پکڑنے گیا لیکن آج اس کی قسمت ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ کئی گھنٹے جھک مارنے کی کوشش کے بعد ناکام لوٹ آیا اور ایک ماہی فروش کی دکان کے باہر کھڑا ہو کر کہنے لگا۔ ''میری طرف چار کلو مچھلی پھینک دیجیے تاکہ میں پکڑ کر تھیلے میں ڈال لوں۔''

''آپ کی طرف مچھلیاں پھینکنے میں کون سا فلسفہ ہے؟'' دکاندار نے تعجب سے سوال کیا۔

''اس لیے کہ گھر والوں کو بتا سکوں کہ مچھلیاں میں نے پکڑی ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''اور بلاشبہ یہ حقیقت ہو گی کیونکہ مجھے جھوٹ سے سخت نفرت ہے۔''

انتخاب: عرشیہ جنید، کراچی

نہیں آئے گی کہ اس کی صحت کے پیشِ نظر آفتاب میاں نے اسے نہیں بتایا۔"

"اُف۔" صالحہ نے سر تھام لیا۔ "تو پھر اس مسئلے کو کیسے حل کیا جائے؟" صالحہ نے ساس اور صفیہ پھپھو کو باری، باری دیکھتے ہوئے کہا۔

"بیٹی اللہ بڑا مسبب الاسباب ہے۔ رات میں بات کرتے ہیں، جب سرمد اور تمہارے ابا میاں بھی آجائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ سب بہتر ہوگا۔" یوں دونوں شفیق خواتین نے اس کی کافی ڈھارس بندھائی۔

☆☆☆

رات میں ڈنر سے فراغت پا کر صالحہ کی ساس نے سب کو لاؤنج میں اکٹھا کیا اور آفتاب کا مسئلہ سب کے سامنے رکھا تو سرمد نے اپنے والد کی طرف دیکھا۔

"آپ کیا کہتے ہیں ابو جی۔ اس مسئلے کا کیا حل ہونا چاہیے؟"

اس نے باپ سے پوچھا۔

"بالکل وہی حل ہونا چاہیے کہ جو اگر بہو کے والد زندہ ہوتے اور وہ صالحہ کے لیے قربانی کا جانور لاتے تو لازم ہے کہ شمائلہ کے لیے بھی لاتے۔"

"میں سمجھا نہیں ابو جی......" اس بات پر سرمد نے کسی قدر الجھ کر باپ کو دیکھا۔

"میں سمجھاتی ہوں بیٹا۔" صالحہ کی ساس نے کہا۔

"اگر صالحہ کے ماں، باپ اس دنیا میں ہوتے اور وہ صالحہ کے لیے قربانی کا جانور لاتے تو لامحالہ شمائلہ کے لیے بھی لاتے۔ لیکن اللہ ان کو کروٹ، کروٹ جنت نصیب کرے کہ وہ اس دنیا میں نہیں ہیں۔ لیکن ہم تو ہیں ناں اور اب صالحہ کے ساتھ، ساتھ شمائلہ کے بھی سب کچھ ہم ہی ہیں۔ بہنوئی بھی بھائی ہی ہوتے ہیں۔ تمہارے ابو جی کا فیصلہ ہے کہ تم جو دو بکرے لائے ہو اس میں سے ایک شمائلہ کو دیا جائے گا لیکن اس طرح کہ آفتاب کے سوا کسی کو اس بات کا علم نہ ہونے پائے۔"

بات تو اس کے گمان میں بھی نہ تھی۔ ایک پل کو جیسے اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا پھر فوراً سنبھلتے ہوئے بولی۔

"امی جان یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ سرمد اتنے شوق سے بکرے لائے ہیں تو......"

"کیوں نہیں ہو سکتا صالحہ؟" بات اس کے منہ میں ہی رہ گئی جب سرمد نے کہا۔

"میں بکرے قربانی کی نیت سے لایا ہوں۔ تو کیا فرق پڑتا ہے اس گھر میں ذبح ہوں یا میری بہن شمائلہ کے گھر میں۔ بس فیصلہ ہو گیا۔ صبح میں آفس نہیں جا رہا آفتاب کو ادھر ہی بلاؤں گا۔"

"بہت شکریہ ابو جی کہ آپ نے اتنا اچھا فیصلہ کیا۔" صالحہ سے بات کرتے کرتے سرمد نے باپ کو مخاطب کیا۔

"بچے مجھے خوشی ہے کہ تم بھی "قربانی" کے مفہوم سے آگاہ ہو۔" وہ شفقت سے مسکرا دیے اور کہا۔

☆☆☆

صبح حسبِ معمول اپنی پوری آب و تاب سے طلوع ہوئی تھی۔ فرق صرف یہ تھا کہ سرمد آفس کے لیے تیار ہونے کے بجائے ابھی تک بیڈ پر محوِ استراحت تھا۔ جبکہ صالحہ دو بار جگا چکی تھی۔

ثمرہ کے اسکول کی چھٹیاں تھیں سو وہ بھی باپ کے ساتھ خوابِ خرگوش میں گم تھی۔ اللہ، اللہ کر کے گیارہ بجے اٹھ کر باپ بیٹی نے ناشتا کیا اور سرمد نے ناشتے کے فوراً بعد آفتاب کو کال کر کے گھر آنے کے لیے کہا تو آفتاب نے ایک گھنٹے میں پہنچنے کا کہہ کر فون بند کر دیا۔ صالحہ کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ وہ بار، بار اللہ کا شکر ادا کرتی جس نے اسے بہترین شریکِ سفر اور سسرال عطا کی تھی، وہ اپنا شمار دنیا کی خوش قسمت ترین عورتوں میں کر رہی تھی اور سرمد کے سامنے رات سے اب تک کئی بار اس کا برملا اظہار بھی کر چکی تھی۔ جس سے تنگ آ کر سرمد نے کہا تھا۔

"یار صالحہ ایسا کرو ایک تسبیح لے لو اور اس

کہ اس پڑی تھی اور شوخی سے بولی تھی۔ "کرنا تو مجھے ایسا ہی چاہیے۔"

☆☆☆

آفتاب کے آنے پر سب گھر والے مل کر بیٹھے اور تمام صورتِ حال اس کے سامنے رکھی تو وہ اتنی بہت ہی کھلا ہی رہ گیا جیسے حیران رہ گیا۔ بے شک پچھلے سات آٹھ سالوں میں اسے صالحہ یا اس سے وابستہ رشتوں سے بھی کوئی شکایت نہیں ہوئی تھی۔ ہمیشہ اپنائیت ہی ملی تھی لیکن اس درجہ محبت کا اندازہ اسے اب ہوا تھا۔

"میں بہت خوش ہوں جو آپ جیسے بہترین رشتے میسر ہیں۔ لیکن میں ایسا کیسے کر سکتا ہوں۔" آفتاب نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"بیٹا یاد رکھنا کہ صرف صالحہ ہی ہمارے گھر کی عزت نہیں ہے شمائلہ بھی برابر کی حصے دار ہے...... اور ماں باپ اپنی دو بیٹیوں میں کبھی فرق نہیں رکھ سکتے۔ تمہیں نہ صرف ایسا کرنا ہوگا بلکہ ہمارا یہ مان بھی رکھنا ہوگا کہ ایک اچھا داماد ہونے کے ناتے ہماری عزت رکھو اور کبھی شمائلہ یا اپنے والد کو یہ سب نہیں بتاؤ گے۔ بالکل اسی طرح جیسے اپنی جاب کا نہیں بتایا تھا اور ہمیں امید واثق ہے کہ عید کے بعد جب اللہ تمہیں ایک بار پھر باپ کا عہدہ عطا کرے گا تو انشاء اللہ اس ننھے وجود کی برکت سے تمہیں بہترین جاب سے بھی ضرور نوازے گا۔ یہ اونچ نیچ، اتار چڑھاؤ زندگی کا حصہ ہوتے ہیں اور ایسے ٹائم پر اگر اپنے ہی ایک دوسرے سے صرفِ نظر کر جائیں تو انسانیت تو سمجھو مفقود ہی ہو گئی۔ ہو سکتا ہے آنے والے دنوں میں کبھی سرمد کو کوئی ایسی ضرورت آن پڑے کہ جب اسے کسی بھائی کی ضرورت محسوس ہو تو میری خواہش ہوگی وہ کسی اور کی طرف دیکھنے کے بجائے تم پر انحصار کرے۔ بس یہ دعا کرو اللہ پاک ہماری، تمہاری یہ قربانی قبول فرمائے۔ بس اب تم یہ بکرا شام میں آ کر گھر لے جانا اور بتانا کہ سرمد کے ساتھ مویشی منڈی گئے تھے ایک بکرا سرمد لایا ایک تم۔ اگر مصلحت کے لبادے میں بولا گیا ایسا جھوٹ جو کسی

نقصان کے بجائے کسی کی خوشی کا باعث بن سکتا ہے
اس مصلحت کو اپنانے میں کوئی حرج نہیں۔" سرمد
والد نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہ
آفتاب کی آنکھیں اشک بار تھیں۔

☆☆☆

عید کی صبح اپنے جلو میں بے شمار سچی خوشیاں
ہوئے تھی۔ ایک طمانیت کا احساس تھا جو صالحہ کو ا
رگ و پے میں اترتا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھو
میں اپنے ماں باپ کے چہرے گھوم رہے تھے۔ جن
پاکیزہ اور حق حلال کی کمائی نے انہیں پروان چڑھ
تھا۔ ہمیشہ اچھائی کا سبق پڑھایا تھا۔ سب کی خوشی
میں شامل ہونا سکھایا تھا۔ زندگی میں اونچ نیچ آئے
گزارہ کرنا سکھایا تھا۔ اپنی چادر دیکھ کر پاؤں پھیلا
سکھایا تھا۔ اپنے بڑوں کا ادب، احترام کرنا سکھایا تھا
والدین کی اچھی تربیت اور پاکیزہ زندگی انعا
ہی تو ہوتا ہے ان کے بعد جبھی تو صالحہ اور شمائلہ کو بھی ا
نے بہترین قدر دان لوگ عطا کیے تھے۔ اور اس
خود بھی والدین کی تربیت کی ہر آن لاج رکھی۔ سر
کے والدین کو ہمیشہ اپنے ماں باپ جیسا عزت و احترا
دیا تھا۔ جانتی تھی صفیہ پھپھو بیوگی جیسے بڑے دکھ سے
دوچار ہیں تو کبھی کوئی ایسی بات نہیں کرتی تھی جو ان
ناگوار گزرے یا جس سے ان کو احساس ہو کہ وہ کسی او
کے در پر پڑی ہیں۔
بیٹی کو بھی سب بڑوں کا احترام کرنا سکھایا تھا او
آج یہ سب صالحہ اور شمائلہ کی خوشیوں میں بالکل سگے
رشتوں کی طرح شامل تھے کہ عیدِ قرباں کا نام ہی قربان
سے وابستہ ہے۔ جب، جب اپنے نفس کو مار کر اپنی
خواہشات کی قربانی دے کر دوسروں کو خوشی دی جائے
وہی پل "عید" بن جاتے ہیں۔ اور قربانی کی اساس
یہی ہے کہ اپنوں کے دکھ، درد میں شریک ہوا جائے اور
اپنوں کو اپنی ہر خوشی میں شریک کیا جائے۔



ناولٹ

نواں حصہ

محبت لفظ ہے لیکن......

"ماں باپ کے سامنے بہت سوچ سمجھ کے بولا کرو کیونکہ کبھی کبھی ان کے سامنے بولا گیا کوئی بھی برا یا اچھا کلام ہماری پوری قسمت پہ حاوی ہو جاتا ہے۔"

خوب صورت جذبوں کی باریکیاں بیان کرتی حیا بخاری کی ایک دل نشیں تحریر

آفتاب ولی خان نے زندگی کی ہر آسائش ان ماں، بیٹے کے آگے ڈھیر کردی تھی، وہ اس خاندان کے محسن تھے۔ اور آفتاب ولی خان کا خاندان جانتا تھا کہ

سہولت کے باوجود بھی اسفند یار کی بیوہ غم نہیں سہہ پا رہی تھیں۔ اور روز بروز اُن کی صحت گرتی جا رہی تھی۔ سہراب علی خان البتہ اس مملکتِ مختصر میں آ کر بے حد خوش تھا۔ یہاں آ کر اسے جو مقام دیا گیا تھا اس کا اسے

بخوبی اندازہ تھا۔ وہ آفتاب ولی خان کے اکلوتے جاں نشین زریاب ولی خان کی برابری کرنے لگا تھا، آفتاب ولی خان نے اسے بیٹا کہا تھا، اس صحت مند خوب صورت بچے کو اس بات کا بخوبی ادراک تھا کہ چونکہ یہی خاندان اس سے اس کے باپ کی دوری کا باعث بنا تھا سو اس کی ہر چیز پہ اس کا برابر کا حق تھا۔

آفتاب ولی خان جب بھی بیٹھک پہ جاتے ہمیشہ زریاب ولی خان کو ساتھ رکھتے تاکہ چھوٹی سی عمر سے ہی اسے سرداری کی اونچ نیچ سمجھ آسکے۔ اور وہ سیاست اور خدمت کا فرق جان سکے...... اسفند یار کی موت کے بعد ہر وقت کھیل کود میں وقت برباد کرنے والا سہراب علی خان بھی زریاب کی طرح ہی کلف لگے کپڑے پہن کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہوتا۔ کبھی، کبھی اس کی پھرتی آفتاب ولی خان کو بھی ورطۂ حیرت میں ڈال دیتی تھی۔ اس کی گہری سبز آنکھوں میں عجیب سی ذہانت چمکتی تھی۔

''مجھے تو اس بچے کی آنکھوں سے بہت خوف آتا ہے، آپ کو اسے زریاب کے اتنا قریب نہیں رکھنا چاہیے۔'' زریاب کی اماں اکثر خوفزدہ ہو کر ان سے کہہ بھی دیتیں تو وہ مسکرا دیتے۔

''اوہ پاگل...... زریاب کی طرح ہی تو ہے، معصوم سا بچہ ہے، اس سے بھی تمہیں خوف آرہا ہے۔'' وہ انہیں تسلی دیتے۔

''یاد رکھو، خدا محسنوں کو بھول جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔'' اور...... بھولی بھالی اماں فوراً کانوں کو ہاتھ لگائے استغفار کا ورد شروع کر دیتیں۔

اور پھر بیٹھک میں بھی وہ آفتاب ولی خان کو اکثر حیران کر دیتا تھا، زریاب کی نسبت وہ زیادہ توجہ لیتا تھا ان معاملات میں، زمینداری، بدی داری، (وہ دشمنی جو نسلوں در نسلوں قتل، در قتل چلتی ہے۔) کے معاملات میں خاص طور پہ آفتاب ولی خان نے یہ بھی دیکھا تھا کہ عام بچوں کی طرح وہ صرف سب کچھ جذب ہی نہیں ...... بھی رہتا تھا جیسے ان کا

اصل جاں نشین وہی ہو، زریاب نہیں...... صرف چند دنوں میں ہی انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ بچہ اپنی عمر سے کئی سال آگے سوچتا تھا۔ شدت پسند تھا، بدی داری کے معاملات میں نہ صرف غیر ضروری دلچسپی لیتا تھا بلکہ حیران کن طور پر بدلہ لیے جانے کے حق میں ہی بات کرتا تھا۔ اسے لگتا تھا معافی یا صلح نامے سے متاثرین کے دکھ کا ازالہ ناممکن تھا۔

اس کی بڑھتی عمر کے ساتھ آفتاب ولی خان جیسے یہ ماننے لگے تھے...... وہ اسفند یار علی خان، ان کے سگے چچا زاد کا بیٹا ضرور تھا، ان کا خون ضرور تھا لیکن واقعی اس میں کچھ غلط تھا، وہ اسے اکثر سمجھاتے بھی لیکن وہ انہیں یوں دلائل دیتا کہ بالآخر انہیں ہی خاموشی اختیار کرنا پڑتی۔

آفتاب ولی خان نے یہ بھی دیکھا تھا کہ سہراب، زریاب سے مرعوب ضرور رہتا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں اس کے لیے پسندیدگی کے رنگ بہت دھیمے تھے، حویلی کے ملازموں میں وہ صرف انہی بچوں کے ساتھ کھیلنا پسند کرتا تھا، جو حد سے زیادہ شرارتی تھے، ان کی شرارت سے نہ انسان محفوظ رہتے تھے نہ حیوان...... زریاب جس قدر سلجھی ہوئی اور سمجھدار شخصیت کا مالک تھا، سہراب اسی قدر جلد باز اور منفی سوچ رکھتا تھا، وہ اب بیوی کی بات کو سوچنے لگے تھے، ایک شام ایسا واقعہ ہو گیا کہ ان کو واقعی اپنے فیصلے کے غلط ہونے کا احساس ہو گیا۔

اس دن شام کے کھانے کے بعد وہ چہل قدمی کرتے ہوئے پائیں باغ کی طرف آئے تھے۔ جب انار کے گھنے درخت کے نیچے انہوں نے ماں، بیٹے کو باتیں کرتے دیکھا۔ وہ بلا ارادہ ہی رک گئے۔

''امی، بیٹھک میں سب آدمی سادہ سفید پگڑی پہنتے ہیں اور آفتاب بابا، اتنی اونچی، چمکدار پگڑی...... کیوں؟'' وہ ماں سے پوچھ رہا تھا۔ اس کے معصومیت بھرے سوال پر وہ مسکرا دیے تھے۔

''کیونکہ وہ سردار ہیں ناں ہمارے...... اور

سردار کی پگڑی بھی اونچی ہوتی ہے تاکہ اس علاقے کے لوگ اس کی پہچان ہو سکے۔''

''اچھا'' وہ سمجھنے کے انداز میں سر ہلاتا ہوا اٹھا۔

''اور ...... بابا کے بعد یہ پگڑی کون پہنے گا؟'' وہ پوچھنے لگے تھے۔ جب اس کا سوال سن کر رک سے گئے تھے۔

''ظاہر ہے زریاب بابا۔'' خفیف سی ماں نے انہوں نے بتانے میں اس کا خوب صورت چہرہ تھامتے ہوئے کہا۔ شام کے مدھم اجالے میں اس کی گہری سبز آنکھیں اور رنگ سی ہوئیں۔

''اور میں ممی......'' سوال بالکل اچانک تھا۔

''تم تو زریاب کا دایاں ہاتھ بنو گے ناں اپنے بابا کی طرح جس طرح وہ آفتاب والا کے ساتھ رہتے تھے۔''

''لیکن ممی ...... مجھے بابا کی طرح نہیں مجھے آفتاب بابا کی طرح بننا ہے۔ اونچی پگڑی والا۔'' [illegible]

''اچھا اب سو جاؤ ...... لڑتے بچے......'' انہوں نے ...... بچے کو خود میں سمو لیا تھا۔

اور اس ...... بنا آہٹ کیے واپس پلٹتے آفتاب ولی خان نے پہلی بار سوچا تھا، وہ واقعی اس بچے کو اپنانے میں غلطی کر گئے تھے۔ انہیں وہ رات اچھی طرح یاد تھی جب اماں جی نے انہیں بتایا تھا۔

''اس بچے کی آنکھیں اس کا اندر کھول دیتی ہیں آفتاب خان ...... اس کی تیز، روشن آنکھوں سے اس کا اندر جھلکتا ہے ...... وہ اچھا نہیں ہے ...... بلا کا شیطان ہے۔ یاد رکھنا خان ...... تاریکی صرف رات کی نہیں ہوتی، انسان کے دل کی بھی ہوتی ہے، کالی شالا ...... گھپ اندھیرا ...... جس طرح رات کا اندھیرا اجالے کو نگل لیتا ہے ...... اسی طرح دل کا اندھیرا ہر نیکی، ہر احسان کو نگل جاتا ہے ...... مجھے تو لگتا ہے، زریاب کل کو اس کی وجہ سے مشکل میں پڑ جائے گا......'' وہ ان کو سمجھا رہی تھیں اور وہ الٹا سوچے ...... لے جا رہے تھے۔

''میں نے دیکھا ہے، جب وہ دونوں کھانا کھانے بیٹھتے ہیں ناں...... تو سہراب کسی نہ کسی طرح زریاب کی پلیٹ سے ہر اچھی چیز اٹھا لیتا ہے...... اور سیانوں کا قول ہے کہ دوست، دشمن کا فرق کھانے کی میز پر ہی پتا چل جاتا ہے، نوالے اور بوٹی پہ نظر رکھنے والا کبھی تیرا دوست نہیں بن سکتا۔''

اس رات انہیں وہ ساری باتیں صفر لگی تھیں۔

لیکن اب انہیں اپنے فیصلے پر افسوس ہونے لگا تھا۔ اب سب کچھ سمیٹنا بہت مشکل تھا۔ سہراب علی خان اس حویلی میں جگہ بنا چکا تھا۔ اور حویلی سے باہر کے لوگ بھی اب اسے ان کا بیٹا مانتے تھے، بہر حال وہ سردار تھے...... اور سردار فیصلہ لینے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں، انہیں بھی اب جلد از جلد کچھ سوچنا تھا۔

☆☆☆

وہ انہیں نہیں جانتا تھا لیکن جس شخص کے بارے میں وہ اطلاع لائے تھے، اسے ان سے کسی تعارف کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ وہ اس وقت بغور انہیں اس طرح سن رہا تھا جیسے وہ واقعی اس کے ہمدرد ہوں، غمگسار، بہت پرانے دوست......

''سہراب علی خان وہ شیطان ہے جو کسی کو بھی نگل سکتا ہے۔ اور ایسا ہی اس کا بیٹا...... تمہاری بہن اس کے فارم ہاؤس تک کیسے پہنچی...... یہ سب تم یا تمہاری بہن بتاؤ گے۔ ہم تمہیں صرف ان ظالموں تک رسائی دیں گے۔ ہماری این جی او نہ صرف تمہاری بہن کو بلکہ تمہاری ساری فیملی کو سپورٹ کرے گی۔ در پردہ مقدمہ اور اس کا سارا خرچہ بھی ہم اٹھائیں گے...... ہو سکتا ہے فیصلہ آنے کے بعد تمہاری ساری فیملی کو ہمارا خان کسی دوسرے ملک بھی سیٹل کروا دے۔ فی الحال تمہیں اپنی بہن کو اس پریس کانفرنس میں پیش کرنا ہو گا جس کا سارا انتظام ہم کریں گے۔ تمہیں صرف اپنا دکھ، اپنا مسیج بیان کرنا ہے۔ باقی کام ہم پہ چھوڑ دو، ہمارا مقصد اور تمہارا مقصد صرف ایک ہے۔ تمہاری بہن کے مجرم کی تباہی...... اور ہمارا ساتھ دے کر تم اعلیٰ اسٹینس بھی

حاصل کر سکتے ہو اور اعلیٰ شخصیات کی ہمدردی بھی...... فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔'' گن بردار آدمی نے ایک کارڈ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔

''جب بھی فیصلہ کرلو اس نمبر پر رابطہ کر لینا۔ سہراب علی خان سے انتقام کی اس جنگ میں تم ہمارا ساتھ دو، ہمیں اچھا لگے گا۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اور دروازے کے سامنے سے گزرتی سبین کے قدم لوہے کے ہوئے تھے۔

''سہراب علی خان۔'' خوف سے ان کا دل دھڑکنا ہی بھول گیا تھا جیسے انہوں نے جھٹ سے گرتے وجود کو سنبھالنے کے لیے دیوار کا سہارا لیا تھا...... اندر کون تھا، انہیں غرض نہ تھی لیکن وہ بات کس معاملے پر کر رہے تھے۔ انہیں یہ سمجھنے میں وقت نہیں لگا تھا، وہ مرے، مرے قدموں سے لالہ کے کمرے کی طرف آ گئیں۔ لالہ بستر پر پڑی تھی۔ دروازے کی طرف اس کی پشت تھی۔ وہ چل نہیں پا رہی تھیں۔ تبھی بہ مشکل کانپتی ٹانگوں سے اس کے قریب بیڈ پر اپنا وجود گرا سا لیا تھا، لالہ نے چونک کر پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔ اس کی پلکیں اب بھی نم تھیں۔ سبین کا دل کسی نے مٹھی میں کرلیا۔

''لالہ......'' وہ بہ مشکل اسے پکارتے ہوئے بولیں۔

''سہراب لالا......؟ لالہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ان کے سوکھے خشک ہونٹ ذرا سا کپکپائے تھے۔ اور کتنے دنوں کی ٹوٹی پھوٹی، خاموش سی لالہ ایک دم اُن کے گلے لگ کے پھوٹ، پھوٹ کر رو دی تھی۔ سبین کے روتے، بلکتے، لرزتے وجود کو اسے سنبھالنے میں خود وقت کا سامنا تھا۔

''تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا لالہ...... میری بدنصیبی، میرے بخت کی سیاہی تجھے لوٹ ہی گئی میری بچی......'' وہ منہ پہ دونوں ہاتھ مارتے بین کرتے ہوئے بولیں۔ اماں گھبرائی سی شور کی آواز سن کر اُن کی طرف آئی تھیں اور ماں، بیٹی کو اتنے عرصے بعد یوں ایک دوسرے سے لپٹے دیکھ کر وہیں جم سی گئیں۔

''نہیں امی...... میں تو ساری عمر آپ کو طعنے مارتی رہی...... آپ کو اپنا مجرم ٹھہراتی رہی...... آپ کی نافرمانی کی ہی تو سزا ملی ہے مجھے امی...... کہ خدا نے خود میری ذات اس شیطان کے سامنے لا کھڑی کردی امی......''

وہ سسک، سسک کے ماں کے ہاتھ چوم رہی تھی۔

''وہ مجسم شیطان، میں نے جب اپنی آنکھوں سے دیکھا امی...... تو پہلی بار میرا دل کیا کہ کاش وہ مجھے مار دے...... میرا آپ سے سامنا نہ ہو امی...... میں آپ کو کیا، کیا کہتی رہی...... بدکردار...... گھر سے بھاگی عورت...... مجھے ماریں امی...... ابھی اور اسی وقت میرا وجود توڑ پھوڑ ڈالیں۔'' وہ ماں کے ہاتھ لے کر اپنے چہرے پر مارنے لگی۔

''لالہ......'' سبین نے اسے زبردستی خود میں بھینچ لیا تھا۔

''میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی سہراب لالا...... میرا خدا آپ کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔'' وہ زور، زور سے رونے لگی تھیں۔ لالہ ان کی گود میں سر چھپائے الگ سسک رہی تھی۔ اماں نے آگے بڑھ کر سبین کا سر خود سینے سے لگا لیا تھا۔ وہ اب بھی خوش قسمت تھے۔ دعا ان کے ساتھ تھی۔

☆☆☆

آئینہ ٹوٹنے کا شور بے حد زیادہ تھا۔ وہ بھاگتی ہوئی لاؤنج میں آئی تھی۔ گلاس ونڈو کے سامنے ضیا کھڑا تھا۔ گلاس مکمل طور پر ٹوٹ چکا تھا۔

''کتنے آئینے توڑو گے خان......؟'' وہ دھیرے، دھیرے چلتی اس کے قریب آ کے بولی۔

ضیا نے زخمی نظروں سے اسے دیکھا پھر نظریں پھیر لیں۔

''جس آئینے میں بھی اس کا عکس نظر آئے گا۔'' بھاری، تھکن سے چور لہجہ......

''باہر کے آئینے توڑنے سے دل پہ جمے عکس کہاں پیچھا چھوڑتے ہیں۔'' وہ اداس لہجے میں بکھرے کانچ کے ٹکڑوں کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''کیوں زمزمہ......؟ کیوں......؟'' وہ بالکل اچانک اس کی طرف مڑا تھا کہ وہ گھبرا سی گئی تھی۔

''جس سے میں شدید نفرت کرتا تھا جو اتنے سالوں سے میرے باء جی کی تکلیف کا باعث بنے تھے۔ مجھے ان کے لیے اتنا برا کیوں محسوس ہو رہا ہے۔ نفرت پر کچھ اور غالب کیوں آنے لگا ہے، کیوں اس کے نرم ہاتھ، معصوم لب مجھے سونے نہیں دیتے...... ضیا علی خان اس قدر ارزاں تو نہیں تھا...... وہ تو ارادوں کا پکا تھا۔ کھیل کھیلتا تھا، جیت جاتا تھا، یوں کبھی محصور نہ ہوتا تھا، کیا ہے یہ......؟ کیوں میری نفرت کمزور پڑنے لگی ہے۔'' وہ اس کے بازو پکڑے اسے جھنجوڑتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

زمزمہ کچھ دیر خاموشی سے اس کی خوب صورت گہری آنکھوں میں دیکھتی رہی تھی۔ ہر وقت کھلا رہنے والا چہرہ کس قدر مرجھانے لگا تھا۔ بڑھی شیو اور کندھوں کو چھوتے الجھے بال، اس کا حلیہ کس قدر رف ہو رہا تھا۔ مرد ہونے کے باوجود وہ سنبھل نہیں پا رہا تھا، خود کو سنبھال نہیں پا رہا تھا...... تو لالہ...... اس کا کیا حال ہوگا؟! اسے تاسف گھیرنے لگا۔

''میں نے تو سمجھایا تھا آپ کو خان...... آپ اس سے نفرت نہیں، محبت کرتے ہیں، آپ کی ایک، ایک ادا پر تحریر ہوتا تھا، آپ کے ایک، ایک نقش میں اس کا عکس جگمگاتا تھا...... آپ تو خود ہی نظریں چراتے رہے خان......'' وہ تاسف سے اس مضبوط مرد کو دیکھتے ہوئے بولی تھی جو بالکل اجڑ چکا تھا۔

''کتنی دیر کردی ناں خان آپ نے...... سب کچھ تباہ کردیا...... کتنا مان تھا ناں آپ کو اپنے کردار پر، آپ کے ہوتے ہوئے کوئی کسی کو انگلی بھی نہیں لگا سکتا اس عمارت میں...... اور آپ نے خود ہی......'' اس کی آنکھیں نم ہونے لگی تھیں۔ دل میں درد سا جاگا تھا، ضیا اسے بھی تو عزیز تھا۔ اور اس کے لیے تو وہ فرشتوں جیسا تھا۔

''کاش آپ سہراب علی خان

خان......'' اس نے سرگوشی میں کہا تھا لیکن ضیا نے واضح سن لیا تھا، وہ مٹھیاں بھینچ گیا۔

''کہا تھا میں نے خان......'' وہ واپس سیڑھیوں کی طرف مڑتے ہوئے بولی تھی۔

''یہ لفظوں کی شرارت ہے...... سمجھ کر کچھ بھی لکھنا تم
محبت لفظ ہے لیکن...... یہ اکثر ہو بھی جاتی ہے''

وہ گنگناتے ہوئے اوپر چلی جا رہی تھی اور ضیا وہیں بکھری کرچیوں کو تکتا صوفے پر ڈھے سا گیا تھا۔

☆☆☆

اس کی بات پر نہ صرف لالہ بلکہ اماں اور سبین بھی شاکڈ رہ گئی تھیں۔

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو شاویز......'' اماں نے گرجدار آواز میں کہا۔

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نانو......'' وہ ان کے غصے کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے آرام سے بولا تھا۔

''ایک حادثہ ہو چکا ہے، ہم اسے ٹھیک نہیں کر سکتے۔ اس وڈیرے کا کچھ بگاڑ بھی نہیں سکتے لیکن خود تو کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔'' اس نے زیادتی کی انتہا کردی تھی۔ لالہ کا دل درد سے پھٹنے کے قریب تھا۔

''سارے ملک کی ہمدردیاں ہمارے ساتھ ہوں گی، ہر طرح کے فنڈز ملیں گے...... ملک کی ساری بڑی این جی اوز کی سپورٹ ملے گی ہمیں...... اور اس طرح ہم اس سردار کو بھی سبق سکھا دیں گے۔''

''بس...... ایک لفظ اور مت بولنا شاویز......'' سبین ضبط نہ رکھتے ہوئے کمرے سے باہر نکلیں تو نانو نے چیختے ہوئے شاویز کو مزید بولنے سے منع کیا تھا۔

''ابھی بات اتنی نہیں پھیلی۔ تم اسے ساری دنیا میں پھیلانا چاہتے ہو؟''

''بات پھیلتے کون سی دیر لگتی ہے نانو...... پھر جو ہونا تھا ہو چکا...... لالہ کی پاک دامنی واپس نہیں آ سکتی...... تو کیا برا ہے کہ گناہ گار کو نقصان اور ہم اس موقع سے تھوڑا سا فائدہ اٹھا لیں۔''

رسید کیا تھا...... وہ حیرت سے گنگ گال پر ہاتھ رکھے انہیں دیکھے گیا۔

''میں نے سوچا تھا، یمین کی تربیت نے تم سے وہ ساری غلاظت نکال لی ہوگی جو تمہارے باپ کے خون کے ذریعے تم میں شامل ہوئی تھی۔'' نانو غصے سے کانپنے لگی تھیں۔ ان کا کمزور ضعیف وجود ہلکورے لینے لگا تھا۔ لالہ کے آنسو متواتر اس کا دامن بھگوئے جا رہے تھے۔

''لیکن سچ کہا ہے کسی نے، اُرسی کرسی...... کندا پرے تے ترسی...... (جو بھی ہو دیوار بنیاد پر ہی کھڑی ہوتی ہے) ٹیڑھی بنیاد تو ٹیڑھی دیوار، سیدھی بنیاد تو سیدھی دیوار...... میں نے سوچ بھی کیسے لیا کہ تم باپ سے الگ نکلو گے۔''

''نانو......'' وہ دکھ سے انہیں دیکھے گیا جیسے وہ اسے سمجھنے میں غلطی کر رہی ہوں۔

''میں تو ہم سب کا بھلا چاہتا ہوں، آپ خود سوچیں لالہ اور ہماری کیا عزت رہی ہے۔ اس طرح کم از کم......''

''کیا اس طرح...... اس طرح باقی بچی عزت کا بھی تم جنازہ نکالنا چاہتے ہو۔'' ان کے وجود کی طرح ان کی آواز بھی کپکپا رہی تھی۔

''لالہ...... لالہ تم تو سمجھو......'' وہ سر جھکائے نیر بہاتی لالہ کے قریب آیا۔

''ہم چند دنوں میں کہاں سے کہاں پہنچ جائیں گے۔'' لالہ نے سر اٹھایا، اس کی نگاہیں لہو رنگ تھیں، شکوہ، شکایت، بے حسی، لاچاری کتنے ہی رنگ اس وقت اس کی آنکھوں میں بیک وقت پڑھے جاسکتے تھے۔

''میں جانتی ہوں شاویز......'' اس کی آواز ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھی۔ اس کا لہجہ بھی نم تھا۔

''میں ریپ وکٹم ہوں...... ساری عمر اپنے ماں کے کردار کی دھجیاں بکھیرنے والی خود ساری عمر اپنے بلند کردار کی بات کرتی رہی...... دعویٰ کرتی رہی کہ میں دکھاؤں گی، کیسے عورت خود کو بلند رکھ سکتی ہے۔ اور دیکھو میرے ساتھ کیا ہوا۔'' اس نے دونوں ہاتھ یوں پھیلائے تھے جیسے سب کچھ لٹا چکی ہو۔ وہ خالی ہاتھ ہو...... تہی دامن۔

''میرے ساتھ جو کچھ بھی ہوا، میری ماں کو دی گئی میری ہر گالی، ہر سخت لفظ، ہر کڑوے بول کا حساب ہے اور خوش قسمت ہوتے ہیں وہ لوگ جو اسی دنیا میں حساب کا شکار ہو جاتے ہیں، مجھے قدرت کی یہ سزا منظور ہے، ساری عمر امی کو دینے والے طعنے اب میں چپ کر کے سہہ لوں گی لیکن......'' اس نے ہاتھوں سے رگڑ رگڑ کر گیلا ہوتا چہرہ صاف کیا تھا۔

''یہ سب خدا کی طرف سے ہے، عزت، ذلت صرف میرے رب کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جانتا ہے میں اس گناہ میں شریک نہیں میں گناہ گار نہیں، میرے ساتھ ہونے والے ظلم کا حساب بھی وہی کرے گا۔ میرا پردہ وہی رکھے گا...... لیکن میں خود اپنے ہاتھوں سے اپنا تماشا ہرگز نہیں بنانے دوں گی۔'' اس کا لہجہ اٹل تھا، شاویز لب کاٹتا رہ گیا تھا۔ نانو نے اٹھ کر سسکتی لالہ کو سینے سے لگا لیا تھا۔

☆☆☆

اور گہری سبز آنکھوں والے اس بچے نے، سہراب علی خان نے نہ جانے کیسے ماں کے شانے پر سر رکھتے ہوئے آفتاب ولی خان کو وہاں سے پلٹتے دیکھ لیا تھا، ان کے قدموں کی سستی سے وہ اچھی طرح جان گیا تھا کہ وہ اس کی اور مورے کی باتیں سن چکے تھے۔ اور اسے امید تھی کہ وہ جلد از جلد کوئی فیصلہ سنائیں گے۔ بہر حال وہ مطمئن تھا آفتاب ولی خان احسان فراموشوں میں سے ہرگز نہیں تھے۔ وہ بھی اس کے لیے کچھ نہ کچھ اچھا ہی کرتے۔

اور واقعی انہوں نے ان کے بابا کی قربانی کا حق ادا کر دیا تھا۔ انہوں نے ایک قریبی قصبے کی ساری زمین نہ صرف سہراب علی خان کے نام کر دی تھی بلکہ وہاں موجود گھر بھی ان کو دے دیا۔ اور ان کی رہائش کا سارا بندوبست بھی وہیں کر دیا۔

''میرے خیال میں بی بی، اس طرح سہراب اپنی ذمے داریوں کو بھی سمجھے گا اور آپ کو بھی پریشانی نہیں ہوگی۔'' انہوں نے سارے انتظامات کرنے کے بعد سہراب کی امی سے کہا تھا۔

''ملازمائیں بھی آپ کے ساتھ جائیں گی اور دوسرے ملازم بھی ہر وقت سہراب کے ساتھ رہیں گے۔ جب تک سہراب میٹرک نہیں کر لیتا اس کے سارے تعلیمی اخراجات بھی میں خود اٹھاؤں گا۔ آگے پڑھے گا تو بھی اس کا ذمہ میں اٹھاتا ہوں۔''

اسفند یار کی بیگم تو تشکر کے آنسو لیے اس گھر سے رخصت ہوئی تھیں لیکن وہ زہریلی آنکھوں والا لڑکپن کی حدیں چھوڑتا لڑکا سخت ناراض تھا۔

''آفتاب بابا نے ہمارے ساتھ اچھا نہیں کیا۔'' اس بار اس نے صرف خود سے شکایت کی تھی۔ یہ پہلی بار تھا جب اس نے صرف خود سے شکایت کی تھی۔ ورنہ وہ نہ صرف ڈائری میں لکھتا بلکہ اماں سے بھی ضرور بات کرتا۔ اس دن کے بعد اس نے خود سے وعدہ کیا تھا، سہراب علی خان کی بات صرف اس تک ہی محدود رہے گی۔

قسمت نے ایک بار پھر اس کا ساتھ دیا تھا۔ صرف ایک مہینے بعد ہی امی کو ہارٹ اٹیک ہوا، وہ جانبر نہ ہو سکیں اور سہراب کی پارت (وصیت یا ہدایت کرنا) آفتاب ولی خان کو دے گئیں، صدمہ اس قدر شدید تھا کہ اس بار آفتاب ولی خان نے ذرا بھی نہ سوچا تھا اور سہراب علی خان کو گھر لے آئے تھے۔

''آج کے بعد میرے دو بیٹے ہیں، زریاب اور سہراب کوئی ان میں فرق نہ رکھے اور یہ دونوں میری ہر چیز کے مشترکہ وارث ہوں گے۔'' شام کو بچوں کے درمیان بیٹھے انہوں نے سب کو سمجھایا تھا اور وہ سب آفتاب ولی خان کے بچے تھے، فوراً سمجھ گئے تھے، سب سے بڑے زریاب نے فوراً اسے گلے لگا لیا تھا۔

اس دن کے بعد سہراب علی خان اس گھر کا بیٹا تھا، زریاب سب سے بڑے تھے۔ یمین سب سے چھوٹی اور ان سے بڑی تمکین...... اور وہ بھی بہن، بھائی

وقت نے اڑان بھری تھی۔ زریاب اور سہراب کی شادیاں ہو گئیں...... زریاب ولی خان کا بیٹا پیدا ہوا...... ساری حویلی میں خوشیاں دوڑ گئیں...... ساری رات جشن کا سا سماں رہا، شادیانے بجتے رہے...... دور، دور سے لوگ مبارک باد کے لیے آتے رہے...... اور سہراب علی خان اس دن سارا وقت اندر ہی اندر بل کھاتے رہے۔ آفتاب ولی خان اس قدر خوش تھے کہ اپنی حدود کے آخری دو قصبے زریاب کی بیوی جنت بی بی کے نام کر دیے تھے۔

''کان کھول کر سن لو...... مجھے بھی صرف بیٹا چاہیے۔'' اس رات سونے سے پہلے انہوں نے بیوی صنوبر کے پیٹ پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس قدر سخت لہجے میں کہا تھا کہ وہ دھک سے رہ گئی تھیں۔ یہ روپ سہراب علی خان کا انہوں نے پہلی بار دیکھا تھا۔ اور وہ اس ساری رات سو نہ سکی تھیں۔

اور صرف تین ماہ بعد خوب صورت سی اوزگل ان کی گود میں آئی تھی۔ آفتاب ولی خان اسی قدر خوش تھے، جس قدر اپنے پوتے کی پیدائش پر...... انہوں نے روایت برقرار رکھتے ہوئے حویلی کی پہلی بچی کے نام بھی اتنی زمین کر دی تھی...... جتنی پہلے سپوت کو دی تھی۔

''کتنے اچھے ہیں ناں داجی......'' صنوبر نے شام کو ان کے کمرے میں آتے ہی مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''لیکن وارث تو ان کا پوتا ہی ہوگا ناں...... تم نے تو بچی پیدا کر لی۔''

''خان یہ تو اللہ کے فیصلے ہوتے ہیں۔''

''کمزور لوگ یہی کہہ کر ہار مان لیتے ہیں...... لیکن میں کمزور نہیں ہوں، میں اپنے فیصلے خود کرتا ہوں۔'' انہوں نے تکبر سے کہا تھا۔ صنوبر دل تھام کر رہ گئیں۔

''اور اسے ہٹاؤ میرے سامنے سے...... دور سلایا کرو......'' انہوں نے ساتھ لیٹی اوزگل کو نفرت

جان کو اٹھا کر گود میں بھر لیا تھا۔

☆☆☆

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے شاویز......" اس نے باریال سے اپنا فیصلہ شیئر کیا تھا۔ وہ تو بھڑک ہی اٹھا تھا۔

"لڑکیوں سے متعلق ویسے بھی سارے معاملات کس قدر نازک ہوتے ہیں...... اور تم...... تم خود اس حادثے کی تشہیر کرنا چاہتے ہو۔" باریال کے لہجے میں دکھ تھا۔

"ہا...... تمہیں کیا لگتا ہے، یہ سارا معاملہ چھپا ہوا ہے؟"

"ہاں، فی الحال واقعی ایسا ہے اور جس قدر پردہ رہتا ہے رہنے دو شاویز...... اپنے گھر کی عزت یوں کون اچھالتا ہے یار......" اسے واقعی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ شاویز جیسا لڑکا اس قدر رذیل سوچ رکھ سکتا ہے۔ تاسف کے ساتھ غصہ سا ابھر رہا تھا اس کے دل میں۔

"آج کل ہر چیز کیش کرنے کا دور ہے اگر ہمیں موقع مل رہا ہے تو ہم پیچھے کیوں رہیں۔"

"فار گاڈ سیک شاویز......"

"پھر تم بتاؤ میں کیا کروں...... لوگوں کو منہ دکھانے کے قابل تو میں ویسے ہی نہیں رہا۔"

"صرف خدا پہ بھروسا کرو...... سب ٹھیک ہو جائے گا یار......" اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے باریال نے اسے تسلی دی تھی...... وہ لب کچل گیا تھا۔

☆☆☆

اسے واقعی شاویز کی سوچ پر افسوس ہوا تھا۔ وہ اپنے ذرا سے فائدے کے لیے اس قدر بھی گر سکتا تھا کہ اپنی ہی بہن سے اس کے ساتھ پیش آنے والے حادثے سے بھی فائدے کا سوچ سکتا تھا۔ خود اس نے دیدے تک سے یہ بات چھپائی تھی۔ بلکہ بار، بار شاویز کو بھی یہی تلقین کرتا رہا تھا۔ جس قدر لالہ کو وہ جانتا تھا وہ اچھی سلجھی ہوئی لڑکی تھی۔ کام سے کام رکھنے والی، باوقار سی شخصیت کی مالک...... اسے یقین تھا کہ وہ ہرگز

کلیئر ہو چکا تھا اسے کسی امیر ماں، باپ کی بگڑی اولاد نے رول کے رکھ دیا تھا تو باریال کے دل میں اس کے لیے ہمدردی ہی ہمدردی تھی۔ اسے اس پیاری سی لڑکی کے لیے سچ میں افسوس محسوس ہوا تھا۔ وہ خود کتنے ہی دن ڈسٹرب رہا تھا۔ امن نے بہر حال اس صورت حال میں اس کا سارا کام بخوبی سنبھالا تھا۔ اور اب شاویز کی سوچ جان کر وہ مزید تاسف میں گھر گیا تھا ایک تو تباہ حال لڑکی، اوپر سے گھر والوں کا یہ پریشر، اس کی حالت واقعی قابلِ رحم تھی۔ وہ لاکھ خود کو کام میں مصروف رکھتا، وہ سادہ سی معصومیت لیے لڑکی اس کے حواسوں پر سوار رہتی۔

"کاش میں اس کے لیے کچھ کر سکتا۔" بے بسی سے وہ صرف سوچ کے رہ جاتا۔ اور کبھی، کبھی قدرت ہماری قسمت میں وہی لکھ دیتی ہے جیسا ہم سوچتے ہیں، شاید باریال کے ساتھ بھی ایسا ہونے لگا تھا لیکن اسے خبر نہ تھی کہ......

☆☆☆

"وہ تو تھی ہی بے عقل...... تم ہی عقل کر لیتے حمزہ......" زرینہ کو صبح شام کا چین کھو بیٹھی تھیں۔ کتنے ارمان تھے ان کے دل میں اقرا کی شادی کے۔ کتنے ہی سوٹ انہوں نے بنوا رکھے تھے۔ حمزہ کے غصے نے ان کے خواب چکنا چور کر دیے تھے۔

"ٹھیک ہے غلطی ہو گئی اس سے۔ ہم سدھار بھی تو سکتے تھے۔" وہ نم لہجے میں بولیں۔

"جیسے لالہ سے غلطی ہو گئی۔" حمزہ نے زخمی لہجے میں کہا۔

"سدھار سکتی ہیں اس کی غلطی...... میں اب بھی اسے اپنانے کے لیے تیار ہوں۔" اس کی آواز میں طنز ابھر آیا تھا۔

"نام نہ لینا اس منحوس کا۔ میری اقرا کو بھی اسی نے شہ دی ہے۔" سدا کا تنفر پھر سے لہجے میں بھر گیا تھا۔

"کاش کبھی دوسروں کی بیٹیوں کی عزت کی ہوتی آپ نے تو آپ کی اور ہماری عزت یوں خراب نہ ہوتی۔"

"عزت ہماری خراب ہوئی ہے یا اس لالہ نے کی ہے ملیامیٹ سارے خاندان کی عزت...... میری اقرا کی تو جوتی کے برابر بھی نہیں ہے وہ۔" حمزہ تاسف سے انہیں دیکھے گیا۔

"آغا جیسے لڑکے کے لیے وہ ہم سب کے منہ پر تھوک کے چلی گئی ہے امی...... کس بات کا غرور ہے پھر اب بھی آپ کو؟" لب کاٹتے ہوئے تنفر سے کہتا وہ باہر چلا گیا تھا۔ زرینہ بڑبڑاتے ہوئے دوبارہ بین کرنے لگیں۔

☆☆☆

حادثہ بہت بڑا تھا لیکن وہ بھی بے حد بہادر تھی...... سنبھلنے لگی تھی...... پہلے جیسی تو وہ نہیں رہی تھی لیکن بہر حال وہ کمزور بھی نہیں تھی۔ اسے خود کو باور کرانا تھا جو کچھ بھی ہوا تھا وہ اسے بھلا سکتی تھی...... یا کم از کم بھولنے کی کوشش تو کر ہی سکتی تھی...... لیکن پھر بھی اندر کی ٹوٹ پھوٹ اس قدر زیادہ تھی کہ بار، بار اس کی پلکیں نم ہو جاتیں۔ بار، بار دل میں خلش سی جاگتی، کاش وہ ماں کی بات مان لیتی اور کبھی یونیورسٹی نہ جاتی۔ کاش ضیا کبھی یونیورسٹی نہ آتا...... یا وہ ہی اسے دیکھتے ہی پہچان لیتی...... اس کی آنکھوں کے رنگ سمجھ کے بھی انہیں اگنور نہ کرتی...... یا جس دن اس کے اور ضیا کے حوالے سے بات شروع ہوئی تھی یونیورسٹی میں، کاش وہ اسی روز یونیورسٹی چھوڑ دیتی۔

لیکن کاش کہاں پورا ہوتا ہے......

کاش کا تو مطلب ہی ایسی حسرت ہے کہ جو انسان کے ساتھ ہی دم توڑتی ہے...... اسے بھی شاید اب اپنے آخری دم کا انتظار کرنا تھا۔

نمرہ کو پتا چلا اس کی واپسی کا تو وہ اسی وقت اسے ملنے چلی آئی تھی، لالہ اس سے نظریں نہیں ملا پا رہی تھی لیکن اندر ہی اندر خود کو مضبوط بھی کر رہی تھی۔ اسے خود کو نارمل رکھنا تھا۔

"تم ٹھیک تو ہو ناں لالہ......؟" کافی دیر کی خاموشی کے بعد نمرہ نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

"بالکل......" وہ مصنوعی مسکراہٹ لبوں سجاتے ہوئے بولی تھی۔ نظریں البتہ ہنوز جھکی تھیں۔

"لالہ اتنی کمزور نہیں کہ ضیا کے ذرا سے فلر سے دل ہار کے بیٹھ جائے۔ لیکن پھر بھی میں خود کو وقت دینا چاہتی ہوں۔" وہ پاؤں کے انگوٹھے کارپٹ کا سرا دباتے ہوئے بولی۔

"مجھے سچ میں حیرت ہے لالہ...... تم جیسی لڑکی ماں کو بھی ہر وقت اپنے لیے طعنہ کہا کرتی تھی۔ یہ قد کیسے اٹھا سکتی ہے۔" نمرہ کے لہجے میں طنزیہ کاٹ تھی لالہ کی بائیں آنکھ سے ایک آنسو لڑھکتا اس کے دو میں کہیں جذب ہو گیا۔

"میں بھی خود کو ایسا ہی سمجھتی تھی نمرہ...... لیکن دل ہے ناں...... یہ کبھی، کبھی ہمیں یونہی بے اختیا کر دیتا ہے۔ مجھے بھی خبر نہ ہوئی کب میں نے ضیا ہاتھ تھام لیا۔" جھوٹ بولتے ہوئے اس کا دل درد پھٹا جا رہا تھا۔ وہ اپنے زخم چھپانے کے لیے سارا الزا اپنے سر کتنے آرام سے لے رہی تھی۔ حالانکہ دل کر تھا چیخ، چیخ کر نمرہ کو ضیا کی حقیقت بتائے...... جو ہمیشہ اچھا سمجھتی تھی...... لیکن وہ یہ نہیں کر سکتی تھی۔ نے ہی تو اسے سمجھایا تھا۔

"سارے پردے عورت کی زبان چاک کرتی ہے۔ اپنے دل اور زبان کو قابو میں رکھ لالہ...... اللہ پردہ رکھنے والا ہے۔ وہ ہماری بھی عزت رکھے گا۔"

اور اس بار اسے ماں سے کوئی گلہ نہ تھا۔ اس ان کی بات رکھ لی تھی۔ نمرہ جیسی دوست کو بھی اپنے لئے کا وہ نہیں بتا سکتی تھی۔

"یہ تو اللہ کا شکر ہے کہ مجھے وقت پہ ضیا کی اصلیت پتا چل گئی۔ اور میں نے اپنی راہیں جدا کر لیں، ورنہ واپسی کے سارے راستے بند ملتے۔" اس کے طویل جواب پر نمرہ کافی دیر تک خاموشی سے اس کا بجھا، بجھا چہرہ تکتی رہی۔

''یونیورسٹی کب تک جوائن کروگی؟'' کافی دیر بعد اس نے پوچھا۔

''ابھی نہیں، ویسے بھی فائنل ہونے والے ہیں۔ اب شاید ایگزامز میں ہی appear ہوں۔'' اس نے پیر سے کارپٹ کریدنے کا عمل جاری رکھا تھا۔

"Allah bless you Lalaa" نمرہ اٹھتے ہوئے اس کے مرمریں ہاتھ پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بولی تھی۔

''آمین۔'' وہ مسکرا نہ سکی تھی۔

☆☆☆

وہ جس قدر خود کو ڈھانپنا چاہ رہی تھی۔ شاویز نہ جانے کیوں اسی قدر اس کی چادر کھینچنے پہ تلا ہوا تھا۔ اس نے سنا تھا کہ انسان موسموں کی طرح بدلتے ہیں لیکن اب اسے یقین ہونے لگا تھا۔ واقعی ایسا ہی تھا۔ اس حادثے میں اسے یقین تھا کہ شاویز اس کی ڈھال بننے والا تھا۔ اگر کوئی اسے کچھ کہتا تو یقیناً وہ اس کا منہ نوچ لے گا۔

لیکن...... یہاں الٹ ہوا تھا۔ بات اتنی نہیں اچھلی تھی جتنی وہ اچھالنا چاہ رہا تھا۔

اس کمزوری لڑکی کا دل کئی بار ٹکڑوں میں بٹ جاتا اور وہ دوبارہ زخم، زخم ہونے کے لیے دل کو پھر سے تیار کرلیتی...... ماں سے کی گئی زیادتی کا خسارہ شاید اسے یونہی ساری عمر بھرنا تھا۔

''اگر تمہارے چھوٹے سے عمل سے میری، ہم سب کی تقدیر سنور سکتی ہے تو تمہیں اعتراض کیوں ہے لالہ......؟'' اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ لالہ کو زبردستی گھسیٹ کر ان اخباری نمائندوں کے سامنے لے جاتا جو ضیا کی مخالف پارٹی بھیجنے پہ بضد تھی۔ وہ لالہ کو صرف ایک بار پریس کے سامنے لانے اور ضیا کے خلاف بیان دینے کی کتنی ہی پرکشش پیشکش کر چکے تھے۔ اور شاویز جانتا تھا کہ ایک مرتبہ لالہ میڈیا پہ آجاتی تو ملک کی بڑی

لالہ کچھ دیر نم آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی پھر نظریں پھیرلیں۔

''میری زندہ لاش پہ تمہاری کامیاب زندگی کی بنیاد کس طرح کھڑی ہوسکتی ہے شاہ ویز۔ خدارا مجھے اور ذلیل نہ کرو۔''

''ذلیل......'' اس نے حیرت سے کندھے اچکائے، شاویز نے دونوں ہاتھ اٹھا کے دوبارہ یوں گرائے جیسے اسے لالہ کی سوچ پر شدید تاسف ہوا ہو۔

''تمہیں اس لفظ کے معنی پتا ہیں۔ حیرت ہے۔''

اس کی آواز میں کھلا طنز تھا۔ لالہ کے دل میں درد سا جاگا۔ وہ اٹھ کر اس کے پہلو سے نکلنے لگی تھی۔ جب اچانک شاویز نے اس کا بازو پکڑا تھا۔ وہ بے اختیار دو قدم پیچھے آئی تھی۔

''ہم سب کے منہ پہ ذلالت کی کالک مل کر تمہیں اپنی عزت ذلت کا خیال آرہا ہے۔'' وہ ایک، ایک لفظ چباتے ہوئے بولا تھا۔ اس کی گرفت اس قدر سخت تھی کہ لالہ کراہ اٹھی۔

''شاویز چھوڑو مجھے۔'' وہ سسکتے ہوئے ہاتھ چھڑاتے ہوئے بولی تھی۔

''کل صبح وہ لوگ آئیں گے اور اس بار تمہیں ہر صورت ان کے سامنے آنا پڑے گا۔'' اس نے لالہ کے بازو پہ گرفت سخت کرتے ہوئے سخت لہجے میں جیسے حکم دیا تھا۔

''نہیں...... تم جو چاہے کرلو شاویز...... میں سرِ بازار اپنا تماشا نہیں لگاؤں گی۔'' لالہ نے بھی مضبوط لہجے میں کہا تھا۔

شاہ ویز کچھ دیر غصیلی نظروں سے اسے گھورتا رہا پھر بپھرے ہوئے انداز میں اس کی طرف بڑھا۔ لالہ اس کے انداز کو نہیں سمجھ پائی تھی۔ بالکل اچانک ہی اس نے لالہ کے لمبے بالوں کی چٹیا کو مضبوطی سے پکڑا تھا اور انہی بالوں سے کھینچ کے اسے زمین پہ گرادیا۔

فرش سے ٹکرائی تھی۔ درد کی تیز لہر نے اس کی کمر چیر کے رکھ دی تھی۔ وہ سسکاری بھرتی دُہری ہوئی تھی۔

''(گالی) ہم سب کی عزت خاک میں ملا کر اب تجھے اپنی عزت یاد آرہی ہے۔'' غصے سے لال ہوتا وہ بری طرح اس کی پسلی میں لاتیں برسانے لگا تھا۔

درد سوا ہوتا جارہا تھا۔ وہ پوری قوت سے چلّانا چاہ رہی تھی لیکن آواز جیسے گھٹ کے رہ گئی تھی۔ اِدھر شاویز جیسے جنونی ہوگیا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا آج لالہ کو جان سے ماردے۔ درد کی تیز لہر نے کمر سے پیٹ کو لپیٹ میں لیا۔

''امی............'' لالہ کے منہ سے کربناک آواز نکلی تھی اور اگلے ہی لمحے وہ بے جان سی ہوگئی تھی۔ سبین اور نانو بھاگ کے اندر آئی تھیں۔ انہیں دیکھتے ہی شاویز پیر پٹختا باہر نکلا تھا۔ نانو کے سخت الفاظ نے اس کا پیچھا کیا تھا......

☆☆☆

سرداروں کا ایک خاص تاثر بن گیا ہے۔ ظالم جابر۔ سب کو اپنے سے نیچے جاننے والے۔ خدا کی حدود کو پار کرنے والے (استغفار) سردار جب رخصت ہوتے ہیں تو لوگ خوش نہیں ہوتے اور ڈر جاتے ہیں۔ لیکن کہنے والے کہتے ہیں اس دن اس لال حویلی کے باہر جمع وہ طویل ہجوم زار، زار رو رہا تھا۔ ہر کوئی خود کو یتیم کہہ رہا تھا۔ لال حویلی کے لال اینٹوں والے صحن میں بچھی دریوں پہ بیٹھی عورتیں زار، زار اپنے سر سے چھایا اٹھ جانے کا ماتم کر رہی تھیں۔ سب رو رہے تھے، نڈھال تھے۔ مضبوط جسم کا مالک زریاب بھی آج جیسے موم ہوا جاتا تھا۔ آنسو آنکھوں سے لڑیوں کی صورت رواں تھے۔

رات اچانک آفتاب ولی خان کی طبیعت ذرا بگڑی اور چند لمحوں میں سب کے دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند کرلیں۔ کوئی بھی یقین نہیں کر پا رہا تھا کہ یوں اچانک اس طرح بھی وہ ساتھ چھوڑ سکتے ہیں۔ ایسے میں اگر کوئی مضبوط تھا تو وہ

تھا سہراب علی خان۔ اس کی گھنی مونچھوں تلے د
لبوں پہ نہ جانے کیوں خبیث سی مسکراہٹ رقصاں تھ
کوئی ایک بھی اس کا نوٹس نہیں کر سکا تھا۔ سب صد
سے نڈھال تھے۔

لیکن تیسرے دن ہی اس کی مسکراہٹ دم توڑ
تھی کہ جب پھوڑی (میت کے گھر تین دن تک ا
جگہ دری بچھانے کو کہتے ہیں جہاں لوگ فاتحہ پڑ
آتے ہیں) کے تیسرے دن قل خوانی کے موقع پر جا
وارث کی دستار بندی کا اعلان ہوا اور وراثت
علاقائی اصولوں اور خان کی وصیت کے مطابق دونو
بھائیوں کو برابر جائداد اور بڑے ہونے کے ناتے خا
کی بلند دستار زریاب ولی خان کو پہنانے کا فیصلہ
گیا۔ علاقے کے سب معزز لوگوں نے زریاب
بڑے بھائی ہونے اور علم و عمل میں بھی سہراب سے
قدم آگے ہونے کی بنا پر اگلے سردار کے لیے زریاب
انتخاب کیا تو سہراب علی خان کو گہرا دھچکا لگا۔ صرف
اور تعلیم کی وجہ سے وہ زریاب سے ہار گیا تھا۔ اور ا
کے سر پہ بندھی وہ بڑی سی پگڑی دیکھ کے اس کے
میں آگ سی جل اٹھی تھی۔

زریاب سب سے گلے ملتا اپنی ذمّے داری بابا
طرح احسن طریقے سے نبھانے کے وعدے کرتا رہا
اِدھر سہراب علی خان اس کی بربادی کے وعدے خو
سے۔ صرف ایک کانٹا بچا تھا اور یہ کانٹا نکالنا اس
لیے زیادہ مشکل نہیں تھا۔

☆☆☆

سرکاری اسپتال کے بوسیدہ سے بیڈ پہ پڑا وہ کمزو
زرد سا وجود اس وقت دواؤں کے زیرِ اثر دنیا و ما فی
سے بے خبر تھا۔ اس سے ذرا فاصلے پہ کرسی پہ بیٹھی سبی
کی نم آنکھیں اس کے وجود پہ جمی تھیں۔ انہیں یو
محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے دھیرے، دھیرے ان کا دم نک
جا رہا تھا...... اور کاش کہ یہ دم نکل ہی جاتا۔ کچھ
تکلیف کم ہوتی...... کچھ تو نجات کا سامان ہوتا...... لیکن
وہ جانتی تھیں کہ زندگی سے فرار ممکن نہیں

قبول کرنا پڑتا ہے۔

ہر حال میں جینا پڑتا ہے۔

انہیں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی لق ودق صحرا میں برہنہ سر کھڑی ہیں اور کہیں پناہ نہیں ہے۔

ذہن خالی تھا مگر کانوں میں بار، بار اس لیڈی ڈاکٹر کے الفاظ شور مچا دیتے تھے جس نے درد سے بے حال لالہ کی مسیحائی کی تھی۔

''مجھے حیرت سے زیادہ دکھ ہے۔ اس حالت میں بھی کوئی اپنی بیوی کو اس طرح مار سکتا ہے۔'' ڈاکٹر کی آواز میں صدمہ تھا اور بیبن ان کے الفاظ کے معنی تلاشنے میں لگی تھیں۔

کون سا شوہر......؟

کون سی حالت......؟

کس حالت میں......؟

''انسان ہے یا جانور۔ میرا دل کر رہا ہے پرچا کروادوں اس رذیل انسان کے خلاف۔'' ڈاکٹر سخت غصے میں تھی۔

''اس کی اس حرکت سے ماں، بچے دونوں کی جان کو خطرہ ہوسکتا تھا۔ ویسے بھی لڑکی بہت کمزور ہے۔ ایسے میں اگر ذرا سی اونچ نیچ ہوئی تو یہ اپنی بھی جان گنوا سکتی ہے۔''

ڈاکٹر بولے جا رہی تھی اور بیبن کو لگ رہا تھا جیسے وہ ابلتا سیسہ ان کے کانوں میں ڈال رہی تھی۔ درد بے انتہا تھا۔

ڈاکٹر کے جانے کے بعد وہ یونہی بے جان آنکھوں سے لالہ کو تکتی رہی تھیں۔

''اس حالت میں کوئی اپنی بیوی کو اس طرح کیسے پیٹ سکتا ہے۔'' اور تبھی دھندلی آنکھوں کے سامنے کچھ منظر واضح ہوئے تھے۔ وہ شاویز تھا جو لالہ کو بالوں سے پکڑ کر گھسیٹ رہا تھا۔ پھر اس نے زور کی لات اس کی پسلی میں دے ماری تھی۔

''شاویز......''

اِک خیال سا اُن کے ذہن میں کوندا تھا۔

''ہاں شاویز ہماری عزت رکھ لے گا۔ وہ مجھے کبھی نہ نہیں کرتا۔'' ایک دم سے سکون سا ان کے دل میں سرایت کرنے لگا تھا۔ انہوں نے ایک مطمئن نگاہ لالہ کے زرد چہرے پہ ڈالی اور تلخ سا مسکرا دی تھیں۔

☆☆☆

وہ قدِ آدم آئینے کے سامنے کھڑا خود پہ گہری نظریں جمائے کف لنکس بند کر رہا تھا۔ موبائل کی تیز آواز پر اس کے بجھے، بجھے چہرے پہ جمی ناگواری سوا ہوئی تھی۔ اس نے اپنا کام جاری رکھتے ہوئے اچٹتی سی نگاہ سیل فون پہ ڈالی تھی۔ نمرہ کے جگمگاتے نام پہ اس کے ہاتھ ایک دم سے رکے تھے۔ اس نے نچلا لب دانتوں سے کترتے ہوئے فون اٹھایا اور کچھ سوچتے ہوئے یس کا سائن پریس کیا۔

''ضیا......؟'' فوراً پوچھا گیا۔

''ہم......'' وہ بس ہنکاری بھر گیا۔

دوسری طرف چند سیکنڈز خاموشی رہی

''میں تمہیں کتنا اچھا سمجھتی تھی ضیا...... مجھے اپنی سوچ پہ افسوس ہو رہا ہے آج۔'' اس کا تاسف اس کے لہجے سے واضح ہو رہا تھا۔ ضیا نے دوبارہ سے نظریں سامنے آئینے میں اپنے عکس پہ جمادیں۔

''کتنے خوب صورت تھے ناں تم۔ تمہیں دیکھتے ہی نہ جانے کیوں خود بہ خود میں خیالوں ہی خیالوں لالہ کو تمہارے ساتھ کھڑا کر دیتی تھی۔ مجھے لگتا تھا اگر تمہیں کوئی مکمل کر سکتا ہے تو وہ صرف لالہ ہے۔ لیکن......''

وہ کہتے، کہتے رکی۔ ضیا ویسے ہی خاموش کھڑا رہا۔

''جب اس کا ہاتھ تھام ہی لیا تھا تو کیوں چھوڑ دیا ضیا۔ تم تو ہر طرح سے مضبوط تھے پھر ایسی کمزوری کیوں دکھائی ضیا...... کیوں اسے یہ راہ دکھا کے خود ہی راستہ بدل دیا۔ کیوں ضیا آخر کیوں؟ تم نے مجھے بہت ہرٹ کیا ہے۔ تمہاری وجہ سے اب لالہ بیپرز بھی نہیں ...... گا ...... سے مجھے ...... اپنا لو ضیا...... اس سے

معافی مانگ لو۔ اسے کہہ دو تم مذاق کر رہے تھے۔ کچھ بھی کہہ دو مگر اسے یوں رد نہ کرو۔ دیکھو'' لالہ بہت معصوم ہے ضیا......''

وہ بولتی رہی تھی اور وہ بس خاموشی سے سنتا رہا تھا۔ لالہ نے شاید اس سے حقیقت چھپائی تھی۔ تبھی وہ اب بھی اس سے عزت سے بات کر رہی تھی۔ ورنہ تو شاید وہ اسے گالیاں دیتی اس کے پاس آکر گریبان چاک کر دیتی اس کا۔

اس نے اور اس کے باپ نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی لیکن اللہ پاک نے اب بھی لالہ کا پردہ رکھا ہوا تھا۔ یک گونہ اطمینان اس کے دل میں سرایت کرنے لگا۔ دوسری طرف نمرہ، ضیا، ضیا پکارتی رہی اور کوئی جواب نہ پا کر تھک کر کال کاٹ دی۔ ضیا نے فون سامنے صوفے پہ اچھالا اور ڈریسنگ پہ پڑا چائے کا کپ اٹھا کے ساری چائے سامنے نظر آتے اپنے وجیہ وجود کے عکس پر انڈیل دی تھی...... شیشہ دھندلا گیا تھا۔ اس کے نقوش بگڑنے لگے تھے۔

☆☆☆

اپنے پہلے ہوٹل کی شاندار کامیابی کے بعد باریال بہت خوش تھا۔ شاویز کے مسائل کی وجہ سے یہ خوشی ذرا بھی پڑی تھی اور نہ جانے کیوں وہ دل سے اس جانب توجہ نہیں دے پا رہا تھا۔ گل لالہ سے اس کی ملاقات دو تین بار ہی ہوئی تھی اور وہ بھی ایسے کہ لالہ ہمیشہ خود کو چادر میں ڈھانپے رکھتی تھی۔ اس کے غائب ہونے کے بعد واپسی پہ وہ ایک بار اسے دیکھنے میں کامیاب ہوا تھا۔ جب شاویز اسے صحن میں پریس کے سامنے پیش ہونے پہ دباؤ ڈال رہا تھا۔ تب بیٹھک کی کھڑکی سے بس ایک نظر باہر ڈالنے پہ اس کا زرد معصوم سا چہرہ دیکھا تھا۔ وہ فوراً وہاں سے ہٹ گیا تھا لیکن وہ چہرہ اس کے دماغ کے پردے سے چمٹ سا گیا تھا۔ جاگتے سوتے وہ شفاف سا عکس، ایک دوسرے سے پیوست گلابی ہونٹ اور شکوہ کرتی غلافی آنکھیں اسے بے انتہا

روک سکا تھا۔ کچھ تو تھا کہ وہ لڑکی اس کے حواسوں پہ چھانے لگی تھی......لیکن وہ اپنی اس کیفیت کو صرف ہمدردی کا ہی نام دے سکا تھا۔ جو بھی تھا لیکن اس چہرے نے اس کے کام کو بھی متاثر کیا تھا۔ امن نے اس دوران اس کا خوب ساتھ دیا تھا۔ اس کے شاندار آئیڈیاز اور پیکجز کو امن نے کچھ بڑے بزنس آئی کونز سے ڈسکس کیا تو بہت جلد اسے اچھے پارٹنرز مل گئے۔ کچھ تو اس کے کام سے اس قدر متاثر تھے کہ اس کے آئیڈیاز کی بیس پہ دوسرے ملکوں میں بھی پراجیکٹ کرنا چاہتے تھے۔ اور یہی تو باریال کا خواب تھا۔ اسے لگ رہا تھا وہ اب تعبیر کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا۔ اب بھی وہ امن کی ہدایت پہ کہیں جانے کے لیے تیار ہونے لگا جب دیدے اس کے کمرے میں آئیں۔

''باری۔'' وہ اس قدر کھویا، کھویا سا تھا کہ ان کی آمد کا نوٹس ہی نہیں لیا۔ انہوں نے پکارا تو باریال بہت بری طرح چونکا۔

''دیدے......'' انہیں! اپنے بے حد قریب کھڑے دیکھ کر وہ واقعی حیران ہوا تھا۔

''آپ کب آئیں؟'' اس کے لہجے میں حیرت تھی۔ دیدے مسکرادیں

''کہاں کھوئے رہتے ہو؟ لگتا ہے بہت جلد میری بہو آنے والی ہے۔'' ان کی آنکھوں میں شرارت تھی۔

''اچھا......وہ کیسے......؟'' باریال مسکرایا۔

''تمہاری کھوئی سی آنکھیں، یہ رف سا حلیہ۔'' انہوں نے اس کی بڑھی شیو کی طرف اشارہ کیا۔ ''اور سب سے بڑھ کر چہرے پہ چھائی وحشت......مجھے تو یہ سب کسی خوب صورت حادثے کا پتا دیتی ہے۔'' کہتے وقت ان کی آنکھوں میں اس قدر روشنی تھی کہ باریال حیران رہ گیا۔ کچھ دیر وہ یونہی کھڑا ماں کی مسکراتی آنکھوں کی خوشی دیکھتا رہا۔ پھر ان کے قدموں میں بیٹھتے ہوئے بولا۔

''خوب صورت نہیں دیدے۔ کافی بھیانک

''خدایا خیر......'' وہ دہل گئیں ساری خوشی ایک لمحے میں دھیمی پڑی تھی۔

''ایک دوست ہے میرا کافی پرانا۔ اس کے ساتھ کچھ ایسا ہوا ہے دیدے کہ میں آپ کو بتا بھی نہیں سکتا اور سچ بتاؤں تو چاہ کر بھی خود کو پریشان ہونے سے بھی نہیں روک سکتا۔'' وہ واقعی مضطرب تھا۔

''شاویز تو ٹھیک ہے؟'' ان کو فوراً شاویز کا خیال آیا۔

''ہاں، وہ ٹھیک ہے۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ کیونکہ اب اسے جھوٹ بولنا تھا اور ماں سے آنکھیں چرانا تھیں۔ دیدے کے سامنے بیٹھا رہتا تو وہ اس کی چوری پکڑ لیتیں۔

''کسی اور دوست کے ساتھ ہوا ہے یہ حادثہ۔ آپ نہیں جانتیں۔'' اس نے جھوٹ بولا۔

''اللہ پاک سب کو اپنی امان میں رکھے۔ میں دعا کروں گی اس کے لیے۔ تم بس پریشان نہ ہو۔ اس کے ساتھ رہو اسے حوصلہ دو......'' انہوں نے کسی قسم کی تفصیل جاننے کی کوشش کیے بنا اسے ہدایت کی۔ وہ مسکرادیا۔ دیدے تھیں ہی ایسی......کبھی کسی بات کو خود سے نہیں کھولتی تھیں۔ کوئی جتنا بتادے ٹھیک۔ وہ کبھی سوال کر، کر کے بات نہیں کریدتی تھیں۔

''اچھا دیدے میں چلوں۔ امن نے ایک پارٹی کے ساتھ میٹنگ رکھی ہے۔ دعا کریں میں اپنے مقصد میں کامیاب رہوں۔'' اس نے اجازت مانگی۔

''ہاں جاؤ، اللہ پاک تمہارا مددگار ہو۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے دعا دی۔

☆☆☆

سبین نے حسب عادت بات اماں کو بتائی تھی اور ان کے سامنے شاویز اور لالہ کے رشتے کی بات بھی رکھی تھی۔ اماں تو سن ہو کے رہ گئیں۔

''اماں! ڈاکٹر کہتی ہے ہم لالہ کی جان کو لے کے کوئی رسک نہیں لے سکتے۔ مجھے لگتا ہے اماں شاویز ہی لالہ کی زندگی بچا سکتا ہے......وہ میری بات بھی نہیں

ے گا۔''

اماں کئی لمحے خالی، خالی نظروں سے زمین کو تکتی رہیں پھر سر اٹھا کے سبین کے چہرے کی طرف دیکھا۔

''شاویز اور لالہ تو ہمیشہ بہن، بھائی کی طرح رہے ہیں۔ وہ اس بات کے لیے کبھی راضی نہیں ہوگا۔''

''تو پھر اماں؟'' سبین کا چہرہ بجھنے لگا۔

''پہلے میں زرینہ سے بات کرتی ہوں۔ حمزہ اور زرینہ ضرور ہماری بات رکھ لیں گے۔''

''لیکن اماں، زرینہ بی بی تو ویسے بھی لالہ کے خلاف رہتی ہے۔ اب جبکہ یہ بچہ بھی......وہ کیسے اس رشتے کے لیے ہاں کرے گی اماں۔''

''زرینہ نہیں مانے گی تو شاویز سے بات کرلیں گے لیکن پہلے ایک بار بات تو کرنے دو مجھے۔ اور پھر اتنی کٹھور نہیں ہوسکتی زرینہ۔ آخر اس کے اکلوتے بھائی کی نشانی ہے میری لالہ۔'' نانو نے نم لہجے میں کہتے ہوئے انہیں تسلی دی تھی۔ اور ضعیف آنکھوں کو اس قدر مسلی سے رگڑا تھا کہ آنکھوں کے گرد کی جلد چھل سی گئی۔ وہ لالہ کے لیے رونا نہیں چاہتی تھیں۔ انہیں اب اپنی لالہ کے لیے کچھ کرنا تھا......

اور اگلے ہی دن وہ شاویز کے ساتھ زرینہ کے گھر پہنچ گئیں۔ عجیب سی ویرانی پھیلی تھی وہاں۔ سوکھے پتوں اور گرد و غبار نے گھر پہ ڈیرا سا جما لیا تھا۔ بیٹی کے حال پہ ان کا دل کڑھا تھا پھر حمزہ اور لالہ کی خوشیوں کی بہار یاد آتے ہی انہوں نے صاف بات کردی تھی۔

زرینہ کا چہرہ غصے سے لال پڑ گیا تھا۔

''یہ کیا کہہ رہی ہیں اماں؟'' وہ تقریباً چلا اٹھی تھیں۔

''عربی بول دی میں نے یا فارسی جو تجھے سمجھ نہیں آئی۔'' اماں چڑ کر بولیں۔

''کاش عربی، فارسی ہی بولی ہوتی اماں۔ مجھے سمجھ نہ آتی۔ آپ کو بہو، پوتی کا گند چھپانے کے لیے میرا ہی گھر ملا تھا۔''

''تمیز سے بات کر زرینہ۔ وہ تیری بھی کچھ لگتی

''ارتضیٰ بھائی کے مرتے ہی ان دونوں سے میرا رشتہ ختم ہوگیا تھا اماں اور اب جو گند لالہ نے کیا ہے اس کے بعد حمزہ اور لالہ......؟ نہیں کبھی نہیں۔'' ان کا لہجہ اٹل تھا۔ اماں نے تاسف سے انہیں دیکھا۔

''لیکن پھر بھی آپ کے لیے میں اس رشتے کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور سوچتی۔'' ان کے غصے بھرے چہرے کو دیکھتے ہی انہوں نے انداز بدلا۔ اماں کا کھنچا کھنچا چہرہ کچھ نرم پڑا۔

''لیکن کیا ہے ناں اماں۔ میں نے تو شزا کی ماں کو زبان دے دی ہے۔'' اماں چونکیں۔

''بلکہ ہم تو بہت جلد کوئی فنکشن رکھنے والے تھے اگر درمیان میں یہ لالہ کا قصہ نہ اٹھتا۔'' ان کی آواز میں طنز تھا۔

''اور اقرا کا قصہ بھی۔'' اماں نے بھی ویسے ہی لہجے میں تیر چلایا تھا۔ زرینہ تڑپ سی گئیں۔

''کیسی ظالم ہیں اماں۔ نواسی ہے وہ آپ کی۔'' وہ فوراً شکایت کرتے ہوئے منہ بنا گئیں۔ اماں اٹھتے ہوئے چادر لینے لگیں۔

''لالہ بھی تو بہت بھتیجی ہے تمہاری۔'' سخت لہجے میں کہتے ہوئے وہ باہر کی طرف بڑھیں۔

''اب کہاں جارہی ہیں۔ حمزہ آتا ہی ہوگا، چھوڑ دے گا آپ کو۔'' وہ ان کے پیچھے تھیں۔

''رکشے سے چلی جاؤں گی۔ حمزہ کو شزا کی ماں کے کاموں پہ لگا دینا۔ مجھے نہیں ضرورت۔'' ناراض لہجے میں کہتیں وہ دروازے سے باہر نکل گئی تھیں۔ زرینہ روکتی رہ گئیں۔

''مجال ہے جو سبین یا اس کی بچاپے کٹی بیٹی کے بارے میں ایک لفظ سن لیں۔'' انہوں نے بڑبڑاتے ہوئے دروازہ بند کردیا تھا۔

☆☆☆

آگے ڈائری خالی تھی۔ وہ حیران ہوئی تھی۔ سہراب علی خان، اس کے بابا اس قدر نفرت اپنے اندر

تھے؟ اسے یاد تھا کچھ، کچھ۔ جب وہ چھوٹی تھی تب ان کے ساتھ ایک کاکا بھی ہوتے تھے۔ بہت خوب صورت۔ بہت مضبوط جسم والے اور بہت ہی پیاری فطرت والے ایک مکمل انسان۔ وہ جب بھی گھر آتے، سب سے پہلے اسے ہی گود میں لیتے تھے۔ ایک دلہن بھی اس کے دماغ کے پردے پہ اکثر عکس دیتی۔ اور وہ دیکھتی کہ وہ دلہن اپنے ہاتھوں سے اپنا عروسی دوپٹا، اپنی چوڑیاں، اپنا زیور سب خود اتار کے دور، دور پھینک رہی ہے۔ رو رہی ہے، چیخ رہی ہے لیکن وہ کون تھیں؟ یہ نہیں تھا اسے یاد۔ اللہ لوک تو تھیں ہی ساتھ......

البتہ جبین بوا بھی اسے یاد تھیں۔ وہ اچانک ہی گھر سے چلی گئی تھیں اور اس نے بابا کو چلاتے سنا تھا کہ کوئی بھی اس گھر میں ان کا نام دوبارہ نہیں لے گا اور ایسا ہی ہوا تھا۔ اس گھر میں اس نے کسی کو جبین بوا کو یاد کرتے نہیں دیکھا تھا۔ پھر کچھ دن بعد ہی زریاب کاکا نے بھی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ سب نے کہا بہن نے بھائی کو نگل لیا۔ وہ کتنا عرصہ گاؤں والوں کو یہ دعا کرتے سنتی رہی۔ ''اللہ کسی کو بیٹی نہ دے۔''

اتنا بڑا خاندان تھا بابا کی ڈائری کے مطابق تو وہ سب کہاں تھے اب۔ کوئی نہ کوئی تو ان کے ساتھ ہوتا۔ کاکا کی ڈیتھ ہو گئی تھی لیکن ان کی بیوی بچہ اور باقی سب......؟

وہ پہلی بار پرانے رشتوں کو سوچ رہی تھی۔ وقت نے جو گرد ڈالی تھی، وہ آہستہ، آہستہ اڑنے لگی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی۔ اتنی بڑی حویلی کے مکین صرف اس کے بابا اور وہ ہی کیوں تھے۔ آفتاب ولی خان دا کے سب بچے کہاں تھے۔ کوئی تو ان کے ساتھ ہوتا۔

زریاب کاکا کی فیملی......

وہ روتی چلاتی اجڑی دلہن......

کوئی بھی......کوئی تو ہوتا......

افسردہ سی سوچوں سے نڈھال وہ ڈائری واپس رکھنے اس کمرے میں آئی تھی۔ چوبدار دیو مالائی

طرح اس کا دل زور سے دھڑک اٹھا تھا۔ بابا ابھی الیکشن کے سلسلے میں کچھ دن حویلی نہیں آنے والے تھے۔ لیکن وہ ڈائری چونکہ نامکمل تھی تو وہ وقت پہ اسے واپس کرنے آئی تھی۔ اس نے دراز بند کی اور پھر پورے کمرے میں ادھر، اُدھر دیکھنے لگی۔ اس کی نظر الماری سے ذرا اوپر بنے روشن دان پہ پڑی۔ یہ کافی بڑا روشن دان تھا۔ جس سے آتی تازہ ہوا اسے یہاں تک محسوس ہو رہی تھی۔

''باہ جی نے کیا کمرا بنوایا ہے اپنے مطالعے کے شوق کے لیے۔'' وہ سراہے بنا نہیں رہ سکی تھی۔

اس نے ایک طائرانہ جائزہ لیا اور واپسی کے لیے مڑی۔ دیو قامت دروازے کو بند کرنے کے لیے اپنی طرف کھینچتے ہوئے اس نے پوری طاقت لگائی تھی اور قریب تھا کہ وہ دونوں دروازوں کو یکجا کر لیتی کہ اس کے ہاتھ یک دم رک گئے تھے۔ وہ ایک مانوس سی آواز تھی۔ جس کی صرف سرسراہٹ سی اس نے سنی تھی لیکن اس سرسراہٹ کی دھن اس کے دل کے اس قدر قریب رہی تھی کہ وہ ایک لمحے میں اسے پہچان گئی تھی۔ اس نے دروازے وہیں چھوڑ دیے تھے اور بھاگ کر کمرے میں آئی تھی۔ وہ دل و جان سے متوجہ تھی۔ وہی سرسراہٹ ایک مرتبہ پھر سے سننے کے لیے۔ بھلے یہ اس کا وہم ہی ہو۔

لیکن بس ایک بار پھر......

اور پھر یونہی کئی لمحے سناٹے میں سرک گئے۔

مایوس ہو کے وہ واپس پلٹی اور ابھی اس نے قدم بھی نہیں بڑھائے تھے کہ سرسراہٹ اس بار دور سے سنائی دینے والی سرگوشی کا روپ دھار گئی۔

''جدوں حد مکدی اے۔''

سرگوشی روشندان کی طرف سے آ رہی تھی۔ وہ اور قریب آ گئی۔ آواز کچھ واضح ہو گئی۔ ''سب مک جاندا اے۔'' اس نے تیزی سے قریب رکھا اسٹول اٹھا کے الماری کے قریب رکھا اور اوپر چڑھنے لگی۔ کوئی زور، زور سے تالی بجا رہا تھا۔

...تھا اور دور بھر بھری مٹی سے بنی عمارت جو تقریباً ...تھی کے اندر سے آتی آواز بھی......

''تیری حد مک گئی......ہاہاہا......

تیری حد مک گئی۔''

وہ جو کوئی بھی تھا نظر نہیں آ رہا تھا لیکن اوز گل کو اسے ...نے کے لیے اسے دیکھنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔

اس نے حیرت سے سرگوشی کی تھی۔

''اللہ لوک!''

☆☆☆

انہیں بالآخر جبین کی بات ماننی ہی پڑی تھی اور ان دونوں نے مل کر شاویز سے بات کرنے کا سوچا تھا۔ رات کو لالہ کے سوتے ہی وہ اس کے کمرے میں آئی تھیں۔ جبین نے اماں کے اشارے پہ خود ہی بات شروع کی تھی۔ لالہ کے بارے میں نئے انکشاف نے اسے ہلا کے رکھ دیا تھا۔

''اب ہم سب کی عزت تمہارے ہاتھ میں ہے......''

جبین نے امید بھری نظروں سے اسے دیکھا تھا شاویز نے انہیں الجھی سوالیہ نظروں سے۔

''میں کیسے امی؟''

''لالہ سے شادی کر لو شاویز۔ اسے اپنا لو۔ اس کو اپنا نام دے دو۔'' نانو نے گویا اس کے سر پہ بم پھوڑ دیا تھا۔ وہ اچھل کے کھڑا ہوا تھا۔

''یہ کیا کہہ رہی ہیں امی آپ......'' صدمے سے اس کی آواز پھٹ سی گئی تھی۔ جبین نے اماں کی طرف بے مطلب نگاہوں سے دیکھا۔ انہوں نے نظروں ہی نظروں میں انہیں تسلی دی۔

اور واپس شاویز کی طرف دیکھنے لگیں۔

''ہم جانتے ہیں شاویز کہ تم اور لالہ ہمیشہ بہن بھائی کی طرح رہے ہو۔ لیکن اس رشتے کی شرعی طور پہ کوئی حیثیت نہیں بیٹا۔ شادی ہوتے ہی ترجیحات خود بدل جاتی ہیں۔'' نانو اسے نرم لہجے میں سمجھا رہی تھیں اور وہ حیرت سے پھٹی ہوئی نگاہوں سے انہیں

''بالکل بھی نہیں نانو۔ اگر آپ مجھے پہلے بھی اس رشتے کے لیے کہتے تو شاید میں ہاں کر بھی دیتا کیونکہ اتنی شریعت میں بھی جانتا ہوں لیکن اب......'' وہ غصے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ جبین کا دل ڈوب سا گیا تھا۔

''کسی کے منہ کی تھوک کون چاٹتا ہے بھلا۔ پھر اتنی بڑی قربانی میں ہی کیوں دوں۔ حمزہ سے کہیں۔ وہ تو ویسے بھی پسند کرتا ہے لالہ کو۔'' نانو کی پلکیں بھیگنے لگی تھیں۔

''کوئی تو پناہ گاہ بن جاؤ میری لالہ کی...... اور تمہیں تو خود جبین نے کس قدر پیار سے پالا پوسا۔ بڑا کیا۔ اس کے احسان ہی یاد کر لو۔'' نانو منت پہ اتر آئیں۔ جبین کا سر جھک سا گیا۔

''احسان...... خدا کا نام لیں نانو۔ احسان کا مطلب یہ تو نہیں کہ کسی اور کا گند میں اپنے دامن پہ مل لوں...اور پھر لالہ۔ یہ سب اس کی اپنی غلطی ہے۔ میں کیوں اس کے گناہ کی بھینٹ چڑھا دوں اپنی ساری زندگی۔'' جبین کے سینے میں درد سا جاگا تھا۔ دروازے کی اوٹ سے لگی لالہ کا دل بھی درد سے پھٹا جا رہا تھا۔

''اور میری بات مانیں تو کسی رشتے والی خالہ سے کہیں اور کسی بال بچے والے دوسری، تیسری شادی والے ہی سہی، مناسب جگہ اس کی شادی طے کر دیں۔ کیونکہ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں اب اپنے بابا کے پاس رہوں گا۔ ان کا سب کچھ میرا ہی تو ہے تو اب ضد اور انا کا کیا فائدہ؟ آپ اور امی بھی میرے ساتھ رہیں گی۔ لیکن لالہ کے لیے معذرت۔ میری بات مان لی ہوتی اس نے تب بھی میں اس کے لیے کچھ نہ کچھ کر لیتا۔ لیکن اب مجھ سے کوئی امید نہ رکھیے گا۔ لالہ کے معاملے میں تو ہرگز نہیں۔'' اس نے تو جیسے بات ہی ختم کر دی تھی۔ لالہ اپنا مرا، مرا وجود گھسیٹتے اپنے کمرے میں آئی تھی۔ امی اور نانو کے تاریک چہرے دیکھنے کی ہمت اس میں نہ تھی۔

''اللہ تمہیں ذلیل و برباد کر دے ضیا۔'' اس نے روتے ہوئے بددعا دی تھی۔ بہت دور کسی کے دل میں بددعا جیسا ہی درد جاگا تھا۔ لیکن لالہ بے خبر تھی۔

☆☆☆

اوزگل تیزی سے وہ کمرالاک کرتی باہر آئی تھی اور حویلی کے پیچھے جانے والی ماربل سے بنی کالی پگڈنڈی پہ تقریباً بھاگتی ہوئی حویلی کے پچھلے لان میں آ گئی۔ روشنیاں اس قدر زیادہ تھیں کہ رات میں بھی دن کا سماں معلوم ہوتا۔ وہ تیزی سے دوڑتی لان سے نکل آئی۔ یہ حصہ خاصا پرانا اور اجاڑ تھا۔ یہ حویلی سے باہر کچھ غیر آباد زمین کا ٹکڑا تھا۔ جہاں حالیہ ہونے والی تیز بارشوں کے بعد اب ہری بھری گھاس سر اٹھانے لگی تھی۔ حویلی کا کچھ آخری حصہ اسی زمین میں آتا تھا۔ جس میں وہ خوب صورت کمرا بھی تھا جو باء جی نے اپنے مطالعے کے شوق کو پورا کرنے کے لیے بنوایا تھا۔ اس حصے میں آتے ہی اسے ڈر لگنے لگا تھا۔ یہاں صرف ویرانی ہی ویرانی تھی۔

''کہیں میں نے اللہ لوک کی روح کو تو نہیں سنا۔'' ڈر سے اس کے وجود میں سنسنی سی دوڑنے لگی تھی۔ پھر بھی وہ پیچھے کی طرف نہیں مڑی تھی۔ ذرا اور آگے چلی تھی۔

اور تبھی ٹھٹک کے رکی تھی۔

وہ ہنسنے کی تیز آواز تھی۔ یہ ہنسی بلاشبہ اللہ لوک کی ہی تھی۔ ان کی آواز سنتے ہی وہ تجسس سے اور آگے بڑھی تھی۔ اور کچھ دور جا کر ہی ایک عجیب سے احساس میں گھر گئی تھی۔ چونکہ یہ حصہ حویلی سے باہر تھا تو اس طرف روشنی کا بھی کچھ خاص انتظام نہ تھا۔ چاند کی چاندنی نے البتہ اندھیرے کا دم گھوٹ رکھا تھا۔ لیکن جس چیز نے اسے ساکت کیا تھا وہ تھی زمین کی درزوں سے چھن، چھن کے باہر آنے والی روشنی کی کرنیں...... کرنیں زرد بلب کی تھیں اور تھیں بھی بہت کمزور۔ اس روشنی کو دیکھتے ہی وہ تیزی سے اس طرف آئی تھی۔ اور نیچے بیٹھ کر اس جگہ کا معائنہ کرنے لگی تھی۔ یہ مضبوط لوہے کے روشندان تھے۔ اس نے قریب ہو کے دیکھا۔ وہ کسی بوسیدہ کمرے کی چھت تھی۔ اس نے اِدھر، اُدھر اندر دیکھنے کے لیے اور جگہ ٹٹولی لیکن بھی روشندان چھت ہی دکھا سکتے تھے۔ چھت

پھر گھاس پھوس ہٹاتی آگے بڑھی۔ کچھ دور جا کر ہی ایک دروازہ دکھائی دیا جو زمین سے ذرا نیچے ہی تھا اور غور سے دیکھنے پہ ہی دکھائی دیتا تھا۔ دروازے پر بڑا سا تالا تھا وہ یہاں سے مایوس ہو کے اور آگے بڑھی۔ کافی دور ان روشنیوں کے تعاقب میں آتی اچانک اسے زنجیر کھنکنے کی آواز نے چونکا دیا۔ آواز بہت واضح تھی۔ مطلب یہاں بھی کوئی کھلی جگہ تھی۔ وہ فوراً آواز کے پیچھے اس طرف آئی اور اگلے ہی پل اس کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔ اس کی محنت بیکار نہیں گئی تھی۔ اسے اندر جانے کا راستہ مل گیا تھا۔ یہ ایک روشندان ہی تھا۔ جس کے لوہے کا دروازہ شاید موسموں کی تاب نہ لا کر کب کا نیچے گر گیا تھا۔ جگہ اس قدر تھی کہ وہ آسانی سے نہ صرف نیچے بلکہ واپس اوپر بھی آ سکتی تھی۔

''پہلے جا کر کسی اور کو بلا لوں یا اکیلے ہی چلی جاؤں؟'' وہ سوچنے لگی۔

''تیری حد تک گئی، حد پوری ہو گئی۔'' نیند میں ڈوبی آواز پہ وہ چونکی۔

''کچھ تو ہے یہاں... اگر کسی کو بتا دیا تو پھر یہ موقع ہاتھ نہیں آئے گا۔ مجھے اکیلے ہی جانا چاہیے۔'' فیصلہ کرتے ہی وہ روشندان سے اندر جانے لگی۔ دونوں طرف پھنسی لوہے کی ٹوٹی کڑیوں سے لگنے پہ اس کے پہلو چھل سے گئے تھے۔ وہ ہلکا سا کراہی اور نیچے پھسل گئی۔ سامنے کا منظر ہولناک تھا۔ اس کی آنکھیں پھٹنے کو تھیں۔ دونوں طرف لمبی قطار میں چھوٹے تنگ کمرے، ان کے سامنے لگی موٹی لوہے کی مضبوط گرلیں اور اندر قید تنگ دھڑنگ مریل سے انسان جن کے ہڈیوں کے پنجرے تک نظر آ رہے تھے۔ وہ خوف سے پیچھے کو ہوئی تھی۔ جب کسی نے اچانک زور سے اس کا پاؤں پکڑا تھا۔ اس نے خوفزدہ ہو کے نیچے دیکھا۔ اور کمزور، تنی سبز رگوں سے بھرے ضعیف سے ہاتھ کو اپنے پاؤں پکڑے دیکھ کے بے اختیار اس کے منہ سے چیخ نکلی تھی اور تہہ خانے کی دیواروں سے ہی ٹکر کے دم توڑ گئی تھی......

(باقی آئندہ)

آس کا پنچھی

افراح سکندر



جون کے گرم دن کا سورج پگھل، پگھل کے اصل رہا تھا جیسے ہی حکم ربی سے پگھلتے سونے پر شام کا تھال الٹایا گیا تمام مخلوقِ خدا نے اپنے، اپنے گھروں کا رخ کیا۔ پرندوں کے نازک پروں نے اڑان بھری اور گھونسلوں کا رخ کیا۔ ایسے میں آس کے پنچھی نے بھی اپنے ناتواں پروں کی طرف دیکھا اور رختِ سفر باندھا۔ اس کا مسکن دور بہت دور تھا...... اس نے

اڑان بھری اور خیال کی رفتار سے پرواز کرتا آسمان کی وسعتوں میں کھو گیا پھر نہ جانے کب سات سمندر پار ہوئے۔ کچھ سفر مزید کٹا تو اس نے خود کو اب بھی سرزمین عرب کی پردیسی فضاؤں میں محو پرواز پایا۔ لیکن ابھی فاصلہ زیادہ تھا...... جس لمحے اس نے سرزمین پاکستان کی حدود کو محسوس کیا اس وقت بہت سے پرندے آدھے راستے میں ہی تھے تو کلمۂ شکر ادا

کیا...... کچھ دیر کو لاہور میں قیام کیا کہ شاید یہاں سے ہی کوئی سندیسہ ملے لیکن بے سود، مایوس ہو کر پھر سے اڑان بھری۔ اب اس کا رخ جنوبی پنجاب کی جانب تھا۔ گلیاں، چوبارے کھیت، کھلیان پار کرتا اِک قصبے میں داخل ہوا اور ایک منڈیر پر جا بیٹھا۔ یہی منڈیر اس کا مسکن تھی۔ اسی جگہ اس کی پیدائش ہوئی تھی۔ ٹھیک گیارہ سال پہلے جب باجی مقصوداں کے آشیانے کے پہلے پرندے نے سات سمندر کی پرواز بھری تھی۔ آپا مقصوداں نے اسی منڈیر کا سہارا لے کر اپنے قدموں کو لڑکھڑانے سے روکا تھا اور اسی ساعت، اسی جنبش سے آس کے پنچھی کا جنم ہوا تھا۔ آپا مقصوداں کے منڈیر پر گرے آنسوؤں نے اس کو سینچا تھا۔ پھر وقت گزرتا گیا اور... آپا مقصوداں کے آشیانے کے پرندے، ایک، ایک کر کے نئے آسمانوں اور نئی وسعتوں کو دریافت کرنے کے لیے اڑ گئے، وقت گزرتا گیا شامیں اور منڈیریں بھیگتی گئیں اور وہ توانا ہوتا ہو گیا...... وہ اس گھونسلے کا واحد پنچھی تھا جو ہر شام گھر آتا تھا۔ وہ آس کا پنچھی جو تھا۔

☆☆☆

مغرب کا وقت قریب تھا برسا برس سے میاں جی کا معمول تھا کہ وہ مغرب سے پہلے ہی گھر سے نکل جاتے اور پھر عشا کے کہیں بعد جا کر گھر واپس آتے تھے اب بھی انہوں نے دروازہ تو کھول لیا لیکن مسجد جانے کے بجائے گلی میں ہی چکر لگانے لگے کوئی دس منٹ بعد گلی میں شیکا غبارے والا داخل ہوا۔ نام تو اس کا شکیل تھا لیکن سب اسے شیکا کہتے تھے دس سال کی عمر سے ہی وہ قصبے کے نواحی گاؤں سے یہاں آتا تھا، سردیوں میں گرم انڈے بیچتا۔ کبھی وہ بندر کا تماشا دکھاتا کبھی اس کا نشئی باپ گلیوں میں اس کا...... کبھی یہیں کسی دکان میں چھوٹا بن کر ملازمت کرتا، نو عمری سے ہی اس کے چہرے پر پختگی تھی لیکن اگر پختہ نہیں تھا تو اس کا روزگار، اسی قصبے کی گلیوں میں جوان ہوا تھا۔ آج کل اس کا روزگار

اس کی طرف قدم بڑھائے۔

”میں کب سے انتظار کر رہا تھا اب تو مغرب کی بانگ بھی بلند ہونے کو ہے۔“

”سلام میاں جی! وہ اصل میں گیارہ چک کی طرف نکل گیا تھا۔“

”وعلیکم السلام اچھا! اسی لیے ہی سارے غبارے بک گئے ہیں۔“ میاں جی کا اشارہ ڈنڈے پر ٹنگے تین غباروں کی طرف تھا۔

”میاں جی میں اسی لیے تو کہہ رہا تھا کہ صبح ہی لے لیں، اسکول کی چھٹیاں ہو چکی ہیں، بچے گلیوں میں ہی کھیل رہے تھے سارے بک گئے، یہ تو آپ نے پہلے سے کہہ رکھا تھا تو اس لیے بچا کر رکھے ہیں۔“

میاں جی نے اس کی طرف دیکھا۔

”صبح لے لیتا تو رات تک پھٹ پھٹا جاتے ناں...... پچھلی بار کی طرح اور میں نے کہا تھا نیلا غبارہ بھی ہو لیکن یہ تو دو پیلے اور ایک لال ہے۔“

”بس میاں جی یہی بچے ہیں، آپ کی خاطر لمبا چکر کاٹ کر آیا ہوں، چاہیے تو تین ہی تھے ناں...... اب رنگوں سے کیا فرق پڑتا ہے۔“ انداز...... سے صاف ظاہر تھا جیسے کہہ رہا ہو بابا لینے ہیں تو لو نہیں تو جاؤ۔

میاں جی نے پیسے اسے تھمائے جو غباروں کی قیمت سے زیادہ ہی تھے۔ اسی لیے تو وہ بھی چک گیارہ سے یہاں تک آیا تھا۔

میاں جی اندر چلے گئے پہلے غباروں کو صحن میں سیڑھیوں کی ریلنگ سے باندھا۔ لیکن باندھتے باندھتے خیال آیا کہ پچھلی بار بلی نے آ کر پھاڑ دیا تھا تو صحن عبور کر کے برآمدے میں گئے اور وہاں پڑی کرسی کی ہتھی سے ان کو باندھ دیا۔ برآمدے سے باہر نکلے تو آپا مقصوداں اس وقت سیڑھیاں اتر رہی تھیں۔

”غبارے اندر رکھے ہیں برآمدے کی جالی بند کر لے میں جا رہا ہوں مسجد......“ آپا نے سر ہلایا اور اندر کی جانب چل دیں۔

اپنا رب سوہنے کے کلام سے ہم کلام ہوجاتیں۔ اس کے بعد منڈیر پہ دھرے پیالوں میں باجرہ رکھتیں، پانی بھی کہ شاید کوئی پنچھی گھر کی راہ کو جاتا تھک جائے تو پل دو پل یہاں سستانے کو ٹھہر جائے، اپنی پیاس بجھالے۔ پنچھی بھی تو مسافر ہی ہوتے ہیں۔ روز صبح رب سوہنے کا نام لے کے رزق کی تلاش کو انجانی راہوں پر نکلتے ہیں۔ ''رزق حلال عین ... عبادت ہے۔'' کے مسافر......

ان کے مسافر بھی تو رزق کی ہی تلاش میں ہیں، آج وہ کسی کا وسیلہ بنیں گی تو کل کوئی ان کے مسافروں کے لیے راحت بنے گا نا......

مغرب کی اذان ہوچکی تھی، آپا مقصوداں نے وضو کیا حالانکہ وہ پہلے بھی وضو سے ہی تھیں لیکن ہر نماز سے پہلے وہ تازہ وضو کا اہتمام لازمی کرتی تھیں۔

نماز سے فراغت کے بعد وہ اپنے سبق کی دہرائی کرنے لگیں، کل ان کا ماہانہ ٹیسٹ تھا۔ خیر سے دس جماعت پاس تھیں وہ...... آخر کو شہر لاہور سے تھیں۔ کالج میں داخلہ لینا تو تھا لیکن میاں جی سے شادی ہوئی تو وہ ان کے سنگ یہاں آکر آباد ہوگئیں۔ پھر گھر بنانے میں آئی وقت کو تو جیسے پر ہی لگ گئے۔ اللہ نے نعمتیں بھی عطا کیں اور نعمتیں بھی...... گھر میں بھی خیر و برکت رہی، میاں جی سخت گیر شوہر ضرور تھے لیکن انہوں نے کبھی کسی بات کی تنگی نہیں ہونے دی۔ اگر کبھی حالات تنگ بھی ہوئے تو آپا کو نہیں بتایا کہ وہ عورت ہیں۔ گھر کی راج دہانی چلائیں، میں مرد ہوں اسے باہر کے مسئلوں میں الجھا کر کیوں دو کشتیوں کا سوار بناؤں۔ بس پھر آپا نے بچے پالے اور کیا خوب تربیت کی، زمانہ ان دونوں پر رشک کرتا تھا۔ مائیں اپنے بچوں کے حوالے سے مشورے لینے آتیں اور اب بھی یہ سلسلہ رکا نہیں تھا۔ ہر کوئی چاہتا تھا کہ ان کے بچے بھی میاں جی اور آپا کے بچوں کی طرح ڈاکٹر بابو بنیں یا پروفیسری کریں۔

میاں جی بڑے مہمان نواز تھے تو آپا مقصوداں کا

ہاتھوں میں لذت بھی بہت دی تھی۔ جس کے منہ کو ان کے ہاتھوں کے بنے کھانے کا ذائقہ لگ جاتا اس کا مانو اس دہلیز سے رشتہ ہی بندھ جاتا۔ اگر رشتہ نہیں بندھا تھا تو ان کی اولاد کا...... شاید تبھی تو وہ نئے ذائقے تلاش کرنے نکل کھڑے ہوئے اور آپا مقصوداں آٹے سے سنے ہاتھوں سے دیکھتی ہی رہ گئیں۔

☆☆☆

بڑی بیٹی کو لاہور میں بیاہا تھا یہی کوئی پندرہ سال پہلے اپنے بھانجے کے ساتھ وداع کیا۔ دل کو ڈھارس تھی کہ وہ خوش رہے گی۔ تب ایک بیٹی اور دو بیٹے تھے پاس، دل کو تسلی دینے کے لیے اور بیٹیاں تو ویسے بھی پرایا دھن ہوتی ہیں، اپنے گھروں کو چلی جاتی ہیں، اصل بیٹیاں تو وہ ہوتی ہیں جو بیاہ کے گھر میں آتی ہیں، ان دنوں بچوں کے تعلیمی سلسلوں کے باعث وہ لوگ خود بھی لاہور ہی میں بستے تھے۔ رہتے کیا تھے آنا جانا لگا رہتا تھا۔ بڑا بیٹا ڈاکٹر بن چکا تھا۔ اس سے چھوٹی نفسیات پڑھ رہی تھی اور سب سے چھوٹا معاشیات پڑھ رہا تھا۔

انہوں نے اور میاں جی نے ایک سال بعد ہی فیصلہ کیا تھا کہ اگر ایک بیٹی گئی ہے تو دوسری کو آجانا چاہیے، بس پھر انہوں نے کمر کس لی لیکن وہ کمر کسی ہی رہ گئی کسی کام نہ آسکی۔ بیٹے نے ہر زحمت سے بچالیا اور ان کی بہو کو لاکر ان سے ملوا دیا۔ میاں جی کو برا لگا لیکن آپا نے دل کو بڑا کیا اور خوش دلی سے بیٹے کے فیصلے کو مانا...... میاں جی کو بھی راضی کر لیا۔ تب میاں جی راضی تو ہوگئے لیکن ان کے الفاظ آج بھی یہیں برآمدے اور اس سے ملحقہ بڑے کمرے کی بڑی، بڑی پرچھتیوں پر دھرے ہیں۔

''میں مانتا ہوں زندگی اس کی ہے، وہی خوش نہ رہا تو فائدہ...... لیکن اس کی خوشی بڑی مہنگی ہے مقصوداں......''

''کیا بات کرتے ہیں جی، مہنگی کہاں ہے۔ وہ لڑکی اس کے ساتھ پڑھی ہے وہ اور اس کے گھر والے جانتے ہیں، ہمارے بیٹے کو پسند بھی کرتے ہیں، یاد نہیں

تو خود اس کی تعریفیں کر رہے تھے، وہ تو راضی ہی......''
میاں جی نے بات بھی پوری نہ ہونے دی۔

''اس کے لیے نہیں جھلیے ہمارے لیے مہنگی ہے، ہم سادہ مزاج، سادہ اطوار لوگ ہیں جبکہ وہ بڑے لوگ ہیں۔ ہم سائیکل پر بھی راضی ہیں جبکہ وہ جہازوں میں بیٹھنے والے ولایت کی سیر کو جا کر خوش ہونے والے ہیں، ہم تو پتیل، تام چینی میں کھا کر رب کا شکر ادا کرتے ہیں جبکہ وہ...... کیا کہتے ہیں (میاں جی نے بڑی کوشش کی، ملک کا نام یاد کرنے میں مگر ناکام رہے) وہ بڑے ولایت والے برتن استعمال کرتے ہیں، نزاکت سے چھریاں چلاتے ہیں پلیٹوں پہ بھی دلوں پر بھی...... بڑے مہنگے لوگ ہیں، ہم کہاں ان کا مقابلہ کر سکیں گے۔ کہیں ان کے ساتھ رہتے ہوئے ہمارا بیٹا بھی نہ مہنگا ہو جائے اور ہماری چادر سے باہر ہو جائے اس تک جانا۔''

''تسی جی میرا دل نہ گھٹاؤ، بیٹے کی خوشی میں اس لیے راضی ہوئی ہوں کہ وہ کہیں ہم سے بد دل نہ ہو جائے، اس نے ماں سے کہا ہے ہمیں۔ میں اس کا مان نہیں توڑنا چاہتی۔ آپ میرا دل نہ ہولائیں۔''

''چل جیسے تیری مرضی......'' کہہ کر میاں جی نے ٹوپی پہنی اور چل دیے۔

☆☆☆

ایک سال بعد وہ بڑے لوگ ان کے چھوٹے صحن میں کرسیاں ڈالے بیٹھے تھے۔ ان کی بیٹی بلکہ آپا مقصوداں کی بیٹی (بہو) سموسے چاٹ میز پر سجا رہی تھی اور اپنی اماں کو بتا رہی تھی۔

''ماما یہ میں نے بنائے ہیں، آنٹی نے مجھے سکھائے ہیں۔''

''واہ بھئی۔'' اس کی ماں سے پہلے اس کے باپ نے سموسہ اٹھایا اور مزے سے چٹنی میں ڈبو، ڈبو کر کھایا۔ ''بہت عمدہ، واہ مزہ آ گیا۔''

''مقصوداں باجی...... آپ نے تو میری بیٹی کو گھر کی ماں نے خوش دلی سے کہا۔

''فرحان کو آنٹی کے ہاتھ کے کھانے بہت پسند ہیں مجھے ہر وقت یہی کہتے رہتے ہیں امی سے سیکھ لو کام آئے گا تمہارے، میرے معدے تک رسائی حاصل کر لو ساری عمر تمہارا ہو کر رہوں گا۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا اور باقی سب بھی ہنسنے لگے۔ بڑی پیاری بچی تھی عزت، محبت سے ملتی۔ یہ لاہور جاتے اس کے پاس یا وہ ان کے پاس آتی ایسا لگتا رونق آ گئی ہے۔ سونیا سے تو پکی دوستی ہو گئی وہ بھی بھابی، بھابی کرتی رہتی، وہ اپنی کتابیں لے کر بیٹھتی تو اس کی بھابی دو کپ چائے بنا لاتی پھر دونوں کتابیں کھول کر بیٹھ جاتیں۔

''بہو تم تو فرحان کی کلاس میں تھیں ناں......'' ایک مرتبہ تو میاں جی نے پوچھ ہی لیا۔

''جی انکل......'' اس نے کتاب سے سر اٹھایا۔

''تو وہ تو کب کا پڑھ لکھ کر نوکری لگ گیا۔ تم فیل ہو گئی تھیں کیا جواب تک پڑھ رہی ہو؟ کہیں کالج وغیرہ بھی نہیں جاتی ہو۔'' وہ ہنسنے لگی۔

''انکل میں آگے پڑھ رہی ہوں، بڑے امتحان کی تیاری کر رہی ہوں۔'' وہ سمجھے مقابلے کے امتحان کی تیاری کر رہی ہوگی اس کا باپ بھی تو بائیس گریڈ کا افسر تھا...... لیکن وہ تو اصل میں ان کا امتحان لینے والی تھی وہ اس بات سے بے خبر تھے۔

دو سال وہ لوگ پاکستان میں رہے اس کے بعد ایک دن فرحان بتانے لگا کہ ''اس کی بیوی نے یو ایس ایم ایل ای کر لیا ہے اور اس نے بھی ایک اسٹیپ کلیئر کر لیا ہے۔'' میاں جی نے اس کی شکل غور سے دیکھی انہیں اس سے غرض نہیں تھی کہ وہ کس امتحان کی بات کر رہا ہے وہ اور آپا یہ ''سننا'' چاہتے تھے کہ وہ اصل میں ''سنانا'' کیا چاہتا ہے۔

''آپ کی بہو کے پاس تو امریکا کی شہریت ہے ہی اب میں بھی ویزا لگوا رہا ہوں، ابو یہاں سسٹم بہت بوسیدہ ہے میں کھل کر اپنی قابلیت کا استعمال نہیں کر سکتا

میاں جی، کیا کہتے، بیٹے نے یہ کہا تھا کہ وہ ویزا لگوا رہا ہے، یہ نہیں کہ وہ ویزا لگوانا چاہتا ہے ان کی اجازت درکار ہے۔ بس بولے تو اتنا ہی......

''پتر ہماری جڑیں اس مٹی میں ہی پیوست ہیں ہم ایک بار اکھڑ گئے تو دوبارہ کسی زمین پر نہیں پھل پھول نہیں گے۔''

لیکن آپا مقصوداں نے بہت واویلا کیا۔ سب بچے ... دیتے رہے کہ کیا ہوا آج کل تو دنیا گلوبل ویلج بن گئی ہے۔ فون سے تو ساری دنیا جڑی ہے (تب انٹرنیٹ کی سہولت عام نہیں تھی) وغیرہ، وغیرہ لیکن کوئی بھی ... انہیں بہلا نہیں سکا تھا۔

پھر گیارہ سال پہلے جب ان کا بیٹا اور بہو ایک سال ... پوتے کے ساتھ ان کے آبائی گھر سے جا رہے ... آپا چھت پر جا کھڑی ہوئیں۔ انہوں نے اور میاں جی نے لاہور اور ائرپورٹ جانے سے انکار کر دیا ... فرحان سمجھ رہا تھا کہ امی ناراض ہیں اس لیے ... پر بھی نہیں آئیں لیکن وہ چھت پر تھیں تاکہ وہ ... گاڑی کو بڑی سڑک تک دور تک جاتا دیکھ سکیں۔

فرحان کے جانے کے کچھ عرصے بعد چھوٹے جمال کی نوکری لگ گئی، سونیا کا ایم فل بھی مکمل ہو گیا۔ اسی دوران بڑی بہو کے کزن کا رشتہ سونیا کے لیے آ گیا۔ ان بڑے لوگوں کو ان سادہ لوگوں کی سادگی کچھ زیادہ ہی بھا گئی تھی۔ فرحان تو اس رشتے کا پکا ... تھا ہی لیکن حیرت تب ہوئی جب بڑی بیٹی نے ... کی ہاں کا عندیہ آپا کو دیا۔

جب بیٹا باہر جا سکتا ہے تو وہ بیٹی کی راہیں کیوں کھوٹی کریں۔ انہوں نے اور میاں جی نے بھی رشتہ پکا کر دیا۔

ساتھ ہی جمال سے بھی پوچھ لیا کہ وہ بھی بتا دے اگر کوئی ہے تو......؟ لیکن اس نے ان کی مرضی پر سر جھکا ... کہ جو آپ پسند کریں بس پھر آپا میں بجلی بھر گئی، بڑی مریم کو ساتھ ملایا اور کب سے بسی دل کی خواہش ... کی...... رانیہ ان کی رشتے کی بہن کی بیٹی تھی بچپن

بھی کرلیا تھا۔ فرحان سے آٹھ دس برس چھوٹی تھی لیکن وہ ہمیشہ سوچتیں کہ اتنا فرق تو معمول کی بات ہے لیکن فرحان کے بعد تو انہوں نے آس ہی چھوڑ دی تھی لیکن اب وہ اسے جمال کی دلہن بنالائیں۔

سونیا رخصت ہوگئی اور رانیہ آگئی۔

میاں جی اور آپا کو اس بات کا بہت قلق تھا کہ فرحان اور اس کی بیوی شادی میں نہیں آئے۔ ان کی طرف سے نوٹوں کی گڈیاں آگئیں۔ فرحان کی شہریت کا مسئلہ تھا لیکن بہو تو آسکتی تھی ناں لیکن بہو کے گھر والے بڑے جوش وخروش سے شریک ہوئے۔

چھ ماہ بعد جب سونیا امریکا گئی تو بھائی نے اس کے لیے بڑی دعوت کا اہتمام کیا اور دوسری مرتبہ اپنے گھر سے رخصت کیا۔ سب نے مل بیٹھ کر تصویریں دیکھیں...... سب خوش ہوئے لیکن دلوں کے حال کا محرم تو اللہ ہی ہے...... بس وہی جانتا ہے جو ظاہر بھی ہے جو باطن بھی......

☆☆☆

جمال اور اس کی بیوی نے ان کے گھر میں رونق بھر دی۔ ہر ہفتے وہ دونوں لاہور سے آجاتے، دو دن رہتے اور چلے جاتے بعض دفعہ رانیہ اکیلی بھی رہنے آجاتی پھر ان کی پوتیوں کی آمد نے تو ان کے آنگن کو مہکا دیا تھا۔ فرحان کا بیٹا تو جب سے گیا تھا آیا ہی نہیں تھا ہر ماہ اس کی تصویروں کے ساتھ ڈالرز آجاتے تھے۔ سونیا بھی ایک مرتبہ ہی آئی تھی جب اس کا بیٹا چھ ماہ کا تھا۔ لیکن جمال کی بچیاں تو اُن کے ہاتھوں میں پیدا ہوئیں ان کے سامنے پلی بڑھیں۔ پھر ایک دن جمال بھی میاں جی کے سامنے آبیٹھا۔

''ابو میں تنگ آگیا تھا اس نوکری سے...... ترقی کے کوئی چانسز ہی نہیں ہیں، میں نے دبئی میں ایک جاب کے لیے اپلائی کیا تھا وہاں سے جواب آگیا ہے۔ میری نوکری پکی ہوگئی ہے وہاں۔''

پھر وہ بھی چلا گیا لیکن جانے سے پہلے اس نے

بھی کروایا۔

ایک بار یہ دونوں بھی امریکا کا چکر لگا کر آئے۔ وہاں بچوں کو خوشحال اور پُرآسائش زندگی گزارتا دیکھ کر ان کے دل خوش ہوگئے اور اس بات کی زیادہ خوشی کہ ان کی تربیت کے رنگ پکے تھے پردیس میں بھی بچے اپنی روایات اور مذہب کے پاسدار تھے۔

سب نے بہت کوشش کی ان کو سمجھایا کہ وہ وہاں امریکا ہی میں رہ جائیں لیکن وہ نہ مانے۔ پھر اس بات کا دباؤ ڈالا گیا کہ وہ گاؤں سے لاہور ہی منتقل ہوجائیں لیکن اس پر بھی وہ دونوں راضی نہ ہوئے۔

واپس اپنے آبائی گھر آگئے۔ مریم (بڑی بیٹی) کے چکر بڑھ گئے۔ دونوں کو اندازہ تھا کہ وہ ان کی وجہ سے خوار ہوکر رہ گئی ہے اسی لیے اسے بھی یہی سمجھایا کہ وہ اپنے گھر پر توجہ دے، وہ دونوں ٹھیک ہیں۔

بوجھل دنوں اور بے نور شاموں میں تنہائی کا بوجھ بڑھتا گیا۔ اس بوجھ سے میاں جی کے کندھے جھک گئے لیکن آپا مقصوداں کے سینے پر یہ بوجھ اتنا بڑھا کہ ایک شام ان کی دھڑکنیں ہی رک سی گئیں۔ فوری علاج سے ان کو بچا لیا گیا۔ پہلا دل کا دورہ تھا۔ زیادہ خطرناک ثابت نہ ہوا۔ ان کی اولاد جیسے تیسے کرکے ہفتے کے اندر، اندر ان تک پہنچ گئی۔ ایک مرتبہ پھر واپس جانے کے لیے کوئی ہفتے کی چھٹی پر آیا تھا تو کوئی دس کی...... مریم بھی چار دن رہ کر چلی گئی۔ پھر وہی باتیں وہی تکرار کہ ہمارے ساتھ چلیں لیکن آپا کو بھی ضد تھی شاید کہ ان کی اولاد ان کو چھوڑ گئی تھی تو وہ بھی اب ان کے پاس نہیں جائیں گی۔ پھر ان کی ضد کے آگے سب ہار گئے اور ایک، ایک کرکے واپس اپنے ٹھکانوں پر چلے گئے۔

☆☆☆

پھر ایک شام جب وہ چھت پر بیٹھی تھی تو میاں بھی ان کے پاس آبیٹھے۔

''کیا دیکھتی ہے مقصوداں......؟'' انہوں نے

کررہی تھیں۔

انہوں نے خالی نظروں سے ان کو دیکھا۔

''میاں جی چلیں...... بچوں کے پاس چلتے ہیں، میں تھک گئی ہوں۔'' یہ تھی اصل بات......

''جا تو چلی جا...... میں یہیں ٹھیک ہوں، میرے ماں، باپ کو آس ہوتی ہوگی کہ ہمارا پتر ہر جمعرات آتا ہے۔ ہماری قبر پر فاتحہ پڑھنے اور پھول چڑھانے میں انہیں کیسے چھوڑ دوں۔''

''میں آپ کو کیسے چھوڑ دوں جی...... یہ آپ نے کیا کہا؟ میں بھی تو ولاتی ہوں ان کا ختم، وہ میرے بھی تو کچھ لگتے تھے۔ آپ کے بغیر تو میں اس گھر سے باہر نہ نکلوں آپ نے کتنی آسانی......'' پھر ان کی آواز رندھ گئی۔

''تجھے پتا ہے میں کبھی اس محلے، اس قصبے سے باہر جا کر کیوں نہ بس سکا؟''

وہ سوچنے لگیں شاید بے بے اور ابا جی کی وجہ سے......

''کیونکہ رب سوہنے نے میرا رزق یہیں اس زمین پر اس کریانے کی دکان اور چھوٹی سی زمین سے لکھا تھا۔ میں کہیں باہر بسنا چاہتا بھی تو نہ بس پاتا...... کیونکہ وہاں میں فاقوں مرجاتا۔ ہمارے بچے کتنی ہی کوشش کرلیتے لیکن وہ یہاں بس ہی نہیں سکتے تھے، اس لیے نہیں کہ وہ پڑھ لکھ گئے تھے، یہ جگہ ان کا معیار نہیں رہی تھی...... بلکہ ان کا رزق ان سرزمینوں پر ہی لکھا تھا۔ وہ مٹی انہیں بلاتی تھی تبھی تو رب سوہنے نے ان کے دل میں خیال ڈالا تھا وہاں جانے کا، وہاں بسنے کا۔'' اب وہ آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''یہ دیکھ ان پرندوں کو، ان کو رزق کبھی گھونسلے میں نہیں ملتا، یہ اس کی تلاش میں نگر، نگر گھومتے ہیں، کچھ پرندے تو سرد علاقوں سے ہجرت کرکے گرم علاقوں میں آجاتے ہیں، ان کو کون یہ بات سمجھاتا ہے کہ اس سرد علاقے کا سسٹم خراب ہے چلو بھئی گرم پانی اور زمین کی طرف...... رب سوہنا...... کیونکہ وہی ہے جو دلوں میں خیال ڈالتا ہے تاکہ اس کی مخلوق عمل کرسکے...... بس یہ

وہ بھی اپنا رزق تلاش کررہی ہے۔ دعا کیا کر اللہ ان کے لیے آسانیاں پیدا کرے۔'' انہوں نے ایک گہری سانس بھری۔

''چل اٹھ اب، مغرب ہونے والی ہے اور کل ظہر کے بعد تیار رہنا، صوفی صاحب کے گھر جانا ہے۔''

انہوں نے حیرت سے میاں جی کی طرف دیکھا۔

''ان کی بیوی تفسیر قرآن کا دور شروع کررہی ہے اب تو ان کی بیٹی اور بہو نے بھی عالمہ کا کورس مکمل کرلیا ہے۔ مجھ سے شادی کے بعد تو، تو اس گھر کی ہی ہوکر رہ گئی تھی چل اب اس رب سوہنے کی کتاب کا بھی حق ہے تجھ پر اس حق کو ادا کر۔''

بس پھر تو سلسلہ ہی چل نکلا...... ظہر کے بعد وہ تفسیر کی کلاس کے لیے جانے لگیں پہلے جن لوگوں سے دور، دور کی پہچان تھی ان سے دوستیاں ہونے لگیں پھر گھروں میں ملنا ملانا بڑھا۔ عورتوں کا مسئلہ مردوں کو کھانا پسند نہیں آتا۔ بس پھر آپا آگئیں میدان میں ہر کسی کو ترکیبیں بتاتیں۔

''کھانے کی لذت تو صرف بھوننے سے ہی آتی ہے اسے بھوننے میں کام چوری نہ دکھایا کرو۔''

''بس آپا ایک مرتبہ سامنے بنا کر دکھا دیں۔'' پھر آپا نے ایک مرتبہ سامنے بنا کر کیا دکھایا کہ عورتوں نے تو آ، آ کر سیکھنا ہی شروع کردیا۔ ایک نئی ہی مصروفیت شروع ہوگئی۔

مریم چکر لگاتی تو کوئی نہ کوئی بدیسی کھانا بھی سکھا جاتی۔ بس پھر تو کڑیوں، بالیوں کی بھی موجیں لگ گئیں وہ بھی آکر نت نئی ڈشز سیکھنے لگیں۔ آپا کے گھر پھر رونق لگ گئی بس پچھلے پانچ سال سے یہی ان کا معمول تھا۔ یہی ان کی زندگی......

پھر آجاتا ہفتے کا دن، یہ دن ان کی عید کا دن ہوتا...... اس دن وہ اپنی اولاد اور ان کی اولاد سے باتیں کرتے تھے۔ آج ہفتہ تھا، اس لیے وہ میاں جی کا انتظار کرنے لگیں، وہ بھی عشا پڑھ کر آگئے تو کھانا کھا کر

اسکائپ اور فیس بک استعمال کرنا سکھا دیا تھا۔

میاں جی نے سب سے پہلے جمال کو وڈیو کال کی۔ اس کا اس کی بیوی کا حال احوال پوچھا پھر اس کی بیٹیوں سے بات ہوئی وہ اب سات اور پانچ سال کی تھیں اور بیٹا ایک سال کا۔

''دادا ابو میرا بیلون کہاں ہے؟'' وہ فوراً آگئے اور کرسی سے پیلا غبارہ کھول کر لے آئے۔

''یہ لو میری شہزادی آپ کا گولڈن بیلون......''

''اوہ، میرا بیلون۔'' پھر دادا پوتی اس سے کھیلتے رہے۔ میاں جی اسے ہوا میں اچھالتے اور وہ پکڑ لیں، پکڑ لیں کہتی۔ اس کا ایک سالہ بھائی بھی اسکرین پر غبارے کی طرف لپک، لپک آتا۔ ایک گھنٹا ان سے بات چیت اور کھیل کے بعد سونیا کو کال کی گئی، وہ اس وقت سو کر ہی اٹھی تھی اس کے بچے سو رہے تھے۔

''کہاں ہیں ہمارے شہزادے؟''

''ابو جی وہ دونوں تو سو رہے ہیں۔''

''اٹھاؤ ان کو پچھلی دفعہ چھوٹے کا غبارہ پھٹ گیا تھا تو ناراض ہو رہا تھا۔ آج میں نے لال غبارہ لیا ہے اس کے لیے۔''

''''ابو جی ابھی اٹھا دیا تو سارا دن چڑ چڑے رہیں گے۔ بس آدھے گھنٹے میں ان کے اٹھنے کا ٹائم ہو جائے گا۔''

پھر وہ اپنی ماں کے ساتھ باتوں میں لگ گئی۔

اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔

''پھر آپا کب آ رہی ہیں آپ کے پاس، بچوں کی چھٹیاں تو شروع ہو گئی ہیں۔''

''آ جائے گی مہینے کے اندر ہی......'' آپا نے بتایا۔

اتنی دیر میں بچے بھی اٹھ گئے پھر وہ ان کو اپنی نظمیں سنانے لگے۔ اپنے اسکول کی باتیں کرتے رہے۔ وقت اسی طرح گزر گیا۔

فرحان کی بیوی کو کال کی۔ کیونکہ فرحان کی ڈیوٹی

بارے میں بتاتا رہا...... پھر اس کی بیٹی آ گئی ان کی سب سے نک چڑھی پوتی۔

''میرا بلیو بیلون......؟'' اس نے موقع ملتے ہی پوچھا۔

''یہ دیکھو یہ گولڈن بیلونز ہیں۔''

''نو آئی وانٹ بلیو بیلون۔'' اس نے زور، زور سے نفی میں سر ہلایا۔

''اٹس او کے مشعال دادا ابو کے پاس تھری بیلونز ہیں آپ ریڈ والا لے لو۔ یہ تو آپ کے فراک سے بھی ملتا ہے۔''

''نو بلیو بیلون......'' پھر اس کے دادا ابو نے اس سے تین بلیو بیلون کا وعدہ کیا پھر وہ جا کر مانی...... بچوں کی باتوں پر ہنستے کھیلتے رات بارہ کا وقت ہو گیا۔

اللہ حافظ کہہ کر انہوں نے سانس بھری۔

''دیکھ لیں جی آپ کی نسل انگریز ہو گئی ہے شکل سے بھی اور عادات سے بھی۔'' آپا مقصوداں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''لے دس بھلا میں نے کب چاہا، یہ تو میرے رب سوہنے کے کام ہیں۔''

یہ کہہ کر وہ اٹھ گئے اور آپا بھی ان کے پیچھے کچن کی طرف چل دیں تاکہ اپنے اور میاں جی کے لیے دودھ لے آئیں۔ غبارے بھی پنکھے کی ہوا کے باعث اُڑ گئے وہ برآمدے میں تھے جبکہ ایک اڑتا ہوا اور آپا کی ٹھوکر لگنے سے صحن میں سیڑھیوں کے ساتھ لگے گملوں کے پاس ٹھہر گیا۔ بس ان کا کام ختم ہو چکا تھا۔ اب ان غباروں کی قسمت یہی تھی کہ ایسے ہی پھٹ جائیں گے۔

اسی طرح آس کا پنچھی بھی اپنے آشیانے اپنی منڈیر پر جا بیٹھا تھا۔ اس کی زندگی بھی یہی تھی۔ کیونکہ چاہے وہ نظر نہیں آتا تھا لیکن وجود رکھتا تھا، ایک ایسا وجود جو بندے کی سانسوں کے ساتھ جڑا ہوتا ہے۔ اس کی سانسیں بھی آپا مقصوداں کی سانسوں سے جڑی تھیں۔ وہ بھی ان کی ذات کا حصہ تھا۔ وہ چاہے کتنے ہی حیلے بہانے کر لیتیں لیکن آس کا پنچھی کی حقیقت محکم تھی۔



امان

نصرت یوسف

کمرے کی تاریکی میں چاند کی دودھیا کرنیں بستر کی چادر پر بنے رنگ برنگے پھولوں میں افشاں سی بھر رہی تھیں۔ سرد ہوائیں کھڑکیوں کے شیشوں سے ٹکراتیں اور درختوں سے اٹھکیلیاں کرتیں۔ درختوں کی بانہیں ان کو جکڑنا چاہتیں مگر بھلا ہوائیں بھی کبھی قید ہوتی ہیں، جو یہ ہوتیں۔ اسی کشمکش میں کھڑکی کے قریب اِستادہ بوڑھے درخت کی بانہیں کپکپاتیں اور کئی پتے



ع عورت چ چکرباز

ایک عام تاثر یہی ہے کہ عورت ایک کمزور اور کم تر ہستی ہے . . . مگر یہی کمزور اور کم تر ہستی صنف مخالف پر کس، کس طرح اثر انداز ہوتی اور وقت پڑنے پر چٹان جیسی مضبوطی بھی دکھاتی ہے۔ حروف تہجی کے اعتبار سے شروع ہونے والے اس نئے سلسلے عورت کہانی میں ہماری معروف قلم کار **فرحین اظفر** نے یہی بتانے کی کوشش کی ہے۔

جداگانہ موضوعات لیے کہانیوں کا نیا سلسلہ آپ جیسے باذوق قارئین کی نذر

کڑی دھوپ میں نیم کی چھاؤں تلے بہت ہی بھلی ٹھنڈک پھیلی ہوئی تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی اس نے عصر کی نماز کے بعد وہیں بیٹھ کر وظائف ختم کیے تھے۔ تب تک دھوپ بھی کچھ دھیمی پڑ گئی لیکن بی بی سی خالہ کے آنے کے بعد

چل کر پھر سے سر پر پہنچ گئی تھی۔

”ارے بی بی بس...... کیا بتائیں۔“ خالہ بی بی سی نے ٹھنڈی آہ بھری۔

اسے گرمی میں بھی جھرجھری آ گئی۔ خالہ کی آہ میں

ٹپ نیچے گر جاتے۔

چودھویں کا پورا چاند تھا، ہر شے پر بظاہر سکوت طاری تھا۔ لگتا تھا کسی طاقت نے چاند کا فسوں طاری کر کے دنیا کو پُرسکون کر دیا ہے۔

”ہر طرف سکون لگتا ہے پھر میں کیوں کائنات سے جدا ہوں۔ مجھے کیوں یہ لہریں اپنے اندر نہیں سموتیں؟“

ڈبڈباتی آنکھوں سے فائزہ نے اپنے بے شکن بستر کو دیکھا۔

چاندنی اب سمٹ چکی تھی، لیکن اس کے دل میں بھنور پھیل چکے تھے جو تکلیفوں کی کترنوں کے ساتھ نعمتوں کے خوان بھی اسے دے گئے تھے۔

عبدالمنان جانے خوان تھا یا کترن؟

فائزہ نے شیشے کے پار نظر آتے آسمان پر نگاہ ڈالی۔

روشن چاند پر نگاہ ڈالتے ہی اسے عبدالمنان کے بازو اپنے گرد محسوس ہوئے، اس کی مخصوص خوشبو نے فائزہ کے گرد ہالہ بنا دیا تھا۔

”فائزہ! اگر کبھی مجھ سے روٹھ کر میرے گھر سے گئیں تو یاد رکھنا تمہارے پیچھے نہیں آؤں گا، چاہے تمہاری جگہ میری آخری سانس تک خالی رہے۔“

عبدالمنان کے الفاظ میں گلاب کا حُسن بھی تھا اور خار کی چبھن بھی۔

”زندگی کتنی عجب ہے، اگر عبدالمنان صرف میرا تھا، میں اس کی لاشریک چاہت تو......“ فائزہ نے آزردگی سے سوچا۔

اس کے ذہن میں وہ خدوخال ابھر آئے جس کی مسکراہٹ اور جس کی قربت عبدالمنان کو فائزہ کی قربت سے بھی کھینچ سکتی تھی۔ وہ اس کی ایک آواز پر فائزہ کی حنائی ہتھیلیوں اور ریشم سے بالوں کے لیے اجنبی بن جاتا۔ اس وقت فائزہ کا دل خوب مچلتا۔

درد کی کوئی لہر، ضرورت کی کوئی بکل، دید کی یا گفتگو کی خواہش ہوتی تو وہ عبدالمنان کو بڑے سنبھل کر آواز دیتیں کہ فائزہ کو ناگوار نہ لگے۔

میں فائزہ کو دلربا بنا کر خود بٹھایا ہو۔ لیکن فائزہ کے اپنے لیے وہ ماتھے کی ایک شکن تھیں، بوڑھے پیڑ کے مانند وہ عبدالمنان اور فائزہ کی کونپلوں کو بھی نوازتی رہتیں، لیکن نہ جانے فائزہ کے دل میں کیسی گرد تھی جو کسی بھی موسم میں بیٹھتی ہی نہ تھی۔

پھر ایک دن جب گرمی شباب پر تھی، پرندے بھی اپنے گھونسلے میں سہمی نگاہوں سے سرخ انگارہ سورج کو ہر گام بکھرتا دیکھ رہے تھے۔ فائزہ، عبدالمنان سے ٹھنڈے ماحول میں دھڑکتی دھڑکنوں کی باتیں کر رہی تھی۔ رم جھم سی ہنسی تھی۔ ایسے میں وہ عبدالمنان کو پکار بیٹھیں اور عبدالمنان بھی ہمیشہ کی طرح اس پکار پر فوری چل پڑا۔

”بس بہت ہو گیا، شراکت داری کی یہ کہانی میں مزید نہیں سہہ سکتی۔“ شرارے فائزہ کے وجود میں دوڑ اٹھے۔ طٰہٰ اور حمدہ کو اس نے نظر بھر کر دیکھا اور نفس کے رخ پر بہتی سیدھی فائزہ ابو کے گھر آ گئی۔

اس گھر میں سب کچھ تھا، رنگ، خوشبو اور فوارہ، وہ بھی نہیں تھیں لیکن عبدالمنان بھی نہیں تھا۔

فائزہ کا نہ کمرا مہکتا اور نہ لب کھلتے، بچوں کی یاد اس کے اندر سناٹے اتار چکی تھی وہ جو عبدالمنان کی محبت میں فائزہ کو اپنی زندگی کا زرد رنگ لگتیں انہوں نے بھی فائزہ کو بلایا

طٰہٰ، حمدہ کے لب و رخسار کا ذکر کیا، عبدالمنان کی ادھوری زندگی یاد کرائی۔

فائزہ کے گلے کیا گھٹتے، مزید ان میں کڑواہٹ آ گئی۔

”ماں ہو فائزہ۔ پھر بھی عبدالمنان کے لیے میرے محسوسات نہ جان سکیں۔“

وہ آنسو بھری آواز سے کہہ رہی تھیں۔

وہ عبدالمنان کی ماں تھیں، فائزہ نے انہیں اپنا شریک کے بجائے دریچۂ دعا مانا ہوتا تو زندگی کی کٹھن وادیاں سہل ہو جاتیں، خوابوں کی جھلملاہٹیں فائزہ کو سوالیہ نشانات سے امان دے دیتیں۔

باتیں وہی بتاتی پھرتی تھیں۔

"دنیا کب کسی کو جینے دیتی ہے چین سے...... اب تم خود ہی کو لے لو۔ جس کے جو منہ میں آتا ہے بول کر چل دیتا ہے۔ میں بھلی مانس نے سوچا، خیر خبر لے آؤں جا کے ورنہ...... بس محلے داری بھی عجیب شے ہے۔ منہ پر لوگ میٹھے بنے رہتے ہیں۔ پیٹھ پیچھے...... توبہ......"

وہ خوب سمجھ رہی تھی خالہ بی بی کس خیر خبر کی بات کر رہی تھیں۔

آج صبح ہی تو ناصر بھائی اپنے بیٹے کے پاس ہونے کی خوشی میں مٹھائی لے کے آئے تھے۔ یہی...... یہی مٹھائی تھی جو محلے والوں کے حلق میں بنا کھائے اٹک گئی ہوگی۔ نہ اگلے بنتی ہوگی نہ نگلے......

"اور سناؤ سب خیر خیریت ہے ناں؟"

"جی خالہ سب خیریت ہی ہے۔ آج صبح ناصر بھائی اپنے بچے کے پاس ہونے کی مٹھائی لے کے آئے تھے۔ ماشاءاللہ سے ایم بی اے کرلیا ہے۔ اس نے اچھے نمبروں سے۔ اللہ نے چاہا تو جلد ہی نوکری بھی لگ جائے گی۔" اس نے وضاحتی الفاظ میں ان کے دل میں ہوتی پکڑ دھکڑ کو بریک لگایا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ پکڑ دھکڑ وہ مروڑ ہے جو آئے دن ان سمیت محلے والوں کو اٹھتا ہی رہتا تھا۔

ایک بیوہ، اور پھر مطلقہ ہو عورت کی ذات سے، اپنے زبانی چٹخارے کے لیے جوڑ دینے والی کہانیوں پر نہ کوئی ٹیکس لگتا تھا نہ دفعہ...... ہاں مگر سر چارج لگتے رہتے تھے۔ اس کی اپنی ذات پر...... اس کی گڑیا کی بھی محلے میں کسی بچی سے کوئی دوستی نہیں تھی۔ وہ دونوں بس ماں بیٹی کے رشتے میں ہی دنیا جہان کا سکون پاتی تھیں۔ اور خوش اور مطمئن بھی تھیں۔ یہی خوشی، سکون اور اطمینان محلے والوں کا چین چھینے لیتا تھا۔

وہ جانتی تھی اس دنیا میں اکیلی عورت کا جینا باریک دھاگے پہ چلنے کے برابر تھا۔ جو جتنا نازک تھا اس کے نیچے اتنی ہی گہری کھائی تھی مگر اس نے تو مرد کے سہارے کے ساتھ بھی چل کر دیکھا تھا۔ اور وہ چلنا تلوار کی دھار پر چلنے جیسا تھا۔ ہر قدم نیا گھاؤ دیتا گیا۔ یہاں تک کہ اس میں چلنے کی سکت نہ رہی۔

☆☆☆

کے ساتھ جب طے پائی تو وہ اس کے نام پہ معترض تھی۔

"یہ بھلا کیسا نام ہے عورتوں جیسا...... نسیم...... یہ بھی کوئی نام ہے؟"

تب تک اسے پتا نہ تھا نام کا کسی کی شخصیت پہ اتنا گہرا اثر بھی ہو سکتا ہے۔ تب تو وہ اٹھارہ برس کی کھلنڈری لڑکی تھی۔ یہ تو بعد میں کھلا کہ نسیم اپنے نام کی طرح بہت سی زنانہ خصوصیات کا حامل بھی تھا۔ اس کا صرف نام نہیں، عادتیں بھی زنانیوں والی تھیں۔ اور اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ دو بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا وہ بھی چھوٹا۔ باپ گزر چکا تھا۔ اور ماں بہنوں نے اسے تمام سنبھال کے جو پالا تھا تو... ہتھیلی کا پانی بھرا کچا چھالا ہی بنا چھوڑا تھا۔

گرمیوں میں لو کے چلنے یا سردیوں میں بوندا باندی پڑ جانے سے جہاں اس کی طبیعت سب سے پہلے ناساز ہوتی، وہیں اسے کام پہ نہ جانے کا بہانہ بھی مل جاتا۔ جو خود اس سے بھی پہلے اس کے صدقے جاتی ماں فراہم کر دیتی۔

روزے رکھنا پہاڑ سر کرنے جیسا تھا اور پہاڑ سر کرنا ہر کسی کے بس کی بات کہاں۔ نماز بھی مارے باندھے کا بوجھ تھی۔ اس کے اندر توانائی اور طاقت صرف خلوت میں ہی دیکھی جا سکتی تھی۔ یا پھر خاص اس وقت جب کوئی بیاہتا بہن اپنی سسرال والوں کے جلے پھپھولے گھر آ کر پھوڑتی تو یہ اوٹی اماں کا پھپھولا بھی جذبات کی رو میں بہہ کر پھوٹ نکلتا۔

"ارے اماں گھی ختم ہو گیا تھا تو پراٹھے کہاں سے بنتے۔ میری ساس نے اتنی زور کا دھکا دیا کہ میں توے پر ہی گرتے، گرتے بچی۔"

"اس نے دھکا دیا تو، تو نے کھایا ہی کیوں۔ توے تک جا پہنچی تھی تو وہی توا اٹھا کے اس کے منہ پہ مارتی۔"

خالصتاً عورتوں والے اسٹائل میں بولتا تو پل کی پل میں گھر کا صحن ہی اکھاڑا بن جاتا۔ یہی نسیم اپنے بہنوئیوں کے سامنے بھیگی بلی تھا اور اس سارے میں جو اطمینان کی بات تھی وہ یہ کہ وہ ثمینہ عرف ثمو سے بھی دب کر رہتا تھا۔ اور دوسری بات یہ کہ اماں نے خدا خوفی کے ڈر سے یا اللہ جانے اسے شر سے بچانے ہی کی خاطر لڑائی جھگڑوں سے ہمیشہ بچنے کی تلقین کی...... گالم گلوچ والا ماحول نہیں تھا۔ عورت کی عزت کرنا بھلے نہ آتا ہو پر عورت کے آگے دب جانا اس کی فطرت بن چکی تھی۔ یہی فطرت ثمو کے بھی خوب

نکال لیتی۔ ورنہ دھونس دھمکی تو خیر تھے ہی کارگر......

ساس نندوں سے بھی نبھ ہی رہی تھی۔ وہ صلح جو بھی تھی اور صابر بھی۔ خندہ پیشانی سے اپنی اور نندوں کی سسرال کا موازانہ کرکے، ان کی مدارات میں لگی رہتی۔ وہ بھی خوش، یہ بھی خوش۔

مزید خوشیوں بھری زندگی میں، ننھی بیٹی کی آمد نے دھنک بھر دی۔ اس کا آنگن بھر گیا۔ دل سیراب اور دامن دل...... اتنی مکمل زندگی بھی بھلا کب، کہاں کسی کو ملتی ہے۔ دادی، پھوپیاں واری صدقے جاتی تھیں۔ باپ چوم چوم نہ تھکتا تھا اور اس کی اپنی تو سانس، سانس اس کے دم سے بندھی تھی۔

ممتا کے نئے اور انوکھے احساس نے جہاں روم روم میں سرشاری بھری تھی۔ وہاں زندگی کا مقصد بھی اب صرف اپنی گڑیا سے جڑا ہوا دکھائی دینے لگا تھا۔ ذرا سا کانٹا اگر چبھتا تھا تو نسیم کی بزدلی کی وجہ سے...... وہ ایسا مرد مار نہیں بن سکا تھا کہ ثمو کے دل کو سکون مل جاتا۔ دوسرے لوگ خود ان دونوں میاں بیوی کی شرافت کی قدر کرتے تھے وہ اور بات تھی۔

زندگی کی سیدھی سڑک پر روڑے، کنکر، اسپیڈ بریکر تو آتے ہی ہیں۔ گاڑی تھوڑا ہی رکتی ہے۔ پر کبھی کبھی رک بھی جاتی ہے اگر سڑک ٹوٹ ہی جائے تو......

اس کی زندگی کی سڑک بھی ٹوٹ گئی۔ فیکٹری میں یونین کے صدر اور کسی مزدور میں جھگڑا ہوا اور نسیم اس کا دوست ہونے کی وجہ سے ایویں رگڑے میں آ گیا۔

اگر وہ کوئی جی دار مرد ہوتا تو دوسرے کے ساتھ مار کھانے کے بجائے مار کھلا بھی سکتا تھا کیونکہ جھگڑے میں اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔ مگر...... بزدل مرد...... خود سے کسی پر وار کرنے کے بجائے تھوڑی مزاحمت کے بعد ہی پسپا ہو گیا۔

"اس کی زندگی اتنی ہی تھی۔" عدت کے دنوں میں جب دل کے بین ذرا تھمے تو اس نے خود سے کہا۔

"جس سے جھگڑا تھا، اسے تو خراش تک نہ آئی اور ہاتھا پائی میں چاقو گھس گیا نسیم بیچارے کے پیٹ میں تو بس...... اسے...... اسے جانا ہی تھا۔"

اس نے کس دل سے خود کو سمجھایا اور دونوں اپنے دل

سکتی رہی۔

☆☆☆

ابھی اس کی عمر ہی کیا تھی۔ محض تیئس سال...... بیوگی کی زندگی تو کیا، یہ لفظ بھی اس کے بھرپور وجود پہ جچتا نہ تھا۔ اس کے لیے تو اس کی بیٹی کا وجود ہی اب سب کچھ تھا۔ مگر اس کی ماں بہت آگے، بہت دور تک دیکھ رہی تھی۔ بہن بھائی شادی شدہ تھے۔ باپ فوت ہو چکا تھا۔ اور ماں کی زندگی کا بھی کوئی بھروسا نہ تھا۔

اس نے ثمو کے آنسو خشک ہونے سے بھی پہلے جب اس کی آہیں سسکیوں کی صورت لبوں پہ جمی تھیں تب اس کی نئی زندگی کی شروعات کے لیے پہلا بیج ایک نئی زمین میں دبا دیا۔

ثمو کے لیے ماں کی بات ایسے ہی تھی جیسے بند غسل خانے میں، غسل کے دوران نکل آنے والا بچھو...... انسان کسی کو آواز دے تو بے فائدہ اور خود باہر جانے کی کرے تو...... بے سود...... وہ ٹکر ٹکر ماں کی صورت یوں تکتی تھی جیسے کوئی اجنبی......

"مجھے پتا ہے تیرے لیے یہ اتنی جلدی قابلِ قبول نہیں...... پر بیٹا...... جب تک تو اپنے بھائی بھاوج کے لیے ناقابلِ قبول ہوگی...... اس سے پہلے ہی اس بات کو قبول کر لے تو تیرے حق میں یہی بہتر ہوگا۔" مستقبل کا نقشہ ماں نے کس بہترین انداز میں اور فقط تین الفاظ کے مرکب کے ساتھ سمیٹ کر جس طرح اس کو سمجھایا تھا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ اماں کو خوب داد دیتی۔ اس وقت تو بس پھڑ پھڑا کر رہ گئی۔

بس نہ چلتا تھا کہ چھت سے کود کر جان دے، دے مگر کسی کو اس کی دوسری شادی کی بات نہ کرنے دے...... کسی اور مرد کے تصور سے ہی اسے ایسی گھن آتی گویا کوئی پلید کام دن دیہاڑے کر بیٹھی ہو۔

کس دل سے وہ کہہ دیتی کہ اسے ایک بار اور شادی کرنی ہے۔ پر جس دل سے بھی کہا اسے کہنا ہی پڑا۔

ماں کو اس کے دل کی نہیں دنیا کی فکر تھی۔ اور اسے بھی دل کی تو نہیں البتہ اپنی بیٹی کی بہت فکر تھی۔ جسے اس کے ساتھ کوئی قبولنے کو تیار نہ تھا۔ اس نے شرط رکھ دی تھی کہ اس کے ساتھ جہیز میں اس کی بیٹی ہی جائے گی کوئی جھوٹے وعدے اسے نہیں چاہئیں اور کوئی مادی اشیا... کی امید اس کے پاس نہیں

شادی کے لیے مان کر بھی اس نے ایک طرح سے منع ہی کر دیا تھا۔ ایک تو بیوہ، دوسری شادی کے لیے رشتہ درکار، وہ بھی ایسے معاشرے میں جہاں دو، دو بار کے رنڈووں کو بھی کنواریوں کی کمی نہ تھی۔ اوپر سے بیٹی کا دم چھلا......

''میں سب سمجھتی ہوں۔ اس کی اماں کے مکان پہ نظر ہے۔ ظاہر ہے اگر شادی نہ ہوئی تو ماں کے پاس بیٹی کو سہارا دینے کے لیے اس مکان کے سوا اور ہے بھی کیا چیز......'' بھاوج کے الفاظ اس کے کانوں میں پڑے تو اس نے زندگی کا وہ رخ بھی دیکھا جو نسیم کے جیتے جی کبھی نہ دیکھ پائی۔

بالآخر اس نے دوسرے نکاح کے لیے ہاں کر دی لیکن چونکہ ایک بار چوٹ کھا چکی تھی اس لیے، اس نے اس بار خود اماں تک آنے والے دو رشتوں میں سے ایک کا انتخاب کیا۔

''لو اتنا بھلا مانس آدمی تھا رابعہ کا جیٹھ...... ایک بچی اس کی بھی تھی۔ عمر بھی زیادہ نہیں تھی۔ پڑھا لکھا شریف، سیدھا سادہ آدمی تھا۔ یہ شمو کو کیا سوجھی کہ اس اسلم کے لیے ہاں کر بیٹھی۔'' جس نے سنا شمو کی عقل پر سر پیٹ کر رہ گیا جس نے ایک شریف بندے پر ایک جھگڑالو کو فوقیت دی۔

اسلم بھی دور کے رشتے داروں میں سے ہی تھا مگر عادت اور مزاج کا تیکھا بندہ تھا۔ خاندان میں بھلے جھگڑالو مشہور تھا۔ مگر اس کی اس بات کا اعتراف سب لوگ کرتے تھے کہ وہ پرائی آگ میں کودنے کا شوقین نہیں تھا۔ اس سے واسطہ پڑنے والے ہی جانتے تھے کہ وہ صرف حق بات پہ ہی جھگڑتا ہے یا اپنی بات کو حق جان کر جھگڑتا ہے۔ یہ بات شمو کو بہت دیر میں پتا چلی اور ان دونوں صورتوں میں بہت فرق ہے۔ حق بات پہ ہنگامہ کرنا اور اپنی ہی بات کو حق جان کے اس پہ اڑ جانا۔

رہا دوسرا امیدوار، رابعہ کا جیٹھ تو اس کے کردار میں سیدھا سادہ ہونے کی خوبی، خامی میں بدل کر اور خوبیوں کو بھی چاٹ گئی۔

''ایک بار شریف آدمی کی بیوی بن کے دیکھ چکی ہوں میں۔ آج کے دور میں شرافت صرف بزدلی کا دوسرا نام ہے اماں...... اور کچھ نہیں۔'' سب کے اعتراضات کے جواب میں اس نے صرف ایک بات کی اور سب کو چپ کرا دیا۔

☆☆☆

نہیں کہ شمو کا جینا حرام ہو جاتا۔ وہ ویسے بھی صابر و شاکر عورت تھی۔ اپنے کام میں چست، سگھڑ اور گھریلو......

پچھلی زندگی کو بھلا کر آگے بڑھتی تو اور کامیاب ہوتی مگر پچھلی زندگی سے جڑا ایک حوالہ...... اس کے جسم کا کوئی ضروری حصہ ماں کے گھر پڑا تھا۔ جسے ماں نے اس تسلی پہ روکا تھا کہ ابھی اسلم سے اس کے بارے میں بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ آہستہ، آہستہ جب اس گھر میں جگہ بنا لو گی تو خود بخود ہی اسلم کے دل میں بھی گنجائش نکل آئے گی۔

وہ بھی بے حد صبر سے اس وقت کا انتظار کر رہی تھی۔ کبھی، کبھی جب صبر کرنا مشکل ہو جاتا تو جا کے اپنے جگر گوشے سے مل آتی۔ واپسی ہمیشہ آنسوؤں کے ساتھ ہوتی۔ اچھی بھلی زندگی سے نسیم کا ہمیشہ کے لیے منہ موڑ جانا اور پھر اس کا گڑیا کو چھوڑ کر اسلم کے نکاح میں آ جانا یہ کوئی معمولی واقعات نہیں تھے۔ اور پھر گڑیا اس کی بیٹی تھی۔ وہ کس طرح اپنی اولاد سے دور رہ کر جی رہی تھی۔ یہ اس کا دل ہی جانتا تھا۔

اسلم نے مہربانی کر کے اسے ایک موبائل دلا دیا تھا۔ وہ روز گڑیا سے بات کر لیتی تھی۔ جس کے لبوں پر پہلی بات ہمیشہ یہی ہوتی تھی کہ وہ واپس کب آئے گی۔ اور اگر واپس نہیں آ سکتی تو اسے بلا لے۔ چند سال کی معصوم بچی دنیا اور دنیا کے جھگڑوں کو کیا سمجھتی۔ الٹا شمو کے دل پہ اس کا ترسا ہوا لہجہ چھریاں سی چلا دیتا۔

گھر میں دو ہی افراد تھے اور کام بہت کم۔ ساس نندوں کا جھنجھٹ بھی نہیں تھا۔ اور تو اور گھر بھی اپنا تھا۔ یہ متوسط، نچلے درجے کی ایک آئیڈیل زندگی تھی۔ لیکن اس آئیڈیل زندگی کو ایک ممتا کا دکھ گھن کی طرح چاٹ رہا تھا اور شمو اب تک اسلم سے کوئی بات نہ کر سکی تھی۔

☆☆☆

''کیا بات ہے بڑی چپ، چپ ہے تو......'' اسلم کو بھی اس کی پریشانی دکھ ہی گئی تھی۔

وہ جواب دینے کے بجائے انگلیاں مروڑتی رہی۔

گڑیا کو کل رات سے بخار تھا۔ اماں کے فون پر اس کا کلیجا جلنے لگا۔ کسی پل چین نہیں مل رہا تھا۔ اسلم کے جانے کے بعد وہ اس سے مل کے تو آ گئی تھی لیکن اپنا دل دھیان سب وہیں چھوڑ آئی تھی۔

وہ کس طرح اسلم سے کہے کہ مجھے اپنی بیٹی کے

شور شرابا تو نہیں کیا تھا۔ مگر سچ یہ تھا کہ وہ اس سے ڈرتی ہی تھی۔ اسلم کی آواز میں ایک عجیب رعب سا جھلکتا تھا۔ وہ زیادہ تر سنجیدہ رہتا تھا۔ ڈیل ڈول بھی بھاری تھا اور پھر شادی سے پہلے سب نے اس کی طبیعت اور مزاج کی سختی کی بات کر، کر کے اسے ہوا ہی بنا ڈالا تھا۔ شادی کے وقت اسی وجہ سے کوئی گڑیا کا موضوع زیرِ بحث نہ لا سکا۔ اماں کا خیال تھا وہ بعد میں جا کر اسلم کو راضی کر لے گی مگر اس سے تو بات ہی نہیں کی گئی۔ اس وقت بھی اسے ٹال دیا۔ البتہ خود شمو کو آدھی رات تک کروٹیں بدلنے کے بعد بھی جب نیند نہ آئی تو وہ بے چین سی اٹھ بیٹھی۔

نرم بستر پہ کوئی ریتی ڈال گیا تھا کہ اسے قرار نہیں ملتا تھا۔ ادھر لیٹتی، ادھر اٹھ بیٹھتی...... گڑیا کا بخار میں پھنکتا لال لال چہرہ......

وہ بھی اپنی ماں کی طرح صابر بچی تھی۔ منہ سے کچھ نہ کہتی بس اندر ہی اندر جلتی رہتی تھی۔ جب بھی بیمار پڑتی، شمو اسے ہتھیلی کا چھالا بنا کے رکھتی۔ ایسی بچی پہ اسے اور پیار آتا تو بیماری میں بھی اپنی ماں کو تنگ نہیں کرتی تھی۔ وہی چھالا اب اسے تکلیف دے رہا تھا۔

اس نے اٹھ کر غسل خانے کی لائٹ جلائی اور اندر بیٹھ کر گھٹ، گھٹ کر رونے لگی۔

آج گڑیا سے مل کے آتے وقت وہ سو رہی تھی۔ اس کا ہاتھ اپنی ننھی مٹھی میں دبا رکھا تھا جیسے تسلی ہو کہ اب میری ماں مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔

''معاف کر دے گڑیا۔ میری چندا، میری لال...... میں تجھے بے خبر چھوڑ کر نکل آئی۔ تیرے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا کر آ گئی۔ میری بچی اب تو جانے کس حال میں ہو گی...... میں کیا کروں یا اللہ......!'' اس کی سسکیاں قابو سے باہر ہونے لگیں۔ اسی وقت دروازہ زور سے بجا۔ شمو اچھل ہی پڑی۔

باہر اسلم تھا۔

اس نے جلدی، جلدی منہ صاف کر کے پانی کے چھپاکے مارے۔ دروازہ کھولا تو اسلم سامنے ہی تھا...... سنجیدگی اور ٹٹولتی نظروں سے اسے دیکھتا ہوا۔ شمو کا دل اچھل کے حلق میں آ گیا۔

اس نے کنی کترا کے نکلنا چاہا پر اسلم نے بازو سے

''تو روئی ہے...... بتاتی کیوں نہیں، کیا بات ہے؟''

اس کے انداز میں ایسی اپنائیت بھری دھونس تھی کہ شمو کا ضبط تمام ہو گیا۔ وہ ٹوٹ کر اس سے آن لگی اور بری طرح سے رو دی۔

☆☆☆

زندگی آگے سرکی اور کئی سالوں کو اپنے ساتھ گھسیٹ لے گئی۔

بظاہر سب ٹھیک ہی تھا۔ اس رات کے بعد اسلم نے خود ہی بیمار بچی کو صحت یاب ہونے تک اس کے پاس رہنے کی اجازت دے دی۔ گڑیا ایک بار اس کے پاس آئی تو واپسی کی نوبت نہ آ سکی۔ بھائی، بھابی نے اسے لے جانے سے انکار کر دیا۔

یہی ٹھیک بھی تھا۔ ماں کے ہوتے پرائی اولاد اور وہ بھی لڑکی...... وہ کیوں ذمے داری اٹھاتے اس کی......

اسلم نے بھی پھر زیادہ بحث نہیں کی...... شاید اس بے ضرر، خاموش اور معصوم بچی نے اس کے دل میں رتی بھر گنجائش پیدا کر دی تھی۔

اس نے تو اپنی طرف سے یہی سوچا تھا۔ مگر انسان سوچتا کچھ ہے اور ہوتا کچھ ہے۔

دن رات کے کسی لمحے میں یہ ہولناک انکشاف اس پر قیامت بن کے ٹوٹا کہ...... اب...... اب شاید گڑیا بڑی ہو گئی ہے...... اتنی بڑی کہ اس کی عزت کو بھی خطرہ ہو سکتا ہے۔ مگر قیامت یہ نہیں تھی کیونکہ ایسا تو ایک نہ ایک دن ہونا ہی تھا۔

قیامت تو یہ تھی کہ اسے یہ خطرہ اپنے ہی گھر اور اپنی ہی چار دیواری کے اندر تھا۔ کسی نے شمو کا دل پکڑ کر ایسی جلتی بھٹی میں جھونکا کہ اس کی نیند آرام، چین سب جھلس کے رہ گیا۔ وہ دیوانوں کی طرح اپنے خاوند کی آنکھوں کی چوکیداری کرتی اور کتوں کی طرح رات، رات بھر جاگ کر بیٹی کی رکھوالی...... لیکن کب تک......

اسلم کو بھی اس سے اس ہوشیاری کی امید نہیں تھی۔ ایک روز سر شام ہی آ کر اس کے سر ہو گیا۔

''گڑیا مجھے چائے بنا کے دے۔'' اس نے آتے ہی گڑیا کو حکم نامہ جاری کیا۔

''تم رہنے دو، میں بنا دیتی ہوں۔'' وہ چولہے کی طرف

"تو اندر چل، مجھے کچھ بات کرنی ہے تجھ سے۔" اس کا انداز بڑا ہی جارحانہ تھا۔ شمو نا سمجھی سے اس کے پیچھے چل دی۔

"رشتہ پکا کر دیا ہے میں نے اس کا...... اب کچھ گھر داری بھی سیکھ لینے دے۔" شمو کا منہ جو اس کی پہلی بات پہ کھلا تھا بند ہونا بھول گیا۔

"کیا کہہ رہا ہے تو...... بارھویں میں بھی نہیں گئی ابھی تو......"

"تو کیا ہوا لگ جائے گی کچھ مہینوں میں۔" اسلم نے بول کر خود ہی زبان دانتوں میں دبا لی۔ دوسری طرف شمو سوچ رہی تھی کہ اسے گڑیا کی عمر کا کتنا حساب ہے۔

"پھر بھی...... ابھی اس کی شادی کی عمر تو نہیں۔"

اس نے لڑکے کے بارے میں جاننا تو دور اس کا نام تک پوچھنا گوارا نہ کیا۔

"ہو تو جائے گی ناں...... تو جب......"

"تو جب ہو گی تب دیکھیں گے۔"

وہ اٹھ کے جانے لگی تھی کہ اسلم نے اس کا بازو پکڑ کر کھینچا۔

"تب...... کب......؟" اس کے انداز میں عجیب سی جارحیت تھی۔ اتنے میں باہر سے کوئی برتن گرنے کی آواز آئی۔

"جب اسے گھر سنبھالنا آ جائے گا تب...... ابھی تو سے چائے بھی نہیں بنانی آتی۔"

شمو کا دل دھڑکا۔ اس نے جان بوجھ کر لہجہ ہلکا کر لیا۔ وہ فوری طور پہ باہر جا کے گڑیا کو دیکھنا چاہتی تھی۔ لیکن اسلم کا موڈ کچھ اور ہی تھا۔

"چھوڑ دے اس کی فکر...... ادھر آ میرے پاس...... میں تو ترس ہی گیا ہوں تیرے پاس آنے کو......"

اس کی بات مکمل ہونے تک شمو حیرت سے بت بن گئی۔

"تو...... تو کیا اس لیے...... اتنی سی بات کے لیے تو اسے ابھی سے اس گھر سے نکالنا چاہتا ہے؟" اسے یقین نہیں آیا۔

"ہاں تو اس میں غلط ہی کیا ہے۔ تیرے اور میرے بیچ، ہماری سگی اولاد نہیں تھی تو نے اس کو کیوں چوکیدار بنا کے میرے سر پہ بٹھا دیا۔"

"امی...... امی...... آگ لگ گئی ہے۔"

شمو تڑپ کر باہر کی طرف بڑھی لیکن اسلم نے اسے جکڑ لیا۔

"کچھ نہیں ہوتا اسے۔"

شمو کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ یہ...... یہ کیا کرنے والا تھا وہ...... اور کیوں...... کیا صرف اس لیے کہ وہ اس کی نگاہوں میں دھیرے، دھیرے امڈتی ہوس کو پہچان گئی تھی...... اور اب......

"امی میرا دوپٹا......" گڑیا وحشت زدہ ہو گئی تھی۔

اس کی آواز میں کتنا خوف تھا۔

شمو پھر سے پھڑپھڑائی۔

"امی...... امی...... ی...... ی...... آگ لگ گئی ہے تیز ہو رہی ہے۔" گڑیا بری طرح چیخ رہی تھی۔

"دیکھ اسلم مجھے جانے دے میری گڑیا...... وہ جل جائے گی۔"

اس نے اپنی کلائی چھڑانے کے لیے پورا زور لگا دیا لیکن اسلم کو ہلا تک نہیں سکی۔ وہ فرعون بنا کھڑا ہنس رہا تھا۔

"اسلم۔ اسلم...... چھوڑ دے مجھے......" وہ بری طرح چیخ کر رو پڑی۔

باہر سے ایک بار پھر گڑیا کے چیخنے کی آواز آئی۔ اب کی بار اس کی آواز خوف و دہشت کے مارے پھٹ چکی تھی۔

شمو نے پوری قوت سے اسلم کی کلائی میں اپنے دانت گاڑ دیے اور اس وقت تک نہیں ہٹائے جب تک اسلم کے خون کی چپچپاہٹ اس کی زبان پہ نہ آ گئی۔

اسلم اس وقت تک اس کا چہرہ اور بال بری طرح کھسوٹ چکا تھا۔ لیکن وہ اپنی تکلیف کی پروا کیے بنا تیر کی طرح باہر نکلی، جھپٹ کر پاس پڑی چادر اٹھائی اور آگ پہ ڈالی جو گڑیا کو بھی اپنی لپیٹ میں لے چکی تھی۔

☆☆☆

"پھر......"

خالہ بی بی سی کی پھنسی ہوئی آواز پر وہ چونک کر حال میں پلٹی۔

"پھر کچھ نہیں...... ناصر بھائی نے ہی مدد کی اس وقت بھی۔ میں نے بتایا تھا ناں آپ کو...... کہ وہ میرے

حالی ہے۔ پھر میرے اپنے بھائیوں نے جب اسلم کی کرتوت کے بارے میں سنا تو بہت غصہ ہوئے۔"

چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔

شمو نے چور نگاہوں سے خالہ بی بی سی کو دیکھا۔ ان کے چہرے پہ تاسف کے حقیقی تاثرات تھے۔

"کوئی گنجائش نہیں نکلی؟"

اسے خالہ سے اسی بات کی امید تھی لیکن اس نے برا مانے بغیر مزید وضاحت دی۔

"گنجائش کا مطلب تو اسے ایک بار پھر موقع دینا تھا۔ وہ یا تو دوبارہ یہی حرکت کرتا یا پھر گڑیا کو......" اس کی آواز بھرا گئی۔

"اور کچھ بھی نہ کر پاتا تو...... تو گڑیا کی شادی اپنے جیسے کسی مرد سے کر دیتا۔ میں کب تک اس سے لڑتی، گڑیا کی پہرے داری کرتی۔ کسی دن پھر سے اس کے اندر کا شیطان باہر آتا، تو ہو سکتا ہے کہ پھر مجھے اسے زخمی کر کے گڑیا کو بچانے کا موقع بھی نہ ملتا...... میں دو دھاری تلوار پر ساری زندگی نہیں چل سکتی تھی خالہ......"

خالہ بڑا افسوس سے سر ہلا رہی تھیں۔

"اب میں سکون سے ہوں۔ بے شک بیٹی ایک بھاری ذمے داری ہے مگر اللہ نے چاہا تو بہت جلد یہ ذمے داری اٹھانے والا کوئی مضبوط شخص بھیج ہی دے گا میرا اللہ!"

"ٹھیک کہتی ہو۔"

خالہ نے بٹوا کھول کر پان کی گلوری نکالی اور کلے میں دبائی اور انگلی پہ لگا کتھا سر سے صاف کرتے ہوئے بولیں۔

"لو میں کب سے یہاں بیٹھی ہوں، یاد ہی نہیں رہا پچھلی گلی والے یوسف صاحب کی بیگم نے بلایا تھا۔"

شمو مسکرا دی۔ وہ جانتی تھی اس کی کہانی سات محلوں میں گھمائے بغیر خالہ کو چین نہیں ملنا۔

"خالہ ایک بات کہوں...... بیٹی بن کر کہہ رہی ہوں، برا مت ماننا۔"

"نہیں، نہیں...... ارے برا کیا ماننا۔ تم میری بیٹی جیسی ہی تو ہو۔"

"بس خالہ...... میں نے جو بھی باتیں تمہیں بتائی ہیں کسی اور کو نہ بتانا۔" اس نے بڑے گھگیائے ہوئے انداز میں ... آخری کیل ٹھونکی

باوجود ان کے بار بار کہنے کے شمو جانتی تھی۔ اتنی باتیں اگر خالہ نے ایک رات بھی اپنے پیٹ میں رکھیں تو صبح تک انہیں ہیضہ ہو جانا ہے۔

☆☆☆

خالہ کے جانے کے بعد وہ اٹھ کر کچن میں آئی۔ جہاں گڑیا اپنے اور اس کے لیے چائے دم پہ رکھ رہی تھی۔

"ارے چائے کیوں بنائی تم نے میں آ رہی تھی ناں!"

"امی میں اب بڑی ہو گئی ہوں۔ چائے بنا سکتی ہوں اور آج تو میں نے روٹیاں بھی بنا لی ہیں۔"

"میری بیٹی......"

شمو نے آگے بڑھ کے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لے کر دیکھا، جہاں سالہا سال گزرنے کے بعد اب جلد پر جلنے کے داغ بہت معمولی رہ گئے تھے۔ اس نے گڑیا کو بانہوں میں بھر کے اس کے سر پہ بوسہ دیا اور اس کے بالوں پہ ٹھوڑی رکھ کر سوچنے لگی۔

"میری بیٹی کا نصیب انشاء اللہ بہت اچھا ہوگا۔ ناصر بھائی خود جتنے اچھے ہیں اپنے بیٹے کی تربیت میں بھی کوئی کسر تو نہیں رکھیں گے۔"

"امی۔" گڑیا نے سر اٹھا کر اس سے پوچھا۔

"آپ، آج خالہ بی بی سی کو اپنی کہانی کیوں سنانے لگی تھیں۔ آپ تو یہ بات پسند نہیں کرتی تھیں۔"

اس نے مسکرا کر اپنی بیٹی کو دیکھا۔

"کبھی کبھی اپنے دفاع کے لیے ناپسندیدہ بات بھی کرنی پڑتی ہے۔"

گڑیا نا سمجھی سے اسے دیکھ رہی تھی اور وہ دل میں سوچ رہی تھی۔

"جب لوگ میرے بارے میں کچھ نہ جانتے ہوئے الٹی سیدھی باتیں کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ تو کیا میں اپنے بارے میں سچ بولنے کا حق بھی نہیں رکھتی۔ جو لوگ پیٹھ پیچھے مجھے چکر باز کہتے ہیں۔ ان کی وجہ سے اپنے کردار کی صفائی میں، میں نے تھوڑا چکر چلا ہی لیا تو کیا برا کیا۔ جیو خالہ بی بی سی...... اللہ سلامت رکھے۔"

دل ہی دل میں مسکراتے، خالہ کو دعائیں دیتی وضو کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس لیے کہ مغرب کا وقت ہوا چاہتا تھا اور

امربیل

شیریں حیدر

قسط 20

تخلیقِ کائنات سے لے کر اب تک... کتنی ادوار بدلے مگر عورت کی کہانی ہر دور میں لگ بھگ وہی رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں رشتوں کی ڈور میں باندھا تو اس کا مقصد یہ تھا کہ ہم اپنی تخلیق کے مقصد کو اور بھی خوب صورت بنائیں مگر اس کے پیدا کردہ دل میں جذبے بھی اسی کے پیدا کردہ تھے۔ محبت، نفرت، رشک، حسد، رنج، غصہ اور خوشی... اب ہم پر منحصر ہوتا ہے کہ ہم کس جذبے کو خود پر حاوی کر لیتے ہیں، یہ ہماری خصلت بن جاتا ہے اور ہماری کل شخصیت کا خلاصہ... یہی ہمارے کردار کی تعمیر کرتا ہے اور ہم اسی کا تاثر دوسروں پر عمر بھر کے لیے چھوڑتے ہیں۔ ہماری عادات صرف ہم پر ہی نہیں بلکہ دوسروں کی زندگیوں پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں۔ کسی کی زندگی کا سفر کس طرح سہل یا کٹھن ہوتا ہے اس کا انحصار ان لوگوں پر ہوتا ہے جو اُن کی زندگی کے اہم کردار ہوتے ہیں اور جن کا ہونا یا نہ ہونا اہمیت رکھتا ہے۔ پیدائش سے لے کر اپنی موت تک رشتوں کی ڈور سے بندھے ہوئے کردار زندگی کو ہنس کر گزارتے ہیں یا رو کر، مشقت سے سانس لیتے ہیں یا خوشیوں کے ہنڈولوں میں جھولتے ہوئے اس کا سارا دارومدار ان سے وابستہ رشتوں پر ہوتا ہے۔ وقت بدل جاتے ہیں مگر کہانی وہی رہتی ہے اور اپنی باری سے اس میں مختلف کردار شامل ہوتے رہتے ہیں۔

زندگی کے انہی پیچ و خم اور نشیب و فراز سے نبرد آزما ہوتی ایک چشم کشا تحریر......



سارہ کا نکاح دوبارہ اس کے پہلے شوہر کے ساتھ ہو گیا۔ ایک سادہ سی تقریب تھی جس میں اس کے میکے سے اس کے بھائی اور بھابیاں شامل ہوئے اور مجھے اس نے بہت مجبور کیا کہ میں بھی اس میں ضرور شامل ہوں کیونکہ میرے علاوہ اس دنیا میں اس کا سچا دوست اور کوئی نہیں تھا۔ پہلی بار اسپتال میں جب اس کے سابقہ شوہر کو دیکھا تھا تو ایک تو میں نے دیکھا ہی اتنے غور سے نہ تھا دوسرے وہ مجھے اپنے حلیے سے ایک مجہول سا شخص لگا تھا۔ مگر اس وقت وہ ایک معقول شخص نظر آ رہا تھا، اسمارٹ اور چہرے پر مسکراہٹ، اچھا لباس تو انسان کی شخصیت کو نمایاں کرتا ہی ہے مگر اسے اس کے چہرے کی وہ مسکراہٹ بہتر کر رہی تھی جو دوبارہ سارہ سے شادی کرنے کے تصور سے اس کے ہونٹوں پر سجی تھی۔

سب سے دلچسپ بات تو اس کی دوسری بیوی کی موجودگی تھی جو اس مختصر بارات میں باراتی کی حیثیت سے شامل تھی۔ اسے بھی میں نے اور سارہ نے اسپتال میں دیکھا تھا، اس وقت سے اب وہ بہتر لگ رہی تھی۔ دل میں جانے کیا چل رہا ہو گا مگر اس وقت وہ چہرے بشرے سے ایک خوش اور مطمئن عورت کی اداکاری کرتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ سارہ نے بھی تو اسے طلاق دینے سے منع کیا تھا، ممکن ہے کہ اس کے اس احسان کے باعث وہ واقعی دل سے اس تقریب میں شامل ہوئی ہو۔ میں نے دل میں آنے والی منفی سوچ کا راستہ روکا۔ سارہ نے کسی کیٹرنگ کمپنی سے کھانے کے انتظامات کروائے تھے مگر کھانا میز پر لگوانے اور اس کے دیگر انتظامات دیکھنے میں اس کی دیورانی چندا پیش پیش تھی۔ میں نے حبیب کو گود سے اتار کر کیری کاٹ میں لٹایا اور اس کے ساتھ مدد کے خیال سے اٹھ گئی۔

"آپ بیٹھیں آپی۔" اس نے مجھے کہا۔ "میں دیکھ لیتی ہوں اور پھر مدد کے لیے کچھ لڑکے ہیں ناں۔"

"کوئی بات نہیں چندا...... تم بھی تو کام کر رہی ہو ناں، میں سارہ کی طرف سے تمہاری مدد کر دیتی ہوں۔"

"میں آج بہت خوش ہوں آپی...... ہماری کوششیں رنگ لائیں۔ ہم نے بھائی صاحب کو بہت سمجھایا، روزِ جزا کا بھیانک نقشہ کھینچا، بچیوں کے مستقبل کے تصور سے ڈرایا اور یہ سب کچھ تو وہ خود بھی جانتے تھے۔ جس چیز نے انہیں سب سے زیادہ خوفزدہ کیا تھا وہ تھا اس دنیا میں سزا کا خوف، جس کا کچھ مظاہرہ تو انہوں نے اپنی دوسری شادی کے بعد دیکھ ہی لیا تھا کہ سارہ کے بیٹیاں پیدا کرنے کے باعث انہوں نے دوسری شادی کی اور ان کی دوسری بیوی کے ہاں ہر بار بیٹا پیدا ہوا مگر مردہ۔ سارہ آپی کو طلاق دینے کے بعد انہوں نے کوئی دن سکھ کا نہیں دیکھا۔ دوسری شادی سے کوئی زندہ اولاد اللہ نے نہیں دی تو انہیں احساس ہوا کہ اس کی وجہ ان دو بیٹیوں کی ان کہی بددعائیں ہیں اور روزِ حشر جب وہ بیٹیاں ان کا گریبان تھامیں گی تو وہ کیا کہیں گے...... یہ تو اللہ کی طرف سے ہی ایسے اسباب بن گئے کہ سارہ آپی کی دوسری شادی ہوئی اور جلد ہی ناکام ہو گئی۔"

"ہاں چندا...... جب ایسا ہوا تھا تو میں نے بھی سوچا تھا کہ اس میں اللہ کی کیا مصلحت ہو سکتی ہے، بھلا اتنے عرصے کے بعد اسے ایک مرد کے نام کا تحفظ ملا اور وہ بھی چھن گیا تو اس میں کیا اچھا ہوا؟" میں نے جواباً کہا۔ "مگر ہمیں سمجھ میں تب آتا ہے جب اس کی طرف سے بہتر نعم البدل اور وقت کے عین مطابق ملتا ہے۔"

"بچیاں تو بہت خوش ہیں۔"

"ارے ہاں بچیاں نظر نہیں آ رہیں؟" مجھے یک دم احساس ہوا۔

"نہیں، ہم نے اپنے بچوں کے ساتھ اپنے گھر چھوڑا ہے۔" اس نے بتایا۔ "وہ بہت چھوٹی ہیں اور انہیں ابھی تک اپنے والدین کے بیچ چلنے والے معاملات کی سمجھ نہیں ہے تو سوچا ہے کہ انہیں سادہ سے الفاظ میں بتایا جائے گا کہ ان کی ماما اور پاپا کی ناراضی تھی جو کہ ختم ہو گئی ہے...... انہیں تو سارہ آپی کی دوسری شادی کا علم بھی نہیں ہے۔"

"اچھا......" میں ہنسی۔ "یہ اچھوتا آئیڈیا کس کا ہے؟"

"ان کے پاپا کا۔"

"اوہ، وہ اپنی دوسری بیوی کا کیا جواز دیں گے؟"

"اسی لیے تو وہ اسے فارغ کرنا چاہ رہے تھے مگر سارہ آپی نے انہیں ایسا کرنے سے روکا، وہ نہیں چاہتی تھیں اس عورت کو ان کی وجہ سے طلاق ہو اور اس لیے کہ وہ اپنے شوہر کے لیے ایک زندہ بچہ بھی پیدا نہ کر سکی تھی۔" اس نے بتایا۔ "انہوں نے کہا ہے کہ اپنی بیٹیوں کو اس کے بارے میں سمجھانا اور بتانا ان کی ذمے داری ہے۔"

"سارہ بلاشبہ بہت بڑے دل کی مالک ہے چندا، ورنہ کون اتنا سوچتا ہے، کون اپنے شوہر میں شراکت برداشت کرتا ہے۔"

"نکاح ہو گیا ہے، میرا خیال ہے۔" مبارک سلامت کی آوازوں سے اس نے اندازہ لگایا۔ کھانا میز پر لگ چکا تھا۔ چندا نے مٹھائی کی ایک ٹرے خود اٹھائی اور ایک مجھے پکڑائی۔ ہم دونوں نے مہمانوں میں مٹھائی تقسیم کرنا شروع کی۔ جب میں سارہ کی سوتن کے پاس ٹرے لے کر پہنچی تو اس نے ٹرے میرے ہاتھ سے پکڑ لی اور اسے لے کر سارہ اور اس کے شوہر کی طرف بڑھی۔ اپنے ہاتھوں سے دونوں کو مٹھائی کھلائی۔

سارہ نے اسے تھام کر اپنے پاس بٹھا لیا اور اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ سارہ گلابی رنگ کے چمچماتے ہوئے جوڑے میں بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر شرمیلی سی مسکراہٹ تھی جو اپنے شوہر کو دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر آ جاتی تھی۔ کھانے کا کہا گیا تو سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کے شوہر (دولہا) دلہن کو وہیں کھانا پیش کیا گیا۔

"اب سارہ رخصت ہو کر جائے گی یا؟" میں سوچ رہی تھی۔

"چلیں جی اب؟" سارہ کے دیور نے نکاح خواں کو فارغ کیا اور کہا۔

چندا نے کھانے کے بعد سارے برتن اٹھوائے اور اتنی دیر میں اپنے ہاتھوں سے ان بیس بائیس لوگوں کے لیے چائے بنائی۔ سارہ کے ہاں اتنے برتن کہاں تھے، کاغذی گلاسوں میں چائے پیش کی گئی۔ سارہ کے باقی بھائی اور بھابی بڑی خاموشی سے تمام تقریب میں شریک ہوئے تھے۔ سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور سارہ کے بڑے بھائی نے نکلتے سمے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اسے ایک بند لفافہ تھمایا جسے اس نے تھوڑی پس و پیش کے بعد رکھ لیا۔ سارہ کو دیکھ کر نہیں لگتا تھا کہ وہ رخصت ہونے والی تھی۔ جلد ہی معلوم ہو گیا کہ وہ مختصر سی بارات دولھے کے بغیر واپس جا رہی تھی۔ بچیوں کو رات کو چندا کی طرف ہی رکنا تھا۔ اگلے دن انہیں واپس لے کر آنا تھا اور دولھے میاں سارہ کے پاس رک رہے تھے۔

"چلتی ہوں پیاری...... سدا سہاگن رہو، خوش رہو، اللہ تعالیٰ اس کے بعد تمہاری زندگی میں کوئی اور آزمائش نہ لائے۔" چند لوگوں کے رخصت ہو جانے کے بعد میں نے بھی اجازت چاہی۔

"بہت شکریہ بی اماں۔" وہ ہنس کر مجھ سے لپٹ گئی۔

"ویسے میں نے ایسی انوکھی شادی پہلے کبھی نہیں دیکھی، دولھا میاں رخصت ہوئے ہیں۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"کیوں بھئی جن شادیوں میں لوگ گھر داماد رکھتے ہیں ان میں بھی تو ایسا ہی ہوتا ہو گا۔" وہ بھی ہنسی۔

"تو گھر داماد رہیں گے بھائی صاحب؟" میں نے سوال کیا۔

"یہ نہ بھولو کہ وہ دو کشتیوں کے مسافر ہیں امرت۔" اس کی ہنسی کھنکھنا رہی تھی۔

"اسے کون بھول سکتا ہے سارہ۔"

"کیا بات ہے بھئی دونوں سہیلیوں میں لطیفوں کا تبادلہ ہو رہا ہے!" وہ کسی کو رخصت کر کے لوٹے تو بشاشت سے کہا۔

"ایسا ہی سمجھ لیں۔" سارہ نے مسکرا کر کہا۔

’’کیسا لگ رہا ہے سارہ؟‘‘ ان کے کسی اور مہمان کو رخصت کرنے کے لیے جاتے ہی میں نے سوال کیا۔

’’بہت عجیب امرت...... بہت ہی عجیب۔‘‘

’’کیوں بھئی، تجدید محبت پر تو اچھا ہی لگنا چاہیے ناں۔‘‘

’’میں ایسا کبھی نہ کرتی امرت جو مجھے اپنی بیٹیوں کا خیال نہ ہوتا تو۔‘‘ اس نے ہولے سے کہا۔ ’’یقین کرو کہ یہ سب مجھے ایک تماشے کی طرح لگ رہا ہے، اپنی تضحیک محسوس ہو رہی ہے۔ یہاں بیٹھے ہوئے سب لوگوں کو علم تھا کہ مجھے اسی شخص نے ایک ناکردہ جرم کی پاداش میں طلاق دی تھی۔ پھر میں نے عقدِ ثانی کی جھک ماری تھی اور اس سے بھی طلاق کا سرٹیفکیٹ لیا تھا جس کے باعث میں اس شخص کے لئے حلال قرار پائی ہوں۔‘‘ اس نے گہری سانس لی۔ ’’بہت عجیب لگ رہا ہے یہ سب سوچنا بھی، جانے میں اسے وہ حقوق دے بھی پاؤں گی کہ نہیں جو مجھ پر اس سے نکاح کے بعد واجب ہو گئے ہیں۔ اسی لیے میں نے اس عورت کو طلاق دینے سے منع کیا تھا اسے اور یوں بھی میری وجہ سے کسی کو طلاق ہو یہ میرا ظرف گوارا نہیں کرتا۔‘‘

’’وقت کے ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا۔‘‘ میں نے اجازت چاہی، میرے بعد صرف چند اور اس کا شوہر رہ گئے تھے اور وہ بھی اجازت مانگ رہے تھے۔ میں رات بھر سارہ کو سوچتی رہی، جانے وہ کس طرح دل پر بھاری پتھر رکھ کر اس پر راضی ہوئی تھی۔ صرف اولاد مجبوری بن جاتی ہے ورنہ ناقدری کرنے والے شوہر سے دوبارہ نکاح کون عورت دل سے کرتی ہے۔

☆☆☆

چاچو کے ساتھ ارسل بھائی آئے تھے اور اپنے ساتھ پنکی کو بھی لائے تھے۔ اس کے ساتھ اس کا ڈھیروں سامان، اس کے کپڑے، جوتے، کاٹ، بستر، فیڈر، نہلانے کا ٹب، تولیے، شیمپو، لوشن اور اس کے کھانے کی دیگر اشیا۔

’’یہ اب اتنا کچھ لانے کی کیا ضرورت تھی؟‘‘ میں نے ان سے کہا۔

’’یہ سب اسی کا سامان ہے، سیما آپا اس کے لیے امریکا سے لائی تھیں اور بہت سی ایسی چیزیں بھی ہیں جو زائنہ نے خود سیما آپا سے کہہ کر منگوائی تھیں یا آن لائن شاپنگ کی تھی...... اور ظاہر ہے کہ اس کے علاوہ اور کون استعمال کرے گا۔‘‘ انہوں نے کہا۔

میں نے ساجدہ سے کہا کہ وہ سامان گیسٹ روم کے ساتھ والے کمرے میں رکھ دے، میرا کمرا اتنے سامان کو کھپانے کا متحمل نہیں تھا اور یوں بھی سوچا تھا کہ دن میں پنکی کو اسی کمرے میں رکھا کروں گی اور رات کو اپنے کمرے میں۔ ساجدہ نے سامان دوسرے کمرے میں منتقل کیا۔

’’ارسل تم پر واضح کیا تھا ناں میں نے کہ تم کبھی پنکی کو اچانک ملنے کے لیے نہیں آؤ گے اور نہ ہی اس وقت جب میں یہاں موجود نہیں ہوں گا۔‘‘ چاچو نے ایک دفعہ پھر اسے یقین دہانی کروائی۔

’’انکل میں چند مہینوں میں امریکا جا رہا ہوں۔ آپ کو بتایا تھا کہ یہاں کا کاروبار سمیٹنا ہے اور پھر وہاں مستقل منتقل ہو جاؤں گا۔ اگر تب تک بھی آنٹی پنکی کو رکھنے پر راضی نہ ہوئیں تو میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔‘‘ انہوں نے واضح کیا۔

’’زیبا ابھی یوسف کے معاملے پر بھی بہت پریشان ہے اس لیے میں اسے زبردستی قائل نہیں کرنا چاہتا...... لیکن تمہیں اس بچی کو ساتھ رکھنے کے لیے وہاں بھی کسی عورت کی مدد کی ضرورت ہے کیونکہ امریکا میں بھی تم اسے تنہا نہیں سنبھال سکو گے۔‘‘ چاچو نے انہیں سمجھانے کے انداز میں کہا۔

’’جی وہ......‘‘ وہ ہچکچا کر بولے۔ ’’سیما آپی اسی سلسلے میں کچھ کوشش کر رہی ہیں۔‘‘

’’چلیں بیٹا؟‘‘ چائے پینے کے بعد چاچو نے کہا۔

’’جی......‘‘ وہ اٹھے۔ ’’وہ انکل میں...... میں پنکی کے اخراجات کے لیے کچھ رقم......‘‘

’’اس کی ضرورت نہیں ہے، اتنا کچھ تو تم اس کا دے کر جا رہے ہو، اس کا کھانا پینا بھی، اس کے بعد کس چیز کی ضرورت رہ جاتی ہے، کوئی مسئلہ ہوا تو میں تمہیں بتا دوں گا۔‘‘ چاچو نے اسے منع کر دیا۔ وہ اٹھے اور بچی کو سوتے میں اٹھا کر اپنے ساتھ لگایا، اسے پیار کیا اور واپس لٹا دیا۔

’’میں آپ کے اس احسان اور نیکی کا بدلہ کبھی نہیں دے پاؤں گا امرت۔‘‘ میرے پاس ان کی اس بات کا جواب دینے کے لیے کوئی رسمی کلمات بھی نہ تھے۔

☆☆☆

ساجدہ کی بیٹی بیڈ پر اچھلتے ہوئے پلٹ کر فرش پر گر گئی تھی اور اس کا سر پھٹ گیا تھا۔ اس نے بدحواسی سے آ کر مجھے بتایا اور واپس بھاگی۔ میں دونوں بچوں کو سلا کر ابھی سکون سے بیٹھی ہی تھی کہ یہ حادثہ ہو گیا۔ میں اٹھ کر اس کے ساتھ باہر کی طرف بھاگی اور اس کے کوارٹر کا لہولہان فرش دیکھ کر واپس لوٹی اور فوراً ایمرجنسی کو کال کیا، اپنا فون ساتھ لیے میں اس کے کوارٹر میں واپس آئی جہاں ساجدہ اپنے دوپٹے سے اس کا سر باندھ کر خون کے بہاؤ کو روکنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ بچی بے ہوش تھی اور ساجدہ کے ہاتھ پاؤں پھولے جا رہے تھے۔ چند منٹوں میں ایمبولینس پہنچ گئی اور میں نے ساجدہ کو کچھ رقم دے کر بھجوایا۔ ایمبولینس میں موجود اٹینڈنٹ نے بتایا تھا کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، چند ٹانکے لگانا پڑیں گے۔ ساجدہ کے آنسو رکنے کا نام نہ لے رہے تھے۔

’’میں ساتھ چلتی ساجدہ مگر......‘‘ میں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

’’آپ بے فکر ہو جائیں، میں دیکھ لوں گی۔‘‘

’’میں تمہارے بچوں کو اندر لے جاتی ہوں، تم بے فکر ہو کر جاؤ۔‘‘ میں نے اسے ساتھ لگا کر تسلی دی۔ ’’واپسی پر ... آنا ہو گا تمہیں، خیال سے، کوئی بوڑھا سا ٹیکسی والا دیکھنا۔‘‘ میں نے اسے احتیاطی تدابیر سمجھائیں۔

’’جی ٹھیک ہے......‘‘ اس نے بچی کے ساتھ ایمبولینس میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ ’’کوارٹر کو لاک کر دینا بیٹا۔‘‘ ... دروازہ بند ہونے سے پہلے اس کی آواز آئی۔ ایمبولینس روانہ ہو گئی تھی۔

’’میری بہن مر تو نہیں جائے گی؟‘‘ اس کا بیٹا روتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

’’پاگل ہو گئے ہو کیا، کچھ نہیں ہو گا اسے۔‘‘ میں نے اس کا سر تھپکا۔ ’’چلو تم کوارٹر کو تالا لگاؤ۔‘‘

’’فلموں اور ڈراموں میں تو جو کوئی ایمبولینس میں جاتا ہے وہ آخر میں مر جاتا ہے۔‘‘

’’تم تو پورے پاگل ہو، فلموں کے ہیرو۔‘‘ میری ہنسی نکل گئی۔ ’’ابھی تھوڑی دیر میں ساجدہ اس کی مرہم پٹی کروا کر واپس لے آئے گی اسے...... ویسے یہ کیا کھیل ہوتا ہے بیڈ پر اچھلنے کا، کوئی بیٹھ کر کھیل، کھیل لیا کرو تم لوگ۔‘‘ میں نے اسے ہلکی سی چپت لگائی۔

ساجدہ کے بچوں کو میں نے چپس بنا کر دیے۔ میں سمجھ رہی تھی کہ وہ زیادہ سے زیادہ گھنٹے بھر میں آ جائے گی مگر ... ہسپتال میں چونکہ اس کے پاس کوئی سفارش نہیں ہو گی تو اسے انتظار گاہ میں بٹھا رکھا ہو گا، میں اتنے بچوں کو ... تنہا چھوڑ کر جا سکتی تھی اور نہ ہی ساتھ لے کر۔

’’آنٹی ہمارا ہوم ورک بھی رہتا ہے ابھی۔‘‘ اس کے بیٹے کے یاد دلانے پر میں نے اسے ساتھ لیا اور وہ کوارٹر کا ... کھول کر اپنے بستے لے آیا۔ میں نے لاؤنج میں کچن کے ساتھ والے حصے میں انہیں بٹھایا اور وہ اپنا ہوم ورک کرنے

لگے۔ میں نے حبیب اور پنکی کو باری، باری نہلایا اور انہیں فیڈ کروا کے سُلانے کی کوشش کرنے لگی کیونکہ کچھ لانڈری والے کپڑے ساجدہ پہلے سے ہی اکٹھے کر چکی تھی اور دھونے ہی والی تھی کہ بیچ میں کسی کام سے اپنے کوارٹر میں گئی تو اس حادثے کے باعث ظاہر ہے کہ اسے اور کیا یاد رہتا۔ بچے سو جاتے تو میں لانڈری مشین میں ڈال دیتی۔

امو جان کی کال آئی، میں نے جلدی، جلدی خیریت پوچھی اور کال بند کرنے لگی۔

''کیا بات ہے تم بہت مصروف ہو؟'' انہوں نے حیرت سے کہا۔

''وہ امو جان بچوں کو سلانا ہے......'' میں نے بے سوچے سمجھے کہہ دیا۔

''بچوں کو؟ کون سے بچوں کو، کس کے بچوں کو؟'' انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

''میرا مطلب ہے کہ حبیب کو۔'' میں نے کہا۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ انہیں معلوم ہو کہ میں نے زائنہ کی بیٹی کو اپنے ساتھ رکھنے کی ہامی بھری تھی اور یہ کہ اب وہ میرے ساتھ رہ رہی تھی۔ انہیں زین سے اور اس سے وابستہ ہر شے سے چڑ تھی۔ میں بھی اگر اسے رکھنے کو تیار ہوئی تھی تو صرف چاچو کی خاطر ورنہ مجھے اس گھر سے اور اس گھر میں موجود لوگوں سے سوائے تکالیف کے ملا ہی کیا تھا۔ ''اسے وہ ہیں ناں ساجدہ کے بچے۔'' مجھے بروقت جواب سوجھ گیا تھا۔

''کیا مطلب...... کیا اب تم ساجدہ کے بچوں کو بھی سنبھالتی ہو؟'' ان کے لہجے میں حیرت واضح تھی۔

''ارے نہیں امو جان...... اصل میں ساجدہ کی بیٹی گر گئی تھی اور اسے سر میں چوٹ لگی ہے تو وہ اسے لے کر اسپتال گئی ہے۔''

''اوہو...... یہ تو برا ہوا۔'' انہوں نے تشویش سے کہا۔ ''کیسے لے کر گئی ہے اسپتال، اسے کیا علم کہ کس طرح جاتے ہیں۔''

میں نے انہیں بتایا کہ ایمبولینس میں نے اسے منگوا کر دی تھی اور یہ بھی کہ وہ تھوڑی دیر میں آ جائے گی۔ اسی لیے اس کے بچے اس کی غیر موجودگی میں میرے پاس تھے۔

''اس طرح کی صورتِ حال تو کسی وقت بھی پیش آ سکتی ہے بیٹا، میں چیک کرتی ہوں کہ کوئی اپنا دیکھا بھالا کام والا مل جائے اور دونوں میاں بیوی ہوں تو اس طرح کے حالات میں کوئی تو آسرا ہو...... ابھی تم گھر پر بچے کے ساتھ اکیلی ہو بلکہ اس کے بچے بھی ساتھ ہیں۔ اگر تمہیں کوئی اور ایمرجنسی ہو جائے تو تم کیا کرو گی؟''

''میرے پاس کسی اور کام والے کو رکھنے کی جگہ نہیں ہے امو جان۔'' میں نے کہا۔

''کوئی میاں بیوی دیکھتی ہوں بیٹا، بچہ وجہ نہ ہو...... ساجدہ کو واپس بھجوا دینا تم اور یہی کوارٹر ان کو دے دینا۔''

''نہیں امو جان...... مجھے ساجدہ کو واپس نہیں بھیجنا اور نہ ہی زیبا چچی اسے رکھیں گی۔''

''اوّل تو میں اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تمہیں وہاں رہنے کی مجبوری کیا ہے؟'' انہوں نے وہی کئی بار کی، کی ہوئی بات دُہرائی۔ ''تمہیں لگتا ہے کہ اب میکے میں تمہاری جگہ نہیں رہی؟''

''مجھے اپنے گھر میں ہی رہنا ہے امو جان اور جونہی حبیب اسکول جانے لگے گا میں بھی کوئی نہ کوئی کام کروں گی، تب تک چاچو گھر کا خرچہ دیں گے پھر میں اپنے پیروں پر کھڑی ہو جاؤں گی۔''

''کوئی خرچہ نہیں دے گا جمال تمہیں اور نہ ہی تم اس سے لو گی۔ میں نے کبیر سے کہہ دیا ہے کہ وہ ہر ماہ تمہارے اکاؤنٹ میں کافی رقم جمع کروا دیا کرے گا۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے امو جان، آپ کیوں ان پر بوجھ ڈالتی ہیں؟''

''تو کیا جمال پر بوجھ نہیں ہے اس کا؟''

''امو جان...... جمال چاچو نے اپنی جائداد اور کاروبار میں میرے اور حبیب کے نام پر کچھ حصہ لگا دیا ہے اور

اسی سے حاصل ہونے والی آمدن ہر ماہ میرے اکاؤنٹ میں جمع ہوتی ہے۔''

''کیوں لگائے ہیں اس نے جائداد اور کاروبار تمہارے نام پر...... اس کی منہ پھٹ بیوی سے پوچھ اور سنا
کیا ہے کیا؟'' انہیں بہت غصہ آیا تھا۔

''اچھا امو جان، بعد میں اس پر بات کریں گے۔'' میں نے بات ختم کی۔ ''اللہ حافظ۔''

☆☆☆

''یہ کون ہو سکتا ہے؟'' مشین میں کپڑے ڈال رہی تھی کہ بیرونی دروازے کی گھنٹی کی آواز پر میں نے سوچا
ساجدہ ہی ہوگی مگر وہ تو عموماً کوارٹر کی طرف سے آتی ہے' سوچتے ہوئے میں نے ہاتھ دھو کر تولیے سے صاف کیے
اور بال سمیٹتی ہوئی دروازے کی طرف چلی اور بیرونی دروازہ کھولا...... باہر زیبا چچی تھیں، میں دروازے کے بیچ
کھڑی رہ گئی۔

''اب کیا میں تم سے یہاں باہر کھڑے، کھڑے ہی بات کروں؟'' انہوں نے رعونت سے پوچھا۔ ''تمیز بھول
گئی ہے تمہیں کسی بڑے کو سلام کرنے کی۔''

''السلام علیکم! جی آیئے۔'' میں نے ہٹ کر انہیں راستہ دیا۔ دماغ میں سگنل بجنے لگے کہ ان کی نیت اور ارادہ
ٹھیک نہیں۔

''یہ اتنی دیر کے بعد دروازہ کیوں کھولا ہے تم نے؟'' انہوں نے مشکوک نظروں سے ہر طرف دیکھا۔

''میں واشنگ مشین میں کپڑے ڈال رہی تھی۔'' اگرچہ ان کے سوال کا جواب دینا اتنا ضروری نہ تھا مگر میں
نے جواب دیا۔

''کیوں، ساجدہ کہاں ہے؟'' انہوں نے ابرو اچکائے۔

''وہ گھر پر نہیں ہے اس کی بیٹی گر کر زخمی ہو گئی ہے۔''

''تو گویا تم تنہا ہو گھر پر؟'' انہوں نے دائیں بائیں دیکھتے ہوئے کن سوئیاں لینے کی کوشش کی۔ ''یا کوئی اور بھی ہے؟''

''جی نہیں بچے بھی ہیں......''

''کون سے بچے؟''

''ساجدہ کے بچے یہیں ہیں کیونکہ انہیں کوارٹر میں تنہا نہیں چھوڑ سکتی تھی وہ۔''

''کیوں، وہ بچے کب سے تمہاری ذمے داری ہونے لگے؟'' انہوں نے ابرو اچکا کر پوچھا۔

''ساجدہ کی بیٹی گر کر زخمی ہو گئی تھی اور ساجدہ اسے لے کر اسپتال گئی ہے، اس کے آنے تک بچے میرے پاس
رہیں گے۔'' میرے لہجے میں وہ اٹل پن تھا جس سے انہیں اور کوئی اعتراض نہ سوجھا۔

''حبیب کہاں ہے؟''

''جی سو رہا ہے۔''

''یہ تم نے کیا نیا ڈھکوسلا بنا لیا ہے؟'' ان سے زیادہ دیر کہاں برداشت ہو سکتا تھا۔

''آپ کے ساتھ ڈرائیور بھی ہے؟'' میں نے ان کے لہجے کو نظر انداز کرتے ہوئے سوال کیا۔

''وہ مجھے چھوڑ کر کہیں کام سے چلا گیا ہے۔'' انہوں نے مختصراً کہا۔

''آپ چائے یا کافی لیں گی چچی جان؟'' جانتی تھی کہ انہیں چچی جان کہلانے سے کتنی چڑ ہے۔

''تم میرے سوال کا جواب دو۔''

''میں سمجھی نہیں آپ کا یہ سوال؟'' میں نے بھی ابرو اچکا کر پوچھا۔

''تم نے اپنے اور زین کے بیچ کیا طلاق کا نیا شوشا چھوڑا ہے اور نہ صرف چھوڑا ہے بلکہ پورے خاندان میں اس کی تشہیر بھی کر دی ہے...... جو ہے وہ ہمیں ہی ملامت کر رہا ہے۔ کسی نے ہم سے پوچھنے تک کی زحمت نہیں کی کہ سچ کیا ہے اور جھوٹ کتنا۔ تم یہاں کیسے مزے سے رہ رہی ہو، عیاشی کر رہی ہو اسی زین کے پیسے پر اور بدنام کیا ہوا ہے تم نے ہمیں...... اور پریشانیاں کیا کم ہیں ہمیں جو تم نے ہمارے لیے ایک اور مصیبت کھڑی کر دی ہے۔''

''جی چچی جان، زین کے اور میرے بیچ اب کوئی رشتہ نہیں ہے اور نہ ہی میں یہاں زین کے پیسے یا خرچے پر رہ رہی ہوں۔'' میں نے اٹل لہجے میں کہا۔

''وہ اس بات سے انکار کرتا ہے کہ اس نے تمہیں طلاق دی ہے۔''

''اس کے انکار کرنے سے حقیقت تبدیل نہیں ہو سکتی۔''

''جب وہ کہہ رہا ہے کہ اس نے طلاق نہیں دی اور تم اب بھی اس کی بیوی ہو تو تم کون ہو اس کی بات کو رد کرنے والی؟''

''میں وہ ہوں جسے اس نے بقائمی ہوش و حواس طلاق دی ہے اور اس بات سے وہ میرے سامنے انکار نہیں کر سکتا۔''

''اس نے مجھے ساری بات بتائی ہے اپنے باپ کے سامنے اور تمہیں علم ہے کہ کوئی کسی شوہر کو مجبور کرے کہ بیوی کو طلاق دو تو ایسی طلاق واقع نہیں ہوتی۔'' انہوں نے اپنی معلومات انڈیلیں۔ ''وہ مجبور تھا کیونکہ وہ بے حیا لڑکی اسے خودکشی کرنے اور اسے اپنی خودکشی کا مجرم قرار دینے کی دھمکی دے رہی تھی۔''

''وہ کوئی کون ہے جس نے مجبور کر کے طلاق دلوائی ہے اس سے؟ کیا تعلق ہے ان دونوں کا؟ کیا مجبوری تھی اسے اس کی زندگی بچانے کی؟''

''تم جانتی ہو اسے اچھی طرح۔'' ان کا لہجہ شکستہ تھا۔

''وہ کیا لگتی ہے اس کی، بیوی یا داشتہ؟ کیا رشتہ ہے اس کا زین کے ساتھ کہ وہ اس کو اتنا مجبور کر لے؟'' میں نے سختی سے کہا: ''کسی کے مجبور کرنے سے، کسی کے بھی خودکشی کی دھمکی دے دینے سے کوئی شوہر اپنی بیوی کو یوں طلاق دے دیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ طلاق واقع نہیں ہوئی...... بعد ازاں وہ اسے منا لے گا اور طلاق غیر موثر ہو جائے گی؟''

''فضول اور گھٹیا باتیں سننے کے لیے نہیں آئی میں تمہاری۔'' انہوں نے درشتی سے کہا۔ نرمی اور شرافت کا لہجہ تو ویسے ہی ان پر اجنبی لگ رہا تھا جو وہ خود بھی زیادہ دیر تک قائم نہ رکھ پائیں۔ ''تمہیں سمجھا رہی ہوں کہ اپنا گھر بچا لو اور ان باپ بیٹے کے درمیان جو ناچاقی اس معاملے کو لے کر چل رہی ہے اس سے بچ جاؤ۔ لیکن میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ تم ہمیشہ سے یہی چاہتی ہو کہ اسی بات کو لے کر جمال، زین کو عاق کر دے۔''

''مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ چاچو اس کے ساتھ کیا کرتے ہیں، نہ ہی مجھے اس کا کوئی فائدہ یا نقصان ہے۔'' میں نے بے رخی سے کہا۔ ''اسے عاق کریں یا سینے سے لگائیں، ان کا بیٹا ہے اور وہ اس کے ساتھ وہی کریں گے جو وہ چاہیں گے۔''

''دیکھو امرت میں جانتی ہوں کہ اس سے جوانی میں کچھ نادانیاں ہو گئی ہیں، بھول چوک تو ہو ہی جاتی ہے انسان سے۔ آخر بندہ بشر ہے ہی خطا کا پتلا...... اب ہم ایک دوسرے کی چھوٹی چھوٹی کوتاہیوں کو معاف کر دینے کے بجائے ان کے رائی کے پربت بنانا شروع کر دیں تو مناسب نہیں...... زین شرمندہ ہے اور پھر یوسف کی طرف سے جو پریشانی ہے وہ تمہارے سامنے ہے، اپنا دل بڑا کرو، عورتیں سو سو قربانیاں دیتی ہیں تو گھر بستے ہیں۔'' ان کے لہجے میں یک دم شہد گھلنے لگا لیکن وہ لہجہ ان کی شخصیت کے ساتھ بہت اجنبی لگتا تھا۔

''زنا، بے حیائی اور نشہ کر کے مار پیٹ کرنا یا بیوی کے جسم کو جلتے ہوئے سگریٹ سے داغنا، طلاق دے

... چچی جان یہ چھوٹی غلطیاں اور کوتاہیاں نہیں ہیں، شاید آپ کی نظر میں ہوں مگر میری نظر میں نہیں۔ اس ... کی نظر میں نہیں، مذہب کی نظر میں نہیں۔''

''کہا ناں کہ وہ اپنے سب کیے پر شرمندہ ہے......'' انہوں نے اصرار کیا۔

''اب اس کے شرمندہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے چچی جان؟'' میں نے حیرت سے سوال کیا۔

''واپس چلو تم اس گھر میں یا پھر زین یہاں منتقل ہو جاتا ہے۔'' انہوں نے مجھے چمکارا۔ ''میاں بیوی ساتھ ... رہ ... ہوں تو بڑے سے بڑا جھگڑا بھی رات گزرنے کے بعد ختم ہو جاتا ہے...... فاصلے جھگڑوں کو مضبوط اور ... کر دیتے ہیں۔''

''زین یہاں کسی حیثیت میں منتقل نہیں ہو سکتا۔'' میں نے سختی سے کہا۔ ''کوئی تعلق نہیں ہے میرے اور اس کے ... کوئی ایسا معمولی جھگڑا یا اختلاف نہیں ہے۔ میں اس کی کچھ نہیں ہوں اب اور نہ ہی وہ میرا۔''

''... ہے وہ تمہارا......''

''نہیں ہے اب وہ میرا شوہر۔'' میں نے درشتی سے کہا۔ ''میں اسے اپنا شوہر تسلیم نہیں کر سکتی اور اگر آپ مُصر ... کی دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوئی تو میں اپنی طرف سے خلع کا مقدمہ کر دوں گی لیکن اس سے پہلے وہ دو ... کے سامنے قرآن پر ہاتھ رکھ کر کہے کہ اس نے مجھے طلاق کے الفاظ نہیں کہے......''

''... ایسی ہی بات ہے تو کیا تم ایسا کر سکتی ہو، کیا تم قرآن پر ہاتھ رکھ کر کہہ سکتی ہو کہ اس نے تمہیں طلاق دی ہے؟''

''ہاں کہہ سکتی ہوں...... میں اس طلاق کے بارے میں چیک کر چکی ہوں اور میرے ذہن میں یہ بالکل واضح ہے۔''

''لیکن طلاق کے بعد رجوع کا حق باقی رہتا ہے......''

''رجوع دونوں فریقین کی مرضی سے ہوتا ہے اور میں قطعی اس سے رجوع نہیں کرنا چاہتی تھی اور اب تو اس پر ... کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ اب وہ مدت ختم ہو چکی۔''

''تم بے وقوفی کر رہی ہو امرت......'' وہ دھاڑیں۔ ان کا نرمی کا چولا یک دم اتر گیا تھا۔

''مجھ سے میرے گھر میں کھڑے ہو کر یوں چیخ چیخ کر بات نہ کریں۔ یہی آپ کے حق میں بہتر ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ میں کوئی گستاخی کر بیٹھوں۔''

''اچھا تو پھر تم اس فلیٹ میں کس حق اور حیثیت سے رہ رہی ہو؟'' انہوں نے اوچھا سا سوال کیا۔

''یہ فلیٹ مجھے چاچو نے لے کر دیا ہے، میرے نام پر ہے اور میں اس کی مالک ہوں...... چاچو ہی میری اور ... کی کفالت کر رہے ہیں۔''

''اور تم اسے اس کفالت کے بدلے میں کیا دیتی ہو؟'' لفظ 'کیا' پر زور دے کر انہوں نے انتہائی گھٹیا لہجے میں سوال کیا۔

''وہ عزت جس کا ایک باپ بیٹی سے مستحق ہوتا ہے۔'' میں نے بصد کوشش اپنے اوپر جبر کیا۔ ''جو آپ اور ... کی بیٹیاں انہیں نہیں دیتیں اور نہ ہی آپ کے بیٹے۔''

''بکواس بند کرو...... اب تم اپنی حد سے بڑھ رہی ہو۔''

''آپ کون ہیں میری حدیں متعین کرنے والی؟ آپ تشریف لے جا سکتی ہیں...... بلکہ یہ کہنا بہتر ہے کہ آپ ... لے جائیں اس سے پہلے کہ میں اس بلڈنگ کے سیکیورٹی والوں کو بلاؤں اور آپ کی وہ عزت افزائی ہو ... کی آپ حقیقتاً مستحق ہیں......'' میں نے اٹھ کر دروازہ کھول کر انہیں اشارہ کیا، اپنی آواز کو بلند ہونے سے روکا ... کہ صہیب اور پنکی دونوں جاگ جائیں۔

’’بے حیا..... بے شرم۔‘‘ منہ سے جھاگ اڑاتے ہوئے وہ بولیں۔ ’’منحوس تم جس دن سے اس گھر میں آئی ہو تم نے ہمارا سکون برباد کر دیا ہے..... میری بیٹی کے شوہر پر ڈورے ڈال کر اس کے ساتھ سازش کر کے میری بیٹی کو موت کے منہ تک پہنچا دیا۔ تمہاری نحوست کا سایہ میرے بیٹے یوسف کو لے گیا اور زین کی زندگی تو تم نے عذاب کر کے رکھ ہی دی ہے.....‘‘ ان کے منہ سے مغلظات کا طوفان ابل رہا تھا اور میں برداشت کی آخری حد تک پہنچ گئی۔

’’سیکیورٹی!‘‘ میں نے فون اٹھا کر نمبر ڈائل کیا۔ ’’ابھی میرے فلیٹ سے جو خاتون نکلیں گی، براہ مہربانی اگر دوبارہ یہاں نظر آئیں تو آپ پولیس کو اطلاع کر دیں کیونکہ وہ مجھے دھمکا رہی ہیں۔‘‘ وہ اسی طرح بکتی جھکتی چلی گئیں۔ اب میرے پاس وہ دوبارہ کبھی نہیں آئیں گی۔ میں نے دل ہی دل میں خود کو تسلی دی۔

☆☆☆

میرے تو حواس ان سے اتنی دیر باتیں کر کے شل ہو گئے تھے۔ اگر انہیں علم ہوتا کہ میرے پاس ارسل بھائی اور زائنہ کی بیٹی بھی ہے تو جانے اس حوالے سے وہ کیا، کیا تہمت لگاتیں۔ ساجدہ کے بچے کمرے سے باہر نہیں نکلے۔ میں جانتی تھی کہ کوئی نہ کوئی آواز ضرور ان کی سماعتوں تک پہنچی ہو گی اور وہ ماں کو کچھ نہ کچھ بتائیں گے۔

’’آنٹی، یہ کیوں اتنا شور مچا رہی تھیں؟‘‘ اس کے بڑے بیٹے نے اچھی طرح تسلی کر لی تھی کہ وہ جا چکی ہیں۔

’’یہ بہت سخت اور غصے والی عورت ہیں آنٹی۔‘‘ دوسرے بیٹے نے اضافہ کیا۔

’’آپ نے ہوم ورک کر لیا بیٹا..... لائیں مجھے دکھائیں کیا، کیا ہے آپ نے؟‘‘ میں نے انہیں ٹالا۔

’’امی آ گئی ہیں.....‘‘ گھنٹی کی آواز پر اس کے بڑے بیٹے نے کہا۔

’’لیکن وہ تو اِدھر سے نہیں آتیں۔‘‘ میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ دروازہ تھوڑا سا وا کیا، بلڈنگ سیکیورٹی انچارج تھا۔ میں نے وہیں سے سوال کیا کہ وہ کیوں آیا تھا۔

’’وہ جی، وہ خاتون تو بہت غصیلی اور بدلحاظ ہیں۔ انہیں منع کیا کہ یوں نہ کریں مگر وہ راستے میں رکھے ہوئے کئی گملے ٹھوکر مار کر توڑ گئی ہیں..... کہہ رہی تھیں کہ اس فلیٹ کی مالکہ وہ ہیں اور وہ جلد ہی قانونی کارروائی کر کے فلیٹ خالی کروائیں گی۔‘‘

’’چلیں جب وہ قانونی کارروائی کریں گی تو دیکھ لیں گے لیکن آپ اس بات کو یقینی بنائیں کہ قانونی چارہ جوئی سے پہلے وہ دوبارہ اس عمارت میں داخل نہ ہوں۔‘‘

’’وہ تو جی آپ فکر ہی نہ کریں..... سی سی ٹی وی کیمرے کی تصاویر میں نے تمام عملے کو دکھا دی ہیں اور اس کے علاوہ آپ سے ان کا پتا چاہیے کیونکہ جو نقصان وہ ہمارا کر کے گئی ہیں اس کے لیے ہم ہرجانے کا دعویٰ کرنا چاہتے ہیں اور اس کے علاوہ جو بدتمیزی انہوں نے ہمارے اسٹاف سے کی ہے.....‘‘

’’آپ کا جو مالی نقصان ہوا ہے وہ میں پورا کر دوں گی۔ باقی اگر آپ سمجھیں کہ وہ آپ کے اسٹاف سے معافی مانگیں گی تو وہ ممکن نہیں..... میں ہی ان کی جگہ معافی بھی مانگ لوں گی۔‘‘ میں نے اس سے کہا۔ جانتی تھی کہ دے کر سارے جھنجٹ تو چاچو کے لیے تھے کیونکہ وہ تو معافی مانگنے کو تیار ہی نہ ہوتیں اور میں چاچو کو سر جھکائے ہوئے اس طرح کی صورتِ حال کا سامنا کرتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ ان کے لیے پہلے ہی کون سا کم پریشانیاں تھیں۔

’’ارے نہیں بہن..... آپ کو شرمندہ کرنا مقصد نہیں ہے، اصل میں اگر ہم لوگ ایسے لوگوں کے رویے کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور انہیں معافی مانگنے پر مجبور نہیں کرتے تو انہیں مسلسل بدتمیزی کرنے کی شہ ملتی رہتی ہے۔‘‘ شائستگی سے بولا۔ ’’یہ میرا ذاتی نمبر ہے، میں اس بلڈنگ سے تھوڑے ہی فاصلے پر رہتا ہوں، اگر کوئی ناگوار صورتِ حال ہو تو آپ بے شک براہ راست مجھے بتائیں۔ ہمارے ڈیوٹی اسٹاف کو بتائیں گی تو ان کا دائرہ اختیار کم ہوتا ہے۔ جب تک وہ کسی کارروائی کی اجازت لیتے ہیں تب تک پانی سر سے گزر چکا ہوتا ہے۔‘‘ اپنا کارڈ مجھے دے کر وہ سلام کر کے روانہ ہوا۔ میں نے کارڈ پر دیا گیا نمبر اس کے نام سے اپنے فون میں محفوظ کر لیا۔

☆☆☆

امو جان سے بات ہوئی تو علم ہوا کہ عباس چاچو نے بالآخر اپنی دونوں چھوٹی بیٹیوں ہانیہ اور تانیہ کی شادی کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اب تک یہ شادیاں جو کہ ان کے اپنے تایا موسیٰ کے بیٹوں حاتم اور قاسم کے ساتھ ہونا تھیں، ان کی منگنیاں بچپن سے ہو چکی تھیں اور اب ان کی سسرال سے اصرار بڑھتا جا رہا تھا۔ عباس چاچو متردد تھے کہ ان دونوں سے بڑی ثنا کا ابھی تک کہیں رشتہ نہیں ہو سکا تھا اور اس سے پہلے چھوٹی... دونوں کی شادیاں ہو جانے سے جانے لوگ کیا سوچتے۔ مگر انہیں سب نے سمجھایا تھا کہ جن بچیوں کی بات طے ہے ان کی شادیاں کر دیں کیونکہ موسیٰ چاچو کے بیٹے برسر روزگار بھی تھے اور ان کی اماں گھر میں بہوئیں لا کر چین کی بنسی بجانا چاہتی تھیں۔ امو جان سے یہ سن کر اچھا لگا کہ موسیٰ چاچو نے ان بچیوں کو کسی بھی قسم کا جہیز دینے سے منع کر دیا تھا۔ شادی بھی سادگی سے ہونا تھی البتہ ولیمہ وہ دھوم دھام سے کرتے کیونکہ وہ بیٹیوں والوں پر بوجھ نہیں ڈالنا چاہتے تھے۔

ثنا کا رجحان بچپن سے ہی آرٹ کی طرف تھا، وہ لاہور جا کر پڑھنا چاہتی تھی مگر عباس چاچو کے اپنے خوف تھے۔ انہوں نے اپنی بیٹیوں کو بہت پابندی میں پالا تھا۔ انہیں لگتا تھا کہ لاہور جا کر شاید ثنا بگڑ جاتی، آزاد خیال ہو جاتی۔ ان کی ماں کے پس منظر کی وجہ سے انہیں اپنی بیٹیوں کی طرف سے ہمیشہ ایسے ہی وہم رہتے تھے۔

ہی سنا تھا کہ اپنی بیوی کی وفات (جو جل کر مر گئی تھیں) کے بعد انہوں نے زیادہ وقت گھر پر ہی گزارہ، کچھ حالات ایسے ہو گئے کہ انہیں اپنی بیٹیوں کی دیکھ ریکھ کے لیے گھر پر رہنے کے باعث ساری زمینیں ٹھیکے پر دینا پڑیں، اس سے آمدن اتنی نہ رہی تھی جتنی خود کاشت کروانے میں ہوتی ہے تو اپنا گزارہ بمشکل ہی کر پاتے تھے۔ بیٹیوں کو اتنا ہی پڑھایا لکھایا جس کے لیے انہیں شہر نہ جانا پڑا تھا۔ ان چاروں بہنوں نے گھر کا ماحول اپنی ماں کی حادثاتی موت کے بعد بڑا اکھڑا ہوا دیکھا تھا۔ خاندان کے باقی گھروں میں ان کا آنا جانا نہ ہونے کے برابر تھا۔ اپنی ماں کی موت کے حادثے نے انہیں باقی روٹھے ہوئے خاندان سے ملا تو دیا مگر طویل وقفے کے باعث جو دوریاں دلوں میں پیدا ہو چکی تھیں وہ پاٹی نہ جا سکی تھیں۔ سب سے زیادہ ان بہنوں کا آنا جانا ہمارے ہی گھر میں تھا۔ جب کوئی تقریب ہوتی یا کوئی غمی کا موقع تو یہ ساری بہنیں مدد میں پیش، پیش ہوتی تھیں۔ میں اور تمنا انہیں اس طرح توجہ اور اہمیت دیتیں کہ انہیں احساس کمتری نہ ہو۔

رانی کی شادی گل پھپو کے ہاں ہونا پہلا مثبت اقدام تھا۔ مجھے دل سے اس کی خوشی ہوئی تھی اور اب تو وہ ایک بیٹے کی ماں بھی بن چکی تھی۔ جلد ہی ہانیہ اور تانیہ بھی اپنے، اپنے گھروں کی ذمے داریوں میں مصروف ہو جاتیں۔ میں نے سوچا کہ اب کی بار گاؤں جاؤں گی تو عباس چاچو سے کہوں گی کہ وہ ثنا کو لاہور جانے کی اجازت دیں۔ اس کا ہاتھ پینٹنگ میں ایسا غضب کا تھا جو اسے مزید سیکھنے کا موقع مل جاتا تو وہ ایک اچھی آرٹسٹ بن جاتی۔ چشم تصور میں، میں ان شادیوں کا وقت دیکھنے لگی۔ گاؤں جانے کی خوشی بھی تھی۔ میں سوچنے لگی کہ مجھے کون، کون سے کپڑے لے کر جانا ہے۔

’’شادی پر شامیر کو چھٹی ملے گی امو جان؟‘‘ میں نے دل میں آنے والا سوال کیا۔

’’ہاں..... میں نے اسے خاص طور پر کہا ہے کہ وہ ابھی سے چھٹی کی کوشش کرے..... ان بچیوں کا اپنا کوئی بھائی تو ہے نہیں، کبیر اور شامیر نے ہی ہمیشہ انہیں بہنیں سمجھا ہے۔‘‘

’’اچھا کیا امو جان..... اسی بہانے ہم سارے بہن بھائی ایک دفعہ گاؤں میں اکٹھے ہو جائیں گے۔‘‘

''انشاءاللہ۔''

''امو جان......'' میں نے ہولے سے پوچھا۔ ''گاؤں میں کس، کس کو میرے بارے میں علم ہے اور کیا؟''

''سبھی کو علم ہو گیا ہو گا اب تک تو۔''

''وہ کیسے؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''مہربانو نے شہربانو کو بتایا ہو گا......اور پھر اس گھر میں رانی، بہو ہے، بات کہاں تک چھپی رہ سکتی ہے۔''

''کسی نے کچھ کہا ہے کیا؟''

''کوئی کچھ کہے بھی تو کیا فرق پڑتا ہے ہمیں بیٹا، تم خوامخواہ کے وہم دل میں نہ پالو۔ ہمارے منہ پر تو جو بھی بات کرے گا افسوس ہی کرے گا، پیٹھ پیچھے جس نے جو کچھ کہنا ہے کہتا رہے۔ اس سے ہماری صحت کو کیا فرق پڑتا ہے؟''

''یونہی خیال آ رہا تھا کہ اگر ان شادیوں کے دوران کسی کو علم نہ ہوتا یا میں اس وقت گاؤں آتی جب بات پرانی ہو چکی ہوتی......''

''ایسے دلچسپی والے قصے اسی وقت نئے ہو جاتے ہیں جب متعلقہ شخص سامنے آتا ہے۔ تم اس واقعے کے دو سال کے بعد بھی گاؤں میں پہلی بار آتیں تو ایسا ہی ہوتا، تم لوگوں کی باتوں کا نہ سوچو۔'' انہوں نے مجھے تشفی دی۔

پہلے پہل تو میں خود بھی سوچتی تھی کہ کوئی کیا سوچتا اور کہتا ہے اس سے ہمیں کیا فرق پڑتا ہے مگر اب جب حقیقت میں ایسا ہونے والا تھا کہ میری ذات کی وجہ سے لوگوں کو دلچسپی کا کوئی موضوع ملا تھا تو میرے دل میں اندیشے جاگ رہے تھے۔ مجھے لوگوں کا سامنا کرنا مشکل لگ رہا تھا۔ کس کو کیا جواب دوں گی؟ جب تک خود پر نہیں بیتتی تو سوچا جا سکتا تھا کہ لوگوں سے کہیں کہ آپ اپنے کام سے کام رکھیں۔ آپ کو میرے مسائل سے کیا لینا دینا......

مگر اب جب میں ان حالات کا شکار ہو رہی تھی تو اندازہ ہوا کہ ایسا کرنا کتنا مشکل تھا۔

☆☆☆

شامیر کا پیغام آیا تھا کہ اس نے امو جان کی ہدایت پر ان شادیوں کے لیے چھٹی لی تھی۔ اسے صرف تین دن کی چھٹی ملی تھی اور اس نے مجھے تاکید کی تھی کہ میں اپنی تیاری رکھوں......وہ سیدھا میرے پاس ہی آئے گا اور مجھے ساتھ لیتا ہوا جائے گا۔ مجھے بہت خوشی ہوئی۔

''تم گاؤں میں رکنا چاہو تو اس کے بعد بھی رک جانا تمہاری اپنی گاڑی تمہارے پاس ہو گی۔ کبیر بھائی کوئی ڈرائیور دے دیں گے تمہیں واپس آنے کے لیے۔'' اس نے تجویز دی مگر میں نے سوچا کہ اس کے ساتھ ہی واپس آ جاؤں گی۔

''چلو دیکھتی ہوں کہ کیا پلان بناتی ہوں۔'' میں نے اسے ٹالا، سوچا تھا کہ اگر رکی بھی تو واپسی پر خود ہی گاڑی چلا کر آ جاؤں گی، ڈرائیور نہیں لاؤں گی۔ خوامخواہ مجھے اپنے مسائل کے لیے بھائیوں کی طرف دیکھنے کے بجائے ان کے حل کے لیے خود کوشش کرنا چاہیے۔

میں نے ساجدہ کے ساتھ مل کر اپنے وہ کپڑے نکلوائے جو جانے کب سے بکسوں میں بند پڑے تھے۔ انہیں کبھی دوبارہ پہننے کا موقع ہی نہ ملا تھا۔ ان میں سے نسبتاً ہلکے جوڑے نکلوا کر ساجدہ کو دیے کہ انہیں اسٹیم کروا کر تیار کر دے۔ وہ ابھی سے سوچ کر پریشان ہو رہی تھی کہ میں پھر اسے تنہا چھوڑ کر جانے والی ہوں۔ میرے فون پر سارہ کی کال آ رہی تھی۔

''ساجدہ یہ بکسے بند کر کے واپس رکھ دو اور میرے لیے کافی بناؤ۔'' میں نے اسے کہا اور فون لے کر لاؤنج میں سکون سے بیٹھ گئی۔

''کیسی ہو امرت؟'' سلام دعا کے بعد اس نے پوچھا۔

''مجھے کیا ہونا ہے، تم بتاؤ تم کیسی ہو؟'' میں نے شرارت سے پوچھا۔

''بس ٹھیک ہوں پیاری۔'' اس کے لہجے میں غمگینی تھی۔

''سب خیریت تو ہے ناں سارہ؟'' میں پریشان ہو گئی۔ میرے دل میں عجیب سے واہمے نے سر اٹھایا۔ کہیں دوبارہ کوئی مسئلہ تو نہیں ہو گیا......ابھی اس کی شادی کو دن ہی کتنے ہوئے تھے بھلا۔

''پریشان نہ ہو میری جان، مسئلہ کوئی نہیں ہے، بس یونہی تم سے بات کرنے کو من چاہا تو۔''

''تمہارا لہجہ پریشان ہے سارہ۔''

''جانتی ہوں، بس اس نئی صورت حال کو دل قبول نہیں کر پا رہا ہے۔''

''کوئی مسئلہ ہے کیا؟'' میں نے سوال کیا۔ ''بچیوں کی طرف سے یا بھائی صاحب کی طرف سے......''

''بچیوں کو تو چندا نے کسی نہ کسی طور بہلا لیا ہے، یہی کہا ہے کہ ہم دونوں کے بیچ لڑائی ہو گئی تھی اور ہم ناراض تھے۔ اب صلح ہو گئی ہے اور اسی دوران ان کے باپ نے دوسری شادی بھی کر لی تھی۔''

''چلو بچیاں ہیں، یقین کر لیں گی جو بھی بتایا جائے گا۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''اس بات کو اتنا مت دماغ پر سوار کرو کہ زندگی میں آنے والی اس خوشی کو بھی محسوس نہ کر سکو۔''

''بچیاں بڑی ہوں گی امرت تو انہیں سب معاملات کی سمجھ آ جائے گی۔''

''سب کچھ وقت کے ساتھ ٹھیک ہو جاتا ہے، انہیں جس عمر میں ان باتوں کی سمجھ آئے گی وہی عمر ہو گی جب وہ سمجھ جائیں گی کہ تم نے دوبارہ سمجھوتا انہی کی خاطر کیا ہے۔''

''ہوں......مگر کچھ اور بھی ہے جو پریشان کرتا ہے۔''

''اور وہ کیا ہے سارہ، تم خود کو ریلیکس کیوں نہیں کرتی ہو؟'' میں نے اسے پیار سے جھڑکا۔ ''زندگی میں آنے والی اس خوشی کے جھونکے سے زندگی کو معطر ہونے دو سارہ، چند سال بعد کی فکروں سے ابھی خود کو پریشان کیوں کرتی ہو؟''

''مجھے لگتا ہے کہ اسے اور بچہ بھی چاہیے......'' اس نے بلی تھیلے سے نکالی۔

''اس نے کہا ہے تم سے؟'' مجھے حیرت ہوئی تھی۔ اس کی جگہ میں ہوتی تو میں بھی پریشان ہو جاتی۔ ایک طرف وہاں جوانی کی دہلیز کو لپک، لپک کر پہنچ رہی ہوں اور دوسری طرف ایک نیا بچہ......اور پھر کیا علم کہ پھر بیٹی ہو جائے، کیا پھر وہی کہانی دُہرائی جاتی؟ بیٹے کی آس میں کتنے بچے اور پیدا کیے جا سکتے تھے؟

''یہی سمجھو، کھل کر تو نہیں کہا۔''

''تم اپنی طرف سے احتیاط رکھو اور کچھ وقت گزرنے دو پھر اس سے بات کرنا، شروع میں ہی حالات خراب کرو۔'' میں موجودہ صورتِ حال میں اسے یہی مشورہ دے سکتی تھی۔ ''اگر وہ تمہاری بات خود نہ سمجھے تو چندا کے ذریعے اس کے بھائی سے بات کر کے اسے سمجھایا جا سکے گا۔''

''پتا نہیں اب میرا خود سے کوئی احتیاط کرنا فائدہ مند ہو گا بھی کہ نہیں۔'' اس کے لہجے میں سرد پن تھا۔ ''پہلے مجھے اس کا خیال ہی نہیں آیا۔''

☆☆☆

کافی کپ میں پڑی، پڑی ٹھنڈی ہو گئی تھی۔ حبیب اور پنکی دونوں سو رہے تھے۔ ساجدہ کافی میز پر رکھ کر اپنے بچوں کے یونیفارم دھونے کے لیے اپنے کوارٹر میں گئی تھی۔ میں نے کافی کا پہلا گھونٹ بھی نہ لیا تھا کہ ذہن میں سوچ آئی کہ میں کس کی شادی کے لیے اتنی خوش ہو رہی تھی اور اتنے اہتمام سے تیار ہو رہی تھی؟ اور تو اور یہ بھی سوچ رہی تھی کہ گاؤں جاتے ہوئے راستے میں شامیر سے کہوں گی کہ وہ ثنا کے بارے میں سوچے، نہ صرف یہ کہ سوچے بلکہ یہ بھی کہ

اس سے نکاح کر کے اسے لاہور میں داخلہ دلوا دے تا کہ اس کی آرٹ کالج میں جانے کی خواہش پوری ہو سکے۔
میں بھول گئی تھی کہ وہ کس کی بیٹیاں تھیں جن کے بارے میں، میں ایسی مثبت اور فکر مندی والی سوچ رکھتی تھی، ان سے دوستی کی تھی تا کہ وہ خود کو تنہا محسوس نہ کریں۔ انہیں چھوٹے چھوٹے مسیج میں اور تمنا بتاتی رہتی تھیں تا کہ وہ اپنے اندر بہتری لا سکیں۔ ہم ان کا ہر طرح خیال رکھتی تھیں، انہیں تحفے تحائف دیتیں..... کس لیے؟ تا کہ وہ اس خاندان کی طرف سے رد کیے جانے اور ٹھکرائے جانے کا دکھ بھول جائیں۔ جب تک یہ تھا کہ ''ہاجرہ پھپھو'' کی طلاق کی وجہ سے خاندان نے ان سے قطع تعلق کیا تھا تب تک ہم انہیں مظلوم اور بے قصور سمجھتے تھے، واقعی ان بچیوں کا قصور تھا بھی کیا؟
اب ایک لمحے کے ہزارویں حصے میں مجھے خیال آیا کہ عباس چاچو نے ہاجرہ پھپھو کو نہیں، میری ماں ہاجرہ کو طلاق دی تھی۔ میں اور تمنا اپنی سادگی اور بے وقوفی میں اسی عورت کی بیٹیوں کو دوست بنا بیٹھی تھیں جس کی وجہ سے میری ماں کو طلاق ہوئی تھی۔ ساری عمر مجھے علم نہ ہوتا کہ ہاجرہ میری ماں تھیں تو میں یونہی اپنا پیار ان پر لٹاتی رہتی۔ اس کے ساتھ آنے والا اگلا خیال اس سے بھی بھیانک تھا۔ تمنا کو تو ماضی کی اس کہانی کا علم ہی نہ تھا اس لیے وہ اطمینان کر سکون سے زندگی گزار رہی تھی کہ اس کی ماں اس کی ولادت کے دوران مر گئی اور اسے اس کے تایا تائی نے لے لیا تھا اور یہ کہ ہم دونوں نے ایک ہی ماں کا دودھ پیا ہے اس لیے ہم رضاعی بہنیں بھی ہیں۔
کہانی اصل میں بھی یہی ہوتی تو کیا اچھا ہوتا..... میں تو ماضی کی اس کہانی کی امین تھی جس کے مطابق عباس نے ہاجرہ کو طلاق دی تھی۔ اگر میں عمر کے کئی برسوں سے اب تک یہی سمجھتی آئی تھی کہ ہاجرہ پھپھو، تمنا کی اصل ماں تھیں تو تب بھی میں نے یہ جانتے ہوئے کیوں نہیں سوچا کہ عباس کی بیٹیوں سے تعلق رکھنا ٹھیک نہیں..... اپنی ماں کے لیے سوچا تو میں نے فوراً ان سے اور ان کے باپ سے نفرت محسوس کی تھی لیکن تمنا کے لیے میں نے اس انداز سے نہیں سوچا۔ تو کیا میری تمنا سے محبت میں کوئی کھوٹ تھا؟ لیکن یہ بھی تو ہے کہ اموجان اور خاندان کے دوسرے بزرگ جو کہ اس کہانی کو جانتے تھے وہ بھی ہاجرہ کے ساتھ ہونے والے ظلم کو بھول چکے تھے اور عباس چاچو اور ان کی بیٹیوں سے نارمل تعلقات قائم ہو چکے تھے۔ ان کی ماں کی موت نے اس کہانی میں وہ موڑ پیدا کیا تھا کہ یہ سب لوگ ہاجرہ پر ہونے والے ظلم کو بھول کر قدرت کی طرف سے ان بچیوں کو ملنے والی محرومی کے وقت میں ان کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ میں ہولے، ہولے سسکیاں لینے لگی۔
''شامیر..... آپ عباس چاچو کی بیٹیوں کی شادی کے لیے جانا چاہو تو چلے جانا، میں نہیں جا سکوں گی۔'' میں نے شامیر کو پیغام بھیجا، جواب میں اس کا پیغام آیا کہ وہ مجھے تھوڑی دیر تک کال کرے گا۔

☆☆☆

''کیا ہو گیا ہے گڑیا؟'' شامیر کی آواز زیادہ صاف نہ تھی۔
''بس کچھ طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے اور پھر آپ کو چاچو کے ہاں کی پریشانیوں کا علم تو ہے.....'' میں نے بہانہ گھڑا۔
''ابھی شادی میں چند دن ہیں اور طبیعت خراب ہے تو دوا لو تا کہ ٹھیک ہو جاؤ..... رہی بات چاچو کے گھر کے مسائل کی تو ہم بھی ان کے ساتھ پریشان ہیں۔ اگر ان کے ہاں سے کوئی نہیں جائے گا، شادی تو تب بھی ہو جائے گی اور پھر ان کی فیملی کا گاؤں کی فیملی کے ساتھ وہ تعلق اور ربط نہیں ہے جو ہمارا ہے.....''
''وہ تو ٹھیک ہے مگر.....'' مجھے کوئی اور جواز نہ سوجھا تھا۔ پنکی کی سوچ آئی تھی مگر وہ بہانہ میں کسی کے سامنے پیش نہیں کر سکتی تھی۔ ارسل بھائی کے ساتھ طے ہوا تھا کہ جب مجھے کہیں جانا ہو گا تو (جب تک میرے بابا والوں کو پنکی کی بابت علم نہیں اور زیبا چچی سے چھپانا مقصود ہے) تب تک وہ میرے کہیں جانے کی صورت میں چند دنوں میں پنکی کو اپنے ہاں لے جایا کریں گے جہاں ان کا اپنا بندوبست ہو گا۔

''امرت وہ لوگ یہ سوچیں گے کہ وہ غریب ہیں اس لیے تم شادی میں نہیں آئیں..... اور پھر یہ بھی تو دیکھو کہ دونوں طرف سے رشتے داری ہے اور دو، دو شادیاں ہیں۔ تمنا اپنی حالت کے باوجود اس لیے آ رہی ہے کہ بہت عرصے کے بعد ہم سب بہن بھائی گاؤں میں اکٹھے ہوں گے۔'' شامیر کے لہجے میں منت تھی۔
''اچھا میں دیکھتی ہوں.....'' میرے پاس اس بے مقصد بحث کو جاری رکھنے کا کوئی جواز نہ تھا۔
''دیکھنا و یکھنا کچھ نہیں..... اگر تم نہیں جاؤ گی تو میں بھی نہیں جاؤں گا۔ یہاں سے اسلام آباد تمہارے پاس آؤں گا اور اگر تم نہ گئیں تو میں وہیں سے واپس لوٹ آؤں گا۔''
''نہیں ایسے تو مت کہو شامیر.....'' میں پریشان ہو گئی۔
''اول تو میں کچھ کہتا ہی نہیں..... اور اگر کہہ دیتا ہوں تو پھر اس پر عمل کر کے دکھاتا ہوں امرت، تم جانتی ہو میری اس عادت کو۔''
''شامیر پلیز۔''
''کہیں تم اس وجہ سے تو نہیں ٹال رہیں کہ لوگ کیا کہیں گے، لوگ کیا پوچھیں گے اور آپ کیا جواز دو گی؟'' اس نے سوال کیا۔
''میں ان باتوں کی پروا سے بہت بے نیاز ہو چکی ہوں میرے بھائی۔'' میں نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کیا۔ اسے تو کہہ دیا تھا مگر جانتی تھی کہ لوگوں کی باتوں سے بے نیاز ہو جانا، بے پروائی کا مظاہرہ کرنا اتنا آسان بھی نہیں۔ ''پتا نہیں کب تک میں پنکی کے راز کو راز رکھ پاؤں گی۔ کہیں جو کوئی اموجان کے گھر سے بغیر اطلاع کے یہاں اچانک آ گیا تو؟'' میں نے سوچا۔

☆☆☆

''میں تم سے ملنا چاہتا ہوں..... بات کرنا چاہتا ہوں۔'' میرے فون پر رات کہیں دیر سے زین نے پیغام بھیجا تھا۔ میں نے صبح جاگنے کے بعد فون اٹھا کر وقت دیکھنا چاہا تو یہ پیغام نظر آیا۔ مُندی آنکھوں سے اس پیغام کو پڑھا، وقت دیکھا اور فون رکھ کر پھر کروٹ بدل کر لیٹ گئی۔ نیند تو اڑ چکی تھی، دونوں بچے سو رہے تھے سو اسی کو غنیمت جانا کہ لیٹی رہوں، سستی اور کسلمندی ہو رہی تھی۔ جانے کب دوبارہ آنکھ لگ گئی اور پھر پنکی اور بچوں کی آوازوں سے کھلی۔ ان دونوں کے جسموں میں جانے کیسا الارم فٹ تھا، پورے آٹھ بجے وہ پٹ سے جاگ جاتے اور آوازیں نکالنا شروع کر دیتے تھے۔ رات کو بھی ایک آدھ دفعہ ہی جگاتے تھے۔ مجھے یوں ہی محسوس ہوتا تھا کہ میں جڑواں بچوں کی ماں ہوں۔
''آ گئیں مما.....'' ان کی مم مم کی آوازوں کے جواب میں، میں نے لیمپ جلا کر بال سمیٹتے ہوئے کہا۔ پیار بھری نظر دونوں پر ڈالی۔ کمرے کی بتی جلائی اور لیمپ بند کیا۔ ''دو منٹ دے دیں، ہاتھ منہ دھو لوں۔'' ان سے بات کرتی ہوئی میں غسل خانے کی طرف بڑھی..... وہ ابھی تک غوں غاں کی آوازیں نکال رہے تھے۔ میں نے ہاتھ منہ دھو کر کمرے کا دروازہ کھول دیا، کچن کی طرف سے اشتہا انگیز خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں۔ ''ساجدہ۔'' میں نے اسے آواز دی اور دونوں بچوں کے تولیے لے کر غسل خانے میں رکھے، پانی کھولا اور انہیں چمکارنے لگی، انہیں تھوڑا تھوڑا پانی پلایا۔
ساجدہ نے آ کر دونوں بچوں کو باری، باری اٹھایا اور غسل خانے میں پہنچایا۔ میں نے ان کے ڈائپر کھولے اور انہیں ان کے اپنے اپنے ٹب میں لٹا دیا، پانی دیکھتے ہی دونوں بہت خوش ہوتے تھے اور بہتے ہوئے پانی کی دھار سے کھیلنا ان کا پسندیدہ کھیل تھا۔ میں یونہی انہیں جڑواں نہیں سمجھتی تھی بلکہ ان کی بہت سی عادتیں ملتی تھیں..... حقیقت میں تو وہ ماموں زاد اور پھوپی زاد بھی تھے۔ ''چلو ساجدہ لاؤ ان کو کمرے میں۔'' انہیں نہلا کر میں نے ساجدہ سے کہا۔ کمرے میں آ کر پنکھا بند کیا تا کہ انہیں ٹھنڈ نہ لگے۔ ان کے کپڑے بیڈ پر رکھے اور ساجدہ انہیں لے کر آئی تو

میں نے انہیں لوشن لگا کر کپڑے پہنائے۔ ساجدہ نے اتنی دیر میں دونوں کے فیڈر تیار کر دیے تھے اور میری چائے کے ساتھ ٹوسٹ اور انڈا بھی۔

اس کے بعد وہ میرے کمرے کی صفائی کرنے لگی۔ میں نے لاؤنج میں رکھی ہوئی ان کی جھولا نما کرسیوں پر انہیں بٹھایا اور فون چیک کرنے لگی۔

''تم نے میرے پیغام کا جواب نہیں دیا؟''

''کیوں ملنا ہے اور کس رشتے سے؟'' میں نے غصے سے جواب لکھا۔ پہلے تو سوچا کہ نظر انداز کروں مگر جانتی تھی کہ ایک نہ ایک دن اسے ایسا جواب تو دینا ہے کہ اس کے بعد وہ کسی قسم کا رابطہ نہ رکھے۔

''تمہارے کہہ دینے سے رشتے ختم نہیں ہو جاتے امرت۔''

''کچھ رشتوں کو ختم کرنے میں مردوں کا کہا بہت اہم ہوتا ہے......''

''میں نے ایسا کچھ نہیں کیا، میں اس بات کا دعویٰ کرتا ہوں...... مجھے ایک بار اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع تو دو۔''

''ان سب چیزوں کا وقت گزر چکا ہے......''

''میں بہت پریشان اور بے سکون ہوں امرت۔''

''میں نے اب جانا ہے کہ سکون نام کس چیز کا ہے۔ میں بہت سکون میں ہوں اور اپنی زندگی کو اپنے ڈھب سے گزارتے ہوئے خوش بھی ہوں۔'' میں نے پیغام بھیج کر اس کے بعد فون بند کر دیا۔ ٹائپ کر، کر کے میری انگلیاں بھی تھک گئی تھیں اور مجھے اس کو صفائیاں دینے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔

☆☆☆

''میں پرسوں دوپہر کو ارسل کے ساتھ آؤں گا بیٹا۔'' چاچو کی کال تھی۔

''جی ٹھیک ہے چاچو، کھانا کھائیں گے؟''

''میں تو کھاؤں گا البتہ ارسل جلدی چلا جائے گا۔ تم نے بتایا تھا ناں اس دن کہ تمہیں گاؤں جانا ہے۔''

''وہ ہاں...... مگر میں شاید نہ جاؤں چاچو۔'' میں نے ہولے سے کہا۔

''کیوں بیٹا؟''

''بس چاچو، یوسف کی طرف سے پریشانی ہے اور پھر۔'' میں کچھ کہتے، کہتے رک گئی۔

''کیا تمہیں لگتا ہے کہ لوگوں کی باتوں کو فیس نہیں کر سکو گی تم؟''

''نہیں چاچو، ایسا نہیں ہے، آج، کل یا پرسوں، جب بھی گاؤں جاؤں گی ایک بار تو فیس کرنا ہی ہوگا ان باتوں کو، اس لیے مجھے اس کا اتنا خوف نہیں رہا۔''

''تو پھر کیا وجہ ہے؟''

''چاچو...... عباس چاچو نے میری ماں کو طلاق دی تھی ناں تو......'' میں رکی۔ ''آپ تو جانتے ہیں کہ ہاجرہ میری اصل ماں تھیں۔''

''اوہ...... ہوں۔'' چاچو نے ہولے سے کہا۔ ''لیکن اس بات کو تو بہت کم لوگ جانتے ہیں اور اس مقام پر لوگوں کا نہ جاننا ہی بہتر ہے بیٹا، رہی بات یوسف کی طرف سے پریشانی کی تو وہ اپنی جگہ...... میں بھی شادی پر بارات والے دن آؤں گا، خاندان کی بیٹیاں ہیں ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر انہیں رخصت کرنا تو ہماری روایت ہے......''

''تو پھر میں آپ کے ساتھ چلی جاتی ہوں، ایک دن کے لیے۔''

''نہیں، تم جاؤ اپنے پروگرام کے مطابق۔''

''مگر چاچو......''

''اس بارے میں بالکل مت سوچا کرو، سارا قصور عباس کا نہیں ہے۔ اس کی ماں نے اسے اس حد تک مجبور کیا کہ اس نے ہاجرہ سے شادی کی، نبھا نہ سکا تو اسے چھوڑ دیا۔ ایک لحاظ سے تمہارے حق میں اچھا ہی ہوا بیٹا، بھائی صاحب نے ہاجرہ سے شادی کی اور ہاجرہ نے ایک سال خوشی کا گزار لیا اور تمہیں جنم دے کر چل بسیں، جو تم عباس کی بیٹی ہوتیں تو اسی طرح ہوتیں جس طرح اس کی بیٹیاں ہیں......'' انہوں نے مجھے مثبت سوچ کی راہ سجھائی۔

''مگر میں تو ابو جان کی بیٹی ہوں، انہی کے ہاں پیدا ہونا لکھا تھا۔'' میں کہتے ہوئے ان کی یاد کے ساتھ اپنی آنکھوں میں امڈنے والے آنسو نہ روک سکی۔ یہ بھی خیال آیا کہ اگر چاچو اپنے ماں باپ کی مان کر میری ماں سے شادی کر لیتے تو میں ان کی بیٹی ہوتی؟ نہیں، اولاد تو باپ کے نصیب سے ہوتی ہے، میں نے بہرحال ابو جان کی بیٹی ہی ہونا تھا۔ 'کاش جمال چاچو ہاجرہ سے شادی کر لیتے!' دل میں خیال آیا، شاید ان کی زندگی میں اتنے دکھ نہ ہوتے۔

''عباس نے اپنی ماں کی نافرمانیوں کی بڑی کڑی سزا پالی ہے بیٹا، اب اسے معاف کر دو۔'' چاچو نے کہا۔

''اسے پہلے ہی عمر بھر بددعاؤں کا سامنا رہا ہے، سارے خاندان سے کٹ کر بھی رہا ہے۔''

''جی چاچو۔''

''بس تم اپنا وہی پلان رکھو......'' انہوں نے حتمی انداز میں کہہ کر فون بند کر دیا۔ اتنا بڑا دل اور حوصلہ......! بڑا مشکل کام ہے چاچو۔

☆☆☆

ارسل بھائی، پنکی کو لے کر نکل گئے تھے۔ میں نے اس کا تین چار دن کا سامان دیا تھا۔ وہ جاتے ہوئے میرا شکریہ ادا کرتے ہوئے تھک نہ رہے تھے۔ ساجدہ کھانا بنانے میں مصروف تھی۔ چاچو نے کریلے گوشت کی فرمائش کی تھی۔ وہ نہ صرف میرے لیے پھل فروٹ لائے تھے بلکہ ساجدہ کے لیے علیحدہ سے سب کچھ تھا، وہ بہت شکر گزار اور خوش ہوئی۔

''تھوڑی سی لسی بھی بنا لینا بیٹا۔'' ساجدہ جب روٹیوں کا پوچھنے کے لیے آئی تو چاچو نے فرمائش کی۔

''یوسف کیسا ہے چاچو، اس سے کوئی فون وغیرہ پر رابطہ ہوتا ہے؟'' میں نے سوال کیا۔ ''اگر اس کے پاس کوئی فون ہے تو مجھے بھی نمبر دیں، میں اس سے بات کروں گی۔''

''نہیں بیٹا، ان کے پاس فون نہیں ہیں، اپنی باری پر جیل کے فون سے جب وہ کال کرے گا تو میں اس سے کہوں گا کہ تمہیں بھی کال کر لے۔''

''ٹھیک ہے!''

''گاؤں جانے کے لیے گاڑی اور ڈرائیور بھجوا دوں گا بیٹا کل۔''

''نہیں چاچو، میں شامیر کے ساتھ جاؤں گی، وہ رات کو دیر سے پہنچے گا اور کل جب وہ جاگے گا تو ہم نکل جائیں گے۔''

''یہ تو بہت اچھی بات ہے...... ویسے فوجی جوان جب گھر چھٹی آ کر سوتے ہیں تو اگلے دن کی ہی خبر لاتے ہیں۔''

''چلیں جس وقت بھی جاگے گا تو ہم نکل جائیں گے، مہندی تو بہرحال پرسوں ہے...... آپ پرسوں آ جائیں گے چاچو؟''

''نہیں بیٹا میں بارات والے دن ہی آؤں گا اور اسی دن شام کو لوٹ آؤں گا۔'' کھانا کھا کر چاچو نے سبز چائے کی فرمائش کی۔ ''گاؤں میں حبیب کا خاص خیال رکھنا بیٹا، پہلی بار جا رہا ہے ناں، خاص طور پر مکھی مچھر کا۔''

’’امرت، زین ملنا چاہ رہا تھا تم سے۔ اس نے زیبا کے ذریعے مجھے کہلایا ہے کہ میں تمہیں قائل کروں کہ ایک بار اس سے مل لو۔‘‘

’’چاچو اس کے اور میرے بیچ اب کوئی ایسا رشتہ نہیں ہے جس کی بنا پر میں اس سے ملوں۔‘‘ میں نے نرمی سے کہا۔ دل میں غصے کے ابال اٹھ رہے تھے مگر میں اپنے غصے کا اظہار ان کے سامنے کیوں کرتی۔

’’حبیب کا باپ تو ہے ناں وہ بیٹا...... اس حوالے کو تم جھٹلا نہیں سکتیں، نہ ہی ایسا ہے کہ وہ کسی بنا پر حبیب کو لے نہیں سکتا۔ کوئی قانونی فیصلہ ہوا ہے نہ ہی تمہیں تنہا بچے کا وارث قرار دیا گیا ہے۔‘‘ میں چاچو کا منہ دیکھ رہی تھی۔

’’تو کیا مجھے بچے کی مکمل کسٹڈی کے لیے قانونی جنگ لڑنا ہوگی چاچو؟‘‘

’’نہیں امرت...... میں نے ایسا کچھ نہیں کہا ہے، صرف ایک ممکنہ خطرے سے آگاہ کر رہا ہوں تمہیں۔ میں زین کے دماغ اور اس میں جنم لینے والی منفی سوچوں کے نقصانات سے تمہیں اور حبیب کو بچانا چاہتا ہوں......‘‘

’’مم...... میں کس طرح ان سب سے بچ سکتی ہوں چاچو، اگر وہ کوئی اوچھا ہتھکنڈا استعمال کرنا چاہے گا تو میں خود کو کس طرح بچا پاؤں گی؟‘‘ میری آنکھیں لبریز ہوگئیں۔

’’تم خود کو کبھی تنہا مت سمجھنا بیٹا۔‘‘ چاچو نے اٹھتے ہوئے حبیب کو گود میں لے کر پیار کیا۔ اسے میرے حوالے کر کے ایک بھاری لفافہ میری طرف بڑھایا۔ ’’یہ رکھو بیٹا اپنے اخراجات کے لیے اور شادی پر گاؤں جا رہی ہو تو سو طرح کے اخراجات ہوں گے۔‘‘

’’میرے پاس پیسے ہیں چاچو اور کپڑے تو میرے پاس بے انتہا ہیں۔‘‘

’’چلو رکھ لو، پیسے پاس ہوں تو کام آ ہی جاتے ہیں۔‘‘

’’آپ شادی پر اکیلے آئیں گے؟‘‘

’’میں اب ہر وقت اکیلا ہی ہوتا ہوں بیٹا، اکیلا ہی رہ گیا ہوں زندگی کے ہر محاذ پر، اپنی سانسیں گن گن پوری کر رہا ہوں۔‘‘ انہوں نے ملول لہجے میں کہا اور میرا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا۔

☆☆☆

چاچو نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ شامیر رات کو بارہ بجے کے بعد پہنچا تھا اور ہم دونوں بیٹھ کر باتیں کرتے رہے۔ میں نے بارہا اسے کہا کہ وہ سو جائے مگر وہ مصر تھا کہ بیٹھ کر گپ شپ لگائی جائے، ڈیڑھ بجے سونے کا نتیجہ سامنے تھا۔ مجھے تو حبیب کے الارم نے آٹھ بجے جگا دیا تھا مگر شامیر کو کون جگاتا۔ رات کو ہی ہنس ہنس کر بتا رہا تھا کہ اس کی نیند اچھی ہے کہ اگر وہ ’’دل سے‘‘ سویا ہوا ہو تو گولیوں کی آواز سے بھی نہیں جاگتا...... کوئی گولہ وغیرہ چلے تو وہ جاگتا ہے۔ مجھے تو اس تصور سے ہی جھرجھری آ گئی کہ گولیاں چل رہی ہوں اور بندہ جاگ بھی سکے بغیر خوف کے، کجا یہ کہ سونا۔

میری تیاری مکمل تھی۔ شامیر نے ابھی جاگ کر گاڑی لے کر جانا تھا، پٹرول ڈلوانا تھا اور اس کا آئل وغیرہ چیک کروانا تھا۔ کئی بار ساجدہ مجھ سے ناشتے کا پوچھ چکی تھی مگر لگ رہا تھا کہ شامیر دوپہر کے کھانے کے بھی بعد اٹھے گا۔ میں نے اپنا ناشتا اپنے وقت پر کر لیا۔ حبیب کو نہلاتے اور کپڑے پہناتے ہوئے مجھے پنکی کی یاد بھی آئی، جانے کیسی ہوگی؟ سوچا کہ کال کر کے اس کے بارے میں پوچھوں مگر یہ سوچ کر رک گئی کہ میری یہ کال ان ان گنت کالوں کا نکتہ آغاز ثابت نہ ہو جو اس کے بعد کئی بہانوں سے ارسل بھائی کرتے۔ میں کال کرتی تو ان کی حوصلہ افزائی ہوتی۔ میں نے اپنی سوچ میں آنے والے ارادے کو بھی ترک کر دیا۔

’’ساجدہ فریج میں اگر کوئی اکا دکا سالن رکھا ہے تو نکال لو، کوارٹر میں لے جاؤ، تم اور بچے استعمال کر لینا۔‘‘

’’رہنے دیں، آپ واپس آئیں گی تو استعمال ہو جائیں گے......‘‘

’’میں کتنا کھا سکوں گی ساجدہ...... کہا ناں کہ لے جاؤ، میں آؤں گی تو اور سالن بن جائیں گے۔‘‘

’’جی اچھا...... شکریہ۔‘‘ اس نے مسکرا کر شکریہ ادا کیا۔ ’’آپ کے بھائی بہت اسمارٹ ہیں باجی، اللہ نظرِ بد سے بچائے، وردی میں تو اور بھی پیارے لگتے ہیں۔‘‘

’’بہت شکریہ، تمہاری تعریف کا بھی اور دعا کا۔‘‘

’’وہ جی حسنہ باجی کا تو بہت دل آ گیا تھا ان پر......‘‘ اس کے الفاظ نے میرے حواس گنگ کر دیے۔

’’ساجدہ۔‘‘ میرے لہجے میں سرزنش تھی۔

’’وہ جی ویسے ہی یاد آ گیا تھا...... انہوں نے جی خود بتایا تھا مجھے اور یہ بھی کہا تھا کہ میں کہیں سے کسی سے کوئی ایسا تعویذ لا کر دوں کہ وہ گھول کر انہیں پلائیں تو وہ ان کے علاوہ کسی اور کے بارے میں سوچیں بھی نہیں۔‘‘

’’کیا؟‘‘ اب میری حیرت دیدنی تھی۔

’’میں نے ان سے کہا کہ میں کسی ایسی ہستی کو نہیں جانتی نہ ہی کبھی تعویذ گنڈے کروائے ہیں تو کہنے لگیں کہ میں جھوٹ کہہ رہی تھی اور یہ کہ میرے طبقے کی تمام عورتیں اسی طرح اپنے شوہروں کو قابو کرتی ہیں۔‘‘

’’تمہارے طبقے کی......‘‘ میں نے منہ ہی منہ میں بڑبڑا کر کہا۔ ’’اور شامیر اس کا شوہر کب سے ہوگیا؟‘‘

’’جی کیا کہا آپ نے؟‘‘ اسے سمجھ نہ آئی تھی۔

’’کچھ نہیں...... میں سوچ رہی تھی کہ شامیر کو جگا لوں اب، ورنہ یہاں سے روانگی میں ہی اتنی دیر ہو جائے گی۔‘‘

’’جی آپ جگائیں انہیں، میں میز پر ناشتا لگاتی ہوں۔‘‘

’’اس کے نہانے کا انتظار کرنا۔‘‘

''نہا چکا میں میری بہنا...... میں کوئی تمہاری طرح سست تھوڑا ہی ہوں۔'' میری بات پر پیچھے سے اس کی آواز آئی۔
''جی، درست کہا۔'' میں نے ہنس کر کہا، میری نظر ہی اس کے چہرے پر نہ ٹھہر رہی تھی۔
''کہاں ہیں کپتان حبیب اللہ صاحب؟''
''سو رہا ہے......'' میں نے کہا۔
''اس کمرے میں؟'' کہتے ہوئے شامیر میرے کمرے میں داخل ہوا تو مجھے احساس ہوا کہ کوئی غلطی ہو گئی ہے۔ میں نے فوراً کوئی بہانہ سوچنا شروع کر دیا۔
''صاحب بہادر تو بہت گہری نیند سو رہے ہیں، ماشاءاللہ۔'' چند لمحوں میں باہر آ کر اس نے کہا۔
''چلو آؤ ناشتا کریں......'' میں اٹھ کھڑی ہوئی۔
''چلیں جی، کتنے عرصے کے بعد گھر کا مزیدار ناشتا ل رہا ہے...... کوئی لسی وسی ملے گی؟'' میز کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے پوچھا۔ ''یا شہروں میں انگریزی ناشتے ہی چلتے ہیں؟''
''سب کچھ مل جائے گا، فکر کی بات نہیں، شہر میں بھی گاؤں جیسا ناشتا مل سکتا ہے۔'' میں نے ہنس کر پراٹھا اور آملیٹ اس کی پلیٹ میں رکھا...... ''اچار لو گے شامیر؟'' اچار کی کٹوری میں نے اسے پکڑائی، پراٹھا اور اچار میرا پسندیدہ ناشتا ہوا کرتا تھا گاؤں میں۔ اب تو عرصہ ہوا کہ وزن بڑھ جانے کے خوف سے ہلکا پھلکا ناشتا کرتی تھی، دن میں بھی سلاد یا کوئی پھل لے لیتی...... ''ساجدہ جلدی سے ایک جگ لسی کا بنا لو۔'' میں نے آواز دے کر ساجدہ سے کہا۔
''شامیر صاحب چائے یا کافی نہیں لیں گے؟'' اس نے باہر نکل کر پوچھا۔
''نہیں...... صرف لسی بنا دیں آپ۔'' شامیر نے فوراً کہا۔
''یہ تمہارے کمرے میں دو، دو بے بی کاٹ کیوں ہیں؟'' اس نے عام سے لہجے میں پوچھا۔
''وہ اتفاق سے دو ہو گئیں...... ایک میں نے لے لی تھی اور ایک کہیں سے گفٹ میں مل گئی۔''
''ہوں......'' شاید اس کی تسلی ہو گئی تھی۔ ''پراٹھے بہت مزے کے ہیں۔''
''شکریہ......'' میں نے کہا۔ ''اب ذرا جلدی سے آپ ناشتا ختم کریں تاکہ میری گاڑی کو بھی چیک کروا کے لا سکیں۔''
''ہاں میں تیار ہوتا ہوں نکلنے کے لیے......'' لسی کے جگ کو آخر تک ختم کرتے ہوئے اس نے کہا۔
کمرے میں سے حبیب کے رونے کی آواز آئی۔ میں نے ہاتھ صاف کیے اور اپنے بیگ سے جلدی سے رقم نکال کر شامیر کی طرف بڑھائی، اس نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ ''پٹرول کی ٹنکی پوری بھروا لینا آئل اور بریک وغیرہ بھی چیک کروا لینا۔''
''اور اس کے پیسے تم دو گی امرت؟'' اس نے رقم مجھے واپس کی۔ ''اتنا بھی غریب نہیں ہوں میں۔''
''حبیب جاگ گیا ہے...... میں اسے سنبھالتی ہوں، تب تک تم یہ کام کر لو۔''
''جا رہا ہوں، تیاری رکھنا، میں جونہی آتا ہوں، نکل چلیں گے۔''
''ٹھیک ہے......'' اس کے نکلتے ہی میں نے جلدی سے حبیب کا ڈائپر تبدیل کیا، اسے فیڈ کروایا اور راستے کے لیے اس کے دو فیڈر بھی تیار کر لیے۔ ساجدہ نے اسی اثنا میں کچن سمیٹ لیا تھا۔ باقی صفائی وغیرہ بھی کر رہی تھی، اسے معلوم تھا کہ بچی کے معاملے کو چاچو کے علاوہ سب سے خفیہ رکھنا تھا ایک خاص وقت تک۔ ''ساجدہ...... آج بچت ہو گئی۔'' میں نے اسے بتایا کہ کس طرح شامیر کو دو بے بی کاٹ دیکھ کر حیرت ہوئی تھی۔ بچی کا باقی سامان الماریوں میں تھا مگر اس کی کاٹ اتنا بڑا آئٹم تھا کہ اسے الماری میں نہیں رکھا جا سکتا تھا۔

ے ہیں آپ کے جواب سے بہل گئے ہیں مگر ان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو مشکل ہو جاتی۔''
''کوئی اور کون؟'' میرے منہ سے سوال پھسل گیا، جواب میں جانتی تھی۔ وہ جواب میں خاموش رہی۔ اسے معلوم تھا کہ بعض ادھوری باتیں ہی پوری ہوتی ہیں۔

☆☆☆

''تم اس گھر میں اکیلی ہی رہتی ہو ناں امرت؟'' راستے میں ایک کولڈ اسپاٹ پر رک کر شامیر اپنے اور میرے لیے جوس لایا تھا۔ جوس پیتے ہوئے اس نے سوال کیا۔
''ہاں...... ہاں، مگر کیوں؟'' میں ہکلا گئی۔
''یونہی، مجھے لگا کہ شاید تم اپنا اپارٹمنٹ کسی کے ساتھ شیئر کرتی ہو۔''
''کیوں؟ کیوں لگا ایسا؟''
''وہ تمہارے کمرے میں بے بی کاٹ...... اور پھر مہمان خانے کے ساتھ والے کمرے میں کچھ ایسے کپڑے جو نہ تو تمہارے ہو سکتے ہیں نہ ہی حبیب کے...... نہ ہی تمہاری ملازمہ کی کوئی اتنی چھوٹی بیٹی ہے۔ میں نے تمہاری ملازمہ سے پوچھا تھا اس نے بتایا کہ اس کی بیٹی پانچویں کلاس میں پڑھتی ہے......''
''وہ...... وہ میں......''
''کیا بات ہے امرت، کچھ ایسا ہے جو تم مجھے نہیں بتانا چاہتی تو میں اصرار نہیں کروں گا۔''
''نہیں، ایسا تو کچھ نہیں ہے۔'' میں نے تھوک نگل کر کہا۔ ''اصل میں، چند دنوں کے لیے میری ایک دوست آئی تھی۔ وہ یہیں رکی تھی میرے پاس...... اس کی بیٹی کے کپڑے رہ گئے ہوں گے شاید۔'' میں اس سے پوچھنا چاہ رہی تھی کہ وہ اس کمرے میں گیا کس لیے تھا بھلا۔ خیال ہی نہ آیا تھا کہ اس کمرے کو لاک کر دیتی۔
''اچھی سہیلی تھی تمہاری، پوری الماری بھر کر اپنی بیٹی کے کپڑے ساتھ لائی تھی، اور پھر سارے چھوڑ بھی گئی۔ الماری میں اوپر سے نیچے تک تہ کیے ہوئے، کھلونے بھی، لڑکیوں کو لپیٹنے کے لئے کمبل بھی...... وہ کتنا کچھ لائی تھی ساتھ جس میں سے وہ تیس پینتیس جوڑے اپنی بیٹی کے چھوڑ بھی گئی؟'' اس نے ابرو اچکا کر میری طرف دیکھا۔ صاف لگ رہا تھا کہ اسے میری دماغی حالت پر شک ہو رہا ہے۔
''شامیر...... چلیں؟'' جوس کا پیکٹ میں نے لفافے میں ڈال کر اسے پکڑایا، اس نے غائب دماغی سے میرے ہاتھ سے لفافہ پکڑا اور اسے دکان کے باہر پڑے کوڑے دان میں پھینک دیا۔
''تم نہیں بتانا چاہتی تو میں اصرار نہیں کروں گا۔'' اگنیشن میں چابی گھماتے ہوئے اس نے کہا۔ میرے پاس اس وقت خاموشی سے بہتر کوئی جواب نہ تھا۔

☆☆☆

''پہنچ گئے تھے وقت پر تم لوگ بیٹا؟'' چاچو کی کال تھی۔
''جی چاچو......''
''سب ٹھیک ہے ناں، حبیب بھی؟''
''سب ٹھیک ہیں چاچو، آپ کو بہت مس کیا۔''
''ہوں، میں نے بھی بہت مس کیا بیٹا اور......''
''کس وقت نکلیں گے آپ گھر سے صبح؟ چاچو نے کچھ اور بھی کہا جو کہ مجھے سمجھ میں نہیں آیا۔'' آواز صاف نہیں

کہ وہ حبیب کا دھیان رکھیں، انہوں نے شامیر کو حبیب کے پاس بھیجا، میں سیڑھیاں چڑھ کر چھت پر چلی گئی۔ ''جی چاچو، اب بولیں، نیچے آواز نہیں آرہی تھی۔''

''بیٹا...... تمہارے پاس رقم کافی ہے ناں؟''

''جی چاچو، آپ فکر نہ کریں۔''

''نہیں بیٹا...... میں کہنا چاہتا ہوں کہ میری طرف سے عباس کو اور موسیٰ کو سلامیاں دے دینا۔''

''کیوں چاچو، آپ نہیں آرہے؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''نہیں بیٹا......'' ان کی آواز میں جانے کیا تھا کہ میرا دل لرزنے لگا۔

''کیا بات ہے چاچو، آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟''

''ہاں بیٹا، تم فکر نہ کرو...... بس وہ یوسف سے بات نہیں ہو رہی تھی تو پریشان ہو گیا تھا۔''

''اچھا...... اب ہو گئی بات چاچو؟''

''نہیں بیٹا۔'' وہ بولے۔ ''میں نے کال کی تھی کہ ہفتہ بھر سے......''

''امرت...... گل۔'' نیچے سے آواز آئی، ساتھ ہی حبیب کے چلا، چلا کر رونے کی۔

''آرہی ہوں اموجان۔'' میں نے جنگلے کے قریب کھڑے ہو کر کہا۔ ''چاچو، یوسف خیریت سے تو ہے ناں؟''

''اللہ کے فضل سے ٹھیک ہی ہو گا...... بس تم واپس آؤ تو بات ہو گی۔'' انہوں نے گول مول سا جواب دیا۔

''اپنا خیال رکھنا بیٹا اور سب کو میری طرف سے سلام اور مبارک باد دے دینا اور معذرت کر دینا کہ نہیں آسکا۔''

''جی چاچو میں کہہ دوں گی۔'' سلام کر کے فون بند کیا اور بھاگتی ہوئی نیچے کی طرف چلی۔ حبیب، اموجان کی گود میں تھا۔ اسے ان کے ہاتھ سے لے لیا۔

''سب خیر ہے ناں بیٹا اسلام آباد میں؟''

''جی اموجان...... چاچو نہیں آرہے شادی پر، معذرت کر رہے ہیں۔''

''اوہو...... اس عورت نے تو اسے اس خاندان سے بالکل ہی کاٹ کر رکھ دیا ہے۔''

''نہیں اموجان، وہ یوسف کی وجہ سے پریشان ہیں۔''

''یوسف کے ساتھ سب خیریت تو ہے ناں؟''

''جی اموجان......'' میں نے حبیب کو اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ ''میرا جانی۔''

میرے فون پر پیغام کی بیپ ہوئی تھی، چاچو کا پیغام تھا۔ میں نے حیرت سے چاچو کے نام کو دیکھا۔ ابھی تو بات ہوئی تھی، شاید یوسف سے بات ہو گئی ہو گی اور وہی بتانا چاہتے ہوں گے۔ میں نے پیغام کھولا...... ''بیٹا، میں تمہیں یوسف کے بارے میں کچھ بتانا چاہ رہا تھا مگر بول کر کہنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ تم جب فارغ ہو تو بتانا میں کال کروں گا دوبارہ، تم چھت پر جا کر میری کال سننا۔'' میں اس عجیب سے پیغام کے مندرجات کے بیچ کچھ ڈھونڈ رہی تھی۔

''السلام علیکم......'' ایک جانی پہچانی آواز۔

''وعلیکم السلام۔'' کئی آوازیں ایک ساتھ۔

''واؤ...... گریٹ یار۔'' شامیر کی پاٹ دار آواز۔

میں نے پلٹ کر دیکھا، شامیر کو اس کے ساتھ بھینچ کر گلے ملتے ہوئے دیکھ کر میں ساکت ہو گئی۔ ''کہا تھا کہ پلٹ کر نہ دیکھنا، ورنہ پتھر کے ہو جاؤ گے۔'' کوئی آواز میرے وجود کے اندر گونجنے لگی۔

عید سہانی

مہک فاطمہ

''ارے سنتے ہیں...... عید کی آمد، آمد ہے اور ہمارے گھر میں ابھی تک بکرے کی آمد نہیں ہوئی۔ خیر سے محلے کے سارے گھروں سے ممنانے کی آوازیں آرہی ہیں اور ادھر کسی کو کوئی فکر نہیں ...... ہمیں تو لگتا ہے اس دفعہ اپنے ارمانوں کی ہی قربانی دینی پڑے گی۔'' زبیدہ بیگم سنا تو انعام الحق کو رہی تھیں لیکن بیچ میں بول قاسم پڑا۔

''تو یہ کون سی نئی بات ہے، ارمانوں کی قربانی تو بقول آپ کے جب سے میں اس گھر میں آئی ہوں تب سے دے رہی ہوں۔'' زبیدہ بیگم کے پاس بیٹھے اُن کے نوجوان بیٹے نے بے تکان بولتی ماں کی بات کاٹی تھی۔ وہ کہہ کر مسکراتا بدستور موبائل کی طرف متوجہ رہا۔ سامنے چارپائی پر بیٹھی ماریہ بھی اسی مشغلے میں مشغول تھی، ہنسی روکنے کے باوجود بھی،



بھی کی آواز بکھری...... واش بیسن کے آئینے کے سامنے خضاب لگاتے انعام الحق کے چہرے پر بھی ہنسی دوڑ گئی لیکن بہت محتاط...... کیونکہ زور سے ہنسنا بیگم کے غصے کو جلال دینے اور دعوتِ عتاب کے مترادف تھا۔ پھر کم از کم اگلے دو گھنٹے تو ان کی بیگم کا خاموش ہونا ناممکن تھا۔ شادی کے دن سے لے کر اب تک ہونے والی ہر اصل و نام نہاد ناانصافی کو تین سے ضرب دے کر بیان کرتیں۔ لہٰذا انہوں نے دل میں بیٹے کی بات کو سراہتے ہوئے ہنسی ضبط کرنے پر ہی اکتفا کیا۔

''بڑی زبان چلتی ہے تمہاری۔'' وہ قاسم پر برسیں۔

''کیسے بے شرموں کی طرح ہنس رہے ہو تم دونوں......'' وہ حسبِ معمول غصے میں آچکی تھیں۔ ان کے سبزی کاٹتے ہاتھ وہیں رکے اور چھری سمیت ہاتھ نچا کر بولیں۔ ''اولاد تو ہوتی ہی باپ کی طرف دار ہے، اولاد کے لیے اتنی قربانیاں دیں میں نے۔'' انہوں نے ایک لمحے کو رک کر اپنی دی گئی قربانیاں یاد کرنے کی کوشش کی لیکن کوئی بھی قابلِ ذکر کارنامہ ذہن میں نہ آسکا سوائے ان چند عمومی باتوں کے...... ''تم دونوں کو اتنی مشکل سے پالا پوسا، تمہاری ذمے داریاں نبھاتی میں ڈھلتی عمر کی دہلیز پر آپہنچی ہوں اور اب تمہاری شادیوں کی فکر ادھ موا کیے دے رہی ہے اور تم......''

تخت پر ساتھ بیٹھے قاسم کی طرف بطورِ خاص متوجہ ہوئیں۔

''تمہارے کاروبار کی ترقی کے لیے تو دن رات دعائیں کر، کر کے میرا حلق خشک ہوگیا، مصلیٰ گھس گیا۔ یہ صلہ دے رہے ہو تم ماں کو۔'' ان کی آواز رندھ گئی تھی۔ قاسم اور ماریہ کے تو ہاتھ پیر پھول گئے۔

''امی میں نے تو ویسے ہی کہہ دیا مذاق میں، آپ نے تو بات کو کوئی اور ہی رخ دے ڈالا۔'' اس نے ماں کا بازو دونوں ہاتھوں سے تھام کر شرمندہ اور معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ ماریہ کی آنکھوں میں بھی شرمندگی اور خاموش دلاسا تھا۔

''ہٹو پرے سب جانتی ہوں میں۔'' زبیدہ نے بازو چھڑا کر اسے پرے دھکیلا۔

''اب ایسا بھی کچھ نہیں کہہ دیا بچے نے جو تم نے یہ ڈراما (رونا دھونا) شروع کردیا۔'' انعام الحق کو بچوں کی رنجیدگی دیکھ کر پریشانی ہوئی۔

''یہ سب تمہاری ہی دی ہوئی شہہ ہے۔'' اب زبیدہ کی توپوں کا رخ انعام صاحب کی طرف ہوا۔ غصے

میں وہ آپ کے بجائے تم کا صیغہ استعمال کرتی تھیں۔ ا…
سے پہلے بات دھواں دھار قسم کی لڑائی میں بدلتی قاسم …
بات بدل دی۔

''امی آپ بکرا لانے کے لیے کہہ رہی تھیں ناں …
اور ابو کل منڈی جا کے لے آتے ہیں۔'' قاسم نے ان کا غ…
ٹھنڈا کرنے اور بہلانے کی کوشش کی۔

''کوئی بکرا شکرا نہیں آئے گا۔ میں جانتی نہیں ہو…
کیا، کل ہی تمہارا باپ مجھے سنا رہا تھا کہ اس دفعہ گھر …
مرمت پر خاصا خرچہ ہوگیا ہے لہٰذا ہاتھ تنگ ہے۔ تب …
کیا پتا تھا کہ بات کا اصل مطلب کیا ہے۔ وہ تو مجھے آ…
معلوم ہوا ہے۔'' انہوں نے اپنے درست انداز …
زیرک انداز میں ابرو چڑھائی۔ انعام صاحب غسل خا…
جا چکے تھے۔ ورنہ ان کی حد درجہ منفی سوچ پر جوابی وار کر …
دفاع ضرور کرتے۔

''یعنی اب ہم اتنے غریب ہوگئے ہیں کہ عید پر قر…
بھی نہیں دے سکتے، کم از کم میں تو یہ بے عزتی ہرگز برداش…
نہیں کروں گی۔ میں بکرا ضرور خریدوں گی چاہے کچھ بیچ …
ہی کیوں نہ خریدنا پڑے۔'' ان کا انداز اٹل تھا۔

''امی آپ فکر کیوں کرتی ہیں۔ آخر میری کما…
کس لیے ہے۔ اب آپ کا بیٹا......'' وہ ماں کو ق…
کرنے کی کوشش کررہا تھا۔ جب ہی دستک کی آواز …
گفتگو کا سلسلہ ٹوٹا۔

قاسم نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو سامنے ہاتھ میں …
پکڑے کھڑی دوشیزہ نے سنجیدگی سے سلام کیا۔ وہ آ…
سے جواب دیتا بے اختیار ایک طرف ہٹ گیا۔ آنگن …
آتے ہی اس نے تخت پر براجمان زبیدہ اور سامنے چار…
پہ تشریف فرما ماریہ کو سلام کیا۔ ماریہ بے اختیار موبائل …
نظریں ہٹا کر سیدھی ہوئی۔ دونوں ماں، بیٹی کی گہری …
حیران نگاہیں نو وارد پر جمی ہوئی تھیں۔ انہوں نے سلا…
جواب بھی ایسی ہی سراسیمگی میں دیا۔ قاسم ایک طرف کھڑ…
لیکن کیفیت اس کی بھی ایسی ہی تھی۔ اس صورت …
میں لڑکی کچھ بوکھلاہٹ میں مبتلا ہونے لگی۔

بلاشبہ وہ کافی نہیں بہت بدل چکی تھی سر، ماتھے …
اسکارف سے ڈھکا تھا۔ پورے وجود کے گرد سلیقے سے …
لپیٹ رکھا تھا۔ قمیص کی آستینیں آدھی کے بجائے پوری …
چہرے پر ایمان کے نور کی رونق اور بول چال میں شا…

ٹھہراؤ تھا۔

بالآخر لڑکی نے ہاتھ میں پکڑی دسترخوان سے ڈھکی ٹرے تخت پر رکھی۔

''یہ کھیر امی نے بھجوائی ہے۔'' اس کی آواز میں گھبراہٹ تھی۔

اسی آن انعام الحق غسل خانے سے نہا کر نکلے تو اُن کی نظر بھی سامنے کھڑی بچی پر پڑی۔ انہوں نے خوش مزاجی سے اس کا خیر مقدم کیا۔

''کیا حال ہے بیٹا؟'' کہتے ہوئے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''ارے بیٹھیں ناں بیٹا کھڑی کیوں ہیں۔'' اور ساتھ ہی اطراف میں کھڑے اہلِ خانہ کو گھورا جو اسے نئی مخلوق سمجھے اس کے جائزے میں محو تھے۔ زبیدہ کے سبزی کاٹتے ہاتھ تو کب کے ساکت ہوچکے تھے۔ اب انہوں نے ہاتھ میں تھامی چھری ٹوکری میں رکھی اور سبزی ایک طرف سمیٹ دی۔ وہ ان کے قریب ہی تخت پر ٹک گئی اور دسترخوان ہٹایا، کھیر کی بڑی تھالی نکال کر سامنے رکھی، ہلکے سبز رنگ کی کھیر میں شاید کسٹرڈ مکس کیا گیا تھا اور ناریل، پستے بادام سے... سجاوٹ کی گئی تھی جسے دیکھتے ہی منہ میں پانی بھر آتا۔

''یہ آپ کے لیے کھیر ہے آنٹی، ہم نے آج خاص ریسیپی ٹرائی کی ہے۔'' جواباً زبیدہ کے چہرے پر سرد تاثر دیکھ کر لڑکی ایک بار پھر … باختہ ہوئی۔

''بہت شکریہ بیٹا! اپنی امی کو بھی ہماری طرف سے شکریہ کہہ دینا۔'' انعام صاحب خوش اخلاقی اور رکھ رکھاؤ سے کہتے ہوئے ماریہ کے پاس ہی چارپائی پر بیٹھ گئے جبکہ قاسم ہنوز کھڑا تھا لیکن اس کے چہرے کی حیرت اب تشکر اور خوش اخلاقی میں بدل چکی تھی۔ انعام صاحب نے بیوی اور بیٹی کو گھور کر شریکِ گفتگو ہونے کا اشارہ کیا تو ماریہ کے چہرے پر بے ریا اور زبیدہ کے چہرے پر بادلِ ناخواستہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''اور سناؤ امروپ آج کل کیا کررہی ہو تم؟'' زبیدہ نے گفتگو کے لیے بات نکالی۔

''اونہوں، امروپ نہیں، اب میں ''آمنہ'' ہوں آنٹی۔'' اس نے نرم لہجے میں اور تحمل مزاجی سے جواب دیا۔ زبیدہ نے اس کی اگلی بات تو جیسے سنی ہی نہیں۔ انہیں تو نام کی …

''اچھا، اب اپنی ماں ''رنجیت'' اور …
''امرثروت'' کے بھی نئے نام بتا دو تا کہ ہم آئندہ پکار…
میں غلطی نہ کریں۔'' زبیدہ کے لہجے میں بڑا ہی بھرا طنز…
تضحیک کا ڈھکا چھپا تاثر تھا جسے آمنہ نے بڑی شدت …
محسوس کیا۔ بچوں کو بھی ماں کی بات پر خاصی شرمند…
محسوس ہوئی جبکہ انعام صاحب نے شرمندگی کے سا…
غصے کو بھی بہ مشکل ضبط کیا۔

''میری امی کا نام خدیجہ اور بہن کا نام سعدیہ ہے…
آمنہ حوصلہ مجتمع کرکے بولی۔ وہ اپنی خود اعتمادی کھو رہی تھی…

''ماشاء اللہ، ماشاء اللہ......'' انعام صاحب …
عقیدت سے سراہا۔

''ماریہ اٹھو بھئی کوئی چائے وغیرہ لاؤ بہن کے لیے ا…
قاسم تم کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو جا کے نکڑ والی دکان …
بسکٹ اور پیسٹریاں ہی پکڑ لاؤ۔'' انعام الحق نے باتوں …
کڑواہٹ زائل کرنے کی کوشش کی اور ساتھ آدابِ مہما…
نوازی بھی نبھائے۔

''نہیں چچا جی، میں چلتی ہوں۔ میں تو صرف یہ کھی…
دینے آئی تھی۔ ماریہ برتن خالی کردو جلدی سے۔'' وہ اٹھ …
کھڑی بھی ہوچکی تھی اور جلد از جلد وہاں سے نکلنا چاہتی تھی…
جیسے ہی ماریہ نے خالی پلیٹ تھمائی۔ وہ سرعت سے درواز…
کی طرف بڑھ گئی۔ انعام الحق کے علاوہ تمام نفوس نے عجیب…
نظروں سے دروازے تک اس کا تعاقب کیا۔

''ہونہہ بڑی نیک، مومنہ بنی پھرتی ہے۔ پتا نہیں …
لوگ مکاریوں کے ایسے گُر اور اتنی پکی منافقت کہاں …
سے سیکھ لیتے ہیں۔'' وہ سبزی کی ٹوکری سامنے رکھتے …
ہوئے بڑبڑائیں۔

''ماریہ چمچ لاؤ، کھیر سے دو، دو ہاتھ کرلیں ذرا، شکل…
سے خوب لذیذ لگ رہی ہے۔'' قاسم نے لوازمات سے سجی…
کھیر والی تھالی اٹھانی چاہی ہی تھی کہ زبیدہ نے چھری سمیت…
اپنے ہاتھ سے اس کے ہاتھ پر چپت لگا کے اس کے ارادوں…
پر پانی پھیر دیا۔

''خبردار جو اگر ہاتھ بھی لگایا سکھوں کے گھر سے آئی…
کھیر کو تو۔'' وہ ہق دق ماں کا منہ دیکھ کر رہ گیا۔ ''اٹھاؤ ماریہ…
پلیٹ اور اوپر جا کر پرندوں کو ڈال آؤ اور کچھ نہیں تو دعا ہی…
دیں گے۔''

نہیں لگتی۔'' انعام صاحب کا غصہ مزید بڑھ چکا تھا۔

''جب اللہ کریم نے انہیں دینِ اسلام کے لیے قبول کرلیا ہے تو پھر تم، میں کون ہوتے ہیں ان پر کافر ہونے کی تہمت لگانے والے، استغفر اللہ......'' انہوں نے زبیدہ کو سمجھانے کے ساتھ ان کے دل میں خوف اجاگر کرنے کی بھی کوشش کی۔

''جاؤ ماریہ بیٹی چمچ لاؤ، کھیر کھاتے ہیں سب مل کر......'' (جس نے نہیں کھانی وہ جائے بھاڑ میں) ان کا لہجہ ان کے اَن کہے الفاظ کا غماز بن چکا تھا۔ زبیدہ سلگ کے رہ گئیں۔ جبکہ باقی تینوں ٹھنڈی میٹھی کھیر سے لطف اندوز ہونے لگے۔

''ہاں بھئی تم نے تو کرنی ہی ہے ان کی طرف داریاں اور خوشامدیں، تمہاری دیرینہ دوستی جو ٹھہری اس ''گرنال سنگھ'' سے اب اس کے نام نہاد مسلمان ہونے سے بھائی چارہ بھی بن گیا ہے اس سے۔ ذرا محلے میں کسی سے پوچھ کے دیکھو اس کے بارے میں...... لوگ کیسی، کیسی باتیں کہہ رہے ہیں... اور ہے بھی یہی سچائی کہ گرنال سنگھ عہدے کی لالچ میں یہ ڈراما کر رہا ہے جو پندرہ سال سے غیر مسلم ہونے کے سبب اسے نہیں مل رہا تھا۔ اُدھر اس نے مسلم ہونے کا ڈھونگ رچایا اُدھر اس کی پروموشن ہوگئی اور تمہارے جیسے سلامیاں الگ پیش کرتے پھرتے ہیں۔ واہ بھئی وارے نیارے ہوگئے اس گھرانے کے تو۔'' زبیدہ نے اپنے تئیں بڑی ذہانت اور عقلمندی سے تصویر کا دوسرا رخ دکھایا۔ ''میں نہیں مانتی کہ وہ واقعی مسلمان ہوئے ہیں، بھئی ہمیں کیا پتا......'' زبیدہ کی باتیں انعام الحق کو سلگانے کے ساتھ باہر کھڑی اس نومسلم لڑکی کو بھی رُلا گئیں۔ اس کے قدم زبیدہ کی بلند آواز نے کب کے جکڑ رکھے تھے۔ اس سے زیادہ وہ برداشت نہیں کرسکی اور اپنے وجود کو گھسیٹتے ہوئے آگے بڑھنے لگی۔

''جو مذہب اتنا وسیع ہے اس کے پیروکار اس قدر تنگ دل اور متعصب لوگ بھی ہوسکتے ہیں؟'' اس کا ذہن صدمے میں ڈوب رہا تھا۔ جب ہی رابعہ آنٹی کی بات اس کے تاریک ذہن پر جھلملائی۔

''ایمان لانے والے یقیناً آزمائے جاتے ہیں۔'' اور اس کا باپ ابوبکر بھی انہیں اکثر قرآن کے ایسے ارشادات سناتا رہتا تھا تاکہ اس کے اہلِ خانہ ایمان کی سیڑھی پر قدم

رکھنے کے بعد ڈگمگا نہ جائیں۔

''کسی عہدے وغیرہ کی لالچ میں اسلام قبول نہیں کیا ابوبکر نے، (گرنال سنگھ کا اسلامی نام) اگر ایسا کرنا ہوتا تو پندرہ سال پہلے کر چکے ہوتے۔ اب تو ریٹائرمنٹ قریب ہے۔ یہ سب تو حبیب الرحمٰن صاحب کی کوششوں اور صالح صحبت کا اثر ہے اور ماشاء اللہ سے ان کی بیوی (رابعہ) بھی ابوبکر صدیق کی بیٹیوں اور بیوی کو اسلامی تعلیم و تربیت سے آراستہ کررہی ہیں۔ سبحان اللہ کیا سعادت کمائی ہے دونوں گھرانوں نے۔'' وہ خوشی اور عقیدت سے سرشار ہوئے جارہے تھے۔ حبیب الرحمٰن سے انہیں ویسے بھی عقیدت تھی اور عالمِ دین ہونے کے ساتھ، ساتھ ایک بے ریا اور بے حد مخلص انسان تھے۔

''اب ہر مسلمان کا یہ فرض بنتا ہے تم سمیت......'' بیوی کی طرف خاص طور پر اشارہ کیا۔ ''کہ حلقہ بگوشِ اسلام ہونے والوں کا خیر مقدم کریں نا کہ تنقید کا نشانہ بنا کر انہیں دین سے بدظن کیا جائے اور خدا کے سامنے بھی گناہ گار ٹھہریں۔ ویسے بھی ابوبکر کا خاندان ان سے بائیکاٹ کرچکا ہے اس آزمائش میں ہمیں ان کا سہارا بننا چاہیے۔'' انہوں نے بچوں کو بھی سمجھانے کے ساتھ تاکید کی۔ جواباً دونوں نے سعادت مندی سے سر ہلا دیا۔

''اب بس بھی کرو بہت سن لیا ہم نے تمہارا وعظ......'' زبیدہ جھلا اٹھیں یہ سب باتیں ان کے دل پر اثر کر ہی رہی تھیں اور اندر کی قوت خیر و صداقت کی گواہی بھی دے رہی تھی لیکن بظاہر انا اور ضد کے سبب وہ تائید نہیں کر پا رہی تھیں۔

''واہ بھئی مزہ آگیا۔'' انعام الحق نے کھیر کا ایک اور چمچ منہ میں رکھا۔ پلیٹ میں ابھی کچھ کھیر باقی تھی۔ زبیدہ کا جی شدت سے چاہا کہ ایک دو چمچ تو وہ بھی چکھ ہی لیں لیکن شوہر کی موجودگی میں ضد اور بھرم آڑے آگیا ورنہ تو ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بچوں کی ہنسی کی پروا نہ کرتیں اور کھیر پر ہاتھ صاف کرلیتیں۔

انعام الحق وضو کرنے لگے اور قاسم اٹھ کر اندر چلا گیا۔ ماریہ نے کناروں تک پلیٹ اچھی طرح صاف کی اور پلیٹ چمچ سمیت چارپائی کے نیچے رکھ کے ذرا پرے کھسکا دی اور موبائل ہاتھ میں لے کر دوبارہ اس میں مشغول ہونے ہی لگی تھی کہ زبیدہ کی ڈانٹ نے اس کے ہاتھوں کی حرکت روکی۔

''کچھ شرم کرو ......

ہی نہیں، پھوہڑ کہیں کی چلو برتن اٹھا کے کچن میں لے کر جاؤ اور دھو کے رکھو۔'' ماں کی گھورتی آنکھوں کی تاب نہ لاتے ہوئے ماریہ تیزی سے برتن اٹھا کر کچن کی طرف بڑھنے لگی۔

''اس کی ان حرکتوں پر کل کلاں لوگوں نے تو ماں کی تربیت کو ہی تو قصوروار ٹھہرانا ہے نا۔ کیا کہیں گے لوگ کہ ماں خود تو اتنی عقلمند، سلیقہ شعار اور سگھڑ ہے...... بیٹی کو ذرا بھی عقل نہ دی۔'' اپنے منہ میاں مٹھو بننے کا عملی مظاہرہ تھا...... کچن میں جاتی ماریہ نے اپنی ہنسی دبائی جبکہ تولیے سے چہرہ صاف کرتے انعام الحق نے ہنسی چھپانے کی قطعاً کوشش نہ کی۔ کمرے میں بیٹھا قاسم بھی ماں کے چھوڑے شگوفے سے خوب محظوظ ہوا۔

''اے ماریہ، ایک گلاس ٹھنڈا پانی لا دو اور پھر ایک کپ چائے بنادو۔ میرے تو نصیب ہی کھوٹے ہیں۔ کیسی نالائق اولاد ملی اور ساتھ میں ان کا باپ بھی ویسا ہی ہے۔ میرا دماغ خالی ہوگیا ہے کھپ، کھپ کے اور یہ اٹھاؤ سبزی اور ہانڈی چڑھاؤ......'' وہ ٹوکری کو ایک طرف کرکے وہیں تخت پر دراز ہوگئیں غصہ تو انعام الحق کی دل جلا دینے والی ہنسی پر تھا لیکن حسبِ معمول اولاد کو بھی ساتھ رگید ڈالا۔

''چلو جی یہاں تو سارا الزام ہی چور نے کوتوال کے سر ڈال دیا۔ ویسے آفرین ہے تمہاری زبان پر کہ سننے والے کان جواب دے سکتے ہیں لیکن تمہاری زبان گل افشانیاں کرتے نہیں تھک سکتی۔'' انعام الحق کے طنز میں بجھے تیر اوپر سے وہی دل جلانے والی مسکراہٹ، زبیدہ بیگم تو جیسے بلبلا کے اٹھ بیٹھیں۔ ایسے میں انعام صاحب نے یوں دروازہ پار کیا جیسے کوئی شہد کی مکھیوں پر پتھر مار کے بھاگتا ہے۔ لیکن پیچھے زبیدہ کے عتاب و جلال کا جو نیا سیشن شروع ہوا۔ اس میں شوہر تو کیا ان کے پورے خاندان کے اطوار اور تہذیب کے بخیے ادھیڑے گئے۔ ماریہ اور قاسم نے جس طرح یہ جلتی بجھائی وہ وہی جانتے تھے۔

☆☆☆

صبح اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ طلوع ہوئی۔ ہر کرن پیغامِ بیداری لیے روشن تر تھی۔ چھت، ستون، در و دیوار، بیل بوٹے پھول اور اڑتے پرندے ٹھنڈے سے اجالے میں ......

خواب تھے۔

انعام صاحب کے گھر اتوار کے دن کے سبب ہر فرد پر ایک کسلمندی سی طاری تھی۔ ایک خاموش، پُرسکون صبح...... انعام الحق صبح کی سیر سے واپس لوٹے تو ہنوز سب سو رہے تھے۔ انہوں نے ٹی وی آن کرلیا پھر جب گھنٹا بھر بعد بھی کسی کے اٹھنے کے آثار نظر نہیں آئے تو پکار اٹھے۔

''ارے اب اٹھ بھی چکو سب یا ڈھول پیٹ کے جگایا جائے تم لوگوں کو دس بج رہے ہیں۔ بس اٹھ کے ناشتا تیار کرو پھر مجھے اور قاسم کو بکرا لینے جانا ہے منڈی، دھوپ چڑھ گئی تو کہاں خوار ہوتے پھریں گے اور رش بھی بڑھ جائے گا۔'' یہ خیر کم از کم زبیدہ کے نیم خوابیدہ ذہن کو جگانے کے لیے کافی تھی۔ انہوں نے بے اختیار آنکھیں کھولنے کی کوشش کی اور پھر جمائی لیتی اٹھ بیٹھیں لیکن اب انہیں وہم سا گزرا کہ ان کے کانوں نے جو سنا کہیں وہ خواب تو نہیں...... وہ اٹھ کے لاؤنج میں آگئیں۔

''کیا کہہ رہے تھے آپ؟'' نیند سے بوجھل آواز میں کہتی وہ اپنی بات کی تصدیق چاہ رہی تھیں۔

انعام صاحب ان کا مطلب سمجھ چکے تھے۔

''میں کہہ رہا تھا کہ بکرا منڈی تک جا کر ذرا سیر سپاٹے ہی کر آؤں۔'' ان کے طنزیہ انداز پر زبیدہ ''ہونہہ'' کہہ کر رہ گئیں۔

''آپ نے تو جیسے قسم ہی کھا رکھی کہ سیدھے سبھاؤ کوئی بات کرنی ہی نہیں۔ بندہ صبح سویرے تو کوئی اچھی بات منہ سے نکال لے۔'' وہ کہتی ہوئی واش روم کی طرف بڑھ گئیں۔ انعام الحق گہری مسکراہٹ کے ساتھ ٹی وی کی طرف متوجہ ہوگئے۔

تازہ دم ہونے کے بعد زبیدہ نے سیدھا بیٹھک کا رخ کیا جہاں قاسم ہنوز خوابِ خرگوش کے مزے لوٹ رہا تھا۔

''قاسم او بیٹا قاسم۔'' زبیدہ نے اسے بازو سے جھنجوڑتے ہوئے ہلایا۔

''کیا ہوگیا ہے اماں... صبح صبح......'' اس نے بڑبڑاتے ہوئے کسمسا کے اوڑھے ہوئے سوتی کھیس سے پھر منہ لپیٹنے کی کوشش کی جسے زبیدہ نے ناکام بنادیا۔

''جلدی اٹھو، تمہارے ابا بلا رہے ہیں۔ ناشتے کے بعد انہیں جانا ہے بکرا منڈی۔'' زبیدہ کے انداز سے بے حد خوش ......

''اچھا اٹھ جاتا ہوں۔'' اس کے بیزاری بھرے انداز میں نیم رضامندی تھی۔

''چلو جلدی آجاؤ، بہ مشکل تو تمہارے ابا کا موڈ بنا ہے بکرا خریدنے کا۔ ان کے دماغ کا کوئی اعتبار نہیں ایسا نہ ہو کہ ابھی مکر بھی جائیں۔''

☆☆☆

دوپہر، سہ پہر میں ڈھل رہی تھی۔ دستک ہونے پر ماریہ نے دروازہ کھولا تو ابو جی اندر داخل ہوئے پیچھے قاسم کے ہاتھ میں، میں۔ میں کرتے بکرے کی رسی تھی۔ وہ اسے کھینچتے ہوئے اندر لانے کی کوشش کر رہا تھا جبکہ بکرا مزاحمت پر تلا ہوا تھا۔ ماریہ اور قاسم دونوں نے بکرے کی رسی کھینچ کے اسے آنگن میں ایک طرف لگے شہتوت کے تنے سے باندھا۔ قاسم نے ساتھ لائی ہوئی گھاس لا کے بکرے کے سامنے پھینکی۔ زبیدہ بھی اس کا معائنہ کر چکی تھیں۔ بکرے کی میں، میں نے پورے صحن میں شور برپا کر دیا تھا۔ قاسم خاصا تھکا ہوا اور خوار لگ رہا تھا وہ ماتھے سے پسینہ صاف کرتے ہوئے گھر کے اندرونی حصے کی طرف بڑھنے لگا۔

''ماریہ ٹھنڈا پانی لاؤ جلدی سے۔'' اس نے بہن کو پکارا جو بکرے کو غور سے دیکھنے میں مصروف تھی۔ انعام صاحب سامنے تخت پر بیٹھے پانی کے گلاس غٹاغٹ چڑھا رہے تھے۔ ماریہ نے قاسم کو بھی پانی کا گلاس تھمایا۔ تازہ دم ہو کے دونوں باپ بیٹا منڈی کے حالات اور قیمتوں پر تبصرہ کرنے لگے۔ خریدے گئے بکرے کی قیمت سن کر زبیدہ کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

''اتنا مہنگا اور وہ بھی یہ کمزور اور دبلا سا بکرا، بڑا گئے تھے بکرا خریدنے، ارے ٹھگ لیا ہے اس نے تم دونوں کو۔'' زبیدہ کی قیمتی رائے کا اظہار سن کر انعام الحق اور قاسم تپ اٹھے۔ انعام صاحب جو دیوان پر نیم دراز تھے، اٹھ بیٹھے۔

''تمہارے پاس تو سالہا سال کا تجربہ ہے ناں بکروں کے بیوپار کا تو۔ خود چلی جاتیں خریدنے۔ گرمی میں خواری اور بھاؤ تاؤ کے بعد ایسے ہوش ٹھکانے آتے کہ ایسی فضول باتوں کی مجال بھی نہ ہوتی تمہاری۔'' شوہر کے طنز پر انہوں نے حسب معمول ہونہہ کہہ کر سر جھٹکا۔ برہمی، بیزاری ہنوز تھی۔

''بھائی جاوید جو بکرا لائے ہیں ناں اس دفعہ۔ ہمارے بکرے جیسے تو دو نکل جائیں اس میں سے۔'' انعام صاحب نے ان کی بات بیچ میں کاٹی۔

''تمہیں کتنی دفعہ سمجھایا ہے کہ دوسروں سے مالی تقابل کرنے والا انسان دنیا کا احمق ترین انسان ہے اور پھر اس معاملے میں تقابل......'' انہوں نے غصے اور افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔ ''ہم نے اللہ کی رضا کے لیے قربانی دینی ہے دکھاوے کے لیے نہیں، تمہارے بھائی چاہے ایک کے بجائے دس بکرے لائیں، ہمیں اس سے کیا۔''

''ہاں بس یہی قناعت کے سبق ہی سمجھاتے رہیے گا۔ میری تو خواہش ہی رہی کہ گھر میں دو، دو بکرے آئیں اور میں خوشی سے لوگوں کو بتاؤں کہ میں نے بھی اپنے نام کی قربانی کی ہے۔'' انعام الحق کے سمجھانے کا نتیجہ کیا تھا وہی ڈھاک کے تین پات۔

''تم جیسی ناشکری اور ریاکار عورتوں کی انہی باتوں کے سبب تو در پر آیا رزق بھی پلٹ جاتا ہے کچھ عقل، شکر سے کام لو تو ہی رزق میں وسعت ہو ناں...... دیکھ لینا، انہی اعمال کی برکت سے سیدھی دوزخ میں جاؤ گی تم۔'' انعام الحق نے شہادت کی انگلی سے نادیدہ سی لکیر بنا کے جیسے دوزخ کا راستہ واضح کیا، جواباً زبیدہ تنک کے بول اٹھیں۔

''ہاں، ہاں تمہیں تو جیسے دنیا میں ہی جنت کی بشارت مل گئی ہے ناں۔ مجھے دوزخی کہتے ہوئے اپنے اعمال پر تو ذرا نظر دوڑاؤ۔ ایسے اعمال کے ساتھ سرور جنت کے خواب دیکھنے والے احمقوں کی جنت میں بسنے والے ہی ہو سکتے ہیں۔''

''مجھے صرف جنت کا سرور ہی نہیں بلکہ حوریں بھی خواب میں نظر آتی ہیں...... پنکھا جھلتی، پیر دباتیں حوریں۔'' انعام صاحب کے چہرے پر محظوظ اور چڑانے والی مسکراہٹ تھی اور زبیدہ تو واقعی ہی اس نادیدہ مخلوق سے رقابت بھرا تاؤ کھا گئیں۔

''تم جیسے (لنگور)......'' بہ مشکل ضبط کیا۔ ''پہلوئے حور کے خوابوں و خیالوں میں ہی عمر بتا دیتے ہیں خواب بھی وہ جس کی تعبیر ہمیشہ الٹی ثابت ہوتی ہے۔'' بیگم کا حذف کیا گیا لفظ بھی وہ سمجھ چکے تھے۔

''رقیبوں کے منہ میں خاک...'' یہ الفاظ اور شوہر کی دل جلانے والی مسکراہٹ ان کے تاؤ میں مزید اضافہ کر گئی۔ وہ غصے سے بڑبڑاتی ہوئی وہاں سے اٹھ ہی گئیں۔ بیگم کے رقابت بھرے غصے سے حظ اٹھاتے ہوئے انعام صاحب نے بھرپور قہقہہ لگایا تھا۔

جھوک سے انہوں نے بھی خاصا لطف اٹھایا تھا۔

☆☆☆

فلک پر ابھرتا چاند، شب کو چاندرات بنانے پہ نازاں تھا۔ آج افق پر سجے چاند کی جھلملاہٹ میں دوسرے دن کی دلہن سی تمکنت اور نیاز مندی تھی۔ اٹھان کے ساتھ چاندنی کا جوبن مزید بڑھتا جاتا اور اہلِ اسلام کی خوشی اور جوش کا سماں بھی۔ چاندرات کے جوش میں چاندنی کا سحر نظر انداز تھا لیکن اس کے باوجود اثر انداز ضرور تھا۔ اگرچہ عیدالضحٰی کا یہ چاند تو نو دن پہلے نمودار ہو چکا تھا مگر ایک شب پہلے بھی تو چاندرات ہی کہلاتی ہے۔

''چاند دیکھا تو یاد آئی تیری صورت
ہاتھ اٹھے ہیں مگر حرفِ دعا یاد نہیں''

موقع کی مناسبت سے پیغام بھیجنے میں اس دفعہ پہل اس نے کی تھی۔ اِک ادھورا سا احساس دلاتا تشنہ پیغام...... جسے پڑھ کر قاسم کے چہرے پر حسب معمول گہری مسکراہٹ پھیلتی گئی۔

''اس کی مہکی ہوئی یادوں کی صدا جاگ اٹھی
دور افق پر مجھے جو نظر آیا عید کا چاند''

جواباً اس نے بھی دل گداز احساسات کی چاشنی بھرے لفظ ارسال کر کے تقاضائے وفا نبھایا۔ دل میں خوشی کی ترنگ کے ساتھ ایک بے چینی اور اداسی بھی براجمان تھی۔

''اور بھئی قاسم، قصاب سے کہہ دیا تھا ناں کہ صبح وقت پر پہنچ جائے۔'' لاؤنج میں بیٹھے انعام صاحب نے بلند آواز میں بیٹے کو مخاطب کر کے پوچھا اور کمرے میں بیٹھا قاسم پوری جان سے کانپ اٹھا، موبائل ہاتھ سے چھوٹتا تا ہم خود فوراً سنبھل کے بولا۔

''جی ابو جی کہہ دیا تھا۔''

کچن میں زبیدہ کھیر بنانے کے ساتھ، ساتھ گوشت رکھنے کے لیے بڑے برتن، پراتیں اور تھال نکال رہی تھی۔ ماریہ کو کچن کے کام سے انہیں فری کرنا پڑا تھا کیونکہ اس کے پاس اس کی کچھ سہیلیاں اور محلے کی لڑکیاں مہندی لگوانے کے لیے جھرمٹ بنائے بیٹھی تھیں۔ جب سے اس نے مہندی لگانے کا معاوضہ مقرر کیا تھا۔ لڑکیوں کی تعداد آدھی سے بھی کم ہو گئی تھی ورنہ جب مفت لگاتی تھی۔ تب چاندرات کے آخری پہر تک لڑکیوں کے گھیرے میں پھنسی رہتی۔ اب تو ایک گھنٹے

مستقبل قریب

کئی گھنٹوں سے اس امیدوار کی تقریر جاری تھی، جلسہ گاہ میں تمام سامعین عجیب مشکل میں گرفتار تھے۔ لیکن کوئی کچھ نہ کر سکتا تھا۔ سب بور ہو رہے تھے لیکن اس تشدد کو کسی نہ کسی طرح برداشت کیے جا رہے تھے۔ سامعین میں سے کئی شریف آدمی اشارات میں یہ حقائق مقرر صاحب تک پہنچانے کی کوشش کر چکے تھے اور ناکام رہے تھے۔ تقریر بدستور جاری تھی۔ اچانک ایک مقام پر مقرر صاحب نے کہا۔

''صاحبان! یہ تقریر میں آنے والی نسلوں کی بھلائی کے لیے کر رہا ہوں اور......''

ایک شخص نے اٹھ کر کہا۔ ''جناب اگر آپ نے تقریر ختم کرنے کا فیصلہ نہ کیا تو آنے والی نسلیں اس جلسہ گاہ میں بس پہنچنے ہی والی ہیں۔''

انتخاب: نگہت آصف، لاہور

''امی وہ سارہ اور روما بازار جانے کے لیے کہہ رہی ہیں تو......'' ماریہ کچن کے دروازے پر کھڑی اجازت طلب انداز میں پوچھ رہی تھی۔ جواباً زبیدہ بیگم کی تیوری چڑھ گئی۔

''کیا مطلب ہے؟ تمہاری چیزیں پوری نہیں ہوئیں، جو اب بھی منہ اٹھا کے بازار جانے کی ٹھان لی ہے، بہر حال جو بھی ہے کوئی ضرورت نہیں ہے جانے کی۔ ایک تو رات کا وقت اوپر سے بازار کی بھیڑ۔ میں اس واہیات تماشے کی اجازت ہرگز نہیں دوں گی۔'' دوٹوک انداز میں انکار سن کے وہ منہ لٹکائے پلٹ گئی۔

''بھئی ابوبکر صاحب کے گھر جانے کا کوئی ارادہ ہے یا ان کے لیے لائے تحائف ضبط کر لینے کا پروگرام ہے۔'' انعام صاحب کی حسِ ظرافت خاصی جوش میں تھی۔

''ہم کیوں بے ایمان ہونے لگے، آپ کے لائے

شوہر کو دوبدو جواب دیا۔ ابوبکر صاحب کے گھرانے کے متعلق زبیدہ کی سوچ میں خاصی لچک اور نرمی پیدا ہو چکی تھی۔ ویسے بھی وہ جذباتی اور جلد باز عورت تھیں، بغیر سوچے سمجھے۔۔ ردِعمل ظاہر کر دینے والی..... مگر فطرتاً بری نہیں تھیں۔

انعام الحق نے زبیدہ اور ماریہ کو ان کی عید کی خریداری کے علاوہ بطورِ خاص الگ رقم دی تھی کہ وہ آمنہ اور اس کے گھر والوں کے لیے بھی عید کے تحائف ضرور خرید لائیں اور زبیدہ نے اس ذمے داری کو راضی بہ رضا نبھایا تھا۔

''چلو پھر جا کر دے آتے ہیں انہیں تحائف..... گوشت تو کل ہی دیں گے۔ دس تو بج چکے ہیں بعد میں کیا سوئے ہوئے کو جگائیں گے جا کے۔''

ماں، بیٹی نے جلد از جلد کچن کا کام سمیٹا اور اپنا حلیہ سنوارنے لگیں ایسے میں انعام صاحب کی عجلت بھری پکار اور احکامات کا سلسلہ جاری رہا۔

☆☆☆

''پونے گیارہ ہو رہے ہیں یہ بھلا کوئی وقت ہے شریف لوگوں کے گھروں میں جانے کا۔'' انعام صاحب داخلی دروازہ مقفل کرتے ہوئے مسلسل بول رہے تھے۔

گلی کی درمیانی گزرگاہ پار کر کے انعام صاحب نے اپنے گھر کے مقابل دوسرے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ تمام اہلِ خانہ ان کی رہنمائی اور تقلید میں پیچھے کھڑے تھے۔

''ابو جی بیل بجائیں۔'' قاسم نے مشورہ دیا۔ انعام صاحب نے گھنٹی بجائی، کئی سیکنڈ بعد بھی دروازہ نہ کھلا تو انعام صاحب کھول گئے۔

''کب سے کہہ رہا تھا کہ جلدی تیاری کرلو، وقت کی پابندی اور اخلاقیات نام کی تو کوئی چیز ہے ہی نہیں تم سب میں۔ اب کیا فائدہ، سو گئے ہوں وہ لوگ، فون بھی بند ہے ان کا۔''

''یوں سرِ راہ کھڑے ہو کے تماشا مت بنائیں۔ میں گھر میں کوئی جھولا نہیں جھول رہی تھی کام میں مصروف تھی اگر ایسی ہی جلدی تھی تو آ جاتے بچوں کو لے کر..... میرا آنا کوئی ضروری تھا کیا؟'' زبیدہ بھی اب ادھار رکھنے کے موڈ میں نہیں تھیں۔

''امی جی، ابو جی چپ کر جائیں، گلی میں شور ہو رہا ہے۔'' قاسم نے ماں، باپ کی منت کی اور ساتھ ہی ایک بار

دستک کا ارادہ ہرگز نہیں تھا بلکہ وہ اہلِ خانہ کو واپسی کا حکم دینے ہی والے تھے کہ انہی لمحات میں اندر سے مردانہ آواز آئی۔

''کون......؟''

''بیٹا میں ہوں تمہارا چچا انعام الحق......'' انعام صاحب آواز پہچان چکے تھے یہ ابوبکر کا بیٹا عمر فاروق تھا۔

جھٹ سے دروازہ کھل گیا۔ انعام چچا کے تمام اہلِ خانہ کی غیر متوقع آمد دیکھ کر عمر کی آنکھوں میں حیرت اور پھر خوشی امڈی۔ انعام اور قاسم بڑھ کر اس سے گلے ملے اور چاند رات کی مبارک باد دی۔

''وہ ابو جی تو نفل ادا کر رہے ہیں۔ ابھی آ جاتے ہیں آپ بیٹھیے ناں......'' وہ خود بھی شاید عبادت میں ہی مصروف تھا۔ سر پر نماز والی ٹوپی تھی۔ داڑھی نے اس کے چہرے کو مزید پرکشش اور پُرنور بنا دیا تھا۔

گھر میں ایک پُرسکون سی خاموشی تھی۔ مہمانوں نے اندازہ لگا لیا کہ اہلِ خانہ عبادت میں مصروف ہیں اور دل میں شرمندہ بھی ہوئے غلط وقت پر آنے کے سبب...... وہ سب ڈرائنگ روم میں ہی بیٹھ رہے تھے۔ جب عمر نے بہت اپنائیت سے زبیدہ کو کہا۔

''آنٹی آپ اندر کمرے میں چلیں ناں اُدھر بیٹھیں۔'' یعنی مردوں اور عورتوں کی الگ، الگ بیٹھنے کی جگہیں، ورنہ پہلے ان کے گھر کوئی رواج نہیں تھا۔

ماریہ نے اس بات کو بغور محسوس کیا تھا کہ عمر میں بھی غیر معمولی تبدیلی آئی تھی۔ جھکی نگاہوں اور شائستہ مسکراتی گفتگو کرنے والا یہ عمر پہلے سے یکسر مختلف تھا۔ ورنہ یہ وہی تھا جس کے نظر باز ہونے کی وجہ سے سب محلے کی لڑکیوں نے اس کا نام جھانکو جمورا رکھا تھا۔ یہ سوچتے ہوئے ماریہ نے ہونٹوں پر آئی بے ساختہ ہنسی کو بہ مشکل دبایا۔

عمر فاروق نے انہیں اندر لاؤنج میں بٹھایا اور خود ماں، بہنوں کو بلانے چلا گیا۔ وہ جلدی سے اندر آئیں دونوں بہنوں نے نماز کی طرح دوپٹا لپیٹا ہوا تھا۔ خدیجہ کے ہاتھ میں تسبیح تھی اور تینوں سلام کر کے بڑی خوشی سے مصافحہ کر کے بغل گیر ہوئیں پھر خوشگوار ماحول میں گفتگو شروع ہوگئی۔

اُدھر مردوں کی نشست بھی خاصی گرم تھی۔ انعام اور ابوبکر صاحب کی باتوں اور ہنسی کی آوازیں باہر لاؤنج تک آ رہی تھیں۔ لڑکے آپس کی گفتگو کے ساتھ، ساتھ بزرگوں

جلدی سے چائے کے ساتھ لوازمات کا انتظام کیا۔ انہیں چائے وغیرہ کی ٹرے لاتے دیکھ کر زبیدہ محبت بھرے انداز میں بولیں۔

''بیٹا کن چکروں میں پڑ گئی ہو تم لوگ، یہ چائے کا وقت تو نہیں ہے۔ اِدھر آ کے بیٹھو میرے پاس میں تم لوگوں کے لیے عیدی لائی ہوں دیکھو ذرا اور بتاؤ کیسی ہیں چیزیں۔'' زبیدہ نے وہاں بکھری چیزوں کے جھلملاتے پیکٹس کی طرف اشارہ کیا۔ جس میں لڑکیوں کے اسکارف، خدیجہ کی چادر، سب کی چوڑیاں، مہندی، جیولری جائے نماز، اسلامی خطاطی سے مزین فریم اور مردانہ ٹوپیاں شامل تھیں۔ موقع محل کی مناسبت سے زبیدہ نے بڑی سمجھداری سے خریداری کی تھی جسے انعام الحق صاحب نے بھی دل کھول کر سراہا تھا اور اب خدیجہ بھی ستائش کے ساتھ دل سے شکرگزار ہو رہی تھیں۔

''بہن آپ نے خواہ مخواہ اتنی زحمت اور تکلف کیا۔'' خدیجہ نے احسان مندی سے کہا۔

''اس میں زحمت کی کیا بات ہے یہ سب تو ہم اپنی خوشی سے لائے ہیں اور کون سی بہت زیادہ ہیں، بس بساط بھر ہے۔'' زبیدہ کے چہرے سے انکساری اور خلوص عیاں تھا۔ وہ بھی یہاں آ کے ان کے گھر کا ماحول اور اخلاق دیکھ کے اپنی سوچ پر شرمندہ ہو رہی تھیں۔ زبیدہ کے بدلے رویے کے سبب آمنہ بھی ورطۂ حیرت میں تھی۔ زبیدہ کی سنی ان کا تذکرہ اس نے گھر میں کسی سے نہیں کیا تھا۔

''کیا واقعی یہ وہی عورت ہے جو کل تک انہیں سرے سے مسلمان ماننے کو ہی تیار نہیں تھیں۔'' ان سب کی نیتوں پر طنز کے تازیانے برسانے میں اس نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ آج وہ مخلص اور مہربان بنی ان کے گھر بیٹھی تھیں۔ وہ ان کے قول و فعل میں منافقت ہی سمجھتی اگر انہیں اپنے گھر میں بلا پرہیز و احتیاط سب کے ساتھ بیٹھے کھاتے پیتے نہ دیکھتی۔ تب بھی اسے رابعہ آنٹی کی بات ہی یاد آئی۔

''اللہ تعالیٰ دلوں کو پھیرنے پر قادر ہے، ایمان کے راستے میں لوگوں کے تلخ رویے بھی ایک وقتی آزمائش ہی ہوتے ہیں، جسے اللہ جب چاہے ختم کر دے۔'' اس کے دل میں ایمان کی روشنی اور طمانیت مزید گہری ہوگئی، اس نے غیر محسوس انداز میں اپنی آنکھوں میں چمکتی نمی صاف کی اور وہ سب کی طرف متوجہ ہوگئی...... سعدیہ رشک بھرے

''آپ لوگ بہت خوش قسمت ہیں آنٹی کہ آپ کو نماز سے پہلے اللہ کریم کے تصور اور یکسوئی کی ریاضت نہیں کرنی پڑتی ورنہ ہم لوگوں کو شروع، شروع میں عبادت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا تصور پختہ کرنے میں خاصی دقت ہوتی تھی۔ پھر رابعہ آنٹی نے اس کا جو حل بتایا اس کے بعد الحمدللہ یہ مسئلہ بھی حل ہوگیا۔'' سعدیہ کے چہرے پر طمانیت اور سرور تھا۔

''وہ کیسے؟'' ماریہ نے بے اختیار پوچھا۔ وہ دونوں ماں، بیٹی بڑی دلچسپی سے ان کی باتیں سن رہی تھیں۔

''رابعہ آنٹی نے بتایا کہ نماز سے پہلے چھ کلمے مع ترجمہ دُہرا لیا کرو اور پھر سورۂ اخلاص اور فاتحہ کی تلاوت کرو تو دل میں اخلاص انشاء اللہ خود بخود پیدا ہو جائے گا۔ ابو جان اور بھائی بھی ایسا ہی کرتے ہیں، بھائی کہتے ہیں انہیں تو یوں لگتا ہے جیسے وہ برسوں سے ہی اللہ کریم کی عبادت کرتے آ رہے ہیں۔'' وہ تیزی سے بول رہی تھی خوشی اور جوش اس نوعمر لڑکی کے چہرے پر ایمان کی روشنی لیے پھیل رہا تھا۔

''اب ہمیں اجازت دیں۔ انشاء اللہ صبح ملاقات عید گاہ میں ہوگی۔'' انعام صاحب اٹھ چکے۔

''بیٹا بلاؤ ذرا اندر سے اپنی چچی کو بھی۔'' انہوں نے عمر سے خواتین کو بلانے کے لیے کہلوایا۔

وہ سب باتیں کرتے صحن میں دروازے کے قریب آ گئے جب اندر سے خواتین باہر آ گئیں۔

''بہت خوشی ہوئی آپ سب کے آنے کی۔ بہت مہربانی اور خاص کر بھابی جی آپ کا شکریہ کہ اتنی عبادت اور فضیلت والی رات آپ لوگ اپنی عبادت اور کام مختصر کر کے یہاں آئے۔'' ابوبکر بطورِ خاص زبیدہ بیگم کا شکریہ ادا کر رہے تھے۔ جس عبادت کو مختصر کر کے آنے پر وہ دوہرا اظہارِ تشکر کر رہے تھے۔ اس کی اہمیت کا تو ان کے گھر میں کسی کو احساس ہی نہیں تھا۔ وہاں تو انعام الحق کے علاوہ باقی افراد اگر دن میں ایک دو نمازیں ہی پڑھ لیتے تو بھی غنیمت سمجھا جاتا تھا۔

''بھئی کسی دوسرے مسلمان کو خوش کر دینا بھی تو ایک عبادت ہی ہے ناں......'' انعام الحق نے جواباً خوش اخلاقی نبھائی۔

''آپ بھی صبح ضرور آیئے گا بہن جی، بچیوں کو لے کر۔'' زبیدہ، خدیجہ کی طرف متوجہ ہوئی۔

ہماری عیدی آپ پر کوئی احسان یا ادھار ہے ورنہ یہ ہمارے خلوص کی سراسر توہین ہوگی۔'' انعام الحق کے تنبیہی اعلان نے ان کے مان کو مزید بڑھا دیا۔ وہ سارے گھر والے تو ویسے بھی خوشی سے ان پر نچھاور ہوئے جا رہے تھے۔ قبولِ اسلام کے بعد وہ بہت آزمائشوں کے دور سے گزر رہے تھے۔ ان کے رشتے داران سے قطع تعلق کیے ہوئے تھے اور دوسرے کئی لوگوں کی طرف سے بھی منت رساں رویّوں کا سامنا تھا۔ ایسے میں حبیب الرحمٰن کے بعد انعام الحق ان کا بھرپور ساتھ دے رہے تھے۔

☆☆☆

عید کی صبح سب کا روایتی جوش، خوشی، رونق اور مصروفیت ۶ بج پر تھی۔ انعام الحق اور قاسم تیار ہو کے عید گاہ جا چکے تھے، صبح ہی سے آس پڑوس سے کھیر، کسٹرڈ، فیرنی، سوّیاں جیسے لوازمات آنے کا سلسلہ جاری تھا۔ زبیدہ نے زردہ اور کھیر رات ہی بنا کے رکھ دیے تھے جبکہ کچھ نمکین سامان بھی تیار کر لیا تھا۔

ماریہ سنگار میز کے سامنے کھڑی تیاری میں مصروف تھی جبکہ زبیدہ بیڈ پر بیٹھی کنگھی کر رہی تھیں۔ وہ دونوں گھر میں ہی نماز پڑھ چکی تھیں اس دفعہ خلافِ روایت ماریہ نے بھی نمازِ عید ادا کی۔ یقیناً یہ ابوبکر صاحب کے گھر کے ماحول ان کی بیٹیوں کی صحبت کا اثر تھا۔ دونوں فارغ ہو کے تسلی سے بناؤ سنگار کا شوق پورا کر رہی تھیں۔

''بس اپنے فیشن پورے کرنے کی پڑی ہے۔ اتنا نہیں کہ ذرا سا ماں کو بھی سنوار دو۔'' زبیدہ کب سے اسے ہلکا میک اپ کر دینے کا کہہ رہی تھیں۔ جسے وہ اپنا ہیئر اسٹائل بنانے میں مصروفیت کے سبب مؤخر کر رہی تھیں۔

''اچھا اماں کرتی ہوں۔'' کہہ کر وہ ماں کو تیار کرنے لگی۔

اب وہ دونوں تیاری مکمل کرنے کے بعد لاؤنج میں آ بیٹھی تھیں۔ ٹی وی بھی آن تھا لیکن دیکھ نہیں رہی تھیں۔ زبیدہ فون پر اپنی بہن سے عید کی مبارک باد وصول کر رہی تھیں۔ جبکہ ماریہ اپنی کزن کو گھر آنے کا کہہ رہی تھی۔ انعام صاحب جب نماز پڑھ کے لوٹے۔ ان کے انداز میں خاصی عجلت تھی۔

''ارے بھئی بکرا کدھر ہے قصاب باہر آ چکا ہے۔ ٹائم نہیں ہے اس کے پاس، جلدی سے برتن وغیرہ بھی گوشت کے لیے لے کر چلو باہر قاسم۔'' احکامات جاری کرتے ہوئے انہوں نے مصروف سے انداز میں آستینیں چڑھائیں۔

''برتن میں دے دیتی ہوں لیکن بکرا اُدھر باہر ہی بندھا ہے۔ اسے اندر بیڈ روم میں تو نہیں سلا رکھا ہم نے۔'' زبیدہ برتن لیے کچن میں آ گئیں جبکہ انعام الحق نے قاسم کو صحن کے پچھلے حصے میں بکرا دیکھنے کو کہا۔

''بکرا اُدھر کہیں نہیں ہے۔'' قاسم کی آواز بہ مشکل نکلی۔ ان دونوں نے مسجد جانے سے پہلے بکرے کی رسی شہتوت کے تنے سے ذرا ڈھیلی کر کے باندھی تھی تاکہ قصاب کے آنے پر بہ آسانی کھول سکیں۔ اب بھی ان کا یہ خیال تھا کہ بکرا کھل کر صحن کے پچھلے حصے میں چلا گیا ہوگا۔

''تو پھر کدھر گیا...... باہر کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔'' انعام صاحب حد درجہ پریشان ہو گئے۔ باقی سب کے چہروں پر بھی ہوائیاں اڑنے لگیں۔

''حد ہوتی ہے بے پروائی کی، تم لوگ دروازہ بھی نہ بند کر سکیں۔ اب نہ جانے بکرا بھاگ گیا یا چوری ہوا ہے۔'' وہ غصے اور پریشانی میں بیوی اور بیٹی پر برسنے لگے۔

''آپ جب گھر سے نکلے تھے تو ہمیں بتا جاتے ناں ہم دروازہ بند کر لیتے۔ صبح سے آنے جانے والوں کی وجہ سے دروازہ کھول رکھا تھا، ہمیں کیا معلوم تھا کہ بکرے کی رسی ڈھیلی باندھ رکھی ہے۔'' زبیدہ نڈھال آواز میں وضاحت دے رہی تھیں۔ اچانک افتاد کے سبب ان کا چہرہ سفید پڑ چکا تھا۔ اور ماریہ کا سرخ۔ انعام صاحب غصے میں بڑبڑاتے ہوئے باہر نکل گئے۔ پیچھے ہی قاسم بھی چلا گیا آناً فاناً پورے محلے میں انعام الحق کے بکرے کی ڈھنڈیا مچ گئی کوئی کہتا بھاگ گیا کسی کے خیال میں چوری ہوا، محلے کے کئی حضرات تفتیشی معائنہ کرنے جائے وقوعہ یعنی شہتوت کے درخت کے گرد جمع تھے اور اظہارِ رائے اور مشوروں سے نواز رہے تھے۔

اُدھر زبیدہ بستر پر ڈھیر ہوئی پڑی تھیں۔ سب تیاری خاک میں مل گئی تھی۔ محلے کی کچھ عورتوں نے آ کر تسلی دی، کچھ نے نصیبوں میں نہ ہوگا کہہ کر افسوس کیا تو کسی نے بکرے کا گم ہونا اہلِ خانہ کی بے پروائی اور حماقت گردانا۔ وہ تو شکر تھا کہ عید کا دن تھا۔ چند منٹ میں ہی عورتیں خبر گیری کا فرض نبھا کر چلتی بنیں لیکن زبیدہ کی طبیعت مزید بگڑ چکی تھی۔ انعام الحق کو بکرے سے زیادہ بیوی کی فکر پریشان کیے دے رہی تھی۔

''تم نے تو دل پر ہی لے لیا ہے، کل تک بکرا نہیں ملا تو اور لے آئیں گے قربانی کے لیے۔ تم پریشان کیوں ہوتی ہو۔'' انہوں نے نرم لہجے میں تسلی دی بچوں نے بھی باپ کی بات کی پرزور تائید کی۔

کچھ کھانے کو تو کسی کا دل ہی نہیں چاہ رہا تھا لیکن بھوک مٹانے کے لیے سب نے زردہ اور کھیر پر گزارہ کیا، دوپہر تک تو محلے سے کسی کو گوشت بھیجنے کا خیال ہی نہیں آیا پھر جو چند گھروں سے گوشت آیا بھی تو ہڈیوں اور چھیچھڑوں سے بھرا، خیر زبیدہ بھی تو ایسا ہی بھیجا کرتی تھیں۔ لیکن آج ایک دم لاشعوری طور پر وہ خود کو مساکین کی فہرست میں شمار کرنے لگیں۔ تب ہی انہیں اپنے ناشکرے کلمات یاد آئے جو بکرے کی آمد کے دن ان کی زبان سے نکلے تھے۔ (ابھی تو شکر ہے شوہر صاحب کو وہ بات یاد نہیں آئی ورنہ جب وہ غصے میں تھے تب طعنہ دینے کے ساتھ بکرا کھونے کی اصل وجہ یہی قرار دیتے) رب کے حضور توبہ کرتے ہوئے ان کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ وہ سکون کی غرض سے کمرے میں لیٹی تھیں۔ کچھ دیر میں انہیں برآمدے سے کسی کی آمد کی گہما گہمی اور شور سا محسوس ہوا لیکن وہ پھر بھی اٹھ کے جانے کے موڈ میں نہیں تھیں اور نہ ہی ہمت ہو رہی تھی۔

''امی وہ چچا ابوبکر اور چچی آئے ہیں، دوپہر کا کھانا لے کر اگر آپ کی طبیعت ٹھیک ہے تو آ جائیں ویسے میں نے کہہ دیا ہے کہ آپ آرام کر رہی ہیں اور آنٹی خدیجہ نے منع بھی کر دیا ہے آپ کو ڈسٹرب کرنے سے۔'' ماریہ ساری صورتِ حال کی اطلاع دے کر واپس چلی گئی۔

''آپ کی نیت تو قربانی کرنے کی ہی تھی ناں تو پھر سمجھ لیں آپ کی قربانی اللہ کے حضور پہنچ گئی اور پھر مصیبت پر صبر کرنے پر اجر تو الگ سے ملے گا۔'' ابوبکر نے انعام صاحب کو تسلی دی۔ انعام صاحب نے کھانا لانے پر ان کا شکریہ ادا کیا تو انہوں نے خوش دلی سے اور انکساری سے کہا۔

''ہم نے آپ پر کوئی احسان نہیں کیا بحیثیت ہمسائے اور پھر دوست ہونے کے ناتے یہ ہمارا فرض تھا۔'' وہ لوگ تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد ہی چلے گئے کیونکہ ابھی انہوں نے دوپہر کا کھانا نہیں کھایا تھا۔ کھانا تیار کر کے پہلے انہی کے لیے لائے تھے۔ کچھ دیر بعد زبیدہ کے بھائی جاوید گوشت کا حصہ اور سالن لے کر پہنچ گئے۔ مہمانوں سمیت سب گھر والوں نے کھانے سے خوب انصاف کیا۔ ماحول پر چھائی افسردگی چھٹ چکی تھی۔ وہ خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ جب دروازے پر دستک ہوئی قاسم اٹھ کے باہر گیا۔

''امی جی، ابو جی وہ......'' اس کے انداز میں بچوں سا جوش و خروش تھا۔ سب حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔

''وہ اپنا بکرا مل گیا ہے۔'' اس کے اعلان پر سب کی حیرت و خوشی بے یقینی میں بدل گئی۔

''کیسے؟ کہاں سے؟ کب؟'' جیسے سوالات کی بوچھاڑ پر قاسم ساری تفصیل بتانے لگا۔

''بکرا بھاگ گیا تھا رسی کھل گئی تھی اور سیر سپاٹے کرتا محلے کے دوسرے سرے تک پہنچ گیا تھا۔ وہاں کے لوگوں نے باندھ لیا اور جس قصاب نے ہمارے محلے میں جانور ذبح کیے تھے وہی جب اُدھر گیا تو اسے معلوم ہوا تو وہی اِدھر لے کر آ گیا۔ وہ صاحب بھی ساتھ ہیں جنہوں نے بکرا اپنے گھر میں حفاظت سے باندھ رکھا تھا۔'' بکرا لانے والے دونوں صاحبان کا پُرتکلف تواضع کے ساتھ شکریہ ادا کیا گیا۔ انعام صاحب کا بکرا مل جانے کی خبر پورے محلے میں پھیل گئی اور خود ان کے گھر میں تو جیسے دوبارہ سے عید اتر آئی تھی۔ انعام الحق نے تمام اہلِ خانہ کو فوراً شکرانے کے نوافل ادا کرنے کا حکم دیا۔ غرضیکہ قربانی ہوئی اور گوشت بھی شرعی احکام کے مطابق تقسیم کیا گیا۔ رات میں قاسم اور ماریہ نے مل کر گھر میں بوٹی تکے بنانے کا پروگرام طے کیا۔ یوں عید الاضحیٰ کی خوشیاں منائی گئیں۔

☆☆☆

عید کو چند روز گزر گئے تھے۔ مہمان داری سے فراغت ملی، ماریہ اپنے کمپیوٹر کے سامنے بیٹھی سہیلیوں سے خوش گپیوں میں مصروف تھی۔

''نہیں، میں بالکل راضی نہیں ہوں۔'' زبیدہ کی آواز بلند ہوئی جسے سن کر دوسرے کمرے میں بیٹھی ماریہ چونک اٹھی۔ اس کمرے میں انعام الحق اور زبیدہ کے علاوہ قاسم بھی موجود تھا۔ ماریہ کا لاشعور اسے کافی دیر سے نشست کے خاص الخاص ہونے کا پیغام دے رہا تھا۔ جسے وہ فیس بک میں منہمک ہونے کے باعث نظر انداز کیے ہوئے تھی۔ اب بالآخر وہ دروازے کے پاس کھڑی ہو کر بغور سننے لگی۔

''ابھی جمعہ، جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں انہیں مسلمان ہوئے اور آپ چلے ہیں ان سے رشتے داریاں گانٹھنے۔'' زبیدہ نے اپنا نقطۂ نظر بیان کیا۔

☆☆☆

کل شام ابوبکر اور حبیب الرحمٰن ان کے گھر خاص مقصد کے لیے تشریف لائے تھے۔ حبیب الرحمٰن کا آنا ویسے بھی انعام الحق کے لیے نہایت عزت افزائی کی بات تھی۔ ان کے اسلامی تربیتی دروس میں ہر ہفتے حاضری کے علاوہ ان سے ذاتی تعلقات بھی تھے۔ تقریباً ایک ماہ پہلے ابوبکر نے حبیب الرحمٰن سے اپنی بیٹی اور بیٹے کی شادی کے مسئلے کے حوالے سے بات کی تب سے وہ ان کے بچوں کے لیے مناسب بر کی تلاش اپنی ذمے داری سمجھے ہوئے تھے۔ ابوبکر کا گھرانا انہی کے ہاتھ پہ مشرف بہ اسلام ہوا تھا۔ کچھ روز پہلے انہوں نے انعام الحق سے بھی بچوں کے رشتوں کے سلسلے میں بات کی تھی۔ تب انعام الحق خاموش ہوگئے تھے لیکن یہ معاملہ ان کے شعور میں زیرِ غور تھا۔ آج ابوبکر صاحب نے خود حبیب الرحمٰن سے انعام الحق کی بیٹی کے رشتے کے حوالے سے مشورہ کیا تھا۔ اور نہیں اپنا ہمنوا اور سفارشی بنا کے ساتھ بھی لائے۔

''اگر آپ لوگوں کی مرضی نہ بھی ہوتی تو کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔ اس سے ہمارے تعلقات میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ آپ اپنی بیٹی کی زندگی کے فیصلہ کا پورا اختیار رکھتے ہیں۔'' ابوبکر صاحب نے اپنا مدعا بیان کرنے کے ساتھ یہ بات بھی واضح کی۔ حبیب الرحمٰن نے بھی ان کی بات کی بھرپور تائید کی۔

''میری طرف سے تو کوئی اعتراض نہیں لیکن اہلِ خانہ سے مشورہ ضروری ہے۔'' انعام الحق نے مثبت جواب کے ساتھ کچھ وقت طلب کیا۔

''ضرور، ضرور......'' پُرزور انداز میں دونوں صاحبان کی طرف سے تائید ہوئی۔ اب سب کچھ بتانے پر زبیدہ کا... ردِعمل انعام الحق کے اندازے کے عین مطابق تھا۔

''اگر وہ نومسلم ہیں تو یہ کوئی جواز نہیں ہے رشتے سے انکار کا... وہ ہم سے بہتر مسلمان ہیں، اس میں کوئی شک نہیں۔'' انعام الحق نے ان کا اعتراض رد کرکے دلیل دی۔

''خاندان، برادری والے کیا کہیں گے ہم نے کن لوگوں میں رشتہ جوڑ لیا۔ جن کا نہ نسب مسلم ہے نہ برادری۔'' زبیدہ نے خدشات کو زبان دی۔

''بھاڑ میں جائے خاندان، برادری...... لڑکا مسلمان ہے نیک، نمازی اور برسرِ روزگار ہے۔ برسوں کی جان پہچان ہے ان لوگوں سے۔ اب بتاؤ کیا برائی ہے؟ اگر ہم رشتہ نہیں دیں تو کوئی اور مسلمان گھرانا وہاں بیٹی بیاہ دے گا انہی لوگوں میں سے جن کی باتوں کا ڈر ہے تمہیں اور پھر دو سال سے تو تم یہ بچی کا رشتہ دیکھتی دکھاتی پھر رہی ہو کہیں بات منڈھے چڑھی بھی ہے؟ اب اگر گھر بیٹھے اچھا رشتہ مل رہا ہے تو اسے ٹھکرانا بے وقوفی نہیں تو کیا ہے؟'' انعام صاحب کی آواز بتدریج بلند ہو رہی تھی۔ زبیدہ اور قاسم کے چہروں پر قائل ہونے اور تسلیم خم سے تاثرات تھے جبکہ دوسرے کمرے میں دروازے کے قریب کھڑی ماریہ کا چہرہ سرخ اور وجود لرزاں تھا لیکن اندر کہیں طمانیت اور خوشی بھی جاگ رہی تھی۔

''میرا بس چلتا تو دونوں بچوں کی شادی ہی ابوبکر صاحب کے گھر کر دیتا لیکن ایک تو میں تمہارے تیز مزاج کے سبب گریزاں تھا کہ آئے دن مجھے ہی شرمندگی اٹھانا پڑے گی اور دوسرا یہ کہ تمہارا یہ لاڈلا تو پہلے ہی عشق محبت کے چکروں میں پھنسا پھرتا ہے۔ اسی لیے جب حبیب الرحمٰن نے مجھ سے اشاروں کنایوں میں اس کی شادی کا عندیہ لیا تو میں نے صاف سے لفظوں میں کہہ دیا کہ میں بیٹے کی بات اپنی سالی صاحبہ کے گھر چلا چکا ہوں۔'' انعام الحق کے اچانک بلاسٹ پر جہاں زبیدہ اچھلیں وہیں قاسم ششدر اور شرمسار سا ہو کے رہ گیا۔

''اور کیا ابو جی کو اس سارے معاملے کی خبر ہے۔'' اسے وہ اتوار کی صبح یاد آگئی جب یہ موبائل پر شعر و شاعری کا تبادلہ کر رہا تھا اور باپ نے چپکے سے پیچھے سے آکر رنگے ہاتھوں قاسم کو پکڑ لیا تھا۔

''یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ عبیدہ آپا کے گھر شادی...... ان کی بیٹی فرحین تو انتہائی تیز طرار اور طرح دار لڑکی ہے اور پھر شکل صورت میں بھی اتنی خوب صورت نہیں۔'' زبیدہ حیرانی سے بے ساختہ بول رہی تھیں۔

''تم جیسی مزاج کی عورت کے ساتھ تمہارے ہی خاندان کی کوئی لڑکی گزارہ کر سکتی ہے اور پھر شکل صورت کی جیسی بھی ہے تمہارا بیٹا تو اس کا عاشق بنا پھرتا ہے ناں۔'' انہوں نے قاسم کو دیکھ کر کہا تو اس کا چہرہ مزید جھک گیا۔ کچھ حد تک اس معاملے کی خبر زبیدہ کو پہلے سے تھی لیکن وہ نظر انداز کیے ہوئے تھیں۔

''اداؤں میں پھنسا لیا ہے اس چھمک چھلو نے ...... لاکھوں میں ایک ہے میرا بیٹا، چاند سی دلہن ہی لاؤں گی میں اس کے لیے، وہ بھی بڑے گھر کی بھول جائے گا یہ اسے۔'' زبیدہ بیگم نے ہاتھ نچا کر فیصلہ سنایا تو قاسم کا منہ لٹک گیا۔

''بلے بھئی بلے...... لاکھوں میں ایک تو نہیں البتہ ہزاروں میں ایک ضرور ہے تمہارا بیٹا۔ اور اب تم اس کا رشتہ دیکھنے کے نام پر گھر، گھر خاص مہمان بننے اور انواع و اقسام کی چائے ناشتے سے لطف اندوز ہونے کا ارادہ رکھتی ہو۔'' وہ جانچ لینے کے انداز میں بولے۔ ''ایک بات کان کھول کر سن لو میں ان واہیاتی طریقوں کی اجازت ہرگز نہیں دوں گا کہ لوگوں کے گھروں میں گھس کر بداخلاقی کے تماشے کرو، لوگوں کی بیٹیوں کی تحقیر......'' انعام الحق خاصے جذباتی ہو رہے تھے۔ زبیدہ نے ان کی بات بیچ میں کاٹی۔

''اب بس بھی کریں۔ آپ تو میرے سر ہی ہو گئے ہیں، یہ تو دستورِ زمانہ ہے۔'' انعام الحق کی زیرک نگاہی اور اس حد تک مزاج آشنائی پر وہ دل میں اش، اش کر اٹھی تھیں۔

''یہ دستورِ زمانہ کو دستورِ جاہلانہ میں نہیں بدلنا چاہیے اور یہ بات تو میں لکھ کر دینے کو تیار ہوں، تم چاہے پچاس گھروں میں تانک جھانک کر لو رشتہ لڑکے کا آخرکار تم اپنی بہن کے گھر ہی کرو گی۔ میں تمہاری فطرت کو جانتا نہیں کیا۔'' انعام الحق تو ان کی سوچ سے بھی آگے تک جانتے تھے۔ زبیدہ پر گھڑوں پانی پڑ گیا پھر بھی بھرم رکھنے کو بول پڑیں۔

''ہاں، ہاں میں تو جیسے کم عقل اور بے وقوف عورت ہوں ناں، میری بات کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں، کرتے پھریں اپنی مرضیاں، کل کلاں کوئی اونچ نیچ ہوئی تو ذمے دار بھی آپ ہی ہوں گے۔'' اپنی کم مائیگی پر وہ حد درجہ رنجیدہ تھیں۔ آواز رندھ گئی تھی، آنکھوں میں آنسو بھرنے کی کوشش ناکام رہی پھر بھی دوپٹے سے نادیدہ آنسو صاف کیے بہر حال زبیدہ کی... رنجیدگی پر انعام الحق نرم پڑ چکے تھے لیکن اپنے موقف پہ ہنوز قائم تھے۔

''یہ میری مرضی نہیں ہے، یہ صاحبزادے کی مرضی ہے۔ اس کا موبائل تو دیکھو ذرا، کیسے محبت بھرے، پیغامات سے بھرا پڑا ہے اور پھر دیر تک گفتگو فرمانے کا شغل الگ ہے۔ اب کسی کی بیٹی کو سبز باغ دکھا کر بلکہ خواب نگری کی سیر کرا کے نام نہاد مجبوریوں کی خاطر چھوڑ دینا کہاں کی شرافت اور غیرت مندی ہے۔'' ''یعنی ابا جی اس کے موبائل پر چھاپا مار کے اور بھی سب کچھ جان چکے ہیں۔ قاسم تو سر اٹھانے کے قابل نہیں رہا لیکن اس کا اندازہ غلط تھا۔ انعام الحق کو تب معلوم ہوا گزرتے ہوئے قاسم کی گفتگو ان کی سماعتوں سے ٹکرائی۔ تب انہوں نے جانا کہ وہ خالہ زاد فرحین کے عشق کی اڑان بھر چکا ہے اور پھر بہانے، بہانے سے اس کا خالہ کے گھر چکر لگانا...... اس کے بعد شک کی کوئی گنجائش نہ رہی تھی۔ ماں اور خاص کر باپ کے سامنے سارا پول یوں اچانک کھل جانے پر گہری شرمندگی کے تحت قاسم کے چہرے پر سرخی اور تناؤ چھا چکا تھا۔ زمین کا پھٹنا تو ناممکن تھا لیکن منہ چھپانے اور منظر سے ہٹنے کے لیے بیڈ کے نیچے گھسنے پر دل مچل رہا تھا۔

اور مزید ستم یہ کہ انعام الحق، بیوی زبیدہ کی تسلی کے لیے واضح الفاظ میں اس کی پسندیدگی کا اقرار کروانا چاہتے تھے تاکہ ان کی بات کی تصدیق ہو سکے۔

''ہاں بھئی صاف بتاؤ فرحین سے شادی کرنا چاہتے ہو یا یوں ہی دل لگی کی خاطر سارا ڈھونگ رچا رکھا ہے؟''

باپ کی بات نے اس کے سامنے زمین آسمان گھما دیے۔ زبان گنگ تھی اور لفظ باغی، باپ برملا اس کی محبت کی صداقت کا اقرار طلب کر رہا تھا۔ کوئی رسوائی سی رسوائی، امتحان سا امتحان تھا...... مگر جان کی خلاصی تو جواب دے کر ہی ہونی تھی۔ ماں، باپ کی جواب طلب نظریں اسے گھگیا رہی تھیں نہ جانے کیسے اس نے اپنی زبان سے یہ لفظ نکالے......

''جی ہاں میں فرحین سے ہی شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' چلّو بھر پانی میں ڈوب مرنے کا عملی تجربہ اسے اسی لمحے ہی ہوا تھا۔ وہ چوہے کی طرح اٹھ کے باہر بھاگا۔ ماں، باپ کی مخلوط ہنسی اس نے پیچھے سے سنی تھی۔

دوسرے کمرے میں آکر بمشکل سانس بحال ہوئی۔

''مبارکاں، دل کی مراد پانے پر۔'' ماریہ کے چہرے پر معصوم سی خوشی بھری مسکراہٹ تھی۔ جواباً وہ بھی مسرور ہو کے کھل کے ہنسا۔

اور پھر چند روز بعد ایک شام ماریہ کی نسبت عمر کے ساتھ اور قاسم کی فرحین کے ساتھ طے پانے کی پُروقار مگر سادہ سی تقریب منعقد ہوئی۔

ہر طرف گہما گہمی اور طمانیت کا سماں تھا۔

ہوا میں گھلی خوشبو کی دُھن پر چاندنی کی گنگناہٹ سہانے نغمے سنا رہی تھی۔ یہ عید سب کے لیے سہانی اور انمٹ یادوں کے نقوش چھوڑے جا رہی تھی۔

یادوں کے جگنو

ہما علی

جگنو ہماری زندگی میں کیسے اور کب شامل ہوگئی یہ تو بچپن میں پتا ہی نہیں چلا۔ جب ایک صبح سو کر اٹھے تو اللہ بخشے ہماری نانی کو انہوں نے بتایا کہ رات کو اللہ نے تم لوگوں کو ایک پیاری سی بہن دی ہے۔ ہم لوگوں کو بڑا شوق ہوا اور حیرت بھی خیر سب امی کے کمرے میں گئے تو دیکھا ایک سرخ سفید ننھا سا وجود کالے سیاہ گھنگرالے بال لیے ممی کے ساتھ سو رہا تھا۔ ہم سب اسے تک رہے تھے کوئی سوال نہیں کر رہا تھا۔ میں تو کمرے کے دروازے ہی میں رک گئی تھی امی نے میری طرف دیکھا تو مسکرا کر بولیں۔

"آؤ ناں، اندر آجاؤ......" جھجکتے ہوئے قدم بڑھائے، میری نانی جو پاس ہی کھڑی تھیں انہیں ہم اماں کہتے تھے بولیں۔ "یہ جگنو ہے" اور لہک لہک کر گانے لگیں۔

"جگنو، جگنو تارا، سونے کا پٹارا۔"

اتنی دیر میں اس چمکتے، دمکتے وجود نے آنکھیں کھولنا اور بند کرنا شروع کیں اور ساتھ ہی اپنے ہونے کا اعلان رو، رو کے کرنا شروع کیا۔ امی نے اسے گود میں اٹھایا تو اس کے چھوٹے، چھوٹے سفید ہاتھ اور مُنّی مُنّی انگلیاں نظر آئیں۔ تھوڑی دیر میں امی نے اس کی بھوک کا انتظام بھی کر دیا اور پھر میری بڑی بہن کی گود میں لٹا دیا۔ ہم سب کو لگتا تھا کوئی کھلونا ہاتھ آگیا ہے۔ پھولے، پھولے گلابی گال اور گلابی ہونٹوں والی جگنو نے اب بیٹھنا شروع کر دیا تھا۔ ایک دن میں نے اماں سے پوچھا۔

"اماں، جگنو کا نام جگنو کیوں ہے؟" تو اماں بولیں۔

"تم نے دیکھا نہیں اس کی آنکھوں میں جگنو چمکتے ہیں۔" اور واقعی اماں نے ٹھیک کہا تھا۔ اس کی آنکھیں تھیں ہی ایسی چمکیلی، اس نام کے علاوہ اسے اور کوئی نام سوٹ بھی نہیں کرتا۔

وقت گزرتا گیا ہنستے کھیلتے لڑتے، جھگڑتے سب بڑے ہوگئے۔ ہم بڑی بہنوں کی شادیاں ہوگئیں۔ بس جگنو، امی اور ابا کے پاس رہ گئی۔

ہمارے آنے کا انتظار سب سے زیادہ جگنو ہی کو ہوتا۔ کچھ زیادہ دن جانے کا وقت نہ ملتا تو شکوہ بھی سب سے پہلے اسی کو ہوتا۔

خاندان بھر کے بچوں کی چہیتی خالہ اور چہیتی پھپھو جگنو ہی تھی۔ جس بچے کو کوئی پرابلم ہوتی جگنو خالہ، پھپھو جگنو یاد آجاتیں اور وہ سب کے لیے حاضر......

جگنو کو تو اللہ نے چاندنی میں نہلا کر دنیا میں بھیجا تھا۔ کالے سیاہ لمبے گھنے بال خوب صورت چہرے کا ہالہ بنے رہتے۔ اب تو جگنو کے رشتے بھی آنے لگے تھے۔ ابا، امی بھی شادی کرنے کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنے لگے۔ رشتے آتے، بہت پسند کرتے، کچھ کہتے آپ کی بیٹی تو شہزادی ہے مگر اس شہزادی کا شہزادہ تو کوئی تھا ہی نہیں، ہوتا بھی کیسے...... اس کے لیے تو اللہ نے کچھ اور ہی سوچ رکھا تھا۔

نماز، روزے کی پابند، باہر نکلتی تو خود کو بڑی سی چادر میں لپیٹ لیتی۔ میک اپ سے بے نیاز چہرہ، ضرورت ہی نہیں تھی۔ میں بھی کہتی جگنو ہلکی سی لپ اسٹک تو لگا لیا کرو۔"

"نہیں، یوں ہی ٹھیک ہے۔" ہاں کاجل کا شوق بہت تھا۔

وہ اکثر کہتی۔ "مجھے weakness بہت ہوتی ہے۔" دھوپ یا کسی بھی قسم کی heat برداشت نہیں ہوتی تھی، چہرے پر سوئیاں چبھنے لگتیں اگر باورچی خانے یا دھوپ میں جانا پڑ جاتا تو۔

پھر ایک دن جگنو فون پر باتیں کرتے، کرتے بے ہوش ہوگئی۔ ڈاکٹر کو دکھایا مگر سب کچھ ٹھیک تھا۔ ڈاکٹر نے کہا۔ روزے رکھنے کی وجہ سے بی پی ڈراپ کر گیا کوئی فکر کی بات نہیں۔ حالانکہ بات بہت بڑی تھی، ڈاکٹر کو تو کچھ پتا ہی نہیں چلا کہ اس کی زندگی تو چراغ آخر شب کی طرح لرز رہی تھی کہ نہ جانے کون سا ہوا کا ایسا جھونکا آئے جو زندگی کو موت کی خاموشی میں بدل دے۔ موت کس تیزی سے جگنو کی طرف ہاتھ بڑھا رہی تھی کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ سوچتا بھی کیوں...... کبھی، کبھی اپنے پیارے زندگی

سے بھرپور صحت مند شخص کے لیے کسی نے کبھی سوچا ہے کہ چند دن کے بعد یہ ہم میں نہیں ہوگا؟ پھر جگنو تو ہم سب بہن، بھائیوں میں چھوٹی تھی۔

انہی دنوں ہم لوگ پنڈی شفٹ ہوگئے، ہمارے نئے گھر میں فون نہیں لگا تھا ابھی سیل فون اتنے عام نہیں تھے۔ میرا دس بارہ دن بالکل بھی امی کے گھر سے کوئی رابطہ نہیں ہوسکا تو مجھے پتا ہی نہیں چلا کہ گھر میں کیا قیامت برپا ہے۔ بڑی بہن نے کسی کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ شام کو فلاں اسپتال آجاؤ خیریت نہیں ہے۔ دل میں طرح، طرح کے برے خیال آنے لگے۔ "یا اللہ امی، ابا خیریت سے ہوں،

انہیں کچھ نہ ہوا ہو۔" اور یہ دعا قبول بھی ہوگئی۔ دعا ...
مانگتے اسپتال پہنچی، جاتے ہی بہن سے پوچھا۔ "ابا تو ٹھیک ...
ہیں؟ امی کو تو کچھ نہیں ہوا؟" مگر جو انہوں نے بتایا وہ ...
قیامت سے کم نہیں تھا۔ بولیں۔ "جگنو رات بے ہو...
ہوگئی تھی اسپتال لائے ٹیسٹ ہوئے تو پتا چلا اسے بر...
ٹیومر ہے۔"

"اُف یہ نہیں ہوسکتا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟" مجھے آ...
بھی اپنے الفاظ یاد ہیں، بہن بولیں۔ "وہ آئی سی یو میں ...
ہے اسے کچھ پتا نہیں ہے کہ اسے کیا ہوا، خود کو بہت سنبھال ...
کے جانا اس کے سامنے رونا مت۔" بڑا کڑا امتحان تھ...



میری ہمت اور محبت کا۔

"وہ بیڈ پر بے سُدھ پڑی تھی مجھے دیکھا تو بولی۔

"میں یہاں کیسے آ گئی؟" میں نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"تمہیں بہت تیز بخار ہو گیا تھا۔"

"اچھا....." نقاہت اس کی آواز سے عیاں تھی۔ اس نے اپنی دونوں گوری، گوری کلائیاں میرے سامنے کر دیں۔

"دیکھو ان لوگوں نے کیا حال کیا ہے میرا۔" دونوں کلائیوں پر ڈرپ لگنے سے بڑے بڑے نیل پڑے ہوئے تھے۔

ڈاکٹرز نے صاف بتا دیا کتنا بھی علاج کروا لیں آخر میں سرجری ہی کروانی پڑے گی۔

اب سب سے بڑا مرحلہ یہ تھا کہ جگنو کو کیسے یہ بتایا جائے کہ تمہیں برین ٹیومر ہے۔ وہ تو دل کی بہت چھوٹی ہے۔ وہ مثل ہے ناں کہ سنی تھی تو ڈری تھی، پڑی ہے تو سہی ہے۔ ہم سب بھی اب سرجری کے لیے تیار تھے، جگنو کو بھی اپنی بیماری کا پتا چل گیا تھا۔ سب ہی تسلیاں دے رہے تھے۔

"ارے اب تو ہر بیماری کا علاج ہے، دیکھنا بالکل ٹھیک ہو جاؤ گی۔" جگنو، بھیا کے گلے لگ کر رو رہی تھی۔

"بھیا مجھے کچھ ہوگا تو نہیں ناں!"

"نہیں، میں تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گا۔" رو تو بھیا بھی رہے تھے مگر ظاہر نہیں کر رہے تھے۔ "جگنو تم میرے بچوں کی طرح ہو میں تمہیں مرنے نہیں دوں گا۔"

اور پھر جگنو سرجری کے لیے لاہور چلی گئی۔ مجھے امی، ابا کے پاس چھوڑ دیا، دل تو میرا ابھی مان نہیں رہا تھا مگر مجبوری تھی۔

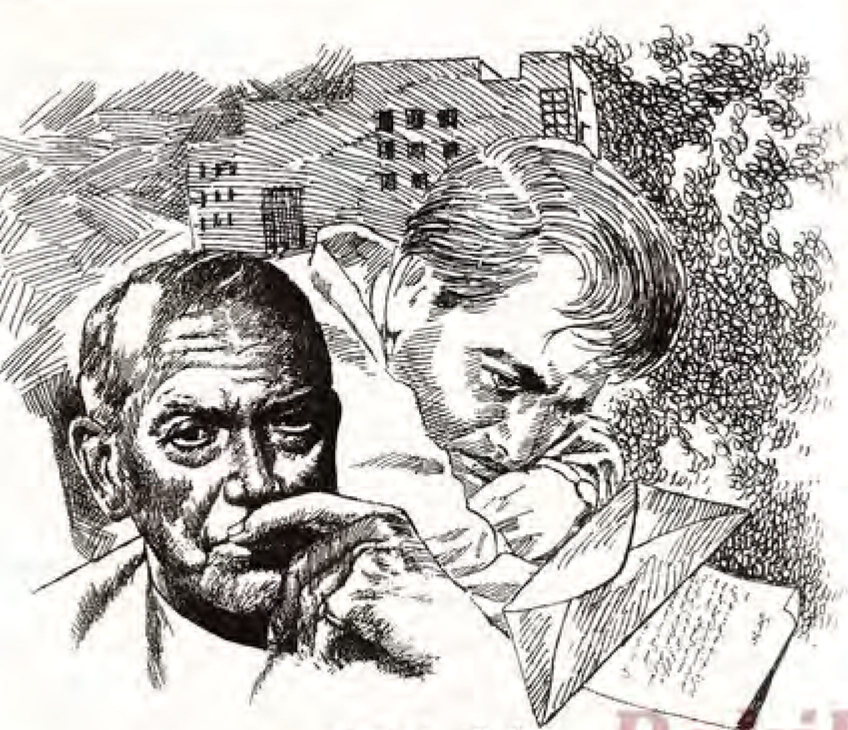
اگلے دن خبر آئی کہ سرجری ہو گئی ہے۔ بس ہوش آ جائے گا صبح تک مگر وہ صبح ہماری زندگی میں کبھی نہیں آئی۔ اس دن تیرہ اگست تھی۔ سارا اسلام آباد بلکہ اسلام آباد ہی کیا سارا پاکستان جگمگا رہا تھا۔ سب جشن کی تیاریاں کر رہے تھے جگہ، جگہ چراغاں ہو رہا تھا۔ بارش بھی ایسے ہی برس رہی تھی۔ ایسی طوفانی بارش کہ رکنے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔

پندرہ سال پہلے کی وہ تیرہ اگست صرف ان لوگوں کو یاد ہوگی جن کی زندگی سے وہ چمکتا ہوا جگنو کہیں بہت دور آسمان کی وسعتوں میں گم ہو گیا تھا۔ ہر طرف ہنستے مسکراتے چہرے تھے اور ہم سب کی آنکھوں میں آنسوؤں کے چراغ جھلملا رہے تھے۔ ہمارے ہونٹ مسکرانا بھول گئے تھے، ہمارے چہروں پر اداسیاں ڈیرے ڈالے بیٹھی تھیں۔

آج پندرہ سال بعد بھی ویسے ہی چراغاں گلی، گلی ہو رہا ہے اور تیز بارش بھی لگاتار ہو رہی ہے اور..... آج ہم خالی ہاتھ بیٹھے یادوں کے جگنو پکڑنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

خوابوں کے نگر میں آؤ ناں
نینوں کی بستی سونی ہے
کسی روز کہیں سے آ جاؤ
تمہاری دید کو آنکھیں
ترستی ہیں، تڑپتی ہیں
تمہارا کھلکھلاتا، مسکراتا
چاند سا چہرہ
سیاہ زلفوں کے ہالے میں
میرے اطراف رہتا ہے
تمہیں بچھڑے ہوئے گرچہ
کئی اک سال ہیں گزرے
میرے گالوں پر مگر اب تک
تمہارے پیار کے جگنو چمکتے ہیں
مجھے سارے جہاں میں اک
تمہاری کمی محسوس ہوتی ہے
کسک ہوتی ہے دل میں
ہوک سی اٹھتی ہے سینے میں
میں روتی تو نہیں لیکن
بس آنکھوں میں سمندر کی
نمی محسوس ہوتی ہے

ـــ



خون اپنا نہ تھا

دیا سیال

دروازے پر کافی دیر سے دستک جاری تھی۔ افشاں کچن میں تھی۔ وہ آج علی کی پسند کا کھانا بنا رہی تھی۔ خوشی اس کے انگ، انگ سے پھوٹ رہی تھی۔

"علی آپ....." جیسے ہی اس نے دروازہ کھولا۔ اپنے سامنے علی کو کھڑا ہوا پایا۔ اس کی حالت بتا رہی تھی کہ اس کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی مگر اس کے جذبات سے قطعاً انجان اس نے مسکراتے ہوئے آگے بڑھ کر بیگ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

جیسے ہی وہ گھر میں داخل ہوا اسے ایک عجیب سا سناٹا محسوس ہوا۔ یا شاید یہ سناٹا اس کے اپنے دل میں تھا جو اس کی روح تک میں اتر گیا تھا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا..... وہ اپنے جسم کو بے جان محسوس کر رہا تھا۔ شکستہ

قدموں سے چلتا ہوا وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھا۔

افشاں کو اس کی حالت کی مطلق پروا نہیں تھی۔ وہ تیزی سے دروازے سے باہر نکلی اور ادھر ادھر جھانکا۔ سب جگہ دیکھ کر اپنی تسلی کی۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں راستے میں علی کا موڈ نہ بدل گیا ہو۔ کیا پتا اس کے دل میں سوئی ہوئی محبت پھر جاگ اٹھے۔ اسے ان پر رحم آجائے، اس سے پہلے کہ وہ مزید آگے جاتی علی کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

''واپس آجاؤ'' وہ مڑی تھی۔ ''تسلی رکھو، اور سکون سے دروازہ بند کرلو۔ وہ اب واپس نہیں آئیں گے۔'' وہ دکھ سے بولا۔ مگر افشاں کو اپنی غلطی اور زیادتی پر کوئی شرمندگی نہ تھی۔

''وہ، میں تو بس...... اس لیے دیکھ رہی تھی کہ......''

اس سے بات کرنا دوبھر ہو گیا۔

''ہاں...... بولو...... کہ کیا......؟'' وہ اسے بہت اچھی طرح سے جانتا تھا۔ اسے یہ بھی نظر آرہا تھا کہ وہ کس قدر خوش تھی۔

''چھوڑیں ان باتوں کو، میں نے سارا دن لگا کر صفائی کی ہے اور آپ کی پسند کا کھانا بنایا ہے، گھر دیکھیں کتنا صاف لگ رہا ہے۔ اب میں بہت تھک گئی ہوں۔'' اس نے قصداً موضوع بدل ڈالا تھا۔

''ہاں...... میں دیکھ رہا ہوں گھر بہت صاف ستھرا لگ رہا ہے اور سکون بھی بہت ہے۔ ورنہ تو گھر میں قدم رکھتے ہی بے سکونی اور لڑائی جھگڑا استقبال کرتے تھے۔ میں تنگ آگیا تھا اس روز، روز کی بحث سے۔'' اس کی بات پر وہ لمحہ بھر کو خاموش رہ گئی تھی پھر اس کا دھیان بٹانے کی غرض سے گویا ہوئی۔

''آپ فریش ہو جائیں، میں کھانا لگاتی ہوں۔'' وہ کچن کی جانب بڑھی۔

''بچے کہاں ہیں؟'' علی نے پیچھے سے ہانک لگائی۔

''وہ ساتھ والی آنٹی آسیہ کے ساتھ پارک گئے ہیں۔ میں نے سوچا روز نہ ان کے ساتھ ہی چلے جایا کریں گے۔ اس لیے آج سے ہی بھیج دیا۔''

''یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ کہاں، کہاں اور کیا، کیا خود کرنا پڑے گا۔'' وہ بڑبڑاتا ہوا واش روم کی جانب بڑھ گیا۔ افشاں سر جھٹک کر اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

آج تو کوئی بھی بات بری نہ لگ رہی تھی...... اس کی فتح ہوئی تھی...... آج پہلی مرتبہ وہ اس گھر میں سکون محسوس کر رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ آج سے اس کی اور اس کے بچوں کی نئی زندگی شروع ہوئی ہے مگر وہ یہ بھول گئی تھی کہ اس کے بچوں کی اصل خوشی کس بات میں ہے۔

☆☆☆

رات کا آخری پہر تھا۔ نیند علی کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ بے چینی سے بستر پر کروٹیں بدل رہا تھا۔ آخر کار وہ اٹھ کر باہر آگیا۔ صحن میں لگا پیپل کا درخت ہوا کے زور پر ہل رہا تھا۔ ''میں کتنا برا ہوں، میرا دل کتنا چھوٹا ہے۔ میں علی شاہد مرزا اپنے والد شاہد مرزا کو ان کے آرام کرنے کے دنوں میں دوسروں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر آگیا۔ میں کیسے ہو گیا اتنا بے حس؟ کیا یہ واقعی میں ہی ہوں؟ کیا کوئی اولاد ایسا بھی کر سکتی ہے؟ میں کیسے اتنا خود غرض ہو گیا؟ میں اپنی بیوی کی خوشی کے لیے، بچوں کی صحت کے لیے، اپنے بوڑھے باپ کو اولڈ ہوم میں پھینک آیا۔ نہیں میں ایسا نہیں کر سکتا۔'' اس نے اپنے سر کے بالوں کو دونوں مٹھیوں میں جکڑ رکھا تھا۔ جب سے وہ اپنے باپ کو شیلٹر ہوم میں چھوڑ کر آیا تھا۔ تب سے لے کر اب تک ایک لمحے کے لیے بھی اسے سکون نہیں ملا تھا۔ وہ کبھی ان کے کمرے میں جاتا جو اب اسٹور روم بن چکا تھا۔ کبھی ان کے پرانے، بوسیدہ کپڑوں کو نکالتا، کبھی ان کی باتیں یاد کرتا...... مگر پھر کہیں سے چند آوازیں ابھرتیں۔

''اور کیا کرتے تم ہر وقت تو گھر میں لڑائیاں ہوا کرتی تھیں۔ ہاں ٹھیک ہے مگر میری بیوی بھی تو غلط نہیں کہتی۔'' وہ شکست خوردہ انداز میں بڑبڑایا۔

''ابا جی کو جانے کون سی بیماری ہے اور اگر یہی بیماری میرے بچوں کو لگ گئی تو......؟'' وہ تڑپتے دل کو تسلیاں دیتا۔

''ویسے بھی وہاں وہ لوگ ابا جی کا بہت خیال رکھیں گے۔ ان کا یہی تو کام ہے۔ ہاں میں نے صحیح کیا۔'' وہ اسی شش و پنج میں مبتلا تھا کہ اس نے صحیح کیا یا نہیں۔

''اب کل سے میرے گھر میں کوئی لڑائی نہیں ہوگی، میری بیوی بھی خوش رہے گی اور میرے بچوں کو بھی کوئی بیماری نہیں لگے گی۔ اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ دل کو بہلانے کے واسطے ایسی باتیں کر رہا تھا۔

''بس مجھے ابا جی سے کیا ہوا وعدہ نبھانا ہے۔ بچوں کو ان سے ملوانے لے کر جاتا رہوں گا۔'' تمام رات اس کا ضمیر اسے ملامت کرتا رہا۔ گھر میں تو شاید سکون آگیا تھا۔ مگر اس کے اندر طوفان برپا تھا۔ سکون کی نیند سونا چاہتا تھا مگر باپ کا چہرہ بار، بار آنکھوں کے سامنے گھوم رہا تھا۔ تمام رات اس نے صبح کا انتظار کیا تھا۔ شاید سکون کی ایک نئی صبح کا۔

☆☆☆

آج پورا ایک مہینہ ہو گیا تھا اسے اپنے باپ سے ملے ہوئے بلکہ یوں کہیے گھر سے اور خود سے دور کیے ہوئے۔ وہ سب وعدے بھول گیا تھا۔ اس ایک مہینے میں بچوں کو ان سے ملوانے نہیں لے کر گیا تھا۔ وہ اپنی زندگی میں اس قدر گم ہو گیا تھا کہ اسے یاد بھی نہ رہا تھا کہ اس نے باپ سے کیا کہا تھا۔

وہ گھر جاتا تو بیوی اس کا انتظار کر رہی ہوتی۔ اب ان کی بحث ہوتی تھی اور نہ کوئی لڑائی جھگڑا...... اقرا اور احمد ہر روز اپنے دادا سے ملنے کا کہتے مگر ماں، باپ ٹال جاتے۔

''باہر سے کچھ منگوانا تو نہیں......؟'' ان کا معمول تھا ہر شام وہ ایک لمبی لسٹ لے کر جاتے اور گھر کے لیے اور ان سب کے لیے سامان لاتے، وہ اپنی ساری پنشن ان سب پر خرچ کر دیتے تھے...... روز شام کو پوتی، پوتے اقرا اور احمد کو پارک لے کر جاتے۔ مگر جیسے ہی وہ بیمار ہو کر بستر پر پڑے سب ان سے دور ہوتے چلے گئے۔

☆☆☆

علی اپنے آفس کے کام میں مصروف تھا کہ اس کا سیل فون بجا اور دوسری طرف سے اسے جو پیغام ملا اس

نے اس کے ہوش اڑا دیے تھے۔

''شاہد مرزا کا انتقال ہو گیا ہے، دو بجے ان کا جنازہ ہے، آپ شرکت کرنا چاہتے ہیں تو آجائیں۔'' کال بند ہو گئی تھی۔ وہ مقررہ وقت پر وہاں پہنچ گیا تھا۔

''آہ......'' انہیں دیکھ کر اس کے سینے سے ایک تھکی اور گہری سانس برآمد ہوئی۔ وہ شیلٹر ہوم سے باہر نکل آیا۔

''علی مرزا......'' وہ آواز سن کر مڑا۔ ''علی مرزا آپ ہی ہیں؟'' وہ پکارنے والے کے قریب آیا۔

''جی......'' اس نے استفہامیہ نظروں سے اس اجنبی کی جانب دیکھا۔ اس شخص نے ایک لفافہ علی مرزا کی جانب بڑھایا۔

''یہ کیا ہے؟'' اس نے لفافہ پکڑتے ہوئے سوال کیا۔

''آپ کے والد نے مجھے دیا تھا اور کہا تھا کہ اسے آپ کے حوالے کر دوں۔'' اس نے بتایا۔

''اچھا آپ غالباً وہی صاحب ہیں جب میں انہیں یہاں چھوڑنے آیا تھا تو آپ دونوں ہنس، ہنس کر باتیں کر رہے تھے۔'' علی نے پوچھا۔

''ہاں!'' انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

''کیا آپ انہیں پہلے سے جانتے تھے؟'' اس نے استفسار کیا۔

''ہاں بہت پہلے سے...... آپ اس کو پڑھ لیں...... آپ کے سب سوالوں کا جواب اس لفافے میں ہے۔'' وہ شخص وہاں سے چل دیا تھا۔ اس کا ذہن سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ جانے اس لفافے میں کیا ہے۔ شائد جائیداد کے متعلق کوئی بات ہو...... مگر جائیداد تو پہلے ہی وہ اس کے نام لکھوا چکے تھے۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے لفافہ چاک کیا تھا۔ جیسے، جیسے وہ خط پڑھتا جا رہا تھا اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اسے خود سے نفرت ہو رہی تھی۔

☆☆☆

صحیح کہتے ہیں لوگ، گیا وقت واپس نہیں آتا۔ اگر

ہاتھ آتا ہے تو صرف پچھتاوا...... وہ آج ہار گیا تھا۔ اپنے آپ سے ہار گیا تھا۔ وہ مرے، مرے قدموں سے گھر میں داخل ہوا تھا۔ اسی گھر میں جس کے سکون کے لیے اس نے اپنے بوڑھے باپ کو بے گھر کیا اور آج خود بے گھر ہو گیا۔

بیوی پہلے سے ہی اس کی منتظر تھی۔ اسے علی نے فون پر والد کی وفات کی خبر سنا دی تھی۔ آج گھر اسے کاٹ کھانے کو دوڑ رہا تھا۔ وہ زور، زور سے رونے لگا تھا۔

''علی سنبھالیں خود کو۔'' وہ اس کے قریب آئی۔

''دور ہو جاؤ مجھ سے۔'' وہ چلّایا۔ ''تم تو ان کا اپنا خون تھیں، کیوں مارا انہیں؟''

''علی میں نے انہیں نہیں مارا......'' وہ اس کے تیور دیکھ کر ڈر گئی۔

''ہاں، میں نے انہیں مار دیا، ہاہاہا...... میں نے اپنے باپ کو مار دیا۔'' وہ حواس کھونے لگا تھا۔ افشاں اس کی حالت پر حیران تھی۔ اس نے باپ کی موت کا کچھ زیادہ ہی اثر لے لیا تھا۔ علی نے وہ خط بیوی کو تھمایا۔ اسے اچنبھا ہوا تھا، اس نے خط پکڑا اور اسے کھول کر پڑھنے لگی۔

''السلام علیکم......!

میرے پیارے بیٹے علی، تمہاری پیاری ماں کو یہ نام بہت پسند تھا۔ اس کی شدید خواہش تھی کہ اس کا بیٹا ہو جس کا نام علی رکھے...... مگر شادی کے دس سال گزرنے کے بعد بھی جب ہمارے ہاں اولاد نہ ہوئی تو ہم نے تمہیں گود لے لیا۔ اسی شیلٹر ہوم سے جہاں تم آج مجھے چھوڑ گئے ہو۔ تمہارے آنے سے ہماری زندگی میں گویا بہار آ گئی تھی۔ ہم رات، رات بھر تمہیں اٹھا کر پھرتے، ایک لمحے کے لیے رونے نہ دیتے اور ذرا سی تکلیف پر ڈاکٹر کے پاس دوڑے چلے جاتے۔

اور جب تمہارا اسکول میں پہلا دن تھا تو ہم بہت خوش تھے، تمہاری ماں تمہارے ساتھ اسکول گئی اور تمہاری چھٹی تک وہاں بیٹھی رہی۔ ہم نے ایک، ایک پل لگا دیا تمہاری پرورش کے لیے اور جب تمہاری شادی کا وقت آیا تو ہم نے سمجھا تم نے لڑکی پسند کر رکھی ہوگی مگر ایسا نہ تھا۔ تم نے ہمیشہ ہماری خواہش کا احترام کیا اور اس دفعہ بھی یہی کیا کہ جیسی آپ کی مرضی...... ہم دونوں نے تمہارے لیے میری بھتیجی افشاں کو پسند کیا جو کہ میرا اپنا خون تھی اور ہمیں اندازہ تھا تم اسے پسند کرتے ہو۔ تمہاری والدہ کہا کرتی تھیں۔ ''دیکھنا شاہد مرزا، ایک دن یہ بھی ہمیں ایسے ہی سہارا دے گا جیسے ہم نے اسے دیا ہے۔'' تم ہمارا فخر تھے، ہماری زندگی کا حاصل تھے۔ ہمیں تم پر بہت مان تھا۔

پھر تمہاری شادی افشاں سے ہو گئی، اور ہمارا اپنا خون ہماری بیٹی بن کر ہمارے گھر آ گئی۔ اس دن ہم بہت خوش تھے۔ تمہاری والدہ جیسے تمہاری خوشی دیکھنے کے لیے زندہ تھی۔ تمہاری شادی کے بعد وہ جلد ہی اس دنیا سے چلی گئی اور جاتے، جاتے مجھ سے وعدہ لیا کہ تمہیں کبھی نہ بتاؤں کہ تم میرا خون نہیں ہو، اور میں نے واقعی کبھی نہ سوچا تھا کہ تمہیں بتاؤں گا یہ سب...... جب آئے روز میری وجہ سے گھر میں جھگڑے ہوتے تھے تب بھی میں نے کچھ نہ کہا۔ جب میں یہاں تمہارے ساتھ چپ چاپ آ گیا تھا۔ جب بھی خاموش رہا مگر تم اپنے وعدے سے پھر گئے۔ میں نے پورا مہینہ تمہارا انتظار کیا۔ بچوں کی راہ دیکھتا رہا مگر تمہیں ایک فون تک کرنے کی فرصت نہ ملی۔ یہ سب تمہیں اس لیے بتا رہا ہوں کہ والدین کے ساتھ کیا گیا سلوک ایک ایسی کہانی ہوتی ہے جسے لکھتے آپ ہیں اور پڑھ کر کوئی اور نہیں بلکہ آپ کی اپنی اولاد سناتی ہے۔

رشتے ناتے کچھ نہیں ہوتے۔ میں نے جان لیا ہے۔ برسوں پہلے تمہیں بھی تو کوئی یہاں چھوڑ گیا تھا ناں۔ خون اپنا ہو اور دغا دے جائے تو دکھ زیادہ ہوتا ہے، شکر ہے تم میرا خون نہ تھے مگر میرے دل کے بہت قریب تھے۔

میری دعا ہے تم سدا خوش رہو۔''

اس کے ہاتھ سے خط چھوٹ کر دور جا گرا تھا، اب ان دونوں کے پاس پچھتاوؤں کے سوا کچھ نہ تھا۔ انہیں اپنے بچوں کو دیکھ کر خوف آنے لگا تھا کہ کہیں وہ بھی ان کے ساتھ ایسا ہی سلوک نہ کریں کیونکہ ایسا تو ہوتا ہے ناں......!

اولڈ پیپلز ہوم

رفاقت جاوید



''ماما گستاخی معاف...... ایسا مجبور اور بے بس ہو گیا ہوں کہ آپ کو اس کا اندازہ ہی نہیں ہو رہا...... آج پھر وہی پرانی کہانی...... کہ آپ کو میری

جائے گی۔ اس صورت میں شرطیہ آپ کا سکون بھی غارت ہو کر ہی رہے گا۔ تو کیا یہ بہتر نہیں کہ ہم سمجھدار، پڑھے لکھے لوگوں کی طرح ایک دوسرے کی مجبوریوں کو

ہوئے بیزار کن لہجے میں کہا تو زہرہ نے نہایت تحمل سے اس کی طرف دیکھا۔

''بولو بیٹا......! میں ہر صبح تمہارا لیکچر سننے کے لیے خود کو ذہنی طور پر کیسے تیار کرتی ہوں؟ کاش تمہیں اس کا اندازہ ہوتا......تو تم میرے جذبات کا خیال رکھ کر مجھے گھسا پٹا لیکچر سنانے کے بجائے مجھے بوسہ دے دیتے۔ میں اسی میں نہال ہو جاتی......'' زہرہ نے بیٹے کے لیے چائے بناتے ہوئے آزردگی سے کہا۔

''میں کیا کروں......؟ کچھ سمجھ نہیں آ رہا......لگتا ہے میری تو دفتر سے بھی چھٹی ہونے والی ہے ماما......! اس مرتبہ ماہین یہاں سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئی ہے۔ بچوں کے بغیر گھر کیسا اجڑا ہوا لگ رہا ہے۔ میں جونہی گھر میں قدم رکھتا تھا تو اُن کے بکھرے ہوئے کھلونے کلرز پینسلیں اور کاپیاں مجھے خوش آمدید کہہ کر گھر کی آبادی اور خوشحالی کا احساس دلایا کرتی تھیں۔'' وہ المناک لہجے میں بولا تو ماں کی آنکھوں میں نمی آ گئی اور وہ خاموشی سے سر جھکا کر بیٹے کے لیے ٹوسٹ پر مکھن اور جیم لگانے لگیں۔

''اُف مجھ پر جان نثار کرنے والا بچہ...... بہو بدلنے میں کامیاب ہو ہی گئی......ماں کا پیار زوال اور بیوی کی ناجائز شرطیں بھی عروج۔'' وہ عجیب سوچ میں گم ہو گئیں۔

''ماما! چپ کیوں ہیں؟ ماہین کو آپ کی یہ عادت بہت بری لگتی ہے کہ ذرا سی بات پر چہرے پر مظلومیت اور مسکینیت طاری کر لینا اور پھر زبان کا میٹھا پن.... خواہ مخواہ دوسروں کو گلٹ کے حوالے کر دیتا ہے......اور سامنے والا خود کو کوسنے لگتا ہے۔ ماما آپ پلیز یہ ایکٹنگ بند کر دیں اب......آپ کیوں نہیں سمجھتیں کہ ہر رشتے کی کچھ ریکوائرمنٹس ہوتی ہیں۔ اسے بیلنس رکھنے کے لیے سوچ بچار کی ضرورت ہوتی ہے جس کی آپ میں ہمیشہ سے ہی کمی رہی۔ اسی لیے تو مسائل روز بروز بڑھتے جا رہے ہیں، ماما یاد رکھیں کہ کسی کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ آپ کی خاموش ٹھنڈی جنگ سے کسی کی صحت پر کوئی برا اثر پڑنے والا نہیں، آخر ایک دن مجھے ماہین کے سامنے ہتھیار ڈالنے ہی پڑیں گے۔ خواہ مخواہ آپ نے خود کو مشکلات میں ڈال کر مجھ پر بھی ظلم کر رکھا ہے۔ اگر آپ تھوڑا سا بھی سمجھداری سے کام لیتیں تو آج میں ماں اور بیوی کے ان دو پاٹوں کے درمیان پس نہ رہا ہوتا۔'' وہ نخوت سے بولا۔

''بیٹا تم ٹھیک کہتے ہو کیونکہ اس وقت تم اسٹرانگ سائڈ پر ہو اور میں تو کھائی کے دہانے پر کھڑی ہوں، معمولی سی جنبش میری زندگی لے سکتی ہے یا مجھے رسوا و ذلیل کر سکتی ہے۔'' وہ سرد آہ کو اندر دباتے ہوئے بولیں۔

''جب وقت پر میں حاوی تھی تو وہ وقت بھی میں نے اپنی فیملی پر قربان کر دیا۔ میں نے دیارِ غیر میں اپنوں سے دور رہ کر اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کو اولین سمجھا تھا۔ اپنے چاروں بیٹوں کو جب تک جاب پر کھڑا نہ کیا۔ اس وقت تک ہم وہیں محنت و مشقت کرتے رہے، یہاں کی جائداد بیچی اور رزقِ حلال سے خریدی ہوئی ہر شے کو فروخت کیا اور تمہیں پوش ایریا میں یہ گھر لے کر دیا۔ تمہارے ڈیڈی کو اس گھر میں رہنا نصیب ہی نہ ہوا۔ وہ چل بسے تو اصولاً مجھے تمہارے ساتھ ہی رہنا تھا۔ ذرا دماغ پر زور دو کہ اس وقت یہی فیصلہ ہوا تھا ناں کہ چار بیٹوں میں سے جو بیٹا والدین کی لک آفٹر کے لیے ان کے پاس رہائش رکھے گا۔ یہ گھر اس کا ہو گا والدین کے بعد......زندگی میں والدین ہی اس کے مالک گردانے جائیں گے۔ اب کیسے مان جاؤں کہ یہ گھر میرا نہیں ہے، میرے شوہر کی کمائی سے خریدا ہوا گھر میں کیسے چھوڑ کر دوسروں کی محتاج ہو جاؤں...... میں تو یہی سمجھتی ہوں کہ جو تین بیٹے باہر مقیم ہیں۔ ان کے گھروں پر میرا رتی بھر حق نہیں کیونکہ دو بیٹوں نے اپنے گھر قسطوں پر اپنی کمائی سے خریدے ہیں۔ اب دیکھا جائے تو ان کے گھروں میں نہ تو میرے لیے جگہ ہے نہ ہی میں انہیں اس کا احساس دلا سکتی ہوں۔ وہ مجھے اسی گھر میں رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔ جو گھر میرا ہے اور لندن والا گھر بھی بے شک میرا ہی ہے لیکن میں حقدار نہیں ہوں، میں خود بھی اپنی چاہت، انا و غیرت کو دھچکا نہیں لگانا چاہتی، بیٹا میرا ہاتھ ہمیشہ دینے والا رہا ہے۔ اس ہاتھ کو کسی سے کچھ لینے کی عادت ہی نہیں......تم میرے سب سے چھوٹے بیٹے ہو، یہ اولاد میں سب سے چھوٹا ہوتا ہے ناں وہ ماں کا pet ہوتا ہے جن کے بغیر ماں ایک پل نہیں رہ سکتی۔ اسی مجبوری کے تحت تمہارے پیار میں ایسی اندھی ہوئی کہ اب احساس ہونے لگا ہے کہ میں تو اپنا سب کچھ تم پر لٹا کر تہی دست ہو گئی ہوں۔ نہ اپنے پاس دمڑی رہی نہ کوڑی......اور بہو ہے کہ مجھے اس گھر کی مہترانی اور خود کو مہارانی سمجھتی ہے۔ آج مجبوراً مجھے بتانا پڑ رہا ہے کہ بہو مجھے خفیہ طور پر اذیتیں دیتی ہے۔ میری خاموشی کے باوجود باز نہیں آتی۔ چلو صرف ایک مثال دیتی ہوں، آج میں اللہ تعالیٰ کی کون سی نعمت موجود نہیں لیکن میرے لیے وہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ کیونکہ وہ نعمتیں تمہاری اور بہو کی کمائی کی بدولت آتی ہیں۔ اس میں میری حصے داری نہیں ہوتی۔ نہ ہی میرا حق ہے۔'' ...ے ہوئے لہجے میں بول رہی تھیں۔

''یہ آپ غلط بیانی سے کام لے رہی ہیں۔ وہ ایسی عورت نہیں ہے کہ آپ کے کھانے پینے پر نظر رکھے۔ اس کے پاس اتنا وقت ہی کہاں ہے؟ ...گھر کی چیزوں کا حساب کتاب رکھے۔ بہت گری ہوئی حرکت ہے ماما، یہ سب آپ کی ذہنی اختراعات ہیں۔'' وہ ناگواری سے بولا۔ تو ماں کا دل خون کے آنسو ٹپکانے لگا۔

''ہاں بیٹا درست کہتے ہو، میں نے تو تمہارے پیار میں اپنے نفع و نقصان کا کچھ نہ سوچا تھا۔ یوں سمجھو کہ تمہارے زیرِ دست رہنا میرا نیا جنم تھا......کاش آج میرے ہاتھ میں کچھ ہوتا تو میں پہلے جنم میں منتقل ہونے میں ایک پل نہ لگاتی۔ میرے اس ناتواں وجود میں پہلے سی طاقت اور دل میں ہمت و جرأت ہوتی تو تمہیں ایک بار پھر سے لندن میں ریسٹورنٹ سیٹ کر کے دکھاتی جس نے اس وقت اپنی زندگی کی گاڑی کو دھکا لگایا تھا۔ جب یہ منوں بوجھ اٹھائے ہوئے تھی۔ ہائے میری قسمت کہ میری تمام محنت و محبت اکارت گئی۔'' اس کی آنکھیں آب باراں کا نقشہ کھینچے ہوئے تھیں۔

''ماما میں سب جانتا ہوں......یہ آپ کی محنت کے نتائج ہیں کہ آپ کے چاروں بیٹے اپنی، اپنی زندگی میں بے حد خوشحال بھی ہیں اور آپ پر بے پناہ فخر بھی کرتے ہیں۔ آپ نے سچ کر دکھایا ہے کہ میاں، بیوی گاڑی کے دو پہیے ہیں، دونوں کے توازن سے ہی زندگی کا سفر کٹ سکتا ہے۔ میں اپنی گاڑی کے رک جانے سے افسردہ ہو گیا ہوں جو الٹا سیدھا بول گیا۔ میرا مقصد آپ کو پریشان کرنا نہیں تھا۔ میں بے حد شرمندہ ہوں ماما......چلیں آپ پر اس مسئلے کا حل چھوڑتا ہوں ویسے بھی زندگی کے معاملات میں ظاہر ہے... آپ کا تجربہ زیادہ ہے۔ اب یہ مسئلہ خاصا سیریس ہو گیا ہے۔ آپ ایک ماں ہیں آپ کا فیصلہ یقیناً بہترین ہی ہو گا۔'' وہ ٹشو پیپر سے ماں کے آنسو صاف کرنے لگا۔

''ماما میں اپنی پریشانی کی وجہ سے آپ کے ساتھ بدتمیزی کر جاتا ہوں۔ مجھے معاف کر دیجیے گا۔''

''تمہاری مجبوری کا علم ہے مجھے، میں جان گئی ہوں کہ میری تم سے علیحدگی ہی اس گمبھیر مسئلے کا حل ہے۔ لیکن میں بھی تو اس نامراد دل کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ تمہارے بغیر مر جاؤں گی......'' زہرہ خود کو یکجا کرتے ہوئے بولیں۔ دل مانے یا نہ مانے اب غور و فکر کرنے کا وقت آ گیا تھا۔

''ماما......! اگر آپ میرا گھر آباد و شاد دیکھنے کی خواہشمند ہیں تو ہمیں یہ جدائی کا دکھ وقتی طور پر سہنا ہی پڑے گا۔'' وہ نظریں جھکا کر بولا۔ ''ایسی قربت کا کیا مزہ کہ جو وبالِ جان بن جائے۔''

''بیٹا جدائی کا دکھ تو سہہ ہی جاؤں گی۔ خیالات کو برداشت کرنا، دوسرے بیٹوں کے گھروں میں بھی آزمائش اور امتحان سے کم نہیں ......اور اس گھر میں رہنے سے چھٹکارا نہیں ملے گا۔ تو سوچتی ہوں کہ یہاں ہی بہتر ہوں۔ بے شک گھر تمہارا

حق تو رکھتی ہوں، سب سے بڑھ کر تم بھی میری نظروں کے سامنے ہو...... تمہارے دونوں بچوں کو ماں بن کر پالنے سے وہ مجھے اپنے جسم کے ہی حصے لگنے لگے ہیں۔ یہ اِک اٹل حقیقت ہے کہ اگر پالنے والی نانی، دادی، ماں کی مامتا سے ہمکنار نہ ہو تو وہ دن کا آرام اور نہ رات کی نیند بچے پر نثار کر سکتی ہے، میں نے تو اپنا آرام و چین تیاگ کر انہیں پالا ہے۔ اس سے تم انکار نہیں کر سکتے...... میری محبت کی انتہا کو تم بھی بخوبی جانتے ہو، مجھے یہ کہتے ہوئے بہت سُبکی ہو رہی ہے۔ کیونکہ سوچا جائے تو یہ بہت چھوٹی بات ہے کہ اب ماہین بچے مجھ سے دور کرنے کا لائحہ عمل تیار کر چکی ہے۔ اس کا بار، بار روٹھ کر میکے چلے جانا بھی اسی منصوبے کی کڑی ہے۔" وہ متذبذب لہجے میں جھجکتے ہوئے بولیں۔

"ماما کہنا تو نہیں تھا مگر کیا کروں...... آپ نے پھر غلط بیانی سے کام لیا ہے...... لمحۂ فکر یہ ہے کہ کیا مشترک ہے آپ میں اور ماہین میں...... اور کہاں اختلافات ہیں انہیں بیلنس کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ ہی سوچیے کہ یہ توازن کیسے قائم کیا جائے۔" وہ گھڑی کی طرف دیکھ کر بولا۔ "ماما آفس سے لیٹ ہو جاؤں گا۔ آج شام تک خوب سوچیے اور فیصلہ کیجیے کہ اس گھر کو جنت کا گہوارہ کیسے بنایا جائے؟ میں تو تمام جتن کرنے کے باوجود دو عورتوں کی مختلف ڈیمانڈز میں پس کر رہ گیا ہوں۔ آپ کی جان لیوا خاموشی میرے سینے میں تیر کے مانند پیوست رہتی ہے۔ آج جو آپ نے قوتِ گویائی سے کام لے ہی لیا ہے تو دماغ پھٹنے لگا ہے کہ آپ کی سوچ ہی مثبت نہیں، تمام گڑبڑ تو یہاں سے ہی شروع ہوتی ہے۔ لندن والا گھر بھی تو آپ کا ہی ہے۔ وہاں رہنے میں کوئی مضائقہ نہیں، اس کے بارے میں بھی تو سوچیے......" وہ تیزی سے بولتا ہوا ڈرائنگ روم سے باہر نکل گیا اور زہرہ عینک اتار کر گہری سوچ میں چلی گئیں کہ ان کی سوچ میں فتور کہاں پہ ہے اور کیونکر......؟

☆☆☆

"زہرہ دنیا اسی کا نام ہے...... اولاد! اسے کہتے ہیں...... اور بہو کا رشتہ پتوں پر پڑی ہوئی شبنم...... جو سورج کی پہلی کرن میں ہی غائب ہو جائے میں عورت ہونے کے ناتے ماں کے روپ میں نادا[ن] اور بے وقوف بننے میں بے مثال ہوں۔ اپنی ا[س] کمزوری کو ہر ماں اس وقت پہچان پاتی ہے جب اسے اولاد کے ہاتھ لگتے ہیں اور بہو کے تیور دیکھنے پڑتے ہیں تو پھر چاروں طبق روشن ہو جاتے ہیں۔ سلمان تو مرد ذات تھے، مضبوط، باہمت اور پھونک کر قدم اٹھانے والے۔ وہ تو میری طرح عاقبت نا اندیش نکلے کہ مجھے بچوں کی محتاجی بھی میری بیوگی کے سنگ سونپ کر منہ موڑ گئے...... کیا سلمان یہ تھا میری وفا محبت اور قربانی کا صلہ کہ آپ نے ہی میرے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے۔ میں تو نادان تھی جو بیٹوں پر بھروسہ کر گئی، آپ تو دور اندیش باپ تھے۔ آپ تو مجھ سے بھی دس گنا زیادہ ناداں نکلے......" وہ غصے میں کھولتی ہوئی بڑے بیٹے آیان کو کال ملانے لگیں۔ جو لندن سے امریکا اسٹیل ہو چکا تھا۔ سوتے سے تیزی سے اٹھ کر موبائل اٹھایا۔ ماں کا نمبر دیکھ کر چونکا۔

"ماما! آپ ٹھیک تو ہیں ناں...... اس وقت فون کیسے کیا...... جبکہ آپ کو علم بھی ہے کہ جب پاکستان میں دن ہوتا ہے تو یہاں رات ہو رہی ہوتی ہے۔" آیان نے فکر مندانہ لہجے میں پوچھا۔

"بیٹا سلام دعا تو لے لو، وہ دراصل میں پریشانی میں وقت ہی نہیں دیکھا۔ ورنہ مجھے سب ہے۔ جاہل نہیں ہوں بیٹا میں۔" وہ جھنجلاتی گئی تھیں۔

"اچھا جلدی سے بولیے کہ مسئلہ کیا ہے۔ کیا نہیں ہوگا کہ صبح بتا دیں۔" وہ جمائی لیتے ہو[ئے] بولا۔ "کل کا دن میرے لیے بہت طویل ہے، [نیند] پوری نہ ہوئی تو مشکل ہو جائے گی۔"

"چلو بیٹا سو جاؤ، کل بات کر لوں گی...... جب تم فارغ ہو تو مجھے فون کر لینا۔"

"ٹھیک ہے ماما۔" یہ کہہ کر اس نے فون

کر دیا۔

☆☆☆

"ماما اب بتائیں کہ ایسی کون سی ایمرجنسی تھی کہ آپ کو وقت کا احساس ہی نہیں ہوا تھا۔" وہ سنجیدگی سے بولا تو وہ خود پر قابو نہ پا سکی۔

"میرے بچے میں جانتی ہوں کہ جب ماں بیوہ ہو جائے تو اولاد کی نظروں میں زیرو ہو جاتی ہے آیان، اب میں اس کے ایک زیرو کے آگے اور زیرو بڑھانا چاہتی ہوں۔" وہ تلخی و درشتی سے بولیں۔ "جاگ جاگ کر تمہیں پروان چڑھایا تھا۔ آج پہلی بار تمہیں جگا دیا تو تمہیں بہت ناگوار گزرا۔"

"ماما......! میں سمجھا نہیں......" آیان حیرت و تجسس سے بولا۔

"کیا بات ہے ماما؟ آپ کی زبان سے ایسے الفاظ تو کبھی ادا نہ ہوئے تھے۔"

"سنو! میں تمہارے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔ مجھے فوراً ٹکٹ ارسال کرو۔ میں آیان کے پاس مزید رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی...... ورنہ اس کا گھر اجڑ جائے گا۔" وہ دل پر جبر رکھ کر بولیں۔ "تمہیں یہ سن کر شاک تو لگے گا۔ لیکن برداشت کر جاؤ گے، جوان ہو، باحوصلہ ہو۔"

"ماما...... اویس سے کہیں کہ آپ کو ٹکٹ خرید کر جہاز پر بٹھا دے۔ یہ کون سا مشکل کام ہے، ہم ابھی ایک فنانشلی اسٹرانگ نہیں ہوئے۔ مجھے یہ سن کر...... خوشی ہوئی ہے۔ آپ کا فیصلہ درست ہے۔ آپ کی بچوں کو اس وقت آپ کی اشد ضرورت ہے۔ شام کو جب ہم گھر واپس آتے ہیں تو ان کی حالت ہم سے دیکھی نہیں جاتی، فی الحال ڈے کیئر بھی افورڈ ایبل نہیں...... اسکول کے بعد کے چند گھنٹے ذرا مشکل ہوتے ہیں، وہ مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔ ویسے بھی ڈے کیئر افورڈ ایبل ہو بھی تو آپ کی بہو کو قطعاً پسند نہیں کیونکہ یہ وہاں سے ہر طرح کی بیماریاں لے کر آتی ہیں تو دوائیوں کا سلسلہ ہی ختم ہونے میں نہیں

آتا...... آپ کے ہاتھ کے کھانے بہت یاد آتے ہیں بس آپ فوراً تیاری پکڑ لیں، آپ کی بہو بھی آپ کے فیصلے سے بھرپور تعاون کرے گی۔ کیونکہ آپ کے آنے سے اسے آرام مل جائے گا۔" آیان نے خوش دلی سے کہا تو زہرہ محبت اور ضرورت کے اتار چڑھاؤ میں پھنس کر رہ گئیں۔

ان کی نگاہوں کے سامنے اِک خوفناک ٹوٹی پھوٹی فلم چلنے لگی کہ وہ سر باندھے خمیدہ کمر کے ساتھ گھر کا کام کاج اور بچیوں کو سنبھال رہی ہیں...... اور شام کو سب کو کھانا کھلا کر تھکن سے چور ہو کر بستر پر گر کر جو سوئی تو آنکھ بہو کی آواز پر کھلی۔

"ماما اب جاگ بھی جائیں۔ ہمیں دیر ہو رہی ہے، کتنی بار کہا ہے کہ ہمارا لنچ رات کو ہی تیار کر دیا کریں۔ مگر کیا مجال کہ کوئی سلیقے طریقے کا کام کر جائیں......"

آخر مجبوراً چند دنوں بعد بہ مشکل عرفان کو لندن فون کیا تو عرفان ایک دم سے ایسے اچھلا جیسے کسی نے دہکتے ہوئے انگارے پر پاؤں رکھ دیا ہو۔

"یہ میں کیا سن رہا ہوں کہ آپ لندن اپنے گھر میں واپس آنا چاہتی ہیں، یہ گھر تو آپ مجھے سونپ گئی تھیں۔ ماما! میں کسی تفصیل کے بجائے چند جملوں میں آپ تک آپ کی بہو کے خیالات گوش گزار کرنا چاہتا ہوں اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو عرض کروں، آپ نے تو میرے پاؤں کے نیچے سے زمین ہی نکال دی یہ کہہ کر کہ آپ یہاں آنے کا پروگرام بنائے بیٹھی ہیں وہ بھی ہم سے پوچھے بغیر......"

"بیٹا مائنڈ کرنے کے دن تو پنچھی بن کر اُڑ گئے بولو بیٹا کیا کہنا چاہتے ہو۔ سب کچھ سننے کے لیے تیار ہوں۔" یہ کہتے ہوئے اشک پیہم پر وہ قابو نہ پا سکیں۔

"مسئلہ یہاں سے شروع ہوتا ہے کہ بہو پاکستانی ہونے کے باوجود یہاں کی جم پل ہے۔ اس پر اسی ماحول کی چھاپ ہے جسے میں مائنڈ نہیں کرتا۔ کیونکہ اس ماحول کی خامیوں سے میرا واسطہ نہیں پڑتا۔ خوبیوں میں سے ایک خوبی ذرا ہے۔ جسے اپنے گھر

اور بچوں میں کسی کی انٹرفیرنس سے قطعاً پسند نہیں۔ حتیٰ کہ میں بھی دخل اندازی کرنے سے محتاط رہتا ہوں۔ آپ کی بہو ایسی باکمال منیجر ہے کہ مجھے کبھی احساس ہی ہونے دیتی کہ وہ بھی میرے ساتھ جاب کرتی ہے۔ گھر اور بچے، کھانا اور سوشل لائف کو اس نے اپنی زندگی میں ایسے سیٹ کیا ہوا ہے کہ اسے اپنی ماں کی موجودگی بھی کھٹکنے لگتی ہے کیونکہ اس کی ماں کے آنے سے اس کی تمام روٹین اتھل پتھل ہو جاتی ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ آپ چند دنوں کے لیے ضرور تشریف لائیں۔ مجھے اعتراض نہیں ہوگا۔ گھر کے سکون اور میری خوشی و اطمینان کے لیے آپ کو بھی میرا ساتھ تو دینا ہی پڑے گا کہ وزٹ قلیل اور زارا کے قرینے اور سلیقے کی مدح سرائی طویل ہوئی تو اس صورت میں امید ہے کہ آپ کی بہو بھی چند دنوں کے لیے منہ سی ہی لے گی۔ اور آپ کو برداشت کرنے میں اسے مشکل درپیش نہیں ہوگی۔'' وہ بے تکلفی سے بول رہا تھا۔ ''آپ جانتی ہیں ناں کہ اس معاشرے میں ساس کو بہت نفرت آگیں نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔''

''تمہارا موقف سمجھ گئی ہوں بچے۔'' وہ مردنی آواز میں اپنی آشفتہ ہمت کو یکجا کرتے ہوئے بولیں۔ ''بیٹا میری بات یاد رکھنا کہتے ہیں کہ یہ دنیا مکافاتِ عمل کی ایسی آماجگاہ ہے کہ سوئی کے ناکے جتنا قصور جو غیر ارادی طور پر بھی سرزد ہوا ہو۔ اس کا حساب بھی اسی بے ثبات دنیا میں ہی دینا پڑتا ہے۔ آج تم امتحانی پرچہ حل کر رہے ہو کل اس کا نتیجہ تمہارے سامنے ہوگا۔ میں نے تو تمہارے بابا کے ساتھ ریسٹورنٹ رن کرتے ہوئے تمہاری دادی کو بھی عقیدت و محبت سے سینے سے لگائے رکھا کیونکہ وہ اسی بیٹے کے ساتھ رہنا چاہتی تھیں۔ حالانکہ میری زندگی میں ان کی گنجائش نہیں تھی، اب مجھے گمان ہونے لگا ہے کہ مجھ سے ضرور کہیں نہ کہیں غلطی ضرور ہوئی ہے۔ ان کی نگہداشت کرنے میں کہ آج میں دھتکاری جا رہی ہوں۔ جب تمہاری دادی زندہ تھیں تو تم خاصے بڑے تھے سب کچھ یاد ہی ہوگا۔ میں انہیں ساس نہیں ماں کا درجہ دیا کرتی تھی۔ ان کی خدمت کو عبادت تصور کرتی تھی۔''

''ماما...... اگر آپ خفا نہ ہوں تو پھر بتاؤں؟'' وہ التجائیہ انداز میں بولا۔

''ہاں بیٹا ضرور بتاؤ...... میں تو آج تک خود کو ان کی خدمت گزار اور ان کا صدقِ دل سے احترام و پیار کرنے والی بیٹی ہی سمجھتی ہوں اور ذہنی و قلبی طور پر پُرسکون رہی۔'' وہ اضطراری کیفیت میں بولیں۔

''ماما! آپ نے دادی اماں کی خدمت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اس میں کوئی شک نہیں، ان سے کبھی گھر کا کام کاج نہ کرایا...... ہماری تمام ذمے داریاں بھی آپ نے ہی نبھائیں۔ لیکن آپ سے ایک بہت بڑا گناہ بھی سرزد ہوا تھا۔ جو آج بھی مجھے تڑپا اور رُلا جاتا ہے۔'' وہ بھرائی آواز میں بولا۔

''وہ کون سا گناہ ہے کہ جس کی پاداش میں مجھے یہ دن دیکھنا پڑا ہے بیٹا کہ بے بسی ایسی کہ جس نے مجھے کم ہمت کر دیا ہے۔ احساس کم مائیگی دل پر ہر وقت کچوکے لگاتا ہے۔ اور اپنی محنت کے زیاں ہونے کا قلق اور پچھتاوا تو روح کو گھائل کر رہا ہے۔ مجھے فوراً بتاؤ جبکہ میں سمجھتی ہوں کہ میں ان کی فرمانبردار اور... پُرخلوص بہو تھی۔ اور میری نیت میں رتی بھر فتور تھا نہ ہی عملاً اور مزاجاً ممکن ہے کہ تم نے ہی کم سنی کی وجہ سے مجھے غلط سمجھا ہو۔'' وہ متذبذب سی ہو کر بولیں۔

''ماما...... گناہ، قصور، جرم اور غلطی تو ریت کے ذرے کے برابر بھی ہو تو بے بس کی آہ و فغاں سے کوہِ ہمالیہ بن جاتا ہے۔ آپ کی غلطی انجانے میں ہی سرزد ہوئی ہوگی کہ یہ حالات کا تقاضا تھا یا بے حد مجبوری تھی۔ میرا دل دادی اماں کی حالت پر خون کے آنسو بہایا کرتا تھا لیکن میں اس وقت اپنے تاثرات کا اظہار کرنے سے قاصر رہا کیونکہ اس عمر میں بچے کی فیلنگز شارپ تو ہوتی ہیں لیکن وہ بیان کرنے میں نابلد ہوتا ہے۔ میرا مسئلہ بھی یہی تھا۔'' وہ رک، رک کر بولا۔

''بیٹا اب بتا بھی چکو...... ورنہ میرا دل

ہو جائے گا کہ میں نے ایسا کون سا ظلم کر دیا کہ جسے تم بھلا نہیں سکے۔ یقین جانو میں کچھ نہیں جانتی۔'' وہ سینے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔ ''اگر میں نے سوچ سمجھ کر انہیں تنگ کرکے بھگانے کے لیے کچھ ہوتا تو آج مجھے یاد ہوتا۔''

''ماما...... آپ صبح ریسٹورنٹ جاتے وقت دادی اماں کو گھر میں قید کر دیا کرتی تھیں۔ باہر سے دروازہ مقفل، اپارٹمنٹ کے تینوں کمرے مقفل کرتے ہوئے آپ نے یہ کیوں نہ سوچا کہ دادی اماں اپنے بالشت بھر کمرے میں جو کہ اسٹور تھا۔ وہاں اپنا دن کیسے گزاریں گی؟ جس میں کوئی کھڑکی نہیں تھی۔ داخلی دروازے کے ساتھ چار فٹ کی جگہ ان کا لان بھی تھا، برآمدہ بھی تھا اور لونگ ایریا بھی تھا۔ جہاں وہ ہر وقت کرسی پر بیٹھی شام ہونے کا انتظار کیا کرتی تھیں؟ لیکن انہوں نے کبھی بابا سے شکوہ کیا نہ ہی اس زیادتی اور ظلم کا آپ کو احساس دلایا۔ آپ نے ان کے ساتھ ایسا کیوں کیا تھا ماما کیا وہ انسان نہیں تھیں، جانور کو بھی آزادی کا حق ہوتا ہے۔'' اس کی آواز میں پھر سے دکھ و کرب بھر گیا تھا۔ ''اور پھر آپ کچن بھی بند کر جایا کرتی تھیں۔ آپ نے انہیں ماں سمجھا ہوتا تو ایسا قبیح فعل آپ سے ہرگز... ہرگز نہیں ہوتا۔ آج میں اسی گھر میں ہی بیوی اور بچوں کے ساتھ رہائش پزیر ہوں، مجھے دادی جان اسی ناگفتہ بہ حالت میں میرے آگے پیچھے پھرتی نظر آتی ہیں۔'' یہ سن کر وہ لرزتی ہوئی بولیں۔ لہجہ استفہامیہ تھا۔

''آگے بولو بیٹا میں کچھ نہیں جانتی کہ تم کہنا کیا چاہتے ہو۔''

''واپس آنے کے بعد آپ انہیں کتنا وقت دیا کرتی تھیں۔ اس کا حساب کتاب بھی لگایا ہے آپ نے...... بے شک ہم نے اتنے عرصے میں آپ کو ان سے بدتمیزی کرتے نہیں دیکھا۔ آپ ہمیشہ ان سے پیار اور اخلاق سے پیش آتی رہیں۔ لیکن جب وہ...... بے جان ہو گئیں تو کیا آپ کا ریسٹورنٹ جانا ضروری تھا یا

غزل

دریا کے اُس پار اُداسی
جیون کی غم خوار اُداسی

تم بس جیت کا جشن مناؤ
میری ہر اِک ہار اُداسی

لمحہ لمحہ پوچھ رہی ہے
دل کا ہر آزار اُداسی

آج تمہارے چہرے پر بھی
کیسی ہے سرکار اُداسی

کیوں اتنے خاموش ہو ہمدم
چہرے پہ ہر بار اُداسی

آج فریدہ فرّی ہم نے
دیکھی ہے بھرمار اُداسی

کلام: فریدہ جاوید فرّی۔ لاہور

اس وقت اہم لگتا تھا ریسٹورنٹ جانا۔ آج آپ کے خیال کے مطابق اس کے برعکس ہی لگ رہا ہوگا کہ چند مہینوں کے لیے انہیں اہمیت دی ہوتی تو یہ ان پر احسان نہ ہوتا ان کا حق تھا یہ۔'' اس کی سچائی پر وہ اندر ہی اندر کھول گئیں۔ لیکن اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے خاموشی میں ہی عافیت جانی۔

''ماما...... بچے دو نہیں چار آنکھیں رکھتے ہیں، وہ آگے پیچھے کے تمام مناظر کو اپنی چشمِ تصور سے دیکھنے میں بھی مہارت رکھتے ہیں۔ اور پھر وہ تو اس حد تک سچے اور کھرے ہوتے ہیں کہ کہانی کے اختتام کا ذکر

کہانی لکھ رہی تھیں۔ اوراس کا اختتام میرے سامنے تھا جو آج میں دیکھ رہا ہوں۔'' وہ خود اعتمادی سے بولا۔

'' ماما آپ کے چاروں بچوں نے آپ کے اسکول سے جو درس حاصل کیا تھا اور جو سیکھا تھا اس کے اچھے یا برے نتائج آپ کے سامنے ہیں۔''

'' اس کا مطلب یہ ہوا کہ میری رتی بھر غیر ارادی طور پر سرزد ہو جانے والی غلطی کی مجھے یہ سزا ملی کہ میں تہی دست بھی ہوئی، ناتواں اور بے بس بھی ہوئی اور بیٹوں کے لیے ناقابل برداشت بوجھ بھی بنی اور ذلیل وخوار بھی ہوگئی۔ کاش اس وقت مجھ پر کچھ الہام ہوا ہوتا، لگتا ہے عمر کے اس حصے میں کسی بھی انسان پر ایسا کچھ نہیں ہوتا، روزمرہ کے معجزات و واقعات سے ہم سیکھنا نہیں چاہتے کیونکہ زندگی گھن چکر میں ہی گزر رہی ہوتی ہے، کبھی کبھار سچائی اور حقیقت کی ہلکی سی کرن نظر آ بھی جائے تو پل بھر میں دنیا کے جھمیلوں میں ہی بجھ جاتی ہے۔ جیسے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ماچس کا جلنا اور یکلخت بجھ جانا۔

'' بیٹا دادی کے ساتھ میں نے جیسا سلوک روا رکھا وہ ان کی ذہنی علالت کی وجہ تھی۔ میں بدسرشت ... ہرگز نہیں تھی۔ بیٹا اگر تم مجھ پر یہ انکشافات ظاہر نہ کرتے تو مجھے اس زیادتی کی ہرگز خبر نہ ہوتی، ان کے اس مسئلے کا کوئی حل تلاش کرنے کا ہمارے پاس وقت ہی نہیں تھا۔ آج میں بھی ساس کے روپ میں ہوں، انہی کی طرح مجبور و بے بس، کم ہمت و بے کس...... شاید جوانی نام ہی اسی کا ہے کہ انسان کو اندھا، گونگا اور بہرہ کر دیتی ہے اور ذہن کو مفلوج ورنہ تمہارے بابا کی وہ ماں تھیں، وہ ہی میری اس زیادتی کو محسوس کر پاتے، وہ بھی دال، روٹی کے چکر میں پھنسے ہوئے تھے، معاملہ وقت کی کمی کا تھا...... بدنیتی تو ہرگز نہیں تھی۔'' وہ پچھتاوے و کرب سے ہاتھ ملنے لگی۔ '' بس سمجھ ہی نہیں سکے...... کیا یہ بہتر ہوتا کہ انہیں گاؤں بھیج دیتے؟ بیٹا! آج کی گفتگو سے میں اس نتیجے پر پہنچ پائی ہوں کہ انسان اس قدر کمزور ہے کہ اسے اپنے نفس کا علم تک نہیں ہوتا۔ اپنی حرکات وسکنات پر اختیار نہیں ہوتا۔ اپنی سوچ کے اتار چڑھاؤ کو جان نہیں پاتا اور حالات کے ہاتھوں کٹھ پتلی بن کر زندگی بتا دیتا ہے۔ ذرا تم اپنے اندر جھانکو بیٹا تمہیں وہاں گھنا اور تاریک جنگل نظر آئے گا۔ جہاں تم رستے کی تلاش میں سرگرداں ہو لیکن اسی بھٹکی ہوئی راہوں پر تمہاری حیات گزرتی جا رہی ہے۔ کچھ درست تو کچھ سراسر غلط ہوتا چلا جاتا ہے لیکن غور کرو کہ تمہارے ساتھ دوسرا کوئی نہیں ہوتا جو تمہارا ہاتھ پکڑلے اور تمہیں جنگل کی اس بھیانک روح فرسا تاریکی سے باہر نکال سکے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوتا...... یہ سفر اکیلے ہی طوعاً و کرہاً طے کرنا پڑتا ہے، بیٹا تم میری اس انجانی غلطی سے سبق سیکھ لو...... اور میری بہو کو بھی سمجھاؤ کہ اپنی بہو کے لیے اپنے نقش پا سرسبز و شاداب راہوں پر ثبت کرنے کی کوشش کرے تاکہ اس کی بہو اسے ماں کا درجہ دے سکے۔'' زہرہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

'' بیٹا میں آج سمجھ گئی ہوں کہ میرے چار بیٹوں میں سے میرا ایک بیٹا بھی میرا بار اور ذمے داری اٹھانے کے لیے تیار کیوں نہیں۔'' وہ اعتراف کرنے کے بعد مزید ہراساں و پریشان ہوگئیں اور فون بند کر کے احساسِ شکست خوردگی کے عالم میں ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپنے لگیں دل میں اک ہوک اٹھی۔ آنکھوں کے سامنے تاریکی چھا گئی، ملازمہ کو بہ مشکل آواز دی لیکن کوئی نہ آیا۔

☆☆☆

'' اویس مجھے واپس آئے ہوئے ایک ہفتہ ہوگیا ہے، تمہاری ماما ابھی تک یہاں براجمان ہیں، تم نے تو کہا تھا کہ وہ امریکا جا رہی ہیں ہمیشہ کے لیے۔'' ماہین نے جاہل عورتوں کی طرح ہاتھ نچا کر کہا۔

'' یار سنا تو یہی تھا ان کی زبانی...... اب وہ خاموش ہیں تو کیا انہیں دھکے دے کر ان کے گھر سے باہر نکال دوں، کچھ خدا کا خوف کرو......'' اویس نے تاسف بھرے لہجے میں کہا۔ '' مجھے تو ہارٹ اٹیک ہو کر

...ے گا۔ کس جنجال میں گرفتار ہو گیا ہوں کہ نکلنے کا رستہ ہی نہیں مل رہا۔''

'' خدا کا خوف کس بات کا...... ذرا قرآن کھول کر بتاؤ کہ کہاں لکھا ہے کہ ساس کو اپنے سر پر چڑھا کر رکھنا اور اس کی نگہداشت کرنا میرے فرائض کے زمرے میں آتا ہے۔'' وہ تنک کر بولی۔

'' لندن میں بھی تو ان کا ہی گھر ہے، جہاں انہوں نے جوانی گزاری وہاں چلی جائیں ناں......''

'' بکواس بند کرو ماہین...... تم نے ماما کے لیے اب تک کیا ہی کیا ہے بلکہ وہ ہمارے لیے بہت کچھ کر چکی ہیں، اور اب بھی ان کی چاہت ان کے ہر عمل، ہر لفظ میں چھلک رہی ہوتی ہے جبکہ وہ ہم سے نالاں ہیں۔ ماہین، میں ماں کو دربدر نہیں کر سکتا۔ میری بات غور سے سنو! خبردار جو آج کے بعد تم نے مجھے اس گناہِ عظیم کے لیے اکسایا کہ انہیں لندن بھیج دو، امریکا رخصت کرو، دبئی کے بارے میں سوچو وغیرہ، وغیرہ......'' وہ بلند آواز میں بولا۔ '' اگر اس گھر کو جنت کا گہوارہ بنانا چاہتی ہو تو ناں تو ماما کو ذہنی و قلبی سکون بہم پہنچاؤ، اس صابر و شاکر ماں کی ہمدرد بن جاؤ۔ پھر دیکھو اس عظیم ہستی کی برکتیں۔''

'' اویس تم مجھ پر یہ احسانِ عظیم کر سکتے ہو کہ نہیں، ابھی اور اسی وقت فیصلہ کرو، میں ایسی زندگی سے تنگ آ گئی ہوں۔'' وہ بھی استحقاق سے چیخی...... '' بس مجھے طلاق دے دو تاکہ یہ قصہ ہی ختم ہو، ہر وقت کی قیل و قال نے مجھے کسی کام کا نہیں چھوڑا۔ ہر وقت ذہن پر یہ بڑھیا ہی سوار رہتی ہے۔''

'' اس وقت تم ہوش و حواس کھو بیٹھی ہو، اس موضوع پر پھر بات ہوگی، جاؤ کمرے میں آرام کرو، نادان اور پاگل عورت نہ جانے کیوں نہیں سمجھتی کہ آج تم بہو ہو تو کل ساس بھی ہوگی، اگر ایسا ہی سلوک تمہارا، بیٹا اور بہو تم سے روا رکھیں گے تو تمہارے دل پر کیا گزرے گی؟ میری ماں، دادی کی خدمت کرنے کے

یہاں سے چلے جانا ہے اپنے رب کے پاس...... تمہارے نفرت و حقارت کا زہر یہاں ہی رہ جائے گا، وہ ماما کے ہمراہ نہیں جائے گا، ماما تو سکون کی چادر اوڑھے میٹھی نیند میں ہوں گی اور تم اپنے ذہن سے ذرا سوچو کہ اس گھر میں وہی زہر بارش کی پھوار کے مانند دھیرے، دھیرے برستی ہوئی ہماری زندگی کو تلخ کر دے گی اور بدقسمتی سے ان معصوم بچوں کو بھی سرتاپا زہر آلود کرتی رہے گی اور تمہارے ظلم کا ڈھول خاندان بھر میں بجتا رہے گا اور بچوں پر اس کے کیا اثرات ہوں گے، ماں چاہے تمہاری ہو یا میری...... ہمارا فرض ہے انہیں سکون و آرام بہم پہنچانا...... یہ بزرگ تو بچوں کے مانند پیار کے خواہشمند ہوتے ہیں، انہیں ذرا سا چمکار دو تو چہکنے لگتے ہیں، معمولی سی نظر اندازی سے بجھ جاتے ہیں، خود کو بیکار سمجھنے لگتے ہیں، یہ کیسا جان لیوا احساس ہے کہ زندگی کا ہر دن صدی بن جاتا ہے۔''

'' اویس مجھ پر میری ماں کی ذمے داری اٹھانے کا فرض ہے اور تم پر اور تمہارے بھائیوں پر تمہاری ماں کا...... کیا اس ماں نے صرف تمہیں ہی جنم دیا ہے جو یہاں ہی ٹک گئی ہیں۔'' وہ نہایت بدتمیزی سے کہہ رہی تھی۔

'' ہاں یوں ہی سمجھو...... کیونکہ ان کے گھر کی مالک تم ہو...... میں ہوں اور پھر میری ماں کی کوئی بیٹی نہیں کہ وہ اس کے پاس چلی جاتیں کاش ایسا ہوتا...... جب میرے بابا نے اپنے چاروں بیٹوں سے مشورہ لیا تھا تو یہی فیصلہ ہوا تھا ناں کہ ماما پاکستان میں رہنا چاہتی ہیں اور وہ اپنا گھر اسی بیٹے کے نام کریں گی جو اُن کی ذمے داری اٹھانے کے لیے تیار ہوگا۔ اس وقت تو تم نے فوراً ہاں کر دی تھی۔ اب تم انہیں یہاں سے ہمیشہ کے لیے دوسروں بیٹوں کے پاس سدھارنا چاہتی ہو۔ وہاں بھی تو تمہارے جیسی مزاج کی بہوئیں موجود ہیں۔ وہ ان کی بیٹیاں نہیں ہیں، وہ ماما کو خالی ہاتھ کیسے قبول کریں گی؟ وہاں ان کا

اسپل نہیں...... یہاں ہم بہ آسانی انہیں ہر مہینے ڈاکٹر کو دکھا سکتے ہیں، انہیں ایک بیماری تو ہے نہیں...... بابا کے جانے کے بعد تو بیماریوں نے ان پر یکے بعد دیگرے حملے کیے ہیں، اگر ہم انہیں خوش رکھتے تو آج میری ماما آرتھرائٹس، انجائنا، ذیابیطس اور بلڈ پریشر جیسی مہلک بیماریوں کا شکار نہ ہوتیں، وہاں بھیج کرنا ناممکن ہے بھائیوں کے لیے، ماں کو مزید ذلیل مت کرو ماہین، مجھ سے یہ ظلم برداشت نہیں ہوگا۔ اپنا دل بڑا کرو۔'' وہ رحمدلانہ لہجے میں بولا۔'' اگر ماں لندن چلی گئی تو میں بھی پاکستان چھوڑ دوں گا، ہم ماں، بیٹا ایک نیا گھر آباد کریں گے، کیا یہ تمہیں منظور ہے، تم نہیں مانو گی یہ بھی...... اس لیے میری مجبوری سمجھو...... مجھے تم سے کسی قسم کی خدمت و نگہداشت کی توقع نہیں ہے، انہیں اسی گھر میں رہنے دو، یہ ان کا اپنا گھر ہے، اور ماما ایک غیرت مند خاتون ہیں، وہ اپنا گھر نہیں چھوڑیں گی بات بھی درست ہے، میں جانتا ہوں کہ وہ کسی اور بیٹے کے گھر رہنا پسند نہیں کریں گی، اگر مجبوراً چلی بھی گئیں تو وہ زیادہ دن زندہ نہیں رہ پائیں گی۔''

''اویس، اب ان کی عمر حضرت خضر جتنی ہونے سے تو رہی...... یہ بتائیں کہ اب انہیں مزید زندہ رہنے کی ضرورت ہی کیا ہے ستر سال کی ہونے والی ہیں، ستر بہاریں دیکھنے کے بعد اور کتنا جینا چاہتی ہیں۔ لگتا ہے میں بوڑھی ہو گئی ہوں لیکن تمہاری ماما تو ہر دن جوانی کی جانب جا رہی ہیں۔'' وہ تنتنے پھلا کر بولی۔

''ہاں، ہم نے انہیں بہت لاڈ پیار اور عزت و تحریم سے جو اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔ جو جوانی کی طرف جا رہی ہیں، ہر بار تو تم مجھے ان سے منہ ماری کرنے کے لیے اکساتی رہتی ہو، اگر ایک پتھر پر ہر وقت ایک قطرہ بھی گرتا جائے تو اس میں بھی شگاف پڑ جاتا ہے، میں نادان تمہاری باتوں میں آ جاتا ہوں، یہ جانتے ہوئے بھی انجان اور بے وقوف بن جاتا ہوں کہ میری غیر موجودگی میں تمہارا سلوک اور رویہ ان کے ساتھ کس قدر ناروا ہوتا ہے اور پھر بھی وہ منہ سے ایک لفظ

نہیں نکالتیں۔'' وہ اس کی زیادتیاں اسے جتا رہا تھا۔

''اُف میری صابر و شاکر...... درگزر کرنے والی ماما...... منہ پر پٹی باندھ کر زندگی کے دن پورے کر رہی ہیں، کیا اسے زندہ کہتے ہیں، ماہین ذرا اس وقت سے تم پر بھی بہت جلد آنے والا ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''میرا وقت بہت اچھا کٹے گا، مجھے اپنے بڑھاپے کی قطعاً فکر نہیں کیونکہ میں بڑھاپے کو بیٹوں کی شان و شوکت کے سائے میں گزارنے کے حق میں نہیں ہوں۔'' وہ وثوق سے بولی۔''میری اپنی زندگی ہوگی، اپنا وقت ہوگا، بہو اور پوتے پوتیاں جائیں بھاڑ میں، ہاں بیٹے پر گرفت ڈھیلی نہیں ہوگی۔''

''بیگم میرا خیال ہے کہ جوانی میں ہر لڑکی تمہاری طرح ہی سطحی اور وقتی سوچ رکھتی ہے۔ یہ جوانی کی خوش فہمیاں اور منصوبے ہیں، اور جس عذاب میں ماما کو ملوث دیکھ رہی ہو، وہ بڑھاپے کی حقیقتیں اور سچائیاں ہیں۔'' وہ آہ بھر کر بولا۔

''اویس آپ کی معلومات کے لیے عرض کرتی چلوں کہ ایسی بیہودہ اور سطحی سوچیں جاہل اور ان پڑھ عورتوں کی ہوتی ہیں۔ میں تعلیم یافتہ عورت ہوں، اپنے پاؤں پر کھڑی ہوں۔ اپنی اولاد کی پرداخت کرنے میں مجھے کوئی مشکل درپیش نہیں ہوگی۔ اس لیے آج فیصلہ ہو کر رہے گا کہ تم ماں اور بیوی کے رشتے میں توازن کیسے قائم رکھ سکتے ہو؟ میں تمہاری مشکل آسان کیے دیتی ہوں۔ ذرا غور سے سننا...... سلطان بھیا دبئی میں ہیں، پاکستان سے نزدیک ترین ملک دبئی ہی تو ہے، ماما کو آنے جانے میں قطعاً مشکل نہیں ہوگی، عیدیں، شب براتیں، وہ ہمارے ساتھ گزار سکتی ہیں۔'' وہ اس کے قریب ہو کر شگفتگی سے بولی۔

''اویس اسی وقت اٹھو اور فوراً اپنی ماما کو اپنا یہ فیصلہ سنا دو بلکہ حکم صادر کرو کہ ایک ہفتے میں تیاری پکڑیں ورنہ مجھے ہی انہیں عقل سکھانی پڑے گی۔''

''تمہاری عقل کا اندازہ تو مجھے کب کا ہو چکا ہے۔ بہت عاقبت نا اندیش عورت ہو اور اک سنگدل

اور گناہ گار بہو ہونے کے ساتھ، ساتھ نافرمان بیوی بھی ہو۔ بچے آج جو تمہیں کرتا دیکھ رہے ہیں ناں کل تم بھی ان سے اسی کی امید رکھو۔ اس وقت تمہاری ہر حرکت اور زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ ان کے ذہن کے کمپیوٹر میں فیڈ ہو رہا ہے جیسے میں ہوں کہ مجھے ماما کا دادی جان سے سلوک آج بھی یاد ہے کہ وہ ان کا بہت دھیان رکھتی تھیں۔ دن بھر کا کھانا پینا ان کے کمرے میں رکھ کر ریسٹورنٹ جایا کرتی تھیں کہ کہیں وہ خود کو آگ نہ لگالیں۔ دراصل دادی جان بیچاری کافی عمر رسیدہ اور کچھ حواس باختہ سی ہو گئی تھیں اور وہ ماما کے ساتھ بہت کمفرٹیبل رہتی تھیں۔ کیونکہ ماما اِک بے مثال بہو تھیں۔ میں ماما کی قربانیوں کو آج بھی سراہتا ہوں کہ میں نے انہیں کبھی آرام سے بیٹھے اور کھانا کھاتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ دن رات بابا کے ساتھ کھڑی رہیں اور ہمیں اعلیٰ تعلیم دلانے کے لیے انہوں نے کیا کچھ نہیں کیا تم کیا جانو......؟ اسی کے صلے میں انہیں یہاں چین و سکون سے اپنی زندگی کے دن پورے کرنے دو...... ان کی دعاؤں کی برکت تمہیں اپنی اولاد میں نظر آئے گی، اگر تم باز نہ آئیں تو میں تمہیں اس زیادتی پر کبھی معاف نہیں کروں گا۔'' لہجہ مستحکم تھا۔

''بالکل درست، میں بھی تمہیں معاف نہیں کر سکتی...... اس لیے ہماری راہیں جدا ہیں۔'' وہ اکڑ کر بولی۔''کیونکہ میں عین شریعت چل رہی ہوں کہ ساس میری ذمے داری نہیں۔'' وہ شریعت میں شاید اسی بات کو سمجھی تھی۔

''ماہین تم اپنی ضد سے نہیں ہٹو گی...... تو انجام سوچ لو کہ ہم ہمیشہ کے لیے جدا ہو جائیں گے۔ کیونکہ مجھے اپنی ماں کی بیٹی بننا ہوگا۔'' وہ سختی سے بولا۔

''سوچ بھی لیا اور فیصلہ بھی کر لیا ہے۔ ہو جائے جو بھی ہونا ہے۔ انہیں دبئی بھیجو یا کسی اور جگہ...... بس چلتا کرو۔'' ماحول میں طویل خاموشی چھا گئی تھی۔

''ماہین مجھے تھوڑا سا وقت دو۔'' کچھ دیر بعد اویس بولا۔'' میں ماما کو دبئی جانے کا مشورہ دیتا ہوں۔

یقین جانو کہ ماما کے لیے اپنی زندگی داؤ پر لگا سکتا ہوں لیکن بچوں کا کیا قصور میں، بچوں کو دو کشتیوں کا سوار نہیں بنانا چاہتا، تم تو اس وقت دماغ سے فارغ ہو چکی ہو۔ مجھے ہی حاضر دماغی سے کام لینا پڑے گا۔ اسے میری مجبوری سمجھو یا محبت کی انتہا کہ بچے والدین کی علیحدگی کا صدمہ برداشت نہیں کر سکتے۔ اور معاشرے کے لیے اِک ناسور بن جاتے ہیں۔ میں ان کی کامیاب اور خوشگوار زندگی کی خاطر ماما کو کسی بھی بھائی کے پاس بھیجنے کے لیے تیار ہوں۔ ایک شرط ہے کہ مجھے ماما کی فائنلی ہیلپ کرنی پڑے گی۔ یہ میرا فرض ہے۔ اس پر اعتراض کرنے کی غلطی مت کرنا۔ اسے میرا فرض بھی سمجھو اور میری مجبوری بھی......''

''مگر تم یہ یاد رکھو کہ تم پر صرف میرا اور میرے بچوں کا حق ہے اگر تم نے اس میں کوتاہی برتی تو تم قابل سزا ہو گے۔ بس یہ خیال رکھنا کہ اپنے بچوں کے فیوچر کو اپنی ماں کے پیار کی بھینٹ نہ چڑھا دینا۔ وہ اپنی عمر گزار چکی ہیں، بچوں کے سامنے طویل عمر پڑی ہے۔'' وہ یہ سن کر خاموش رہا۔

''اویس ماما تو ہرگز نہیں مانیں گی تم سلطان بھیا سے بات کرو کہ وہ یہاں تشریف لائیں اور انہیں یہاں سے لے جائیں۔ آخر وہ بھی ان کے بیٹے ہی ہیں کوئی غیر تو نہیں...... ماما نہ جانے یہ کیوں نہیں سمجھتیں کہ ان کا دور ختم ہوا۔ اب میری باری ہے اگر ان کا بس چلے تو اس گھر کو قبر......'' ابھی وہ جانے کیا، کیا بولتی اویس نے ٹوک دیا۔

''ماہین میں سوچ رہا ہوں کہ چار بیٹے اپنی بیویوں کے سامنے سجدہ ریز کیوں ہیں۔ آج کل کے لڑکوں اور تم جیسی بے حس لڑکیوں کو کیا ہو گیا ہے کہ ساس اور سسرال کا نام سننے کی روادار نہیں، کیا ایسی لڑکیوں کے لیے یتیم خانہ بہتر نہیں۔ ساس، سسر، جیٹھ، دیور اور نندوں کا جھنجٹ ہی ختم ہو جائے۔'' وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور ماہین کروٹ بدل کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔

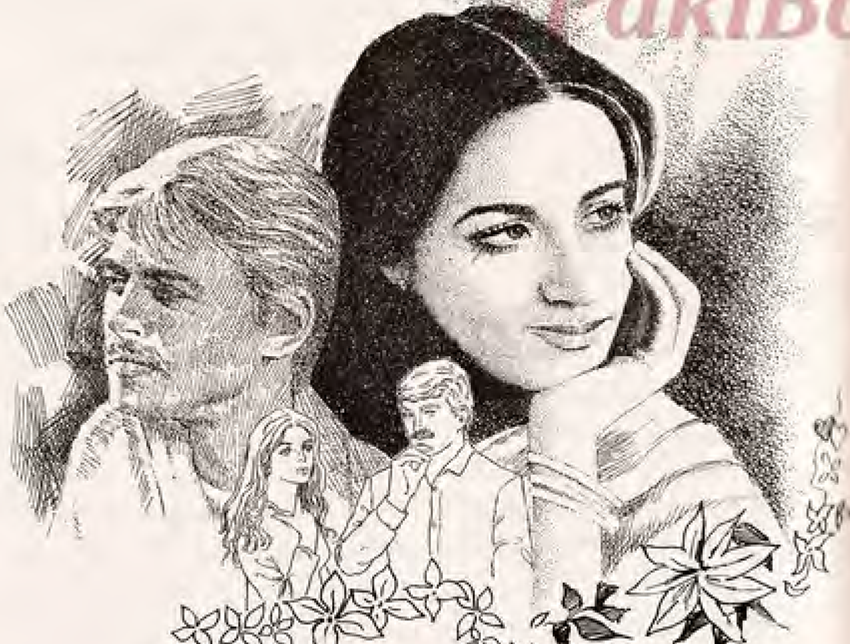
☆☆☆

ناولٹ

فریبِ خیال

اسما طاہر

آج پھر ایک بے امان دن کا آغاز ہوا تھا۔ ہاں صبح کی نماز کے بغیر دن بے اماں ہی ہوتا ہے مگر قصور میرا نہیں تھا بلکہ میرے حالات کا تھا۔ جن کی وجہ سے میں ساری رات سو نہ پائی تھی۔ آدھی رات تک تو فرحان سے لڑائی ہوتی رہی اور باقی آدھی رات روتی رہی۔ تین بجے کہیں جا کر آنکھ لگی پھر صبح مشکل سے سات بجے آنکھ کھلی تھی۔ جلدی، جلدی بچوں کو ناشتا کروا کر تیار کیا اور گھر سے نکلتے فرحان کی گاڑی میں ٹھونسا۔ وہ خود تو ناشتا کیے بغیر ہی جا رہے تھے۔ ان کے جانے کے بعد میں واش روم میں آ گئی۔ اتنی جلدی میں تھی کہ ابھی تک منہ بھی نہیں دھویا



''ماہین، ماما کہاں ہیں؟ نظر نہیں آ رہیں۔'' آج ماما دروازے پر نہیں ملیں۔ تو اویس فکرمندانہ لہجے میں بیوی سے دریافت کر کے ماں کو پکارنے لگا۔

''ماما کہاں ہیں آپ کے ہاتھ کی مزے دار کافی کی طلب ہو رہی ہے۔ لگتا ہے طبیعت ناساز ہے۔''

''اویس اگر طبیعت خراب بھی ہے تو کون سی قیامت برپا ہو گئی ہے۔ آرام کر رہی ہوں گی۔'' وہ ہاتھ جوڑ کر بولی۔ ''ایک تو یہاں ماں، بیٹے کا عشق ہی ختم ہونے میں نہیں آ رہا۔ اب منہ اٹھائے ان کی طرف نہ چل پڑنا۔ بچے تمہارے انتظار میں بیٹھے ہیں اور تم نے آفس سے آنے میں ہی دیر کر دی۔ لگتا ہے تمہاری مینجمنٹ میں مسئلہ ہے جو تمہارا کام وقت پر ختم ہی نہیں ہوتا۔ میں بھی تو نوکری کرتی ہوں، اگر میرا حال تمہارے جیسا ہوتا تو بچے تو گئے تھے کام سے اور یہ کافی کا نہیں کھانے کا وقت ہے۔ وقت ملاحظہ فرمائیں جناب......'' اس نے وال کلاک کی طرف اویس کی توجہ دلائی۔

''صبح تم نے ہی تو ان سے وعدہ کیا تھا جانے کا یقیناً تم بھول چکے ہو گے مگر بچے لوگ تو یاد رکھتے ہیں ناں......''

''اوہو میں بھول ہی گیا دراصل سلطان بھیا سے باتوں میں وقت کا پتا ہی نہیں چلا۔''

''لگتا ہے بات بنی نہیں...... ہمیں ہی سب نے بے وقوف اور پاگل سمجھ رکھا ہے۔ اب میں ان کی یہ ہوشیاری اور مکاری نہیں چلنے دوں گی۔'' وہ اونچی آواز میں بولی۔

''ایسی قیاس آرائیوں سے دور ہو بیگم...... سلطان بھیا کے دلائل ٹھوس ہیں، ان کے چاروں بچے زیرِ تعلیم ہیں اور بیگم نہایت فضول خرچ...... پڑھ لکھ کر اُس نے عورت نے گنوا دیا ہے۔ نہ جاب کرنا چاہتی ہے نہ ہی بھیا کے پیسے کا صحیح استعمال کرنے کا سلیقہ آتا ہے بیچارے بھیا کافی حد تک مقروض ہو چکے ہیں۔ ان حالات میں وہ ماما کی ذمے داری اٹھانے سے قاصر ہیں۔''

''اویس میں نے اولڈ پیپلز ہومز کے بارے میں بہت کچھ پڑھا اور سنا ہے کہ اس شہر میں بھی وجود میں آ چکا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے۔ ماما کو اولڈ پیپلز ہوم میں ٹھہرا دیتے ہیں، وہاں ماما بہت خوش بھی رہیں گی۔ اور اپنی عمر اپنے جیسے لوگوں کی رفاقت کا اپنا ہی سرور ہوتا ہے۔''

''تم یہ کیا کہہ رہی ہو...... چار بیٹوں کی ماں، چار بہوؤں کی ساس اور دس پوتوں اور دو پوتیوں کی دادی اولڈ پیپلز ہوم میں رہے گی؟ ہمارے لیے چلو بھر پانی میں ڈوب مرنے کا مقام ہے، تم نے یہ سوچ بھی کیسے لیا۔'' وہ سخت برہم ہوا۔

''میں تمہیں کل صبح طلاق دے دوں گا۔ اور بچے تم سے چھیننے کی طاقت مجھے یہاں کے قانون نے بخشی ہے۔'' وہ بڑے استحقاق سے دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ ماں دروازے کی چوکھٹ سے ٹیک لگائے بیٹھی تھیں انہیں اس حالت میں دیکھ کر وہ حیرت و تاسف سے چیخا۔

''ماما آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟'' اویس نے ماں کو جھنجوڑا تو وہ فرش پر جیسے پھڑکنے لگیں۔

''اوہ مائی گاڈ...... یہ کیا ہو گیا؟ ماما کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے، ماہین ایمبولینس منگواؤ۔'' وہ چیختا ہوا کمرے کی طرف بھاگا۔ ماہین اس کی آواز پر ٹس سے مس نہ ہوئی۔

''تم سن رہی ہو کہ نہیں......'' وہ پھر چیخا۔ ''ماما نے ہماری تمام باتیں سن لی ہیں۔''

''اویس یہ ان کی پرانی عادت ہے، تم حوصلہ پکڑو، کچھ نہیں ہو گا۔''

''ماہین ہوش پکڑو...... میری ماں کو دل کا دورہ پڑا ہے۔ ہائے میری ماما...... میری ماما......'' وہ الٹے قدموں باہر کی طرف بھاگا اور ماں کا سر اپنی گود میں رکھ کر انہیں اپنی سانس دینے لگا لیکن ماں کی سانس نہ پلٹی...... ان کی آنکھیں کھلی اور ساکت تھیں اور لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ رقصاں تھی کہ آج میں اپنے لاڈلے چہیتے اور تابعدار بیٹے کا گھر اجڑنے سے بچانے میں کامیاب ہو گئی۔

تھا۔ آئینے میں اپنی شکل دیکھ کر خوف آ گیا۔ اُف آنکھیں سوج، سوج کر کیا ہو گئی تھیں۔ دیکھنے میں بھی تکلیف ہو رہی تھی اور جلن الگ......

''اب کیا کروں ابھی گیارہ بجے کام والی آ جائے گی۔ میری سوجی آنکھوں کو دیکھ کر اپنی مرضی کی کہانی اخذ کرے گی اور پھر دس گھر اِدھر اور دس گھر اُدھر جا کر سنائے گی ساری داستان۔'' میں نے فریج سے برف کا کیوب نکال کر دوپٹے میں لپیٹا اور بیڈ پر لیٹ کر آنکھوں پر رکھ لیا۔ تھوڑی دیر رکھنے سے جلن تو کم ہو گئی مگر سوجن کم ہونے میں ابھی وقت لگنا تھا۔ میں تھوڑی دیر مکمل سکون سے لیٹنا چاہتی تھی، کچھ سوچنا نہیں چاہتی تھی مگر دماغ بار، بار رات والے جھگڑے کی طرف پلٹ جاتا۔ ذرا سی بات پر اتنا جھگڑا، اتنا غصہ، مجھے نئے سرے سے رونا آ گیا۔

''آخر ہوا ہی کیا تھا ایسا، کیا فرحان مجھے انسان نہیں سمجھتے؟ میری بھی آرزوئیں تھیں، امنگیں تھیں، کیا تھا اگر میں انہیں پورا کر لیتی۔ اس قدر ضدی اور ناپسند مرد میں نے زندگی میں نہیں دیکھا۔ بیوی کے احساسات کا کوئی خیال ہی نہیں۔'' دروازے کی گھنٹی بجی تھی۔ میں سوچنا چھوڑ کر اٹھ بیٹھی، یقیناً دودھ والا آیا تھا۔ اب میری زندگی کا مقصد بس یہی رہ گیا تھا۔ میں سارا دن دودھ والے کا، کوڑے والے کا، کام والی کا استقبال کرتی رہوں۔ اس کے بعد بچوں کا پھر بچوں کے باپ کا۔ میں تو بس ایک استقبالیہ کلرک بن کر رہ گئی تھی۔ اس سے زیادہ بیکار زندگی بھلا کس کی ہوگی۔ میں دودھ لے کر واپس آ گئی اور پھر لیٹ گئی۔ مگر ذہن میں ذرا بھی سکون نہیں تھا۔ فرحان کے ساتھ یہ جھگڑا تو شادی کے کچھ عرصے بعد ہی سے شروع ہو گیا تھا پھر یکے بعد دیگرے تین بچے ہو گئے مگر یہ تنازع چلتا ہی رہا۔ پچھلے دو تین مہینے سے تو یہ مسئلہ اور بھی شدت اختیار کر گیا تھا۔ تقریباً ہر رات ہی ہماری بحث ہوتی جو آگے بڑھ کر جھگڑے میں تبدیل ہو جاتی مگر پھر بھی نتیجہ کچھ نہ نکلتا۔ آخر میں اس قدر بے بس، محتاج اور فرحان کی پسند ناپسند کی پابند کیوں ہوں؟ میں خود سے کوئی قدم کیوں نہیں اٹھا لیتی؟ اپنی پسند کا اپنی مرضی کا فیصلہ کیوں نہیں کر لیتی؟ فرحان کچھ عرصہ ناراض رہتے پھر ٹھیک ہو جاتے مگر نہ جانے کیوں، میں انتہائی قدم اٹھانے

ملازمہ آ چکی تھی۔

''ارے باجی یہ آپ کی آنکھوں کو کیا ہوا؟'' اس نے آتے ہی میری توقع کے عین مطابق سوال کیا۔

''بھئی وہ رات میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔'' اس میں جھوٹ کیا تھا، فرحان سے جھگڑے اور مسلسل رونے سے واقعی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ ''تو میں ساری رات اسی سے سو نہیں پائی۔'' (یہ بھی سچ تھا کہ رات تین بجے کے بعد ہی کہیں آنکھ لگی تھی)۔ ''اس لیے آنکھیں ذرا سُوج گئی ہیں۔ بس اب تم یہ سوال جواب ختم کرو اور کام سے لگ جاؤ آج کام کچھ زیادہ ہی ہے۔'' میں نے اسے ٹالنے کی کوشش کی۔

وہ گھر کی صفائی اور ڈسٹنگ کرتی تھی۔ فرحان کے کپڑے تو ہمیشہ دھوبی کے پاس جاتے تھے، البتہ بچوں کے کپڑے اور چھوٹی موٹی دوسری چیزیں وہ ہی دھوتی تھی اور پھر استری بھی کرتی تھی۔ وہ اپنے کام سے لگ چکی تھی۔ میرے سر میں اگرچہ اب بھی درد تھا مگر مجھے دوپہر کا کھانا تیار کرنا تھا، سو میں کچن میں آ کر اس کی تیاری کرنے لگی۔ چولہا جلا کر ہانڈی چولھے پر رکھی ہی تھی ایک دم سے پھر سے ذہن پلٹ گیا۔ ایسا لگا جیسے چولھے پر ہانڈی نہیں بلکہ کچھ اور جل رہا ہو۔ میرے دل کو کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا۔

''باجی اگر آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں تو میں ہانڈی بنا دوں؟'' پروین جب بھی مہربان ہوتی تو بونس کے طور پر اس طرح کے کام کر دیتی۔

''ارے نہیں بھئی، ہانڈی تو میں بنا لوں گی تم ذرا جلدی، جلدی گھر سمیٹ دو۔ بچوں نے چیزیں کچھ زیادہ ہی پھیلا دی ہیں۔ اب میری طبیعت ایسی بھی خراب نہیں کہ کھانا بھی نہ بنا سکوں۔'' میں دوبارہ کام میں مصروف ہو گئی۔ اتنے میں فون بجنا شروع ہو گیا۔ یا اللہ آج مجھے کوئی کام نہیں ہوگا کہ کام جلدی ختم کر کے تھوڑی دیر لیٹ ہی جاؤں۔ سر اتنا بھاری ہو رہا تھا، اگر ذرا آرام کر لیتی تو اچھا تھا۔ ورنہ ابھی بچوں نے آ جانا تھا اور پھر میری آیا اور ٹیوٹر والی نوکری شروع ہو جانی تھی۔ میں نے جھنجلاتے ہوئے فون اٹھا لیا۔ فرحان کا تھا، لگتا ہے غصہ ٹھنڈا ہو گیا ہے موصوف کا، اسی لیے فون کر رہے تھے۔ دل تو ذرا بھی نہیں چاہ رہا تھا ان سے بات کرنے کو مگر ہم نے بہت پہلے ہی طے کر لیا تھا کہ چاہے کتنی بھی ناراضی

کل کے حالات اس طرح کے ہیں، ہو سکتا ہے کوئی واقعی مصیبت میں ہو، فون نہ اٹھا کر دوسرے کو اندیشوں اور وسوسوں میں مبتلا کرنا بھی ٹھیک نہ تھا۔ اب سے کچھ عرصہ پہلے ہی کی تو بات ہے، خطوں کے ذریعے ہی ایک دوسرے کی خیریت معلوم ہوتی تھی لوگوں کو، وہ بھی مہینوں بعد پھر بھی لوگ مطمئن رہتے تھے۔ لیکن اب اس موبائل نے لوگوں کو اس قدر کم حوصلہ اور وہمی بنا دیا ہے۔ کوئی دوسری تیسری بیل پر فون نہ اٹھائے تو دماغ میں کھلبلی مچ جاتی ہے لہٰذا مجھے بھی نہ چاہتے ہوئے فون اٹھانا پڑا۔

''جی فرمایئے کس سے بات کیجیے گا؟'' میرا رات والا غصہ ابھی ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔

''میڈم بات تو آپ سے ہی کرنا تھی مگر کوئی دوسری موجود ہے تو فون اسے دے دیں۔ اس سے بھی بات کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔'' افوہ ان صاحب کی شوخیاں تو دیکھو، ایسا لگ رہا تھا ہمارے بیچ کوئی لڑائی تھی ہی نہیں۔

''کیسے فون کیا، مطلب کی بات کریں۔'' میں رُکھائی سے بولی۔

''مطلب کی بات یہ ہے میڈم کہ کچھ دن پہلے آپ نے ذکر کیا تھا کہ آپ اپنے اور بچوں کے لیے کچھ کپڑے لینا چاہتی ہیں تو اگر آپ مناسب سمجھیں تو میں ڈرائیور بھیج دوں۔ آپ مارکیٹ چلی جائیں اور خریداری کر لیں۔''

''ہوں۔'' اب اتنا غصہ بھی ٹھیک نہیں تھا میں نے دل میں سوچا۔ خریداری والی بات میرا دل نرم کرنے کو کافی تھی۔

''تو پھر کیا خیال ہے؟'' وہ آہستہ سے بولے۔ جانتے تھے شکار پھنس چکا ہے۔

''بھیج دیں پھر گاڑی۔'' میں نے مصنوعی بے نیازی سے کہا۔ ''مگر پیسوں کا کیا ہوگا؟'' میں نے سب سے اہم چیز کی طرف توجہ دلائی۔ سچ تو یہ تھا کہ کیسا غصہ اور کہاں کی لڑائی، شاپنگ کی ایسی شاندار دعوت ٹھکرانا بھلا کون سی عقلمندی تھی۔

''میرا کارڈ دراز میں پڑا ہے آپ پیسے نکلوا لیجیے گا۔''

''جی اچھا ٹھیک ہے۔'' میں اچانک بہت سعادت مند ہو گئی تھی۔

''لیکن بچوں کو کون لینے جائے گا اور ابھی تو میں

''بھئی بچوں کے اسکول میں تو آج فنکشن ہے نا، چھٹی آدھا گھنٹا دیر سے ہوگی تب تک آپ خریدا... سے فارغ ہو جائیں گی۔ انہیں جا کر لے لیجیے گا اور کہ... بھی کہیں باہر ہی سے کھا لیجیے گا۔ جگہ بتا دیجیے گا تو شاید... بھی آ کر شامل ہو جاؤں۔''

''یا میرے خدا! اس حاتم طائی کو لمبی زند... دے۔'' میرے دل سے بے ساختہ دعا نکلی تھی۔ اب ا... وقت گزری رات کو یاد کرنا بلا جواز تھا۔ میں نے چولھا... کیا اور باہر آ گئی۔ پروین بھی کام ختم کر چکی تھی۔

''پروین ذرا جلدی ہاتھ چلاؤ تمہارا کام ختم ہو تو... مجھے ذرا باہر جانا ہے۔''

''مگر آپ کی تو طبیعت خراب تھی۔'' وہ ڈسٹنگ... کرتے، کرتے رک گئی۔

''ہاں خراب تو تھی طبیعت مگر یہ واقعہ فرحان کے فو... آنے سے پہلے کا تھا۔'' میں نے دل ہی دل میں کہا۔

''اب میں پہلے سے بہتر ہوں۔'' میں اس سے کہ... کر کمرے میں آ گئی اور تیار ہونے لگی۔ تھوڑی دیر بعد... ڈرائیور بھی آ گیا۔ میں ملازمہ کو رخصت کر کے مارکیٹ... آ گئی۔ موسم بدل رہا تھا۔ مجھے اسی حساب سے کپڑے لی... تھے مگر کپڑوں کی قیمتیں سن کر دانتوں پسینہ آ رہا تھا۔ می... اپنے اور بچوں کے لیے تین، تین جوڑے ہی لے پائی... تھی۔ مگر جیب جیسے خالی ہو گئی تھی۔ اُف اس قدر مہنگائی... اور ہزار کا نوٹ تو بالکل بیکار ہو چکا ہے۔ لگتا ہے کچھ آ... ہی نہیں...... میری خریداری مکمل ہو چکی تھی۔ میں مارکیٹ... سے باہر آ گئی اور ابھی میں گاڑی میں بیٹھ ہی رہی تھی کہ و... نظر آ گئی۔ وہ ایک غیر ملکی ریستوران میں داخل ہو رہی... تھی۔ ساتھ میں بچے بھی تھے۔ ریستوران کے باہر اس کی... مہنگی اور قیمتی کار کھڑی تھی۔ میں نے پہچان لی تھی...... و... خود بھی بہت مہنگی اور قیمتی لگ رہی تھی۔ اس کے جسم پر وہی... جوڑا تھا جو میں نے کچھ دیر پہلے ایک بوتیک پر دیکھا تھا... کم از کم پندرہ ہزار کا تو ضرور تھا۔ اس کا چہرہ بھی امپورٹڈ میک... اپ سے سجا ہوا تھا۔ میں دور سے ہی اندازہ کر سکتی تھی۔ و... ریستوران کے اندر جا چکی تھی۔ میں اس سے ملنا چاہتی تھی... مگر بچوں کی چھٹی ہونے والی تھی ابھی انہیں بھی اسکول... سے لینا تھا۔ لہٰذا اس سے ملاقات کا ارادہ ملتوی کر کے میں

شاپنگ کی خوشی اور جوش وخروش ماند پڑ چکا تھا۔ مجھے اس کے ایک خوب صورت لباس کے سامنے اپنی ساری خریداری بیکار لگ رہی تھی۔

میں نے جتنے پیسے ساری شاپنگ پر خرچ کیے تھے اس نے اتنے پیسوں کا ایک جوڑا پہن رکھا تھا۔ اور اس کی گاڑی، اُف کیسی شاندار تھی نظریں ہٹانے کو دل نہیں کرتا تھا۔ گاڑی تو ہماری بھی اچھی تھی مگر ویسی نہ تھی۔ میں بے حس اور خود غرض نہیں تھی کہ سب کچھ اپنی ذات پر ہی خرچ کر لیتی۔ میں اپنے مال میں ضرورت مندوں کا حصہ بھی نکالتی تھی۔ پندرہ ہزار کا جوڑا میں بھی پہن سکتی تھی مگر میں بے حسی اور خود غرضی کی اس سطح تک نہیں جانا چاہتی تھی جہاں بس اپنی ذات ہی اہم ہوتی ہے لیکن نہ جانے کیوں اسے دیکھ کر میرے سارے نظریات الٹ پلٹ ہو جاتے۔ کیا فرق تھا اس میں اور مجھ میں......؟ تعلیم، قابلیت، صورت، شکل، خاندان......ہم ہر لحاظ سے ہم پلّہ تھے لیکن اس کے باوجود وہ صحیح معنوں میں زندگی جی رہی تھی۔ خود مختاری، ٹھاٹھ باٹ، اپنا پیسہ اور بے حساب پیسہ اس کے پاس تھا اور میں کیا تھی...... ایک مرد کی پسند ناپسند اور اس کی مخصوص سوچ کی غلام، برسوں سے کنویں کا مینڈک بنی بیٹھی تھی۔ میری اپنی کوئی زندگی تو بن ہی نہیں سکی تھی۔ شادی، شوہر اس کی خوشنودی پھر بچے ان کی آیا گیری، سسرال والوں کی خدمتیں اور ہانڈیاں بھوننے کے سوا میں نے کیا ہی کیا تھا۔ اپنی ذات، اپنی ذہانت، قابلیت سب خاک میں ملا دیا تھا۔ میں، میں نہ رہی تھی بلکہ کچھ اور بن چکی تھی۔ اب میں صرف ایک مرد کی خدمت گار تھی۔ اس کے بچوں کی آیا تھی۔ ان کی ٹیوٹر تھی اور باورچن تھی اور بس......اس کے علاوہ کی جب بھی میں نے خواہش کی تھی گھر میں آگ لگ گئی تھی۔ غصہ، ناراضی، جھگڑا، گویا مجھے میری مرضی سے ایک سانس بھی لینے کی اجازت نہ تھی۔ ادھر اس کی زندگی تھی بھرپور، شاندار، زبردست اس نے وہ عورت بن کر دکھایا تھا جو سب کچھ کر سکتی ہے۔ گھر میں بھی اور گھر سے باہر بھی سب کچھ اس کی مرضی اور خواہش کے تابع تھا۔ اس کی سوچوں اور توقعات کے عین مطابق گویا کہ سارا زمانہ اس کے ساتھ چل رہا تھا اور یہ صرف اس لیے تھا کہ اس نے اپنے آپ کو ایک مرد کی سوچ کے تابع نہیں رکھا تھا

بلکہ اس مرد کو اپنی ترقی پسند سوچ کے تابع کر لیا تھا اور پھر اس کے لیے سب کچھ آسان ہوتا چلا گیا۔ بالکل ایسے ہی جیسے وہ چاہتی تھی۔

☆☆☆

تین ماہ پہلے فائزہ سے میری ملاقات گھر کے قریب موجود مارکیٹ میں ہوئی تو میں اسے وہاں دیکھ کر حیران رہ گئی۔ ہم دس سال سے اس جگہ رہ رہے تھے۔ مگر اس سے پہلے کبھی اسے یہاں نہیں دیکھا تھا۔ ہم دونوں انجینئرنگ یونیورسٹی میں کلاس فیلو رہ چکے تھے۔ اس کے علاوہ وہ ہاسٹل میں میری روم میٹ بھی تھی۔ ہماری کافی دوستی بھی تھی مگر یونیورسٹی سے فراغت کے بعد مصروفیات بڑھتی چلی گئیں اور پھر اس دن اچانک اسے سامنے دیکھ کر بہت خوشی ہوئی تھی۔

''ارے بھئی تم یہاں کیسے؟'' میں نے چھوٹتے ہی پوچھا تھا۔

''ہم نے یہاں اپنا گھر بنا لیا ہے کچھ عرصہ پہلے ہی یہاں شفٹ ہوئے ہیں۔'' اس نے وضاحت دی۔

''تم سناؤ کیسی ہو، اور کیا تم بھی یہیں رہتی ہو؟''

''ہاں...... بالکل یہاں قریب ہی میرا گھر ہے۔ تم ضرور آنا میرے گھر پھر ڈھیر ساری باتیں کریں گے۔'' میں نے فوراً پیشکش کر دی۔

''نہیں بھئی میں تو نوکری کی وجہ سے مصروف ہوتی ہوں لہٰذا پہلے تم آنا پھر میں بھی کسی چھٹی والے دن چکر لگاؤں گی۔''

''چلو ٹھیک ہے۔'' میں نے خوشدلی سے کہا پھر فون نمبرز کا تبادلہ ہوا، ملاقات کے وعدے کے ساتھ ہم نے اپنی، اپنی راہ لی لیکن میں تو جیسے اس میں کھو کر رہ گئی تھی۔ کیسی زبردست اور خود اعتماد ہو چکی تھی وہ۔ اس کی شخصیت نکھر گئی تھی۔ اس کا لباس، انداز و اطوار، بول چال سب شاندار تھا اور اپ ٹو ڈیٹ تھا اور کیوں نہ ہوتا وہ نوکری کر رہی تھی۔ اپنی پسند کی زندگی گزار رہی تھی اور زمانے کے ساتھ، ساتھ چل رہی تھی۔ اسے نئے زمانے کے انداز و اطوار اور ٹرینڈز کی اچھی طرح خبر تھی ہماری طرح گھر میں دفن تھوڑی ہو گئی تھی۔ اس کا شوہر بھی انجینئر تھا مگر کسی دوسرے شہر میں کام کرتا تھا اور وقتاً فوقتاً آتا رہتا تھا۔ کتنا اچھا شوہر تھا بالکل...... اس کی مرضی کی زندگی

گزارنے میں ہر طرح سے اس کا مددگار۔ میں جوں، جوں اس کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اپنی کم مائیگی کا احساس بڑھتا جا رہا تھا۔ کیا ستم تھا، اللہ نے ہم دونوں کو سب کچھ ایک جیسا دیا تھا مگر وہ کہاں سے کہاں پہنچ چکی تھی اور میرا سفر آج سے چودہ سال پہلے رک گیا تھا، ختم ہو گیا تھا۔ اب میں ایک ایسے مینڈک کی سی زندگی گزار رہی تھی جو کنویں کو ہی ساری دنیا سمجھ بیٹھتا ہے۔

☆☆☆

کیا شاندار گھر تھا اس کا۔ میں تین چار دن بعد ہی اس کے گھر جا پہنچی تھی، بالکل نیا بنا ہوا تھا۔

''اس پر تو کروڑوں روپے خرچ ہوئے ہوں گے۔''

''ہاں بالکل......'' وہ بتا رہی تھی۔ ''کچھ ہماری جمع شدہ رقم کام آئی اور کچھ ہم دونوں میاں بیوی نے اپنے، اپنے دفتروں سے قرضہ لیا اور یوں یہ گھر بن کر تیار ہوا۔'' فائزہ کا ذوق خوب اعلیٰ تھا اس نے گھر کی سجاوٹ خود کی تھی۔ یہاں وہاں بے شمار قیمتی ڈیکوریشن پیسز سجے تھے۔ دیواریں مہنگی اور خوب صورت تصویروں سے سجی ہوئی تھیں......لان بھی بہت خوب صورت بنا ہوا تھا۔ گھر کے اندر بھی بہت سے قیمتی اور خوب صورت پودے موجود تھے۔ میری تو آنکھیں ٹھنڈی ہو رہی تھیں انہیں دیکھ، دیکھ کر۔ اُدھر فرحان صاحب تھے کبھی جو ذرا سا مہنگا ڈیکوریشن پیس لینے دیا ہو......ان کا خیال تھا۔ ''یہ بیکار میں ڈھیروں پیسے کھا جاتے ہیں، جتنا بھی مہنگا اور خوب صورت ہو ایک دن بہت اچھا لگے گا، دوسرے دن صرف اچھا لگے گا اور کچھ دن گزرنے کے بعد بالکل نظر آنا ہی بند ہو جائے گا۔ کبھی کبھار کسی مہمان کی نظر پڑ گئی تو تھوڑی تعریف کر دے گا اور بس تو پھر کیا ضرورت ہے ان پر اتنا روپیہ لٹانے کی۔ اس سے بہتر ہے بندہ کسی دوسری ضرورت پر خرچ کر لے یا ہمت کر کے کسی ضرورت مند کو دے، دے۔'' اُف یہ فرحان کے فلسفے بھی عجیب تھے، ہاتھ پاؤں باندھ کر رکھ دیتے تھے مگر آج فائزہ کے گھر میں گھومتے ہوئے ان کے تمام فلسفے بیکار معلوم ہو رہے تھے۔ زندگی تو یہ تھی جو فائزہ گزار رہی تھی۔ اور پھر اس نے سارا گھر دکھایا۔ ایک، ایک کمرا اور آخر میں ہم کچن میں پہنچے۔ کچن بھی جدید انداز میں بنا ہوا تھا اور کافی کشادہ

میں کام کرنے والا کبھی بور نہیں ہو سکتا تھا۔ گاہے بگاہے لان میں کھلے پھولوں جو نظر پڑتی رہتی۔

''آؤ کچھ کھاتے ہیں۔'' اس نے مجھے کچن میں موجود ڈائننگ ٹیبل کی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود فریزر میں سے چیزیں نکالنے لگی جو طرح، طرح کے ریڈی میڈ کھانوں کے ڈبوں سے بھرا ہوا تھا۔ پراٹھوں کے پیکٹ، پیٹیز، چپس، کباب، نگٹس نہ جانے کیا، کیا۔

''لگتا ہے تمہارے بچوں کو یہ ساری چیزیں بہت پسند ہیں۔'' میں نے فریزر میں موجود پیکٹس کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

''ہاں بالکل بعض اوقات تو کئی، کئی دن گھر کا پکا کھانا نہیں کھاتے بس یہی سب کچھ کھاتے رہتے ہیں۔ سالن تو دنوں ہمارے گھر نہیں پکتا کوئی کھاتا ہی نہیں تو میں نے بھی پکانا چھوڑ دیا۔'' وہ فرائیر میں چپس ڈالتے ہوئے بولی۔

''اچھا تو کچن اس لیے اتنا صاف اور نیا نکور لگ رہا ہے۔ یہاں تو کبھی کھانا پکا ہی نہیں۔ مزے ہیں تمہارے تو بھئی فائزہ۔'' میں نے دل ہی دل میں سوچا۔

''اب ایک ہانڈی کے لیے اتنی محنت کرنی پڑتی ہے ناں......'' وہ کہہ رہی تھی۔

''جس کے لیے میرے پاس وقت ہے نہ ہمت بس انہی سے گزارہ کر لیتے ہیں۔''

''مگر یہ چیزیں تو بچوں کی صحت کے لیے اچھی نہیں۔'' مجھ سے رہا نہ گیا۔ میں نے تو اپنے گھر میں خانساماں محض اس لیے نہ رکھا تھا کہ نہ جانے کس طرح سے پکائے۔ جب تک میں خود نہ پکاؤں میری تسلی نہ ہوتی تھی اور یہ ریڈی میڈ چیزیں تو مجھے بالکل پسند نہیں تھیں۔ سوائے وزن بڑھانے کے اور یہ کرتی بھی کیا ہیں۔

''تم گھر میں بنایا کرو ناں یہ چیزیں۔ تمہاری تو کوکنگ بڑی اچھی تھی۔'' مجھے یاد تھا جب ہم ہاسٹل میں تھے تو کبھی، کبھی وہ بڑے مزے کی چیزیں بناتی تھی۔

''ہاں وہ سب تو ٹھیک ہے مگر میں سستی کر جاتی ہوں اور پھر بچے کھاتے بھی تو نہیں۔'' وہ بے پروائی سے بولی۔

''کیا کامران بھائی بھی یہی کچھ کھاتے ہیں؟''

''ارے وہ یہاں ہوتے ہی کب ہیں۔'' اس نے فرائیڈ چپس پلیٹ میں رکھے۔ ''مہینے دو مہینے بعد چکر

بنانا پڑتا ہے۔'' اس نے کافی بنا کر میرے سامنے رکھی۔

''تو پھر تم گھر، بچے، نوکری سب ایک ساتھ کیسے سنبھالتی ہو؟'' مجھے سخت حیرت ہو رہی تھی میں تو ایک دن بھی فرحان کے بغیر اپنے معاملات نہیں چلا سکتی تھی۔ اس میں قصور فرحان کا بھی تھا انہیں اپنی ذمے داریوں سے جیسے بڑی محبت تھی اور اس چکر میں مجھے تو معذور ہی بنا کر رکھ دیا تھا۔

''بس زندگی گزر رہی ہے کسی نہ کسی طرح۔'' وہ بے پروائی سے بولی۔

''لیکن پھر بھی فائزہ! یہ سب آسان نہیں ہے پھر تم نے تو کوئی ملازم بھی نہیں رکھا ہوا......''

''ملازموں کا کوئی کس طرح اعتبار کرے۔ یہ بھی ایک بہت بڑا دردِ سر ہے کہ ہر وقت کوئی ملازموں پر نظر رکھے۔'' وہ بیزاری سے بولی۔

''شروع میں سارے ہی تھے۔ ڈرائیور بھی، باہر کے کاموں کے لیے بھی ایک لڑکا، ایک عورت صرف بچوں کی دیکھ بھال کے لیے بھی مگر اتنی بڑی، بڑی تنخواہیں لینے کے باوجود سب مجھے دھوکا دے رہے تھے۔ کامران کے جانے کے بعد تو یہ سلسلہ کچھ زیادہ ہی بڑھ گیا تھا۔ ڈرائیور پہلے پٹرول بیچ دیتا تھا پھر پرزے نکال کر بیچنا شروع کر دیے۔ جو عورت بچوں کے لیے رکھی تھی وہ انہیں نیند کی گولیاں کھلا کر سلا دیتی تھی اور خود بھی اے سی والے کمرے میں مزے سے سوتی رہتی یا پھر ٹی وی دیکھتی رہتی...... چوریاں الگ کرتی تھی۔ تنگ آ کر میں نے سب کی چھٹی کر دی...... اب بس ہفتے، اتوار کو ایک کام والی آتی ہے تو ساری صفائی کر جاتی ہے۔ باقی پورا ہفتہ میں تھوڑا تھوڑا خود ہی کرتی رہتی ہوں...... اُفوہ کباب تو میں نے تلے ہی نہیں۔'' اسے باتوں کے دوران اچانک احساس ہوا کہ اس نے صرف چپس فرائی کر کے رکھے تھے۔

''میرا دماغ بھی ٹھکانے پر نہیں ہے، کوئی ایک معاملہ ہو تو بھی ناں......''

''ارے نہیں بھئی کافی ہے یہ اور کچھ نہ بناؤ۔'' میں نے اسے اٹھنے سے روک دیا۔ ویسے اس کی داستان سن کر مجھے پہلی دفعہ احساس ہو رہا تھا کہ اس کی زندگی میں بھی کوئی مشکل ہو سکتی ہے۔ لیکن پھر ہر چیز کی کوئی نہ کوئی

ایک مقام بنا لیا تھا، کچھ نہ کچھ حاصل کر لیا تھا گھر بیٹھ کر ملازموں جیسی زندگی نہیں گزار رہی تھی۔

''فائزہ...... میں بھی نوکری کرنا چاہ رہی ہوں۔'' میں نے بڑے پُرشوق لہجے میں کہا۔ ''اب تو بچے بھی بڑے ہو گئے ہیں، گھر بیٹھی بور ہوتی رہتی ہوں بڑی بیکار سی زندگی ہے میری۔ سوچتی ہوں اتنی تعلیم حاصل کی کچھ تو فائدہ اٹھاؤں اس سے۔''

''نہیں بالکل نہیں، ایسا مت کرنا۔'' وہ بہت تیزی سے بولی تھی اور پھر جیسے خود ہی اپنی تیزی پر شرمندہ سی ہو گئی۔

''میرا مطلب ہے کیا ضرورت ہے تمہیں مشکل میں پڑنے کی۔ جب اللہ نے تمہیں آسان زندگی دی ہے تو مزے سے گزارو۔''

''اچھا تو یہ ہوتی ہے پروفیشنل جیلسی۔'' میں نے دل ہی دل میں نتیجہ نکالا۔ خود تو ٹھاٹ سے نوکری کر رہی ہے اور دوسروں کو کسی اچھی جگہ پر دیکھ ہی نہیں سکتی۔

''یونیورسٹی کے دن کتنے اچھے تھے ناں۔'' میں نے موضوع ہی بدل دیا اور پھر دیر تک ہم اسی حوالے سے باتیں کرتے رہے تھے۔

☆☆☆

وہ دن اور آج کا دن ہمارے گھر سے جیسے سکون اٹھ گیا تھا۔ میرے نوکری کرنے کے معاملے پر بحث تو ایک عرصے سے چل رہی تھی مگر اتنی شدت سے نہیں بس کبھی کبھار ابال اٹھتا تھا مگر پھر بات ختم ہو جاتی تھی مگر جب سے میں نے فائزہ اور اس کی زندگی کو قریب سے دیکھا تھا۔ میں تو شدید خودترسی کا شکار ہو رہی تھی۔ مجھے لگ رہا تھا میرے ہاتھ، پیر اور منہ باندھ کر کسی اندھے کنوئیں میں پھینک دیا گیا ہو...... جہاں ایک عرصے سے پڑے پڑے مجھے جالے لگ چکے ہوں۔

بس اسی رات میں نے نئے سرے سے اس بحث کا آغاز کیا۔ فرحان کو حسبِ معمول صبح دفتر جانا تھا اس لیے وہ سونے کے لیے لیٹ چکے تھے۔

''فرحان میری بات سنیں۔'' میں نے کرسی بیڈ کے قریب رکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ نے ابھی سونا نہیں ہے۔''

''کیوں بھئی کیا قصور سرزد ہو گیا مجھ سے۔'' انہوں نے مزاحیہ انداز میں کہا۔ ''جو میرے سونے پر پابندی

''میں آج فائزہ کے گھر گئی تھی۔''

''جی مجھے معلوم ہے آپ کا یہ شوفر ہی تو آپ کو چھوڑ کر اور لے کر آیا تھا۔ کوئی نئی بات بتائیں۔''

''نئی بات یہ ہے کہ......'' میں نے ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں کہا۔ ''کہ...... وہ بڑی اچھی جگہ نوکری کر رہی ہے۔''

''یہ بھی مجھے معلوم ہے۔ کوئی اور بات بتائیں۔'' نیم دراز ہو کر وہ سینے پر ہاتھ باندھ کر بولے۔

''ایسی نظم و ضبط اور سلیقے والی زندگی گزار رہی ہے وہ۔ بچے بھی کیسے تمیزدار، ایک دفعہ جو کمرے سے باہر نکلے ہوں۔ ایسا زبردست گھر تھا۔ کہہ رہی تھی میں نے اور میرے شوہر نے مل کر بنایا ہے۔ دونوں میں بڑی محبت ہے اسی لیے تو شوہر کی ہر ذمے داری بانٹ رہی ہے۔'' میں بڑے فخر سے اس کے کارناموں کا ذکر کر رہی تھی۔

''اچھا تو کیا اس کا شوہر بھی اس کی ذمے داری بانٹ رہا ہے؟''

''کیا مطلب، کیسی ذمے داری؟''

''مطلب یہ ہے کہ کیا وہ بھی گھر آ کر برتن دھوتا ہے، جھاڑو پونچھا کرتا ہے، راتوں کو بچوں کے ساتھ جاگتا ہے۔ وغیرہ، وغیرہ۔'' انہوں نے اپنی بات کی وضاحت کی۔

''میں کیا بات کر رہی ہوں آپ کیا بات لے بیٹھے۔ میں تو یہ کہہ رہی ہوں کہ جس طرح فائزہ اپنے شوہر کی ذمے داریاں بانٹ رہی ہے۔ میں بھی آپ کا ہاتھ بٹا سکتی ہوں۔ اس طرح سارا بوجھ آپ پر نہیں رہے گا...... اب بچے بھی بڑے ہو گئے ہیں۔ میں فارغ ہی ہوتی ہوں اگر کوشش کروں تو مجھے کسی اچھی جگہ نوکری مل سکتی ہے۔ اس طرح چار پیسے بھی گھر آئیں گے اور میرے وقت اور صلاحیت کا بھی اچھا استعمال ہو گا، کیا کہتے ہیں آپ؟'' میں نے امید بھری نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

''اگر تم ہمیشہ کی طرح بحث کرنا چاہتی ہو تو وہ تو جتنی چاہو لمبی ہو سکتی ہے لیکن اگر تمہیں مختصر جواب چاہیے تو وہ ایک ہی لفظ ہے ''نہیں......'' اور ان کے اس ایک لفظ نے جیسے مجھے دھاگے سے اڑا دیا۔ وہ اس معاملے کو [illegible]

انہیں حق دیا تھا میری ترقی کی راہ میں رکاوٹ بننے کا؟

''آپ میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟'' میری آواز خاصی بلند ہو گئی تھی۔

''بس بہت کر لی آپ کی اور آپ کے بچوں کی غلامی۔ اب مجھے میری زندگی جینے دیں۔ مجھے اس کنوئیں سے باہر نکلنے دیں...... تو یہ ہے بھئی، دنیا کہاں سے کہاں جا پہنچی ہے اور ہم......؟ اس دنیا میں جن قوموں نے بھی ترقی کی ہے صرف اس لیے کی ہے کہ انہوں نے اپنی عورتوں کو گھروں میں باندھ کر نہیں رکھا ہوا بلکہ اسے ترقی کے عمل میں برابر کا حصہ ڈالنے کا موقع دیا ہے۔ اس کے وجود کو زیادہ سے زیادہ کارآمد بنایا ہے اگر یہ نہ کرتے تو وہ بھی آج ہماری طرح دوسروں کے محتاج ہوتے اور ایک آپ جیسے دقیانوسی لوگ ہیں جن کے خیال میں عورت کی پیدائش کا مقصد ہی صرف ہانڈیاں بھوننا ہے نہ وہ تعلیم حاصل کر سکتی ہے اور نہ کوئی کام کر سکتی ہے نہ ہی معاشرے میں اپنا کوئی مقام بنانے کا حق حاصل ہے اسے۔ اُف یہ ملک اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتا جب تک کہ آپ جیسی سوچ رکھنے والے اپنی سوچ نہ بدلیں۔'' میں بولتے بولتے تھک گئی تھی۔ میرے اندر اتنا غصہ بھرا ہوا تھا۔ مجھ نہیں آ رہا تھا اسے کس طرح فرحان پر نکال پھینکوں۔

''کہہ دیا جو کہنا تھا۔'' وہ بڑی دیر بعد بولے اور مجال ہے جو سکون میں کوئی فرق آیا ہو۔ مجھ میں بولنے کی ہمت نہیں تھی لہٰذا صرف گھورنے پر اکتفا کیا۔

''اس دنیا میں واقعی کچھ قوموں نے حیرت انگیز ترقی کی ہے بالکل درست، سب کو اس کا اعتراف ہے۔'' وہ ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بول رہے تھے۔ ''انہوں نے بڑی عمارتیں، بڑی، بڑی سہولتوں کے ساتھ بنا لیں۔ جدید اسلحہ، مشینری، پیسہ نہ جانے کیا کچھ بنایا۔ ان کے دماغ بہت آگے تک سوچ سکتے ہیں لیکن مجھے ذرا یہ تو بتاؤ یہ حرماں نصیب کیا ایک گھر بنا سکے؟ ایک چھوٹا سا پُرسکون گھر جہاں اعتبار ہو، رشتوں کا تقدس ہو، محبت ہو، سکون ہو۔ کہاں ہے ان کے اندر رشتوں کے لیے قربانی دینے کا جذبہ......؟ کہاں ہے ماں، باپ کے سامنے اُف تک نہ کہنے کی تربیت اور ماں، باپ میں کہاں ہے اولاد پر اپنا سب کچھ لٹا دینے کی ہمت؟ حالت یہ ہے کہ اولاد کی یہ قسمت نہیں کہ انہیں ماں، باپ کی محبت اور توجہ ملے۔

بیچارے نرسریوں میں پلتے ہیں اور ماں، باپ کی یہ اوقات نہیں کہ اولاد بڑھاپے میں ان کا سہارا بنے...... اولڈ ہومز میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاتے ہیں بیچارے اور آپ کو یہ بات بہت بڑی معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے ترقی میں عورت کو شامل کیا...... انہوں نے عورت کو ترقی کے لیے نہیں اپنی انٹرٹینمنٹ کے لیے شامل کیا۔ جن کی ایک مثال یہ طرح، طرح کے اشتہار ہیں۔ دوسرے وہ عورت کی کوئی ذمے داری نہیں اٹھانا چاہتے، خود کمائے اور کھائے، چاہے جس بھی حال میں رہے تم مجھے ہزار بار دقیانوسی کہو مگر میں بھی ہزار بار یہی کہوں گا کہ ہمیں ایسی ترقی نہیں چاہیے جس میں انسان چاند پر تو جا پہنچے مگر زمین پر کوئی اعتبار کے قابل نہ ہو۔ محبت ہو نہ ایثار، نہ قربانی کا جذبہ اور جہاں تک میری اور آپ کی بات ہے۔" وہ تھوڑی دیر رکے اور غور سے میری طرف دیکھا۔

"میں نے کبھی آپ کو اپنا غلام نہیں سمجھا۔ میں تو آپ کو اپنی زندگی اور اس گھر کی مالکن سمجھتا ہوں۔ آپ کو اس گھر میں ہر طرح کی آزادی حاصل ہے۔ جہاں اور جب چاہیں جس سے ملیں، میں نے کبھی اعتراض نہیں کیا۔ ہاں ٹھیک ہے آپ کو بھی اپنی حدود کا پورا، پورا احساس ہے اور آپ نے کبھی ان سے تجاوز بھی نہیں کیا۔" انہوں نے میرا دکھناد یکھ لیا تھا۔ سو فوراً وضاحت بھی کی۔

"مگر یہ بھی تو دیکھیں میں نے کبھی کسی طرح کا کھوج لگانے یا ٹوہ رکھنے کی کوشش نہیں کی۔ آپ کی ترقی یافتہ قوموں میں تو باقاعدہ جاسوس بھرتی کیے جاتے ہیں کہ پتا کرو میری بیوی کیا کرتی پھر رہی ہے یا معلوم کرو میرا شوہر آج کل کہاں ہوتا ہے۔ اور میں نے ان گزرے سالوں میں آپ کو ہر طرح سے خوش رکھنے کی کوشش کی۔" وہ ٹھنڈی سانس بھر کر بولے۔ "کیونکہ جتنی زیادہ آپ خوش ہوں گی میرا گھر بھی اتنا ہی زیادہ پُرسکون ہوگا لیکن مجھے لگتا ہے میں اس کوشش میں ناکام رہا ہوں۔ اگر واقعی ایسا ہے تو مجھے اس بات کا سخت افسوس ہے۔ میں اب سونا چاہتا ہوں۔" وہ لیٹ گئے۔ "بتی بجھا دینا۔" کہہ کر انہوں نے کروٹ بدل لی تھی۔

مطلب میری طرف سے معاملہ ختم سمجھو تم چاہو تو شوق سے دیواروں کے ساتھ ٹکریں مارو۔ میں نے جھنجلا

"یہ شخص میری ترقی اور خود مختاری کا دشمن ہے۔" میں نے ان کی ساری تقریر سے یہی نتیجہ نکالا تھا۔

☆☆☆

ہماری سرد جنگ اسی طرح جاری تھی، کبھی زوردار بحث ہوتی، کبھی دونوں طرف سرد خاموشی چھا جاتی۔ میں اپنی بات سے پیچھے ہٹی تھی نہ ہی وہ اپنی ہٹ دھرمی چھوڑ رہے تھے۔ بچے الگ پریشان تھے۔ انہیں اس طرح کے ماحول کی عادت نہیں تھی۔ شام کو ہم سب یعنی میں فرحان اور بچے اکٹھے بیٹھتے تھے اور آپس میں ڈھیروں باتیں کرتے تھے مگر جب سے نوکری والی بحث کا آغاز ہوا تھا گھر میں کچھ بھی ٹھیک نہیں رہا تھا۔ دن یونہی گزر تے جا رہے تھے۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا میں فرحان کو کس طرح سے قائل کروں کہ وہ خوشی سے مجھے نوکری کی اجازت دے دیں۔ میں نے بھی ہمت نہیں ہاری۔ ادھر فائزہ جب بھی مجھے مارکیٹ میں نظر آتی، اپنے ٹھاٹ باٹ اور آزادیوں سمیت، میرے احساسِ محرومی اور زورِ بحث میں مزید اضافہ ہو جاتا اور میں نئے سرے سے ہتھیار اٹھا کر فرحان کے سامنے آ کھڑی ہوتی... مگر نتیجہ ہمیشہ ایک ہی نکلتا۔ فرحان کی ناراضی اور بغیر ناشتے کے دفتر روانگی اور میری سوجی آنکھیں اور دردِ سے پھٹتا سر......

☆☆☆

اس صبح گھر میں کافی سکون تھا۔ آج رات کو اتفاق سے ہماری کوئی بحث نہیں ہوئی تھی اور اس میں میرا کوئی کمال نہ تھا۔ میں نے تو حسبِ معمول بحث شروع کی تھی مگر فرحان کروٹ بدل کر لیٹ گئے تھے۔ لگتا تھا بہت تھکے ہوئے ہیں۔ اس رات میں بھی آرام سے سوئی ورنہ تو ہر رات ہی روتے کڑھتے کٹتی تھی۔ صبح کا آغاز بھی اچھا تھا۔ سب نے مزے سے ناشتا کیا پھر فرحان بچوں کو لے کر چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد میں نے بھی اپنے لیے ناشتا تیار کیا اور پھر کھانے بیٹھی ہی تھی کہ دروازے کی گھنٹی بجی۔ شاید دودھ والا آج جلدی آ گیا تھا۔ میں جلدی سے دودھ کا برتن لے کر دروازے کی طرف بڑھی مگر وہاں دودھ والے کے بجائے فائزہ کھڑی تھی اپنے چھوٹے بیٹے کو گود میں اٹھائے۔

"ارے فائزہ تم......؟" جہاں اسے دیکھ کر خوشی ہوئی وہیں حیرانی بھی، اسے تو اس وقت دفتر ہونا چاہیے تھا۔

"اور علی کو کیا ہوا؟ اسکول نہیں گیا آج؟"

"بتاتی ہوں، مجھے اندر تو آنے دو۔"

"ہاں، ہاں کیوں نہیں، آؤ اندر آؤ۔" اس نے لاؤنج میں پڑے صوفے پر علی کو لٹا دیا۔ وہ سو رہا تھا یا پھر نیم بے ہوش تھا۔

"ارے اسے کیا ہوا؟" میں مزید پریشان ہو گئی۔

"اسے ایک ہفتے سے بہت بخار ہے۔" فائزہ پریشانی سے بولی۔ "دو تین ڈاکٹر بدل چکی ہوں مگر اسے آرام نہیں آ رہا اسی کی وجہ سے تین چار دنوں سے چھٹی پر ہوں لیکن آج ایک بہت اہم میٹنگ ہے جس میں میرا ہونا ضروری ہے۔ دفتر سے کئی فون آ چکے ہیں۔ بچوں کو تو اسکول چھوڑ دیا مگر اس کا کیا کروں؟.... ساتھ لے جا سکتی ہوں نہ گھر چھوڑ سکتی ہوں۔ کیا تم میری مدد کرو گی؟ آج کے دن کے لیے اسے اپنے پاس رکھ لو گی؟" وہ بہت لجاجت سے کہہ رہی تھی اور میں جیسے اس فائزہ کو پہلی بار دیکھ رہی تھی۔ میک اپ کے بغیر اس کا چہرہ بالکل اترا ہوا، بے رونق لگ رہا تھا۔ اور وہ عمر میں بہت بڑی دکھائی دے رہی تھی...... اس ذرا سی پریشانی نے اس کا حلیہ ہی بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔

"فائزہ یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ میں ضرور اسے اپنے پاس رکھوں گی۔ تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا یہ اتنا بیمار تھا۔ تم اکیلی ہی ہر جگہ خوار ہوتی رہیں۔ اس کی دوائیں وغیرہ دے جاؤ جب تم تک فارغ نہیں ہو جاتیں یہیں رہے گا۔ ذرا بھی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، مگر یہ اس طرح بے سُدھ کیوں پڑا ہے۔" علی کو دیکھ کر مجھے پریشانی ہو رہی تھی۔

"یہ دوا کا اثر ہے۔ صبح اسے بہت تیز بخار تھا اب تو پھر بھی کچھ کم ہے۔ ابھی تو میں نے دوا دے دی ہے۔ اب پھر چار گھنٹے بعد دینی ہے۔" اس نے بیگ میں سے دوائیں نکالتے ہوئے کہا۔

"تم نے ناشتا کیا ہے؟" مجھے اچانک خیال آیا۔

"نہیں کہاں کیا، پہلے بچوں کو بھیجنے کی پڑی تھی، پھر اس کی پریشانی میں حلق سے کچھ نیچے نہیں اترا، ویسے بھی مجھے تو برسوں ہو گئے آرام سے ناشتا کیے، ہمیشہ فکر اور جلدی میں رہ ہی جاتا ہے۔" وہ تھکے، تھکے لہجے میں بولی۔

ہوں تمہیں دفتر سے دیر تو نہیں ہو گی ناں......"

"نہیں، وہاں تو بارہ بجے تک پہنچنا ہے لیکن مجھے لگتا ہے میں نے تمہارا ناشتا بھی خراب کر دیا۔"

اس کی نظر اچانک میز پر پڑی تھی۔

"کتنی خوش قسمت ہو ناں تم، ہر کام اپنی مرضی اور سکون کے ساتھ کرتی ہو۔" وہ بڑے حسرت بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"ارے نہیں بھئی، مرضی اور خود مختاری کی زندگی تو تم گزار رہی ہو اور رہی سکون کی بات تو ایسے سکون کا کیا کرنا جو انسان کو اور اس کی صلاحیتوں کو زنگ لگا دے۔"

"بس اپنی، اپنی سوچ ہے۔" اس نے سر کرسی کی پشت سے لگایا۔ "تم اپنی زندگی سے خوش نہیں، میں اپنی سے دراصل انسان کسی حال میں خوش نہیں ہوتا۔"

"تم کیسی باتیں کر رہی ہو۔ ایک ذرا سا بچہ کیا بیمار ہوا تم ناشکری کی باتیں کرنے لگیں۔" میں خفگی سے بولی۔

"ورنہ اللہ نے جو مقام تمہیں دیا ہے۔ اس کی تو ہر عورت خواہش کرتی ہے۔ چلو میں ناشتا بناتی ہوں پھر باتیں کریں گے۔" میں جلدی سے کچن میں آ گئی۔

"واہ، آملیٹ سے تو بڑی زبردست خوشبو آ رہی ہے۔" میں نے ناشتا ڈائننگ ٹیبل پر لا کر رکھا تو وہ بولی۔

"اور پراٹھا بھی شکل سے بڑا مزے کا لگ رہا ہے۔ مجھے تو عرصہ ہوا پراٹھا بنایا نہ کھایا۔ صبح اتنا وقت ہی نہیں ہوتا اور چھٹی والے دن سستی چڑھتی ہے۔ میری تو زندگی بس اسی طرح گزر رہی ہے صبح کو شام کی فکر، شام کو رات کی اور رات کو صبح کی فکر اندر سے چاٹ رہی ہوتی ہے۔ بچوں نے بھی تنگ آ کر ریڈی میڈ کھانے پسند کر لیے۔ کامران کے لیے کچھ نہ کچھ بنانا پڑتا تھا اب وہ مسئلہ بھی نہیں رہا۔" وہ بول رہی تھی مگر لگتا تھا اس کا ذہن کہیں اور ہے۔

"تم نے کامران بھائی کو علی کی بیماری کا بتایا؟" میرے ذہن میں سوال اٹھا یہ بیچاری اکیلی ہی بیمار بچے کو سنبھال رہی تھی۔

"ہاں بتایا تھا مگر انہیں چھٹی نہیں ملی۔"

"لیکن پھر بھی ایک دو دنوں کے لیے آ جاتے بچہ کچھ سنبھل جاتا تمہیں بھی سہولت ہو جاتی۔"

بہت لگاؤ ہے۔ اس کا بخار ٹھیک نہ ہونے کی ایک وجہ ان سے جدائی بھی ہے مگر انہیں اب کون سمجھائے وہ اپنی دنیا میں خوش ہیں۔ انہیں تسلی ہے کہ جس طرح بھی ہوا میں سنبھال لوں گی۔ کام کرنے والی عورتوں کو ایسی بے حسی اور غیر ذمے داری کا اکثر سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہر کوئی یہ کہہ کر جان چھڑا لیتا ہے کہ یہ کر لے گی، پیسہ جیب میں ہے، گاڑی چلالیتی ہے، خود کر لے گی یا کسی سے کروالے گی۔ پھر ہمیں تکلیف کرنے کی کیا ضرورت ہے۔'' وہ افسردگی سے بولی۔

''چلو چھوڑو ان باتوں کو جس طرح کی تمہاری زندگی ہے اس میں یہ مسئلے بہت چھوٹے ہیں، شکر کرو تم اپنا کماتی ہو، کسی کی محتاج یا پابند نہیں ہو۔ ایک ہم ہیں۔ ہر وقت شوہر کے چہرے کی طرف دیکھتے رہو۔ وہ خوش ہے تو ہم پر بھی خوش ہونا لازم، وہ ناراض ہے تو ہمیں بھی دل مار لینا چاہیے۔'' میں نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

''ارے تم تو لگتا ہے فرحان بھائی سے بہت ناراض ہو ویسے بھی ایسے چنگیز خان لگتے تو نہیں۔''

''ہاں لگتے تو نہیں مگر ہیں کچھ ایسے ہی اور وجہ ایک ہی ہے میں نوکری کرنا چاہتی ہوں کیونکہ کسی کی محتاجی اور پابندی مجھے قبول نہیں...... سب سے بڑھ کر یہ کہ میں اپنی ڈگری اور صلاحیتوں سے خود بھی فائدہ اٹھانا چاہتی ہوں اور اپنے ملک کو بھی فائدہ پہنچانا چاہتی ہوں لیکن نہیں، میرے میاں نے منہ سے ایسی نہ نکالی ہے گویا کہ پتھر پر لکیر ہوگئی۔''

''لیکن باہر کی زندگی بھی تو آسان نہیں۔'' وہ چائے کا سپ لیتے ہوئے بولی۔

''تم مجھے خود مختار سمجھتی ہو اور اسی خود مختاری کا نتیجہ ہے کہ میں ہر طرح کے حالات کا تنہا مقابلہ کرتی ہوں۔ مجھے تو مارکیٹ سے ایک ماچس تک لا کر دینے والا کوئی نہیں...... اس کے لیے بھی مجھے خود ہی جانا پڑتا ہے۔ بیمار پڑوں تو کوئی پُرسانِ حال نہیں، بچے بیمار ہوں تو ہر طرح کی دیکھ بھال میرا فرض ہے۔ اصل میں جب کوئی پہاڑ پر چڑھ رہا ہوتا ہے ناں تو سب نیچے کھڑے تالیاں پیٹ رہے ہوتے ہیں، نعرے لگا رہے ہوتے ہیں۔ ہاں تم کر سکتے ہو، تبھی کر سکتے ہو، تمہیں ضرور کرنا چاہیے اور طے کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ چوٹی پر پہنچ جاتا ہے۔ وہ بہت خوش ہوتا ہے، اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھتا ہے۔ نیچے تالیوں کا شور ہوتا ہے داد و تحسین ہوتی ہے سب کچھ بہت حسین اور خوب صورت ہوتا ہے مگر پھر تالیاں پیٹنے والے تالیاں بجا، بجا کر تھک جاتے ہیں۔ ایک، ایک کر کے رخصت ہونے لگتے ہیں، اور پھر جب آخری آدمی بھی رخصت ہو جاتا ہے تو اچانک تنہائی کا احساس ہوتا ہے۔ تب اس پر یہ انکشاف ہوتا ہے کہ میں سب سے اونچا تو ہو گیا ہوں مگر اکیلا بھی تو ہو گیا ہوں۔ بالکل تنہا جہاں کوئی نہیں، نہ دکھ پہ رونے والا، نہ خوشی میں ہنسنے والا۔ میری جیسی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اونچی نوکری کرنے والی ہر عورت کی یہی کہانی ہے۔'' وہ خاموش ہو چکی تھی۔

''اُفوہ...... آج تم بچے کی وجہ سے کچھ زیادہ ہی افسردہ ہو۔'' میں نے اس کا دھیان بٹانے کی کوشش کی۔

''ہاں بچے کی وجہ سے......'' اس نے میرے ہی الفاظ دُہرا دیے تھے بے خیالی میں یا پھر......

☆☆☆

''آج آپ بڑی خاموش ہیں اور آپ کی یہ خاموشی مجھے بے سکون کر رہی ہے۔'' فرحان مجھے خاموش دیکھ کر بولے۔

''تھک گئی ہوں اس لیے خاموش ہوں۔'' آج واقعی دل کچھ بوجھل سا تھا کچھ کہنے کو دل نہیں کر رہا تھا۔

''مگر آپ کیوں بے سکون ہیں؟'' میں نے تفتیشی انداز میں پوچھا۔

''بھئی تمہارے ساتھ روز، روز بحث کرنے کی عادت جو ہو گئی ہے۔ اسی لیے آج تم خاموش ہو تو میں سخت بے سکونی محسوس کر رہا ہوں۔ چلو تو پھر شروع ہو جاؤ، موضوع...... معاشرے کی ترقی میں عورت کی نوکری کا کردار۔''

''آج رہنے دیں کل کر لیں گے بحث۔'' میں نے انہیں ٹالا۔ ''آج تو فائزہ اپنا چھوٹا بیٹا میرے پاس چھوڑ گئی تھی، بہت بیمار تھا وہ۔ بس اسی کے ساتھ لگی رہی۔ ماں تو نوکری کی وجہ سے مجبور ہے، اسے چھوڑ کر جانا پڑا۔ باپ کی بے حسی دیکھو پلٹ کر پوچھا تک نہیں، یہ بیچاری اکیلے ہی ماری، ماری پھر رہی ہے ہر جگہ......'' مجھے فائزہ

''آپ اپنی سہیلی کو بار بار بیچاری کیوں کہہ رہی ہیں؟ آپ کے خیال میں تو وہ آئیڈیل زندگی گزار رہی ہے...... شاندار، نوکری، گھر گاڑی، روپیہ، پیسہ، آزادی خود مختاری پھر وہ بیچاری کیسے ہوئی؟''

''ارے واہ......! شوہر دور رہ کر مزے کی زندگی گزار رہا ہے۔ بیوی کی پروا نہ بچوں کی فکر...... اب بندہ اس سے ہمدردی نہ کرے تو کیا اس کے شوہر سے کرے۔'' مجھے فرحان کی بات نے تپا ہی دیا تھا۔

''تو وہ کیوں مزے کی زندگی نہ گزارے۔ اس کی بیوی نے اپنے آپ کو ہر طرح کی ذمے داری اٹھانے کے قابل جو کر دیا ہے۔ اپنے شوہر کو تو اس نے خود ہی ہر غم سے آزاد کر دیا ہے پھر شکوہ کیسا؟'' وہ حیرت سے بولے۔

''آپ کی بھی عجیب منطق ہے جو میری سمجھ سے باہر ہے، چلیں سونے دیں مجھے۔'' میں نے لیٹ کر کمبل تان لیا جو بھی تھا نہ جانے کیوں مجھے فائزہ کی زندگی سے تھوڑا، تھوڑا خوف محسوس ہو رہا تھا...... ساری رات اس کے حالاتِ زندگی کی ایک فلم سی آنکھوں کے سامنے چلتی رہی۔ نہایت بے سکون رات تھی مگر صبح میرے لیے ایک اچھی خبر لائی تھی۔ فرحان اور بچوں کو بھیجنے کے بعد میں نے حسبِ معمول اپنے لیے اپنی پسند کا ناشتا بنایا اور اخبار لے کر ڈائننگ ٹیبل پر آ گئی۔ ناشتا بھی کر رہی تھی اور ساتھ، ساتھ اخبار بھی دیکھ رہی تھی۔ اچانک میرا دل اچھل کر جیسے حلق میں آ گیا اور میری نظریں ایک اشتہار پر جم کر رہ گئیں۔ ایک بڑی کمپنی میں انجینئر کی پوسٹ خالی تھی۔ اور نوکری کی جو شرائط رکھی گئی تھیں میں ان پر پورا اترتی تھی۔ مارے خوشی کے مجھ سے ناشتا بھی نہ کیا گیا۔ واہ کیا زبردست خبر تھی۔ قدرت نے موقع پلیٹ میں سجا کر پیش کر دیا تھا۔ اب یہ مجھ پر منحصر تھا کہ میں آگے بڑھ کر اس سے فائدہ اٹھاؤں یا پھر......؟ تنخواہ بھی بہت ہی زبردست تھی۔ اس کے علاوہ بھی بہت ساری مراعات کا وعدہ کیا گیا تھا۔ اگر یہ نوکری مجھے مل جائے تو کیا کچھ نہ میرے پاس ہوگا۔ اپنی کمائی کا تو نشہ ہی اور ہے۔ اگر ہم فرحان کی تنخواہ میں گھر چلائیں اور اپنی تنخواہ میں محفوظ کرتی رہوں تو کچھ ہی عرصے بعد ہم ایک شاندار گھر لے سکتے تھے۔ اگر پیسے کم ہوتے تو فائزہ کی طرح دفتر سے قرض بھی لیا جاسکتا تھا۔

''اُف خدایا یہ نوکری مجھے دلا دے۔'' میں نے جیسے بلک کر دعا کی تھی۔ فرحان بھی جب اس نوکری کی مراعات کے متعلق سنیں گے تو اجازت دے ہی دیں گے۔ انہیں اجازت دینا ہی ہوگی ورنہ پھر اس گھر میں ایک ہنگامہ ہوگا۔ اگر وہ میری ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنے...... تو پھر میں بھی کچھ نہیں دیکھوں گی۔ وہی کروں گی جو میری مرضی ہوگی۔ میں نے دل ہی دل فرحان کو قائل کرنے کے دلائل ترتیب دینا شروع کر دیے تھے۔

☆☆☆

''بھئی آج تو آپ نے بہت محنت کی ہے۔'' فرحان نے میز پر موجود کھانا دیکھ کر کہا۔ جس میں بریانی، کچے قیمے کے کباب، دہی بڑے، دو طرح کے میٹھے اور رشین سلاد بھی شامل تھی۔ ''خیریت تو ہے ناں......؟'' انہوں نے غور سے میری طرف دیکھا۔

''خیریت ہی ہے، بس ایک ہی طرح کا کھانا بن رہا تھا۔ آج ذرا مختلف کر لیا۔'' میں نے بے پروائی سے کہا۔ یہ تو طے تھا کہ مجھے ابھی اس خاص موضوع پر بات نہیں کرنا تھی جس پر باقاعدہ جنگ چھڑنے کا قوی امکان موجود تھا۔ کھانے کا ماحول خراب کرنا درست نہیں تھا پھر بچے بھی موجود تھے۔ ان کے سو جانے کے بعد ہی میں نے بات کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

''آج تو سب کچھ بہت مزیدار تھا۔ کیوں بھئی بچوں......'' فرحان نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولے۔

''جی بابا ٹرائفل سب سے اچھا تھا۔'' ماہ نور بولی میٹھا اور خاص طور پر چپلی کباب اس کی کمزوری تھے۔ فرحان کی یہ اچھی عادت تھی۔ جب بھی کھانا انہیں پسند آتا وہ دل کھول کر تعریف کرتے۔

''آپ نے آج کا اخبار دیکھا؟'' میں بچوں کو سلا کر آئی تو وہ بیڈ پر نیم دراز کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔ مجھے یہی ٹھیک لگا کہ میں اخبار سے ہی بات شروع کروں۔

''ہاں، دفتر میں تھوڑی دیر کو دیکھا تھا۔ کیوں کوئی خاص بات؟'' انہوں نے کتاب پر سے نظریں ہٹا کر مجھے دیکھا۔

''ہاں وہ آج کے اخبار میں ایک بڑی کمپنی کی طرف سے نوکری کا اشتہار چھپا ہے۔'' میں نے اصل موضوع پر بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

کچھ اندازہ ہو گیا تھا۔

''تو یہ کہ مجھے لگتا ہے کہ میں ان کی شرائط پر پوری اترتی ہوں، مجھے یہ نوکری مل جائے گی۔ بس آپ کی اجازت درکار ہے اور مجھے یقین ہے کہ آپ اس معاملے میں میری پوری، پوری مدد کریں گے۔''

''میں ابھی تک یہ نہیں سمجھ پایا۔'' انہوں نے کتاب سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی تھی اور خود سیدھے ہو کر بیٹھ گئے'' کہ تم اپنے آپ کو اس نوکری نامی عذاب کے حوالے کیوں کرنا چاہتی ہو جبکہ ہمیں کوئی مالی پریشانی نہیں۔ وہ ساری سہولتیں جو عیش و عشرت کے زمرے میں آتی ہیں وہ سب ہمیں میسر ہیں۔ اگر تمہیں کم لگتا ہے تو میں مزید محنت کرنے اور کمانے کو تیار ہوں۔ ہم اتنے دنوں سے اس موضوع پر بحث کر رہے ہیں۔ میں دن بھر باہر رہتا ہوں۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے باہر کیا حالات ہیں، لیکن تم ہو کہ سمجھ ہی نہیں رہی ہو۔'' وہ بے بسی سے بولے۔

''آپ مجھے چھوٹے بچوں کی طرح باہر کے حالات سے ڈرا کر گھر میں نہیں بٹھا سکتے۔ اب حالات ایسے بھی خراب نہیں آخر فائزہ بھی تو ہے، اتنے عرصے سے نوکری کر رہی ہے کچھ ہوا اس کے ساتھ ہے؟'' میں نے اپنی طرف سے بڑی مضبوط مثال پیش کی۔

''ایک تمہاری فائزہ کے ساتھ کچھ نہیں ہوا تو اس کا مطلب نہیں کہ ساری دنیا محفوظ و مامون ہو گئی ہے۔ میں جب ان نوکری پیشہ خواتین کو دیکھتا ہوں تو سچ میں مجھے رحم آتا ہے ان پر۔ صبح نہ جانے کس وقت اٹھتی ہیں۔ سب کو ناشتا دے کر، گھر کے کام نبٹا کر، نوکری پر جاتی ہیں۔ بس اسٹاپوں پر کھڑی یا پھر شوہروں کے پیچھے موٹر سائیکلوں پر لدی ان کی شکل دیکھنے والی ہوتی ہے۔ لفظ ٹینشن کی اگر کسی نے اصل تصویر دیکھنی ہے تو ان خواتین کا چہرہ دیکھے...... صبح ہوتی ہے تو نوکری کی فکر لاحق ہوتی ہے۔ شام ہوتی ہے تو گھر کی...... شوہر کے ساتھ بے جا ہمدردی یا پھر زمانے کے ساتھ دوڑنے کی خواہش میں انہوں نے اپنا آپ مار دیا ہے۔ لوگوں کی گندی نظریں، جملے، خوف ہر چیز کا سامنا کرتی ہیں۔ وہ ایک مشکل بلکہ ناممکن زندگی گزار رہی ہوتی ہیں۔ ایک ایسی زندگی جو ان کی نہیں...... جسے گزارنا ان کی ذمے داری ہی نہیں۔''

کام کرنے پر مجبور ہوتی ہیں ان کا کیا؟'' میں نے اپنی طرف سے ایک اور اہم نکتہ پیش کیا۔

''اصل میں ہم نے اپنے ذہن میں کچھ مخصوص چیزوں اور طریقوں کو پکا بٹھا دیا کہ جب تک عورت گھر سے باہر نہیں نکلے گی کمائی نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ دنیا کہاں سے کہاں جا پہنچی ہے۔ اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ گھر پر یا تو ٹیوشن پڑھائی جا سکتی تھی یا پھر صرف سلائی کڑھائی ہی ہو سکتی تھی۔ گھر میں رہ کر اور بھی بے شمار کام ہو سکتے ہیں مگر کوئی کرنا بھی تو چاہے اور پھر تم جیسی عورتوں کے خیال میں صلاحیتوں کا اظہار صرف نو سے پانچ بجے والی نوکری ہی میں ہو سکتا ہے۔ یعنی تم اپنے اصل کردار جس میں تمہیں اللہ نے پیدا کیا ہے اسے کوئی اہمیت دینے کو تیار ہی نہیں۔ ایک عورت جب اپنے بچوں کی بہترین تربیت کر کے انہیں معاشرے کو سونپ دیتی ہے تو کیا یہ کام صلاحیت کے بغیر ہو جاتا ہے؟ اور جب عورت اینٹوں گارے سے بنے ایک مکان کو گھر اور اس گھر کو جنت بناتی ہے تو یہ جادو کی چھڑی سے ہو جاتا ہے؟ میں کہتا ہوں میں ساری دنیا سے لڑ سکتا ہوں مگر اپنے جیسے سو مرد بھی اکٹھے کر لوں تاں تو ایک مکان کو گھر نہیں بنا سکتا۔ یہ کام تو صرف ایک عورت ہی کر سکتی ہے۔''

''اچھا تو آپ ہمیشہ کی طرح یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ عورت چند مرلے کے مکان کو جنت بنانے میں لگی رہے اور معاشرے کی مجموعی ترقی میں اس کا کوئی کردار نہ ہو۔ اس پر صرف آپ جیسے مردوں کی اجارہ داری ہونی چاہیے؟'' میں نے سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

''تم کس ترقی کی بات کر رہی ہو؟ جس میں دب کر انسانیت سسک رہی ہے۔ لوہے، پلاسٹک کی چیزیں تو بے شمار بن گئیں مگر انسان کا انسان کے ساتھ تعلق ختم ہو کر رہ گیا۔'' وہ اور بھی جانے کیا، کیا دلائل دے رہے تھے اور میں سنی ان سنی کیے جا رہی تھی۔

''لیکن آپ مجھے ان چھوٹی، چھوٹی باتوں سے ڈرا کر نوکری کرنے کے ارادے سے باز نہیں رکھ سکتے ہاں۔'' آج تو میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ میں ان کی باتوں میں ہرگز نہیں آؤں گی۔

''اچھا تو یہ بات ہے۔'' وہ کافی دیر تک غور سے

''میں نے تو اپنی طرف سے تمہیں خوش رکھنے اور تمہیں تمہاری مرضی کی زندگی دینے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ ہمیشہ تمہاری عزت کی تم سے محبت کی کیونکہ یہ میرا یقین ہے کہ گھر کی عورت جس قدر خوش اور مطمئن ہوگی گھر اتنا ہی پُرسکون ہوگا۔ اپنے گھر سے میں نے یہی سیکھا تھا۔ میرے ابو نے ہمیشہ میری امی کا خیال رکھا۔ ان کی عزت کی کبھی کسی کے سامنے انہیں تم تک نہیں کہا ہمیشہ آپ سے مخاطب کیا۔ میں نے کبھی انہیں لڑتے نہیں دیکھا۔ ہمارا خاندان چھوٹا سا تھا پھر بھی انہوں نے امی کو دو ملازمائیں رکھ کر دی ہوئی تھیں حالانکہ ایک وقت ایسا بھی آیا جب ابو کا کاروبار تباہ ہو کر رہ گیا۔ تب امی نے خود نوکری کرنے کی پیشکش کی مگر ابو نہ مانے پھر امی نے اپنا زیور دیا کہ اسے بیچ کر کوئی کام شروع کریں۔ مگر یہ بھی انہوں نے قبول نہیں کیا بلکہ ادھر اُدھر سے قرض لے کر کام شروع کیا اور پھر اللہ نے اس میں خوب برکت ڈالی۔ ہمارے گھر میں کوئی اونچی آواز میں نہیں بولتا تھا۔ وجہ بھی تھی کہ ہمارے والدین کا تعلق مثالی تھا۔ میں نے بھی اپنے ابو کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے تمہیں ہر طرح سے خوش رکھنے کی کوشش کی لیکن جب تم نوکری کی خواہش کرتی ہو تو مجھے لگتا ہے میں ایک ناکام مرد ہوں جو اپنے گھر والوں کے لیے کما کر نہ لا سکے وہ کاہے کا مرد ہوا۔ میں نے تمام صورتِ حال تمہارے سامنے رکھ دی ہے لیکن اگر تم فیصلہ کر ہی چکی ہو تو پھر میری پسند ناپسند یا اجازت کیا معنی رکھتی ہے۔'' ان کا لہجہ افسردگی لیے ہوئے تھا۔ ''میں تمہارے ساتھ کسی طرح کی زبردستی پسند نہیں کرتا تم اپنے فیصلوں میں آزاد ہو۔'' وہ کروٹ بدل کر لیٹ گئے تھے۔

''یہ کیا بات ہوئی؟ اجازت دی نہ منع کیا...... بیچ میں معلق چھوڑ دیا تو نوکری کرتی ہوں تو بھی ناخوش، نہیں کرتی تو بھی، یا اللہ میں کدھر جاؤں۔'' میں الجھ کر رہ گئی تھی۔

☆☆☆

صبح بڑے عام سے انداز میں وہ ناشتا کر رہے تھے، اور یہ بڑی عجیب بات تھی۔ اس سے پہلے نوکری کے موضوع پر بھی بحث ہوتی تھی تو اس صبح وہ بغیر ناشتے کے چلے جاتے تھے مگر آج وہ ایسے بیٹھے تھے جیسے کچھ ہوا ہی

''کیا بات ہے تمہارا امزاج کچھ خراب لگ رہا ہے۔''

''میرا امزاج کیوں خراب ہوگا۔ میں تو آج کل ہفتۂ خوش اخلاقی منا رہی ہوں۔'' میں نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ جب انہیں پروا نہیں تو میں کیوں منہ پھلا کر بیٹھوں۔ تھوڑی دیر بعد وہ بچوں کو لے کر جا چکے تھے۔ کچھ بھی ہو میرا دل اداس تھا میں اندر سے بھری بیٹھی تھی۔

''کیا میرے خواب کبھی پورے نہیں ہوں گے؟''

مجھے اپنے اوپر جی بھر کر ترس آ رہا تھا جی چاہ رہا تھا کسی کے سامنے اپنا سارا دکھ رو دوں اور میرا دکھ فائزہ سے بہتر کون سمجھ سکتا تھا۔ فون کر کے معلوم کرنا چاہیے اگر شام کو اس کی کوئی اور مصروفیت نہ ہو تو اس کی طرف چلی جاؤں گی۔ علی کو بھی دیکھنا تھا معلوم نہیں اس کا کیا حال تھا۔ فائزہ گھر پر ہی تھی۔ کہنے لگی۔ ''ابھی آ جاؤ۔'' میں نے جلدی میں فون تو رکھ دیا تھا مگر اب بڑی پریشانی ہو رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا علی ابھی تک ٹھیک نہیں ہوا جو وہ گھر پر ہی ہے۔ ورنہ اسے تو اس وقت دفتر ہونا چاہیے تھا۔ بیچارہ بچہ نہ جانے کس حال میں ہوگا میں جلدی، جلدی تیار ہو کر اس کے گھر کی طرف چل پڑی۔ پروین آج کی چھٹی لے کر گئی تھی۔ لہٰذا اس کی طرف سے بھی بے فکری تھی میں۔ دروازہ فائزہ نے ہی کھولا۔

''تم آج گھر پر کیسے ہو......؟ کیا علی ابھی تک ٹھیک نہیں ہوا؟'' میں اسے دیکھتے ہی پوچھنے لگی۔

''ارے تم اندر تو آؤ۔'' وہ میرا ہاتھ پکڑے اندر کی طرف بڑھی۔ مگر میں اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ وہ کہیں سے بھی پریشان نہیں لگ رہی تھی بلکہ خوش اور پُرسکون نظر آ رہی تھی۔ وہ مجھے لیے، لیے کچن میں آ گئی۔

''تم بیٹھو میں تمہارے لیے مالٹوں کا رس نکالتی ہوں۔''

''ارے تم کوئی تکلف نہ کرو۔'' میں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''تکلف کی کیا بات ہے، مجھے تو عرصہ ہوا کسی کی اچھی طرح مہمان نوازی کیے ہوئے...... اس کا بھی اپنا ہی لطف ہے مگر میرے ذہن پر ایسی، ایسی فکریں سوار رہتی تھیں۔ اول تو مہمان کا آنا ہی برا لگتا تھا۔ اگر مارے باندھے خاطر مدارات کرتی بھی تو ذہن پر یہی بات سوار

ہو سکتے تھے۔ میں نے کل شامی کباب بھی بنائے اور کیک بھی...... وہ بھی نکالتی ہوں......'' وہ جوس میرے سامنے رکھتے ہوئے بولی۔

''تو کیا آج تمہارا وقت ضائع نہیں ہو رہا؟'' میں نے اسے چھیڑا۔ ''اور علی کا کیا حال ہے تمہارے چہرے سے تو لگ رہا ہے وہ اب ٹھیک ہے۔''

''ہاں ٹھیک ہے۔ آج تو وہ اسکول گیا ہوا ہے اور میرا وقت بالکل بھی ضائع نہیں ہو رہا۔ اب تو میرے پاس وقت ہی وقت ہے، جیسے چاہوں گزاروں۔''

''کیا دفتر سے چھٹی لے لی ہے؟'' میں نے جوس کا سپ لیتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں لمبی چھٹی...... میں نے نوکری چھوڑ دی ہے۔'' اس نے بڑے اطمینان کے ساتھ جیسے دھماکا کیا کہ جوس کا گلاس میرے ہاتھ سے چھوٹتے، چھوٹتے بچا۔

''تم ایسا کیسے کر سکتی ہو، اتنی برسوں پرانی نوکری تھی تمہاری...... لاکھوں روپے تنخواہ عزت، شان و شوکت مقام مرتبہ سب کچھ تو تھا تمہارے پاس تم یہ کفرانِ نعمت کس طرح کر سکتی ہو؟'' صدمے سے جیسے مجھ سے کچھ بولا ہی نہیں جا رہا تھا۔

میری نوکری والے کیس میں یہی تو میری سب سے مضبوط گواہ تھی۔ اب فرحان کے سامنے مثال کے طور پر بھلا کسے پیش کروں گی۔ مجھے اپنی فکر پڑ گئی تھی۔

''اتنے لاکھوں روپوں اور نمود و نمائش کی خاطر ہی تو اس نوکری سے چمٹی ہوئی تھی میں مگر حقیقت یہ ہے کہ میری اپنی ذات اور میرا اصل مقام کہیں گم ہو کر رہ گیا تھا۔ میں ہر وقت خود اپنے ہی ساتھ حالتِ جنگ میں تھی۔'' وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

''مجھے تو تمہاری اس منطق کی کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔'' میں واقعی سخت حیران تھی۔ کوئی اتنا سب کچھ کیسے ٹھکرا سکتا ہے۔

''تم اس بات کو نہیں سمجھ سکتیں کیونکہ تم آرام سے گھر پر بیٹھی ہو۔ تم باہر نکلتی بھی ہو تو شاپنگ اور تفریح کے لیے۔ ورنہ یہ باہر نکلنا وہ بھی روزانہ کسی عذاب سے کم نہیں۔ پچھلے دنوں میں بہت تکلیف میں تھی علی کی وجہ سے...... اپنی تنہائی کی وجہ سے سب کچھ ہوتے ہوئے بھی

پہاڑوں کی سیر کو جا چکا ہے تب میں جیسے بالکل ٹوٹ کر رہ گئی۔ کیا اسے ہمارا رتی برابر بھی احساس نہ تھا۔ میں نے کئی، کئی راتیں جاگ کر گزاریں۔ سوچا بہت سوچا، آخر مسئلہ کہاں تھا؟ تب مجھے معلوم ہوا ہر چیز اپنی جگہ پر تھی سوائے میرے...... میں اپنے مدار سے ہٹ گئی تھی۔ اسی وجہ سے آس پاس موجود تمام چیزوں اور انسانوں سے ٹکراتی پھر رہی تھی۔ ایک زبردستی کی غیر فطری زندگی گزار رہی تھی۔ ایک ایسے کام میں پڑی ہوئی تھی جو میرا نہ تھا۔ ایک میرے اپنی جگہ پر نہ ہونے سے آس پاس بھی ایک انتشار پھیلا ہوا تھا۔ شادی سے پہلے میری ڈگری میری قابلیت کی پورے خاندان میں دھوم تھی۔ پھر جب شاندار نوکری ملی تو ہر کوئی میری ذہانت کے گُن گانے لگا۔ میں بھی خود کو آسمان پر اڑتا ہوا محسوس کرتی تھی پھر جب شادی ہوئی تو کامران نے مجھے نوکری چھوڑنے کو کہا مگر میں نے اسے قائل کر ہی لیا پھر جب ذمے داریاں اور بڑھیں تب بھی اس نے نوکری چھوڑنے کو کہا۔ اب میں ایک بچے کی ماں تھی مگر میں تنخواہ کے نام پر ملنے والی ایک موٹی رقم...... اور باہر کی زندگی چھوڑنا نہیں چاہتی تھی...... ارے یہ کباب لو ناں تم۔'' اس نے باتیں کرتے کرتے پلیٹ میری طرف بڑھائی اور ساتھ ہی میری پلیٹ میں کیچپ بھی ڈالا۔

''تم تو کچھ لے ہی نہیں رہی ہو۔'' وہ بولی۔

''ارے نہیں تو کھا بھی رہی ہوں اور تمہاری باتیں بھی سن رہی ہوں...... اچھا تو تم نے دوبارہ کامران بھائی کو اپنی نوکری کے لیے منا لیا؟''

''ہاں وہ مانے مگر بڑی مشکل سے۔ اصل میں برسوں سے تعلیم کے نام پر گھر سے نکلنے اور پھر نوکری کی وجہ سے باہر رہنے کا جو معمول بن چکا تھا۔ وہ اب بچے کے لیے، گھر کے لیے، یا ایک مرد کی خاطر چھوڑنا ممکن نہیں تھا۔ مجھے لگتا تھا اگر میں گھر میں رہی تو یہ ایک مُردہ زندگی ہوگی۔ میں آگے بڑھتے پل، پل بدلتے زمانے سے کٹ کر رہ جاؤں گی۔ سو میں نے کامران کو ڈھیروں دلائل دے کر قائل کر ہی لیا۔ اس کا پتا نہیں وہ دل سے مانا یا نہیں مگر آہستہ، آہستہ اس نے اس موضوع پر بات کرنا ہی چھوڑ دیا۔'' اس نے چند لمحے توقف کیا، میں بدستور

''وہ اپنا زیادہ وقت گھر سے باہر گزارنے لگا اور گھر میں اس کی دلچسپی کے لیے تھا بھی کیا۔ جیسے، جیسے میری ذمے داریاں بڑھیں میرے اندر سے نرمی اور لچک ختم ہوتی چلی گئی...... میں محض ایک سخت گیر ہاسٹل وارڈن بن کر رہ گئی جسے ہر کام مخصوص وقت پر، مخصوص طریقے سے چاہیے تھا۔ میں ہر کام ایک مشینی انداز میں کر رہی تھی۔ محبت، ہمدردی اور توجہ کے لیے میرے پاس وقت نہ تھا اور یہی وہ چیزیں ہیں جن کی خاطر مرد گھر بساتا ہے اور گھر میں آتا ہے۔ بچوں کے لیے بھی میں محض ایک گورنس تھی جو بغیر کسی دلی لگاؤ کے ان سے کچھ کام کروا لیتی ہے۔ میری شادی کو تیرہ سال ہو گئے ہیں۔ یہ تیرہ سال میں نے گزارے ہیں مگر محسوس نہیں کیے۔'' وہ دور کہیں کھو چکی تھی۔ ''ان تیرہ سالوں کے سارے رنگ، خوشیاں، مسکراہٹیں جیسے میرے دل تک پہنچے ہی نہیں...... آنکھوں کے سامنے سے بس کچھ منظر گزرتے رہے۔'' اس کی آنکھوں میں بہت کچھ کھو دینے کا دکھ صاف نظر آ رہا تھا۔ ''نقصان کا سلسلہ یہیں پر ختم نہیں ہوا۔'' کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ دوبارہ بولی تھی۔ ''کچھ عرصے بعد کامران نے اپنا تبادلہ دوسرے شہر کرا لیا یا ہو گیا خیر۔ اس نے اپنی ایک الگ دنیا بسا لی اور میں اپنے تمام معاملات اور ذمے داریوں کے ساتھ تنہا رہ گئی۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا اکیلے پن کا احساس بڑھتا گیا۔ تب مجھے سمجھ آیا کہ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھے شخص اور قابل اور اونچے عہدے پر بیٹھی عورت میں کوئی فرق نہیں دونوں ہی بلندی پر تو پہنچ جاتے ہیں مگر ہمیشہ کے لیے تنہا بھی ہو جاتے ہیں۔ اپنے آپ سے، اپنے ماحول سے، اپنے پیاروں سے، سب سے، بہت دور چلے جاتے ہیں۔ بلندیاں ان کے لیے تنہائیوں کا پیغام لاتی ہیں۔ شروع میں، میں بھی اس خوش فہمی کا شکار تھی، بچوں کو بہترین کپڑے پہنا دو، اعلیٰ اسکولوں میں پڑھوا لو، اچھی سے اچھی جگہ پر کھانا کھلا دو، تفریح کرا دو، بس یہی ان کی ضرورتیں ہیں۔ مجھے لگتا تھا میں ان کے ساتھ کوالٹی ٹائم گزار رہی ہوں لیکن یہ بھی ایک لطیفے سے کم نہیں۔ سارا دن نوکری میں اور پھر گھر آ کر گھر میں سر کھپانے والی

شوق کو ہوا دے کر

راستوں کی مشکل سے
منزلوں کی دوری سے

دل کبھی نہ گھبرائے
پا نہ ڈگمگا جائے

شوق کو ہوا دینا
راہ خود بنا لینا

روح کو فنا کرنا
خود کو تم مٹا لینا

دیپ گر جلانا ہے
راہ گر دکھانا ہے

روشنی کی جھلمل میں
رنگ و نور محفل میں

شوق کو ہوا دے کر
بے خودی میں جاں دے کر

سارے دکھ فنا کر دو
حُسن کو امر کر دو

شوق کے یہی لمحے
یادگارِ جاں ہوں گے

بس کچھ ایسی ساعت ہو
رنگ و نور و الفت ہو

حُسن و عشق و رحمت کا
حُسن اور محبت کا

مول کوئی کیا جانے
راہ کوئی پہچانے

گئی جیسے گزرے دنوں کی تھکاوٹ پھر لوٹ آئی ہو۔
''دن بھر کی مشقت کے بعد چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ لانا بھی اس قدر مشکل کام لگتا تھا، کہاں میں بچوں کے ساتھ کھیلوں، ہنسوں، بولوں۔ ان کی دن بھر کی باتیں سنوں اس کے لیے میرے پاس وقت تھا نہ ہمت بلکہ بعض اوقات ہر کام وقت پر کروانے کے لیے غصے سے پاگل ہو جاتی۔ ماں کے بجائے ایک چڑیل کا روپ دھار لیتی۔ بچے باقاعدہ خوف زدہ ہوتے مجھ سے۔'' وہ سانس لینے کو رکی۔ ''کچھ مہینے پہلے میرے دفتر میں ایک واقعہ ہوا جس نے ہم سب کو ہلا کر رکھ دیا۔ میری کولیگ انیلا کی شادی ختم ہو گئی وجہ وہی کہ وہ بھی میری طرح اپنی نوکری اور اس کے معاملات میں اس قدر پھنسی ہوئی تھی کہ گھر کے حالات اسے نظر ہی نہ آئے اس کی زندگی میں ایک جذباتی خلا پیدا ہو چکا تھا کیونکہ اس کے اور اس کے شوہر کے بیچ ہمدردی، محبت کا تعلق رہا ہی نہیں تھا یوں اس کے اس جذباتی خلا کو شیطان نے آ کر پُر کر دیا۔ ہمارے دفتر میں موجود سلیم صاحب کے متعلق انیلا کو یہ خوش فہمی ہو گئی کہ وہ اس کی زندگی جو بکھر چکی ہے سنوار سکتے ہیں۔ دونوں کے متعلق اِدھر، اُدھر باتیں ہونے لگیں یہاں تک کہ سلیم صاحب کی بیوی گھر چھوڑ کر چلی گئی اور انیلا کو بھی طلاق ہو گئی۔ اب دونوں نے شادی کر تو لی ہے مگر نقصان اتنا ہو چکا ہے کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ سلیم صاحب کے بچے کافی بڑے ہیں وہ انیلا کے بچوں کو قبول کرنے کو تیار نہیں۔ وہ اپنی ماں سے محروم ہو چکے ہیں۔ ان کا گھر ٹوٹ چکا ہے۔ اس کا بدلہ وہ انیلا کے بچوں سے لے رہے ہیں۔ انہیں تنگ کرتے ہیں، مارتے، پیٹتے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ بچے بیچارے اسکول سے چھٹی کے بعد گھر نہیں جا سکتے...... میرے بچوں کی طرح پانچ، چھ بجے تک ماں کے ساتھ آفس میں ہی رُلتے رہتے ہیں۔ تم بور تو نہیں ہو رہیں میری باتوں سے؟'' اسے باتیں کرتے، کرتے اچانک میرا خیال آیا تھا۔
''ارے نہیں بھئی، تم بولو میں سن رہی ہوں اور تمہارا بنایا ہوا کیک تو واقعی بہت مزے کا ہے۔'' میں نے ایک ٹکڑا منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔
''اچھا!'' وہ خوش ہو گئی۔
''برسوں بعد میں نے پوری توجہ سے دل لگا کر بچوں کے لیے کھانا بھی بنایا اور کیک بھی اور آرام سے کھایا۔ صبح کی کوئی ٹینشن نہیں تھی۔ بچے بھی عرصے بعد بہت خوش تھے کیونکہ انہیں پتا ہے کہ اب ان کی ماں گھر پر ہے ہر وقت۔ جب ہم چھوٹے ہوتے تھے تو مجھے یاد ہے اسکول، کالج سے آ کر سب سے پہلے ہم امی کا پوچھتے تھے۔ اگر وہ گھر پر نہیں ہوتی تھیں تو موڈ سخت خراب ہو جاتا تھا۔ یہی حال ہمارے ابو کا تھا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی ان کا پہلا سوال یہی ہوتا، بچوں تمہاری امی کدھر ہیں اور اگر امی انہیں تھوڑی دیر بھی نظر نہیں آتیں تو پریشان ہو کر رہ جاتے اور اگر کبھی امی کو ایک دو، دن کے لیے کہیں جانا پڑ جاتا تو گھر کا سارا نظام درہم برہم ہو کر رہ جاتا۔ میں بھی ایک بیوی تھی، ایک ماں تھی اور برسوں سے گھر پر ہوتے ہوئے بھی گھر پر نہ تھی۔ میرے شوہر اور بچوں کی پریشانی کی کوئی حد تھی بھلا! ہاں تو میں تمہیں انیلا کے متعلق بتا رہی تھی۔'' وہ اپنے بچپن کی یادوں سے باہر نکل آئی۔ ''انیلا بیچاری بری لڑکی نہیں تھی، بہت اچھی تھی اور اس نے کبھی سوچا بھی نہیں ہوگا کہ اس کے اپنے ہاتھوں...... یوں اس کا گھر اور بچے تباہ ہو جائیں گے مگر یہ ہو گیا اور جب یہ سب کچھ ہوا تو مجھے شدید خوف محسوس ہوا۔ کچھ بھی تھا میں اپنے خاندان کے ساتھ یہ ایڈونچر ہوتا نہیں دیکھ سکتی تھی کیونکہ یہ ایک انیلا کی کہانی نہیں تھی یہ کام کرنے والی اکثر عورتوں کی کہانی ہے اور میں ایسی کسی کہانی کا کردار نہیں بننا چاہتی تھی۔ تب میں نے ایک فیصلہ کیا' ایک مشکل فیصلہ' اپنے شوہر، بچوں اور گھر کی خاطر میں نے نوکری کی قربانی دینے کا فیصلہ کیا اور مجھے اب اس بات کا کوئی پچھتاوا نہیں۔'' اس کے چہرے پر ایک اطمینان بھری مسکراہٹ پھیل گئی۔
''مجھے تو بیچ میں رہ، رہ کر ان خواتین کا خیال آتا ہے جو تھوڑی تنخواہ والی چھوٹی، چھوٹی نوکریاں کرتی ہیں، دور دراز سے سفر کر کے نوکری کی جگہ پر پہنچتی ہیں۔ میں اتنی ساری سہولتوں کے ساتھ بھی نوکری کر کے مصیبتوں کا شکار تھی۔ ان خواتین کی زندگی میں تو کوئی سہولت ہوتی ہی نہیں۔ ان کی مشکل کی کوئی حد ہوگی بھلا۔''

کو ترجیح دی جاتی ہے۔'' میں نے کہا۔
''ہاں پہلے صرف جہیز کی لعنت تھی۔ اب یہ مصیبت بھی ساتھ چمٹ گئی۔ اس کی بھی ذمے دار شاید ہم ہی ہیں ...... یعنی شوقیہ نمائشی اور مزید آسائشوں کے لیے نوکری کرنے والی قناعت سے محروم عورتیں۔ ہم نے ہی لالچی لوگوں میں یہ خیال ڈالا ہے کہ جہیز کے ساتھ اگر لڑکی نوکری بھی کرتی ہو تو یہ تو گویا سونے پر سہاگا ہے۔ ساری زندگی خوب نچوڑو۔'' وہ تاسف سے بولی۔
''اخبار میں ضرورت رشتہ کے اشتہار دیکھو، نہایت بے شرمی کے ساتھ ڈاکٹر، انجینئر اور لیکچرر کی ڈیمانڈ کی جاتی ہے۔ اور جب سے میں گھر پر ہوں۔'' اس نے کرسی کے ساتھ ٹیک لگائی۔ ''میں بے فکر ہوں... یہ میرے گھر کے کام ہیں، میں جب اور جیسے چاہے، کروں گی۔ پہلے تو یہ طوفانی زندگی گزر رہی تھی مگر شکر ہے یہ طوفان گزر گیا۔ اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ سب کچھ واپس اپنی جگہ پر آ سکتا ہے۔''
''کیا کامران بھائی بھی؟'' میں نے آہستہ سے سوال کیا۔
''ہاں، وہ بھی... جب اسے معلوم ہوگا کہ میں واپس اپنی جگہ پر آ چکی ہوں تو وہ بھی آ جائے گا۔'' وہ پُریقین لہجے میں بولی۔
''کیا میں تمہارے لیے... کافی بناؤں؟'' اس نے اٹھنے کا ارادہ کیا۔
''ارے نہیں تم نے اتنا کچھ کھلا پلا دیا کہ اب مزید کی گنجائش نہیں۔'' میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیا۔
''تم نے جب نوکری کی خواہش ظاہر کی تو میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔'' فائزہ کہہ رہی تھی۔
یہ وہ... موضوع تھا جس سے میں ہر حال میں بچنا چاہتی تھی مگر اب وہ اسی پر بات کر رہی تھی۔
''میں تمہیں اس دلدل میں گرتا نہیں دیکھ سکتی تھی جس سے میں خود نکلنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مجھے تمہاری زندگی پر رشک آتا ہے۔ فرحان بھائی کس قدر ذمے دار ہیں۔ کس طرح انہوں نے تمہیں اور تمہارے بچوں کو ہتھیلی کا چھالا بنا رکھا ہے۔ تم لوگوں کی خوشیوں کے لیے وہ دن رات محنت کرتے ہیں۔'' وہ بول رہی تھی اور میں ناخنوں سے میز کھرچ رہی تھی مجھ میں نظریں اٹھانے کی ہمت نہیں تھی۔

کرتی ہے اور اپنے بچوں کے لیے دانہ دُنکا چن کر لا...
ہے اور جب وہ دانہ ان کے منہ میں ڈال رہی ہوتی...
کس قدر خوب صورت منظر ہوتا ہے ناں۔'' وہ کھو...
ہوئے انداز میں مسکرائی۔ ایک مرد بھی تو یہی کچھ کرتا...
اپنی بیوی/ اپنے بچوں کے لیے۔ وہ بھی کس قدر مشکل...
کماتا ہے مگر کس کے لیے؟ اپنے گھر والوں کے لیے...
بیوی، بچوں کے لیے اور بدلے میں اسے کیا چاہیے...
ہے ذرا سا پیار اور گھر کا سکون...... مگر عورتیں کبھی قدر...
کرتیں، ذرا، ذرا سی بات پر طعنے دیتی ہیں۔ جھگڑا کر...
ہیں، ناراض ہوتی ہیں۔'' فائزہ نے بات نہیں کی تھی...
میرے سامنے آئینہ رکھ دیا تھا اور اس آئینے میں ایک...
... اور ناشکری عورت کی خوفناک شکل نظر آ رہی تھی...
میرے شوہر نے مجھے گھر کی ملکہ بنایا اور میں اس کے گھر...
کنواں اور خود کو اس کنویں کا مینڈک سمجھتی رہی۔ میر...
نادانیوں کی فہرست بہت طویل تھی مجھے اپنے آپ...
شرم آ رہی تھی۔
''فائزہ اب میں چلتی ہوں۔'' میں اچانک ا...
کھڑی ہوئی۔
''ارے بیٹھو ناں تمہارے بچوں کے آنے میں...
ابھی بہت وقت ہے۔''
''ارے نہیں، تمہارا بہت وقت لیا میں نے۔ ا...
مجھے اجازت دو۔'' میں اس کے ساتھ باتیں کر...
دروازے تک آ گئی۔
''اللہ تمہیں، تمہاری نئی زندگی میں خوش رکھے...
میں نے اسے دل سے دعا دی۔
''بہت شکریہ تمہارا۔'' وہ ہلکا سا مسکرائی تھی ا...
میں خدا حافظ کہہ کر باہر آ گئی اور تیز قدموں سے گھر...
طرف چل پڑی۔ مجھے اچانک بہت سارے کام یاد آ گ...
تھے۔ بہت سارے قرض جو میرے ذمے تھے وہ سب ا...
کرنے تھے مجھے پورے گھر کی صفائی کرنا تھی، اسے سجا...
تھا، سنوارنا تھا۔ بہت سارے کھانے بنانے تھے۔ خود بھ...
تیار ہونا تھا تاکہ فرحان جب میرے لیے اور میرے بچو...
کے لیے معاش کی جنگ لڑ کر آئیں تو ایک خوب صورت...
اور پُرسکون گھر کے دروازے پر ایک شکر گزار عورت ا...
کی منتظر ہو۔



منی ناول

صُفّہ

دُردانہ نوشین خان

دوسرا حصہ

اقرا باسم ربک الذی خلق...... بلند سفید گیٹ کے سبز محراب پر لکھی آیت نیلی روشنی میں جھلملاتی تھی...... درس گاہ کی دیواروں پر احادیث درج تھیں، دیوار کے اندر سے اونچے درخت جھانکتے تھے، گیٹ کے دائیں بائیں ہریالی کا دل آویز استقبال تھا۔

سیاہ عبا میں ملبوس صُفّہ گاڑی سے نکلی۔ یہ عبایا اس نے داخلے کے ساتھ خریدا تھا۔ ڈرائیور نے گاڑی کی ڈگی کھول کر بڑا اٹیچی اور بستر بند نکالا...... سفید گیٹ پر

موجود سکیورٹی گارڈ نے ان کے شناختی کارڈ، اجازت نامہ داخلہ چیک کیا...... مردوں کو باہر روک کر صفہ کو اندر بھیج دیا۔ سامان ہاسٹل میں اس کو الاٹ کردہ کمرے میں پہنچا دیا جاتا تھا۔ درس گاہ کی صاف ستھری پکی روش کے گرد سرخ گملوں کی قطار تھی، صفہ چلتے، چلتے رکی، پلٹ کر گیٹ پر گئی۔

''ابا صاحب...... میں آپ سے ملی نہیں......''

ابا نے مسکرا کر اس کے سر پہ ہاتھ رکھا پھر جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ نوٹ نکالے اور صفہ کی ہتھیلی پہ رکھے۔

''ابا صاحب...... میرے پاس ہیں......'' وہ لوٹانے لگی۔

''رکھ لو بیٹی، رکھ لو......''

''اچھا اب میں چلی جاؤں گی...... آپ جائیں...... اماں اور خالہ کو میرا بہت سا سلام دیجیے گا ابا صاحب...... آپ کا بہت شکریہ...... آپ نے میرا ساتھ دیا۔''

''جھلی نہ ہو تو......'' ابا صاحب نے اسے سر پہ بوسہ دیا اور نم آنکھوں کو چھپاتے گاڑی کی طرف بڑھ گئے، اللہ حافظ کہہ کر وہ اندر آ گئی۔

اندر ایک اور دنیا تھی۔ ایک ایسی دنیا جس کی پابندیاں، احتیاطیں اور ضوابط جو اس چار دیواری سے نکل کر مشکل اور عجیب لگتے تھے مگر اس کے اندر آسان اور زندگی کا حصہ لگتے۔ یہاں کے اساتذہ کا طریقۂ تدریس جدا تھا ہی، ان کے احترامات بھی ماسوا تھے۔ تجوید، حدیث، فقہ، صرف و نحو اور عقائد کے دورانیے تھے، اس کے علاوہ اختیاری اور ذیلی مضامین تھے، انگریزی اور کمپیوٹر کی کلاسز بھی ہوتی تھیں۔ صفہ کو ابھی ابتدائی سیکشن میں پڑھنا تھا، اس کے بعد سیکنڈری سیکشن تھا۔ صفہ نے اوائل عمری میں قرآن مجید، ناظرہ پڑھا ہوا تھا مگر جب یہاں تجوید کے ساتھ شروع کیا تو لگا کہ وہ پڑھنے میں غلطیاں بھی کرتی ہے۔ اسے بار، بار ٹوکا اصلاح کیسے ہوتی۔

اس کی جماعت شروع ہوئے کئی روز ہو [illegible] تھے، آج وہ آموختہ دل میں دُہرا رہی تھی کہ ایک م[illegible] استاد راؤنڈ لیتے ہوئے آئے، وہاں سب طالبات اور اسکارف میں مکمل پردے سے ہوتی تھیں اور جن گود میں رکھی رحل میں سپارہ ہوتا انہیں تعظیماً کھڑ[illegible] ہونے کی ضرورت نہ تھی۔ مولانا صاحب رک کر [illegible] سے مخاطب ہوئے۔

''ہمارے معاشرے میں بہت سی دیگر نا[illegible] تبدیلیوں کے ساتھ یہ بھی رواج ہو گیا ہے کہ قرآ[illegible] پاک کی تلاوت دل میں کی جاتی ہے یعنی زبان ہونٹ نہیں ہلائے جاتے، اس کا نقصان یہ ہے کہ مخا[illegible] صحیح نہیں ادا ہو پاتے کیونکہ زبان جب بولتی ہے جب کھلتا ہے تو کان سنتا ہے دماغ تائید کرتا ہے ابھی میں لفظ تائید کی جگہ دل میں تالید کہنے جا[illegible] میرے قلب سے کوئی سرگوشی مجھے نہ روکتی 'نہ صحیح کر[illegible] اس لیے کہ جو ہم دل میں پڑھ رہے ہوتے ہیں ا[illegible] اس کا صرف مفہوم لے رہا ہوتا ہے اور بچیو! تلاوت کی آواز اتنی بلند ہونی چاہیے کہ جہاں آ[illegible] بیٹھی ہوں وہاں کی دیواروں تک پہنچے......''

وہ دیوار پر چھڑی مار کر رکے۔

''صوتی لہروں میں طاقت ہوتی ہے، منفی ہوتی ہے اور مثبت بھی... جس طرح بو اچھی اور بری ہے، مثبت نوری لہریں آس پاس موجود شیطانی قوت کمزور اور پسپا کرتی ہیں، میں جو کچھ بول رہا ہوں آ[illegible] کے کان دُہرا رہے ہیں...... آپ نے نوٹ کیا کہیں چلتے پھرتے گیتوں کی آواز کان میں پڑے سوچے سمجھے ہمارا دماغ بول دُہرانے لگتا ہے...... اچھی بیٹیو! تمہیں، شاید معلوم نہ ہو کہ کمرشل پرو[illegible] میں سنانا بھی بطور آلے کار استعمال ہوتا ہے، بنا توجہ سننا بھی ٹھیک ٹھاک اثر رکھتا ہے تو یاد رکھو...... پاک کو ہمیشہ مناسب آواز رکھ کر تلاوت کیا کرو......

صفہ سب اساتذہ سے کبھی، کبھی رہتی...... وہ [illegible] مزاج لگتے تھے، اصولوں پر دوسری دفعہ غلطی [illegible] نے دیتے تھے۔ جب دینی لیکچر ہو رہا ہوتا وہ [illegible] سے دائیں بائیں دیکھتی، عبا پوشوں کی دم بخود [illegible] بیٹھی ہوتی۔ کلاس میں مکمل خاموشی ہوتی تھی، [illegible] میں بات چیت کا سوال ہی نہیں تھا۔ اساتذہ کا [illegible] ام بہت زیادہ تھا، ایک روز درس ختم کر کے استاد [illegible] نے صفہ کو اشارہ کر کے کہا۔

''پانی لا دو......''

اس پر جیسے افتاد گر پڑی۔ کانپتی ہوئی اٹھی...... [illegible] لاؤں، کہاں سے لاؤں؟ کیسے دوں؟ کاش مجھے [illegible]''

''اساتذہ کا گلاس الماری میں ہے۔'' ساتھ والی [illegible] سے بولی۔

وہ خود کو سمیٹتی سنبھل کر اٹھی، کلاس کی الماری کھول [illegible] گلاس نکالا...... ٹھنڈے پانی کا کولر باہر لگا ہوا تھا، [illegible] کر گلاس دھو کر بھر لائی، اجازت مانگ کر اندر [illegible] استاد کی میز پر گلاس رکھ کر سکھ کی سانس لیتی اپنی [illegible]ت کی جانب پلٹ رہی تھی کہ آواز آئی۔

''صفہ بخاری......''

''جی......'' وہ لرز گئی۔

''اِدھر آؤ......'' اس کے قدم من، من بھر کے [illegible]...... ساری کلاس سانس روکے دیکھ رہی تھی، میز [illegible] پہنچی تو مولانا نے شفقت سے تبسم کیا، پسینہ پونچھتے [illegible] رومال جیب میں ڈال کر بولے۔

''گلاس میرے سامنے دائیں طرف رکھو بیٹی۔''

اس کی جان میں جان آئی۔ گلاس بائیں طرف [illegible] اٹھا کر دائیں طرف رکھا۔ اشارے کی منتظر تھی۔

''جاؤ بیٹھ جاؤ۔''

وہ اپنی نشست پر آ گئی۔ ساتھ والی نے ڈیسک کی [illegible] میں اس کے لرزتے ہاتھ پر تسلی دینے کو ہاتھ رکھا۔ وہ [illegible] نقاب کے اندر مسکرائی تھیں۔

اللہ علیہ وآلہ وسلم پیش نظر رکھتے۔ عموماً تلقین کی ضرورت نہ پڑتی شاگرد انہیں دیکھ، دیکھ کر وہی طریق رکھتے تھے۔ جماعت میں ایسی لڑکیاں بھی تھیں جو شوخ مزاج تھیں، اساتذہ کی عدم موجودگی میں شور شرابا بھی کرتیں...... نقاب تو سب ہی اتار دیتے جب کوئی استاد جماعت میں آتا دروازے پر کھنکھار کر ''السلام علیکم رحمتہ اللہ'' کہتا...... سب لڑکیاں نقاب درست کرتیں، استاد کے داخل ہونے پر سب کھڑی ہو کر مکمل سلام کرتیں۔

ہاسٹل میں سب بے تکلفانہ رہتے۔ دوپٹے ایک طرف رکھ کر گپ شپ ہنسی مذاق بھی ہوتا رہتا۔ زیادہ تر لڑکیوں کو مہندی لگانے کا خاصا شوق تھا۔ ہر شام کوئی نہ کوئی لڑکی کون مہندی لیے بیٹھی ہے اور ہاتھوں پر نقش و نگار بنوانے والی اسے گھیرے ہوئے ہیں، مہندی کی قبولیت کی وجہ یہ بھی تھی کہ معلمین مہندی پر اعتراض نہیں کرتے تھے لیکن نیل پالش اور لمبے ناخن سے منع کرتے۔

نوجوان اساتذہ ہوں یا عمر رسیدہ، تمام اساتذہ طالبات کو ''بیٹی'' کہہ کر مخاطب کرتے، صُفہ کے لیے یہ ماحول کالج لائف سے یکسر مختلف تھا۔ صفہ کالج لائف تک پابندی سے پنج وقتہ نمازیں نہیں پڑھتی تھی۔ فجر کی نماز تو اکثر کسلمندی میں نکل جاتی۔ یہاں نماز نہ پڑھنے یا دانستہ چھوڑنے کا تصور ہی نہیں تھا۔ کئی لڑکیاں تہجد کی بھی پابند تھیں۔ فجر کی اذانوں کے ساتھ تو سب ہی اٹھنے لگتیں، دروازے کھلنے بند ہونے لگتے...... وضو خانے پر قطاریں لگ جاتیں۔ فجر کے خنک نورانی وقت صاف ستھرے ٹائل کے فرش والے صحن میں ٹیوب لائٹس کی پُرسکون روشنی پھیلی ہوتی۔ سیاہی مائل نیلاہٹ کا آسمان اللہ کی وحدت و ابدیت کا پیامبر لگتا۔ نماز فجر سے فارغ ہو کر اپنی، اپنی جائے نمازوں پر بیٹھی لڑکیاں تلاوتِ کلام پاک کرتی دکھائی دیتیں، کچھ آموختہ اور سبق دُہراتیں اور جو تجوید سے ختم قرآن کر چکی تھیں وہ معمول کے مطابق تلاوت کرتیں...... صفہ نے فجر کی نماز ادا کرنا شروع کی تو یوں

کا بہت سا وقت حاصل ہونے لگا۔ البتہ فجر کی بیداری انہیں رات کو دیر تک جاگنے نہیں دیتی تھی۔

جس لڑکی کا ٹیلی فون آتا اسے آیا بی یوں آواز دیتیں......

''طالبہ امامہ حسین...... جلدی آؤ فون سن لو......'' صفہ کے نام کی بھی پکار جلد آگئی۔

''طالبہ صُفہ بخاری...... جلدی آؤ فون سن لو......'' وہ اچھل کر بستر سے نکلی اور وارڈن کے کمرے کو دوڑ لگا دی...... فون پر اماں جان تھیں۔

''کھانا کیسا ہوتا ہے؟ ٹھیک سے کھاتی ہو؟ تم لنگر سے نہ لیا کرو۔ آیا بی سے منگوالیا کرو...... اگلے ہفتے بابو کو بھیجوں گی کچھ چیزیں بنا دوں گی۔'' صفہ خوش ہو کے جواب دیتی رہی۔

''خالہ میرو کیسی ہیں؟ کیا کرتی ہیں آپ لوگ دن بھر؟''

''میرو آپا اور میرا سارا دن آپس میں باتوں میں گزرتا ہے۔ ماضی کا کوئی قصہ اسے یاد آگیا یا مجھے...... ہاں ایک بار کسی لڑکے کا فون آیا تھا...... تمہارا نام لے کر پوچھ رہا تھا۔ مجھے بہت غصہ آیا...... میں نے بے بھاؤ کی سنا دیں۔ بعد میں کہنے لگا میں اس کی سہیلی کا بھائی ہوں، پیغام دینا تھا، آپ ناراض ہو گئیں۔''

وہ دھک سے رہ گئی۔

''صفہ بیٹی، نخبہ کا کوئی بھائی تھا؟'' پھر کچھ سوچتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔

''جی، جی ہے تو......'' صفہ کا دل اندر سے بہت ڈر چکا تھا، وہ تو سمجھی تھی کہ بات ختم ہو چکی ہے...... وہ اپنے آپ کو مکمل بدل دینے کا تہیہ کر کے کہاں تک نکل آئی تھی مگر یہ نہ سوچا کہ دوسری طرف سے کیا ہو سکتا ہے اور کیا ہوگا۔ اماں جان کو بھائی کا سن کر تسلی ہو گئی کہنے لگیں۔

''ہائے، ہائے، میں نے تو اس کی ناحق بے عزتی کر دی...... نخبہ کو چاہیے کہ خود فون کر لے اسلام آباد

کر لینا......''

''نہیں اماں جان...... ہمیں گھر کے سوا کہیں ٹیلی فون کرنے کی اجازت نہیں ہے...... آپ...... آپ فون نہ اٹھایا کریں......'' صفہ نے عجیب حماقت بھرا مشورہ دیا۔

''تو کون اٹھائے...... فون تو اٹھانا ہوتا ہے بیٹی...... تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں...... تم پر تو میں ہی نہیں تمہارے والد صاحب، سارا خاندان فخر کرتا ہے۔''

''اللہ پاک، میری عزت رکھیو...... اے میرے اللہ پاک......'' صفہ کا دل دھڑکے جاتا...... ٹیلی فون بند ہوا۔ واپس آئی تو دل پر بہت بوجھ تھا۔

درس گاہ سے آ کر سب کو بھوک زوروں پر لگی ہوتی، لنگر کا کھانا بھی اسی وقت تیار ہوتا تھا۔ لنگر سے جو کھانا ملتا وہ سبزی روٹی یا دال روٹی ہوتی ہفتے میں دو بار چاول پکتے، جو لڑکیاں خوشحال گھرانوں کی ہوتیں وہ نزدیکی ہوٹل سے منگوا لیتیں۔ آیا بی لڑکیوں کے آرڈر لے کر جاتی اور کھانا لا کر دیتیں۔ صفہ بھی اکثر منگوا لیتی تھی۔ اس کی تینوں روم میٹ غریب گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں، وہ اگرچہ انکار کرتیں مگر صفہ اصرار کر کے انہیں بھی شامل کر لیتی پھر بھی وہ لنگر کا کھانا وہیں لا کر مل جل کر کھاتیں، کچھ لڑکیاں لیے دیے بھی رہتی تھیں۔

یہ اسلامی درس گاہ غیر جانب دار اور اسلام کے وسیع المشرب ابلاغ کے حوالے سے شہرت رکھتی تھی۔

اساتذہ کرام میں ایک خاتون استاد کا اضافہ طالبات کے لیے خوش کن خبر تھی۔ وہ پینتیس برس کے لگ بھگ تھیں۔ سفید عبایا پہنتیں، سفید اسکارف سے بال ڈھانپتیں، چہرہ کھلا رکھتیں، آنکھیں کاجل سے خالی ہوتیں، کلائیوں میں چوڑیاں یا ہاتھوں میں مہندی تک نہیں ہوتی۔ وہ حدیث کا پیریڈ لیتی تھیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کی محبت و عقیدت بے پناہ تھی۔ درود ہمیشہ دھیمی آواز میں آنکھیں بند کر

درشت نہ ہوتا مگر کامل سنجیدہ رہتیں...... دیگر اساتذہ مسکرا بھی کرتے تھے اور وقت پر ضرور ڈانٹتے بھی تھے مگر عام طور پر متبسم رہتے، ان استانی کا نام عائشہ صبیحہ الازہری تھا انہیں احادیث کی روایت سلسلہ در سلسلہ ازبر تھیں۔ ہر حدیث کی مکمل تحقیق پیش کرتی تھیں۔ اس میں ان کا علم لاجواب تھا۔

ہاسٹل میں ایک دن محترمہ عائشہ صبیحہ کا ذکر چل پڑا۔ کسی نے کہا۔

''وہ اتنی غمگین کیوں لگتی ہیں بہن؟''

لڑکیاں بے تکلفی میں یار نہیں کہتی تھیں بہن کہا جاتا تھا۔

''میں نے سنا ہے مگر پکا پتا نہیں ہے۔'' نمکو پھانکتی دوسری لڑکی بولی۔

''کیا سنا ہے تم نے؟'' اپنے، اپنے پلنگوں پر آڑی ترچھی پڑی آرام کرتی لڑکیاں متوجہ ہو گئیں۔

''ان کا تیرہ، چودہ برس کا اکلوتا بیٹا تھا...... وہ فوت ہو گیا۔ اور شوہر بھی نہیں ہیں۔''

''افسوس...... آپ کو کس نے بتایا؟'' صفہ نے پوچھا۔

''آیا بی بات کر رہی تھیں۔''

''اچھا......''

''اچھا تو کیا میڈم جی اکیلی رہتی ہوں گی۔''

''ظاہر ہے۔''

''مگر اس طرح سے تو نہیں رہنا چاہیے۔'' کسی اور نے مشورہ دیا۔

''ہمیں اس طرح سے ان کی غیبت نہیں کرنی چاہیے......'' صفہ کو غصہ آگیا۔

''لو اس میں غیبت کی کیا بات ہے؟'' مشورے والی بولی۔

''غیبت اور کس کو کہتے ہیں؟''

''آپ اپنے آپ کو عالم فاضل سمجھتی ہیں، بی اے پاس ہیں تو کیا ہوا، وہ تو دنیاوی علم کا بی اے ہے...... یہاں تو ہم سب کچی پکی کی طالبہ ہیں۔''

تھی۔ الجھنے کو تیار ہو گئی۔ صفہ خاموشی سے اٹھ کر باہر آگئی۔ پیچھے سے آواز آ رہی تھی۔

''اونہہ...... غرور کرتی ہے، تکبر کرنا شرک ہے۔ اللہ کو سخت ناپسند ہے۔'' صفہ برآمدے کی سیڑھیوں میں جا کر بیٹھ رہی۔ وہ محترمہ عائشہ صبیحہ کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی۔ وہ الجھنے والی چھوٹی سوچ کی لڑکیوں کو اپنی فکر نہیں بناتی تھی۔ محترمہ عائشہ صبیحہ اسے پہلے دن ہی اپنی آئیڈیل لگی تھیں، یوں لگا جیسے جس راہ نما ہستی کی تلاش تھی وہ یہی ہیں، سیاہ عبایا میں ملبوس دوسرے کمرے کی ایک لڑکی آرزو اسے دیکھ کر اس کے ساتھ آ بیٹھی۔ صفہ نے مسکرا کر جگہ بنائی۔

''کہیں جا رہی ہیں آپ؟''

''نہیں آ رہی ہوں۔'' پھر ہتھیلیاں پھیلا کر دکھاتے ہوئے بولی۔ ''کتنی پیاری ہے۔ ثمینہ نے لگائی تھی۔''

''ثمینہ تو ماہر ہے...... زبردست لگائی ہے۔'' صفہ نے ہتھیلی دیکھتے ہوئے کہا۔

''محترمہ عائشہ صبیحہ کے ہاتھ دیکھے ہیں؟ کتنے گورے ہیں مگر بالکل سادہ رہتی ہیں، اچھی خاصی تو ہیں اور بھی خوب صورت ہوتیں اگر اپنا خیال رکھتیں۔'' آرزو اظہارِ خیال کرنے لگی۔

''تم نے ان کی آنکھیں دیکھی ہیں، بہت گہری... جیسے جھیلیں......'' صفہ نے کہا۔

''شاعری جیسی باتیں نہ کرو صفہ...... گناہ ہوتا ہے۔''

''میری پیاری بہن آرزو، اچھی بات کرنا گناہ کیونکر ہو گیا۔ اسلام اتنا محدود اور تنگ نظر نہیں ہے، تمہاری مہندی کی تعریف بھی تو کی ہے سب نے...... یہ گناہ تھا؟''

آرزو ہنس دی۔

''اچھا ٹھیک کہتی ہو، ویسے میں بھی سوچتی ہوں محترمہ عائشہ صبیحہ کے بارے میں...... انہیں شادی کر لینی چاہیے...... لوگ سوال کرتے ہوں گے۔''

کرانا بھی جانتی ہوں گی، یہ ان کا ذاتی مسئلہ ہے، انسان کا دل مر جاتا ہے شاید۔'' صفہ نے اندازہ لگایا۔

''تمہاری کہیں منگنی ہوئی؟'' آرزو نے اس سے پوچھا۔

''نہیں...... تمہاری ہوئی؟''

''ہاں، میری تو میٹرک میں ہی منگنی ہوگئی تھی...... میرا کورس مکمل ہو جائے گا تو شادی ہوگی۔'' آرزو خوشی سے گلابی ہو رہی تھی۔

''کیا کرتا ہے وہ؟''

''میرا ماموں زاد ہے ٹیچر ہے، میرے ماموں چاہتے تھے میں عالمہ کا کورس کروں...... ماموں گھر کا ماحول اسلامی کرنا چاہتے ہیں، میں تو شادی کے بعد اسی طرح رہوں گی۔''

''بالکل ٹھیک، ہم نے صراط مستقیم کا انتخاب اس لیے نہیں کیا کہ معاشرتی دباؤ میں آ کر چھوڑ دیں۔''

''اُف اللہ صفہ...... تم کتنے مشکل الفاظ بولتی ہو۔ آخر بی اے پاس ہو ناں......'' وہ دونوں ہنسنے لگیں۔

☆☆☆

ایک روز عجیب بات ہوئی، کتب خانے میں صفہ کتاب پڑھ رہی تھی دیگر طالبات بھی مطالعے میں مصروف تھیں۔ ایک لڑکی کتاب کھول کر سامنے رکھے روئے جا رہی تھی۔ پوچھنے پر جواب نہیں دیتی تھی۔ لڑکیوں میں چہ مگوئیاں ہونے لگیں۔ صفہ اٹھ کر اس کے پاس گئی۔ کتب خانے کا فرنیچر بن کر نہیں آیا تھا۔ ایک قالین بچھا ہوا تھا اور درمیان میں کم بلند بینچ تھے جس پر کتاب رکھ کر پڑھی جاتی۔ دیواروں پر کتابوں سے سجے بلکہ لدے ہوئے ریک تھے۔ قیمتی مخطوطے اور نادر کتب الماریوں میں تالا لگا کر رکھی جاتی تھیں۔ صفہ نے اس لڑکی سے کچھ کہا نہیں بلکہ پانی کا گلاس بڑھایا۔

''پانی پی لیں، بسم اللہ کریں۔''

لڑکی نے پانی پیا اور ٹشو سے ناک اور آنکھیں

''کیا ہوا ہے، کیا بات ہے؟'' صفہ نے نرمی سے پوچھا۔

''کچھ نہیں......''

''کچھ تو ہوگا...... اگر مناسب سمجھو تو شیئر کر لو...... ہو سکتا ہے ہم تمہارے کام آسکیں......'' صفہ کا اندازِ گفتگو دوسری طالبات سے مختلف ہوتا تھا۔

''بات یہ ہے کہ میں نے آج تحریری مشق بال پوائنٹ سے لکھی تھی۔ استاد نے دیکھا تو کاپی پر کانٹا مار دیا...... بے عزتی کی...... ڈانٹا الگ...... میں اپنے گھر میں کسی کی ڈانٹ نہیں سنتی...... میں درس گاہ چھوڑ جاؤں گی...... مجھ سے ڈبو، ڈبو کر لکھنے والے قلم سے نہیں لکھا جاتا...... پتا نہیں کیوں پرانے طریقے جاری رکھے ہوئے ہیں، تم تو بی اے پاس ہو (اُف اس کی بی اے کی ڈگری ساری درس گاہ میں مشہور تھی) تم بتاؤ بال پوائنٹ سے لکھنا گناہ ہے؟''

اس طرح استاد پر اعتراض بہت بڑی جرأت تھی۔ کتب خانے میں سناٹا چھا گیا۔ صفہ جانتی تھی کہ کچھ لڑکیاں اِدھر سے سن کر اُدھر لگانے والی بھی ہو سکتی ہیں۔ اساتذہ کا خوف اور احترام اتنا تھا کہ ان کی عدم موجودگی میں بھی شکایت کرنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اگر اس لڑکی کی شکایت مولانا صاحب تک گئی تو اچھا نہ ہوگا۔ بات کو اس طرح سنبھالا جائے کہ معاملہ نہ بڑھے، صفہ نے کتب خانے سے باہر نظر دوڑا کر کسی دوسرے کے قریب نہ ہونے کا یقین کرنے کے بعد کتب خانے میں موجود لڑکیوں کے چہروں کو غور سے دیکھا تاکہ یاد رہیں پھر کہا۔

''سنو بہنو...... یہاں جو بیٹھی ہیں...... میں ان سب سے کہہ رہی ہوں...... آپ میں سے کوئی مولانا صاحب کو چغلی نہیں لگائے گی، ہمیں ایک دوسرے کی عزت کا خیال رکھنا چاہیے، ایک دوسرے کو سزا سے بچانا چاہیے۔''

''درست کہا...... ہم چغلی نہیں کھائیں گے۔'' وہ بولیں۔

ہمدردانہ ہاتھ رکھا۔

''کیا نام ہے تمہارا بہن......؟''

''مائرہ ملک......''

''میرا نام صفہ بخاری ہے۔'' وہ مسکرائی۔

''میں جانتی ہوں......'' وہ اب بحال ہو رہی تھی۔

''اچھا...... گڈ...... مولانا صاحب عربی کی اچھی لکھائی سکھانے کے لیے قلم کے استعمال کی تاکید کرتے ہیں۔ بال پوائنٹ لکھتا ہے مگر اچھا لکھنے کی مشق میں مددگار نہیں...... یہ بات نہیں کہ بال پوائنٹ کا استعمال گناہ ہے انہوں نے ایسا کبھی نہیں کہا۔ وہ کہتے رہتے ہیں کہ قلم کا احترام کیا کرو...... وہ قلم کو پرانا ہونے پر پھینکنے نہیں دیتے، یہ علامتی احترام ہے۔ بذات خود قلم کوئی متبرک شے نہیں ہے، لکڑی سے بنا ہے یا پلاسٹک کے قلم کا استعمال اہم ہے۔ جن لوگوں نے قلم کا تقدس نہ رکھا، انہوں نے اپنے ہاتھ میں قلم پکڑ کر اپنے لیے جہنم لکھ دیا...... یہ قلم ہم سے ہماری جنت یا جہنم لکھواتا ہے جو افسر رشوت لے کر قلم سے دستخط کرتا ہے وہ اپنا آخرت کا مقام اپنے قلم سے طے کر دیتا ہے...... جو عادل قاضی، قلم سے عدل لکھتا ہے وہ چند حرفوں سے مجرموں کی سزا سناتا ہے۔ مائرہ...... اساتذہ اچھے مقاصد کے لیے جو بھی ذرائع اختیار کرتے ہیں ان کو تجربہ ہوتا ہے، وہ مناسب ہی کرتے ہیں...... اساتذہ کی ناراضی پر دل چھوٹا نہیں کرنا چاہیے۔ آپ ایسا کرو...... وہی ورق دوبارہ قلم سے لکھ لو...... کل مولانا صاحب سے معذرت کر لینا...... وہ خوش ہو جائیں گے...... اساتذہ کسی طالب علم سے جھگڑا تھوڑی کرتے ہیں...... وہ تو سراسر شفقت کرتے ہیں۔''

مائرہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے صفہ کے گلے لگ گئی۔ بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔

''شکریہ صفہ بخاری...... جزاک اللہ...... تم نے میرے دل سے بوجھ ہٹا دیا۔'' ساری لڑکیاں صفہ سے

نعتِ رسولِ مقبولؐ

مدینے کا مسافر حج کو چلا، چھوڑ کے سارے گناہوں کو
وہ اللہ نبیؐ کی پناہ لینے چلا چھوڑ کے ساری پناہوں کو

وہ پاک شہر میں ہوگا داخل دیکھے گا سب راہیں نئی
جب گنبدِ خضرا پہنچے گا بھول جائے گا پچھلی راہوں کو

قسمت کا دھنی وہ ہوتا ہے، جو جاتا ہے در آقاؐ پر
کر دیتا ہے حیران سبھی، دنیا داروں اور شاہوں کو

سب سے ہے بڑی درگاہِ نبیؐ جو اس درگاہ پہ پہنچے گا
وہ شاد رہے گا ہر اک پل، خود سے دور کرے گا آہوں کو

ہم کو بھی لگا لو سینے سے اے شاہوں کے شاہا آقاؐ
اِک عمر گزاری ہے ہم نے بھی کھول کے اپنی باہوں کو

وہ زمین و فضا، قرطاس و قلم، جو نعت میری سنتے ہیں
یہ ساتھی ہیں میری فرقت کے ذرا سن لیجیے ان گواہوں کو

کلام: کوثر خالد۔ جڑانوالہ

مدینے والے

میرا دل اور میری جان مدینے والے
تجھ پہ سو جان سے قربان مدینے والے

سگِ طیبہ لوگ جو پکاریں ہر دم
کبھی رکھیں میری پہچان مدینے والے

مشکلیں سب کی ہوئی ہیں تیرے در پہ آساں
میری مشکل بھی ہو آسان مدینے والے

میرا دل اور میری جان مدینے والے
تجھ پہ سو جان سے قربان مدینے والے

کلام: فرخندہ جعفری۔ گجرات

تھا۔ وہ کہہ رہی تھیں۔

''آج آپ نے کمال کی باتیں کی...... آپ ضرور ایک دن معلمہ بن جائیں گی۔'' اس دن صفہ کو خود پر حیرت ہوئی۔ ''وہ کیسے اتنی بدل گئی تھی۔ وہ تو کچھ بھی نہیں تھی بہت سی برائیوں کو دل میں بھی برائی نہیں جانتی تھی۔ جیسے وہ مہندی کی تقریب جس میں لڑکے، لڑکیاں مل کر ڈانڈیا ڈال رہے تھے، تالیاں پیٹ رہے تھے، گا رہے تھے، بڑی بوڑھیاں بھی بیٹھی خوش ہو رہی تھیں۔ وہ کتنا بن سنور کر گئی تھی۔ اماں نے منع تو نہیں کیا تھا۔ ساری لڑکیاں فل میک اپ میں لڑکوں، مردوں کے سامنے پھرتی ہیں ہماری مائیں بھی تیار ہوتی ہیں۔ وہ ٹوکتی نہیں ہیں، ہم لوگ انجانے میں کتنے گنا ہوں کے سزا وار ہوتے چلے جاتے ہیں، اندازہ تک نہیں ہوتا۔ یہ تو اللہ ستار العیوب ہے، ہمارے گناہ پوشیدہ رہتے ہیں، اور ہم نیک سمجھے جاتے رہتے ہیں۔'' وہ خود احتسابی کے عمل میں تھی۔ ''میں واصف سے فون پر سب سے چھپ کر کتنی باتیں کرتی تھی۔ اب سوچوں تو ندامت کا پہاڑ آ گرتا ہے۔ میں اپنی غلطیوں کا ذمّے دار ماحول کو ٹھہراتی ہوں۔ ماحول انسان کو ڈھالنے میں بہت اہم ہوتا ہے...... اب یہاں یکسر مختلف ماحول میں ایڈجسٹ ہوگئی ہوں تو اس کا مطلب ہے پابندیاں کٹھن عذاب نہیں ہوتیں......'' وہ سوچے جا رہی تھی۔

''انسان میں جذب کرنے کا فطری عنصر ہے۔ تربیت، تلقین نہیں ہوتی، تربیت گرد و نواح ہوتا ہے اس گرد و نواح کا حصہ بننے والا خود بخود اس میں رنگتا جاتا ہے۔''

☆☆☆

درس گاہ میں ہر جمعرات کو بزم اسلام و ادب ہوا کرتی تھی صُفہ اس میں حصہ لینے لگی تو دیکھتے ہی دیکھتے چھا گئی۔ وہ قرأت بہت اچھی کرنے لگی تھی۔ تجوید کے بعد اس نے قاری عبدالمتین نقشبندی سے قرأت سیکھنے کی مشق کی تھی، وہ ملک کے نامور قاری تھے۔ نعت خوانی میں وہ اتنی آگے نہ بڑھ سکی لیکن بزم کی کیپٹن بن گئی وہ

سنبھالتی تھی۔ اس کے اندازِ بیاں کی سب اساتذہ تعریف کرتے تھے، لفظ خود بخود جھڑتے چلے جاتے، اس کے جذبے خالص اور گہرے ہو چکے تھے۔ وہ مدرسے کی نئی کونپل سے سرسبز پودے کا روپ دھار چکی تھی۔ اس کی شخصیت پُر اعتماد ہوگئی تھی۔ عرصہ ڈیڑھ سال بیت چلا تھا۔

صفہ کے گھر کے سال میں تین' چار چکر لگ جاتے..... والد صاحب ہر ماہ آ جاتے تھے۔ اماں جان اور خالہ میرو کا مل جل کر وقت اچھا گزر رہا تھا۔ صفہ گھر جاتی تو بزرگ خواتین اس کی دل جوئی میں لگ جاتیں، ملازمین بھی اب اتنا احترام کرتے کہ میلی جگہ بیٹھنے نہ دیتے۔ پانی دینے سے پہلے گلاس تو کیا اپنا ہاتھ تین بار دھوتے، لاشعوری طور پر اس میں سابقہ عادات نہیں رہی تھیں۔ ٹی وی کھولنے کا خیال تک نہیں آتا تھا۔ شبانہ ٹی وی ڈراموں کی بات اس کے سامنے نہ کرتی بھی۔ ابا صاحب روزانہ عشا سے فارغ ہو کر اس کو بلاتے، اس سے حفظ کردہ لمبی سورتیں قرأت سے سنتے۔ اماں جان، میرو خالہ، اماں بتولاں، شبانہ، منشی ماما سب ہی جمع ہو جاتے۔ سماں سا بندھ جاتا۔ حتیٰ کہ پنجرے میں بیٹھا طوطا چپ ہو کر کان لگا لیتا...... اب اس کی شہرت حویلی سے نکل کر آس پاس پہنچ رہی تھی۔ صفہ چھٹیاں گزار کر درس گاہ آتی تو یہاں بھی اس کا دل گھر کی طرح لگتا تھا۔ اب وہ سیکنڈری سیکشن میں تھی۔ آرزو، مائرہ ملک اور دوسری کچھ سنگی ساتھی شادی ہونے کی وجہ سے جانے والی تھیں۔ صفہ کو ابھی بہت پڑھنا اور سیکھنا تھا۔ خالہ میرو اس کے لیے ایک رشتہ تلاش کر کے اماں جان کو اصرار کرتی رہتی تھیں۔ مگر صفہ کے چار سال باقی تھے...... اسپشلائز کرنا تھا۔ اور وہ ابا صاحب سے ہر بات منوا لیتی تھی۔

☆☆☆

کتب خانہ جواب جدید لائبریری بن چکا تھا۔ صفہ اس کے فتاویٰ سیکشن میں نوٹس بنانے میں مگن تھی کہ آپا بی نے جھانک کر اپنی تیز آواز میں پکارا......

''طالبہ صفہ بخاری...... دفتر میں آپ کا فون آیا ہے...... جلدی آؤ......''

''دفتر میں فون؟ ایسی کیا ایمرجنسی ہوگئی؟ خیریت ہو الٰہی......'' وہ نقاب درست کر کے تیز، تیز چلنے لگی۔ آپا بی آگے، آگے جا رہی تھیں۔ منتظمِ اعلیٰ کے دفتر میں فون کا ریسیور اٹھایا۔ آپا بی فون سنتے ہوئے طالبہ کے ہمراہ ٹھہرتی تھی۔ کیونکہ یہ مردانہ دفتر تھا۔

''السلام علیکم...... کون؟'' صفہ بخاری نے پوچھا۔

''بیٹا...... صفہ بول رہی ہو ناں...... میں منشی... وعلیکم السلام...... منشی ماما بات کر رہا ہوں، بیٹا ایک بری خبر ہے...... میں نے ڈرائیور اور گڈی (گاڑی) آپ کی طرف روانہ کر دی ہے۔ جلدی گھر پہنچو...... بخاری صاحب، وڈی بی بی صاحبہ کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے۔''

''ایکسیڈنٹ ہوگیا؟'' پھر...... پر منشی ماما اتنا رو کیوں رہا تھا۔

''ابا صاحب تو ٹھیک ہیں ناں......؟'' اماں جان سے میری بات کراؤ......'' وہ چیخ پڑی تھی۔

''منشی ماما تم کیوں رو رہے ہو، بولو...... جواب دو۔''

''میری بیٹی...... کوئی نہیں رہا...... کوئی نہیں رہا......''

''کوئی نہیں رہا......؟ کوئی؟ کیا کہہ رہا ہے یہ...... یہ کیا بول رہا ہے......؟ مجھے سمجھ نہیں آ رہی۔''

اس نے دیوانہ وار ریسیور منتظم اور پھر آپا بی کی طرف بڑھایا...... وہ اتنے زور، زور سے کانپ رہی تھی کہ آپا بی نے لپک کر اسے پکڑ لیا...... منتظم نے فون کان سے لگایا...... کچھ دیر بعد ریسیور رکھتے ہوئے دھیرے سے بولا۔

''انا للہ وانا الیہ راجعون'' صفہ، آپا بی کی بانہوں میں بے ہوش ہوگئی تھی۔

☆☆☆

میرے ہونے کے ہر اک امکان کو رد کر دیا

آسمان ٹوٹ پڑا تھا۔ قیامت کی گھڑی تھی۔

سانحے کے دیکھنے سننے والے واحد بچ جانے والی وارث کو داستانِ درد سنانے کو بے تاب تھے۔ بخاری صاحب مرحوم اور ان کی اہلیہ نورو بخاری مرحوم کی اکلوتی اولاد صُفہ بخاری کا انتظار ہو رہا تھا۔ جب وہ غم سے نڈھال مضطرب بے قرار گاڑی سے اتر کر ''اماں جان، ابا صاحب'' کی آوازیں دیتی پھاٹک میں داخل ہوئی تو اپنا ہی گھر پہچانا نہیں جا رہا تھا۔ کوئی جواب استقبال کا نہیں آتا تھا۔ کوئی چہرہ شناسا نہیں لگتا تھا۔ اجنبی مرد، مزارع، اقارب، سفرِ آخرت کے اہتمام میں سرگرم آ جا رہے تھے۔ دالان میں سفید چادریں اوڑھے دو گہوارے پڑے تھے، جن پر موتیا، گلاب کے ہاروں کا ڈھیر تھا۔ وہ دوڑتی ہوئی ان پر جا گری۔

''اماں جان...... اماں، اماں میں آگئی ہوں...... اماں اٹھو، مجھے ملو، اماں بس کرو، کچھ نہیں ہوا، اماں جان، ابا صاحب، ابا پیارے ابا، مجھے اکیلا کر دو گے؟ آپ نے کیا سوچا؟ ابا؟ اٹھو ناں، دیکھو ناں، ایک بار آنکھیں تو کھولو، وہی آئی ہے آپ کی......'' وہ تڑپ کر کبھی ایک اور کبھی دوسری میت پر گرتی تھی، بہت عورتیں سنبھالنے والی تھیں، پانی پلانے، پیار کرنے والی تھیں مگر وہ ماہیِ بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی۔ میرو خالہ آنسوؤں سے تر چہرہ لیے، ماسی خیراں کے سہارے سے اٹھیں، دو عورتوں نے انہیں سہارا دیا اور صفہ تک لائیں۔

''صفہ...... میری ماں جائی کی نشانی...... آ...... تو میری گود میں آجا...... آ...... خالہ قربان، خالہ صدقے......'' پھٹی، پھٹی آنکھوں سے دیکھتی صفہ کو ایک لمحے کے لیے سکون سا ہوا جیسے کوئی اس کی ماں ہے، وہ میرو خالہ کے سینے سے جا لگی اور میرو خالہ وہیں فرش پر اسے سینے میں سمیٹے بیٹھی رہیں۔

''سیانی بیٹی، صابر بچی...... تو یہ تو سن لے کہ تیرے ماں، باپ کو ہوا کیا تھا، دیکھ، صبر کر کے آنکھیں بند کر لے تھوڑی دیر۔''

ہچکیاں بھرنے لگی۔

''صفہ......رونا بند کرو گی تو اماں کے آخری وقت کا حال سنو گی......میری بچی، میں بھی تیری ماں ہوں۔'' میرو خالہ، صفہ کا سر چھاتی سے لگا کر تھپکنے لگیں۔ اس کے سر سے ڈھلکا دوپٹا جوڑنے لگیں اور ہولے، ہولے بتانے لگیں۔

''کل یہی وقت ہو گا بیٹی، ظہر کی نماز ادا کر کے نورو بہت دیر تک تخت پوش پر خاموش بیٹھی رہی پھر اٹھی تو کہا مجھے سینے میں گھٹن محسوس ہو رہی ہے۔ شبانہ ادھر ہی کھڑی تھی آم کے بور کو ہتھیلی پر مسلتے بولی......بی بی جی سونگھو ابھی کی مہک آتی ہے، اس کے ہاتھ کو پرے ہٹا کر بولی، مجھے پلنگ پر لٹا دے۔ میں نے دیکھا کہ نورو، شبانہ کے سہارے پر چل رہی ہے، میں پریشان ہو گئی پوچھا کیا ہوا ہے نورو، خیر تو ہے پھر شبانہ کو کہتی ہے......سیون اپ کھول کے لے آؤ، میں بھی اس کے پاس آ گئی۔'' میرو خالہ گہری، گہری سانسیں لینے لگیں۔

اماں بتولاں جو پاس ہی موجود تھی کہانی کا سرا پکڑ کر بولی۔

''بخاری صاحب کچہری سے ابھی، ابھی لوٹے تھے، شیروانی اتار کر منشی بھرا (بھائی)۔۔۔۔ کو دے رہے تھے۔ منشی بھرا ہینگر میں شیروانی لٹکا رہا تھا، انہوں نے وڈی بی بی کا چہرہ دیکھا، رنگ سفید لٹھے جیسا ہو رہا تھا، فوراً منشی سے بولے۔'' رکھ دے......چھوڑ دے اسے......ڈرائیور کو کہہ گاڑی نکالے۔'' اب میرو خالہ کی سانس بحال ہو چکی تھی آگے وہ بتانے لگیں۔

''نورو......اشارے سے روکتی تھی، ڈاکٹر کی ضرورت نہیں ہے، میں ٹھیک ہوں......سیون اپ کا گلاس ہاتھ میں تھا۔ بس ایک گھونٹ پیا......''

''دو گھونٹ پیے ہی تھے پھر گلاس شبانہ کو دے دیا۔''

''اچھا......دو گھونٹ پیے تھے؟'' میرو خالہ نے پوچھا۔

''جی ہاں میرو بی بی، بخاری صاحب اپنی گھڑی

میری۔'' میں نے کوہاٹی چپل لا کر پاؤں کے پاس رکھی۔ چپل پاؤں میں ڈالی......ڈاکٹر کو فون کرنے اندر چلے گئے۔''

''ڈاکٹر توقیر عباس، کارڈیالوجی اسپتال ہے......بڑا ڈاکٹر ہے، میں نے شبانہ کو کہا۔ بی بی جی کی چادر لے آ......سندھی کڑھائی والی سفید چادر، میری بہن کا رنگ اس وقت بالکل چادر جیسا ہو رہا تھا مگر میرا اتنا تھا کہ ہمیں تسلی دلائے کہ خیر ہے خیر ہے۔'' میرو خالہ بولیں۔

''بالکل جی، بڑی ایمان والی عورت تھیں بڑی بی بی......گاڑی دالان کے ساتھ ادھر لگائی گئی بڑی بی بی خود اندر بیٹھیں۔ آگے بخاری صاحب بیٹھے...ڈرائیور گاڑی نکال کر لے گیا۔ ہمیں کیا پتا تھا کہ ہم ان دونوں کو آخری بار دیکھ رہی ہیں۔'' اماں بتولاں ناک سنک کر بولی۔ خالہ میرو نے صفہ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''ڈاکٹر کی رپورٹ تو ابھی کل ملنی ہے۔'' خالہ بولیں۔ ''چیک اپ کروا کے بھائی صاحب نورو کو لے اسپتال سے نکلے......سڑک پر دیکھا ہنگامہ ہو رہا ہے، کوئی دو گروپ لڑ رہے تھے، شور شرابا تھا۔ نعرے بازی تھی۔ گولیاں، ہوائی فائر ہو رہے تھے، یہ دونوں گھبرا گئے ہوں گے، گاڑی کی طرف بڑھے کہ گاڑی میں بیٹھ کر جلدی سے نکل جائیں، ڈرائیور گاڑی اسٹارٹ کر کے بیٹھا تھا۔ دکانیں بند ہو رہی تھیں، لوگ چھپ رہے تھے......پتا نہیں کدھر سے آ کے میری نورو بہن کو گولی لگی، پیچھے سے لگی کندھے کے پاس......کسی کو کسی کی پروا نہیں تھی۔ میاں اسے اٹھاتا رہا، ڈرائیور اور وہ دونوں مل کر اٹھا کے لا رہے تھے کہ اندھا دھند نکلتی کوئی گاڑی ان سے ٹکرا گئی کوئی آزمائش سی آزمائش تھی، کیا سے کیا ہو گیا......پھر تو پولیس، ایمبولینس سب پہنچ گئے تھے اور بھی دو بندوں کو گولیاں لگی تھیں۔ ایک ختم ہو گیا دوسرا اسپتال میں ہے، ایمبولینس میں زندہ تھی تیری ماں، گولی دل کو بچا کے نکلی تھی۔ مگر خون میں نہائے

''ہوسکتا ہے میرو بی بی، صدمے نے دل پر اثر کیا ہو۔'' بتولاں اپنے قیاس دوڑانے سے باز نہ آتی تھی۔

''پتا نہیں بتولاں، مالک چاہتا تو ایسا نہ ہوتا۔''

''ایسے کوئی ایک ساتھ مر جاتا ہے، عجیب باتیں کرتی ہیں آپ۔'' صفہ ایک دم میرو خالہ کی آغوش سے اچھل کر نکلی۔ ''وہ زندہ ہیں، میں دیکھتی ہوں۔'' وہ عورتوں کو ہٹاتی دھکیلتی ابا کے کھٹولے پر جا پڑی۔

''ابا، ایک بار بات سن لیں......آپ کو میرا احساس نہیں ہے، جواب نہیں دیتے......آپ کو اماں کے ساتھ وفا نبھانے کی پڑی ہے......میں کدھر جاؤں گی......آپ کو احساس نہیں ہے۔'' وہ چادر ہٹا کر ابا کے چہرے پر ہاتھ لگاتی دُرد کا گہرا اتھاہ سمندر تھا جس میں ڈوب کر وہ باہر نکلنے کا کنارہ کھوجتی تھی......اور کنارہ ملتا نہ تھا۔ کوئی سر پر ہاتھ پھیرتا، کوئی اس کے ہاتھ روکتا، کوئی پانی پیش کرتا، کوئی یہ کیوں نہیں کہتا تھا کہ وہ تو زندہ ہیں، ابا مر گئے ہیں تو اماں زندہ ہیں، اماں نہیں رہیں تو ابا زندہ ہیں، ایسے تھوڑی ہوتا ہے کہ ماں، باپ ایک ساتھ مر جائیں، اسے ایک ہی جنون سوار تھا کہ اپنی آواز سے اُن کو جگا دے، اسے یقین تھا کہ صرف اس کی آواز میں یہ طاقت ہے کہ ان مُردوں کے سکتے ٹوٹ جائیں......آوازیں دے، دے کر اس کا گلا بیٹھ چکا تھا، آواز مسخ ہو چکی تھی۔ سچ دیکھتی تھی پر مانتی نہ تھی۔

سچ کی تیز دھار انی اس کے جگر میں تب اتری جب دونوں گھوارے آگے پیچھے لوگوں کے کندھوں پر سوار سادات حویلی کے پھاٹک کی جانب عازم سفر ہوئے۔ سر سے اتر کر شانے کے آس پاس کہیں جھولتا مٹی آلود دوپٹا، بالوں کی بکھری لٹیں، بازو پھیلا کر اماں، ابا کہنے کو کھلے لب......مگر زبان پر شکنجے کی کیفیت، آواز گلے میں گم اور وجود ساکت ہو گیا۔ سانسیں سینے کے پاتال میں اٹک رہی تھیں اور وہ وقفے، وقفے سے

میرو خالہ نے دہائی دی۔

''صفہ کو دیکھو، پکڑو، اسے کیا ہو گیا ہے۔'' شبانہ، اماں بتولاں کے بازوؤں میں وہ پتھر کی طرح بے لچک ہو کر گر گئی۔ اس کا ذہن مکمل سپاٹ ہو گیا اور گہری بے ہوشی میں چلی گئی تھی۔ طبیب بلوایا گیا جو اسے پُر سکون نیند کا انجیکشن دے کر مزید بے خبر سلا گیا۔ صفہ لاعلمی کی کیفیت میں پڑی رہی اور اس کو پالنے والے، اس کو بھینچنے والے، اس کو سوچنے والے، اس کا انتظار کرنے والے، اس کے بارے میں خواب بُننے والے، اس کی باتیں کر کے خوش ہونے والے، اس کی کامیابی پر ناز کرنے والے، اس کے تحفظ کی فکر میں گھلنے والے، اس کے محور پر زندگی جینے والے، اس کے انتہائی قیمتی رشتے دائمی جدائی کی تاریکی میں پوشیدہ ہو گئے۔ وہ بے بصارت اندھیرے میں دبی سانسیں کھینچتی رہی، تین پہر گزر گئے، تین پہر بعد اس کی بھٹکی روح کو نوم خوردہ جسم کی طرف لوٹایا گیا۔ وہ کسی کمرے میں لیٹی تھی، سامنے بلب جل رہا تھا، آہستہ، آہستہ پانچوں حسیات بیدار ہو گئیں۔ بیڈ پر یہ کون، کہاں اس کے ساتھ، میرو خالہ بیٹھی تھیں......اسے ہوش میں آتا دیکھ کر میرو خالہ نے شبانہ کو اشارہ کیا......پتا نہیں کیا اشارہ کیا......صفہ کی کھلی آنکھیں سامنے منظر کو مفہوم دینے کی کوشش کر رہی تھیں۔ میرو خالہ نے اس کے سر کو دھیرے سے اونچا کیا اور پانی کا گلاس اس کے لبوں سے لگایا، وہ پانی پی گئی، پھر وہ اپنا دھڑ کھینچ کر اٹھ بیٹھی، میرو خالہ کو خالی، خالی آنکھوں سے دیکھنے لگی، شبانہ چھوٹی سینی میں چائے کا کپ اور بسکٹ رکھ کر لے آئی تھی۔

''صفو چندا......خالہ کی جند جڑی چائے پی لو۔'' میرو خالہ نے کہا۔ ''لے لو بیٹی......خالی پیٹ کوئی دوا نہیں دی جا سکتی......ڈاکٹر کہہ گیا ہے کچھ کھلائیں پھر دوا دے دیں......'' خالہ کے ہاتھ میں چائے کا کپ تھا اور ان کا سفید مانگ والا سر اس کے آگے جھکا ہوا تھا۔ صفہ نے کپ پکڑ لیا اور دو گھونٹ، گھونٹ کر کے آدھا کپ

پاؤں نیچے اتارے، اٹھ کھڑی ہوئی...... شبانہ لپک کر روکنے کو بڑھی۔ میرو خالہ نے اشارے سے منع کر دیا۔ وہ اماں، ابا کے کمرے کی طرف چل دی۔

صُفہ کمرے میں داخل ہوئی، ابا صاحب کی کلف لگی پگ کھونٹی پر لٹکی تھی۔ صفہ نے پگ اتار کر اپنی گود میں رکھ لی اور اس پر ہاتھ پھیرنے لگی، کبھی پگ کے ساتھ اپنے رخسار لگاتی اور کبھی اس کی خوشبو سونگھتی، سامنے پلنگ پر وہ آف وائٹ بیڈ شیٹ بچھی تھی جس کے گرد اماں جان کے ہاتھ کی بنی ہوئی کروشیا کی رنگ برنگی لیس لگی تھی۔ پھر اس نے پگ کو احتیاط و احترام کے ساتھ وہیں لٹکایا جہاں سے اتاری تھی اور الماری کھول لی...... الماری میں اماں کا کروشیا دان، سکوں سے .... بھرا خیرات کا ڈبا، دوائیوں کی کچھ شیشیاں، سرمے دانی، پاؤڈر کا ڈبا، اماں جان کی چاندی کی چوڑیاں، پرانا چھوٹا سنگھار بکس، ہر، ہر چیز میں ان کا لمس، ان کی مہک اور یادیں، الماری بند کر کے وہ دیوار سے پشت لگا کر کمرے میں اِدھر اُدھر ان کے وجود کو کھوجنے لگی...... نیم اندھیارے گوشوں کو یوں غور سے دیکھتی جیسے ابھی یہیں کہیں سے وہ نکل آئیں گے...... پھر ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح فرش پر بیٹھتی چلی گئی...... اماں کے پلنگ پر سر رکھ کر ان کا تکیہ دبوچ کر چمٹا لیا اور آنسوؤں کا رکا ہوا بند بہہ نکلا...... درد کا ایک سیلاب تھا جس کے ہر قطرے میں آنکھیں اور پلکیں جلتی تھیں۔ خالہ میرو دیواریں پکڑ، پکڑ کر چلتی اس کے پیچھے، پیچھے آئیں۔ فرش پر بیٹھی بے بسی کی تصویر دیکھ کر کلیجا شق ہوا، بہت رنجیدہ ہوئیں۔

"صُفہ...... ایسے نہ رو میری بچی...... میرا دل پھٹتا ہے تجھے یوں تڑپتا دیکھ کر...... میرے بس میں ہو تو ابھی خود کو مار کر تری ماں کو لوٹا لاؤں...... اللہ بے نیاز ہے، مجھے اٹھا لیتا، میری کوئی دھی (بیٹی) نہ تھی کہ تڑپتی، نورو کو نہ اٹھاتا، اللہ کے کاموں میں کسے دخل ہے صفی...... صبر کر، صبر کر جا......" میرو خالہ، اماں جان کے پلنگ پر بیٹھیں تو اس نے اپنا سر ان کی گود میں رکھ لیا...... رونے کی سکت ختم ہوئی تو چہرہ اٹھا کر میرو خالہ کو دیکھا۔

"میرو خالہ، میں، آپ کی دھی ہوں۔"

سوال تھا یا اطلاع تھی، میرو خالہ کو تسلی دی گئی تھی یا تسلی لی گئی تھی...... معلوم نہیں مگر میرو خالہ اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں لے کر اقرار میں سر ہلاتی اشک بہا رہی تھیں۔

☆☆☆

بہت اجنبی شب و روز تھے، کسی وقت یا کام کا کوئی معمول نہ رہا تھا۔ معمول آتا بھی کہاں سے سادات حویلی کے معمولات میں اماں تھیں، ابا تھے، ان کی مصروفیات سے معمولات بنتے تھے، اب تو ملازم ہی ملازمین تھے اور مالک کوئی نہ تھا۔ میرو خالہ کا بیٹا انہیں چہلم کے بعد لے جانا چاہتا تھا مگر میرو خالہ، صفہ کو تن تنہا چھوڑ کر کیسے جاتیں...... وہ چاہتی تھیں کہ فی الحال اپنا جانا ملتوی کر کے صفہ کا کہیں نکاح کر کے جائیں۔ "نکاح مگر کس سے؟" خاندان میں کچھ لڑکے تھے مگر چھوٹے تھے کچھ کی دلچسپی نہیں تھی۔ اس کے علاوہ اہم ترین بات یہ تھی کہ صفہ خود شادی یا نکاح پر قطعی آمادہ نہیں تھی۔ پھر فیصلہ کون کرتا؟ آنسوؤں سے بھرے ان غمگین دنوں میں اس معاملے پر اصرار اور بحث از خود بدنما امر تھا۔ میرو خالہ بھی دکھی تھیں۔ ان کی صرف دو ہی تو بہنیں تھیں۔ بہن بھی اور سہیلیاں بھی...... وہ تو ہنسوڑ ہوا کرتی تھیں ہر بات میں مذاق نکال لیتیں خود بھی ہنستیں دوسروں کو بھی ہنساتیں۔ اب جیسے دنوں میں بوڑھی ہو گئی تھیں۔ اب تو ان کی مسکراہٹ بھی سوزِ گریہ لگتی اب اماں بتولاں گزرے دنوں کی کہانی دُہراتی رہتی۔

چہلم کی خیرات ہو چکی تھی...... اجمل اور میرو خالہ کا ٹکٹ آ چکا تھا مگر میرو خالہ نہ جانے پر بضد تھیں۔ رات کے آٹھ بجے تھے، مئی کا مہینہ تھا، صفہ اپنے کمرے میں خاموش لیٹی تھی۔ وہ اے سی نہیں چلاتی تھی بلکہ وہ تو پنکھا بھی نہیں کھولتی تھی۔ شبانہ دیکھتی تو چپکے سے آ کر پنکھا چلا دیتی۔ وہ ...... بولتی نہیں تھی...... بالکل بھی نہیں تھی۔ ضرورت کی بات کر لیتی زیادہ تر چپ رہتی، لیٹے، لیٹے اسے جانے کیا خیال آیا ایک دم اٹھ گئی۔ پاؤں میں چپل ڈالے دوپٹا درست کیا اور باہر نکل کر خالہ میرو کے کمرے کی طرف چلی۔ خالہ کے کمرے کا دروازہ بند تھا کیونکہ اے سی چل رہا تھا۔ اس نے دروازہ دھکیلا۔

میرو خالہ لیٹی ہوئی تھیں۔

"آؤ، صُفہ بہن۔" اجمل بھائی والٹ کھولے گمن تھے، دروازہ کھلنے پر سر اٹھایا۔

"آؤ بچہ...... خالہ کی جند، آؤ بیٹھو۔" میرو خالہ نے اپنی ٹانگیں کھسکائی۔

"میرو خالہ...... اماں جان بھی دل کی مریض نہ تھیں۔ وہ بہت موٹی نہ تھیں، کوئی ایسی وجہ نہ تھی، اماں کو یہ اٹیک کیوں ہوا؟ کیا وہ کوئی ٹینشن لیتی تھیں؟" صفہ نے میرو خالہ کی پائنتی بیٹھتے ہوئے دھیرے، دھیرے سوال کیا۔ عدم اطمینان، دکھ اور بے چینی اس کے چہرے سے مترشح تھی۔ میرو خالہ نے تکیے سے اٹھتے ہوئے اجمل کو مخاطب کیا۔

"اجمل بیٹا، جمال آباد سے سردار تعزیت کے لیے آئے ہوئے ہیں، جاؤ بیٹا انہیں مل لو۔"

"جی میں جاتا ہوں۔" وہ چلا گیا۔ میرو خالہ نے صفہ کا سرد ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا، چند ثانیے اسے دیکھتی رہیں، اس کی برداشت کا اندازہ لگاتی رہیں پھر کہا۔

"بس ایک بات ہوئی تھی...... اس دن ایک بندہ آیا تھا...... باہر پھاٹک پر ایک پیکٹ دے گیا تھا۔ پھاٹک والے چوکیدار نے بتولاں کو دیا...... بتولاں لے کر آئی۔ ہم دونوں اسی کمرے میں بیٹھی تھیں، نورو نے بتولاں مائی سے پوچھا یہ کیا ہے؟ کون دے گیا ہے؟ بتولاں مائی نے کہا کوئی پتلون قمیص والا تھا پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ بولا تھا یہ صفہ کی امی کو دے دو...... شاید درس گاہ سے آیا ہوگا مگر میرا ماتھا ٹھنکا، پتلون والا مدرسے سے کون آئے گا بھلا...... لڑکیوں کی عزت

اُداسیاں

یہ بے سبب اداسیاں
کبھی بے سبب نہیں ہوتیں
ان بے وجہ اداسیوں کے
کچھ سبب تو ہوتے ہیں
جو کھوجنے سے ملتے ہیں
اور دل کے اندر پلتے ہیں
کچھ روح کو گھائل کرتے ہیں
کچھ دل کے ٹکڑے کرتے ہیں
میری ذات کے گہرے ساگر میں
پھر خوب تلاطم کرتے ہیں

کاوش: صائمہ سید، کراچی

سمجھے...... میں نے اس سے کہا۔ "ہاں، ہاں وہیں سے آیا ہوگا، تو جا، جا کے کام دیکھ۔" وہ چلی گئی تو ہم نے پیکٹ کھولا...... اس میں بسنتی رنگ کا دوپٹا تھا...... تمہارا دوپٹا...... ساتھ ایک کاغذ تھا، کاغذ اور دوپٹا میں نے اس الماری میں سنبھال کر رکھ دیا تھا۔ نیلے ڈبے کے پیچھے ہوگا، تم دیکھ لو۔"

صفہ ایک دم اٹھی الماری کھولی، دوپٹا اور کاغذ مل گئے۔ کاغذ کھول کر پڑھنے لگی۔

"یہ آپ کی بیٹی صفہ بخاری کا دوپٹا ہے، جب وہ میرے پاس رہی تھی جاتے ہوئے یہ بھول گئی، میں نے سوچا پھر آئے گی تو دے دوں گا مگر وہ ناراض ہو گئی...... اب میری شادی ہو رہی ہے، میں نہیں چاہتا کہ میری پاک دامن بیوی کے ہاتھ یہ داغ دار دوپٹا لگے، واصف چوہدری۔"

صفہ کا رنگ پیلا ہلدی پڑ گیا۔ میرو خالہ کی طرف اس کی پشت تھی ورنہ وہ سمجھتیں کہ اسے بھی دل کا اٹیک ہونے والا ہے مگر اس کے دل کی اس وقت اٹیک سے

واصف نے کس بات کا اتنا گھٹیا انتقام لیا یہی کہ وہ کیوں بچ نکلی...... محبت، اپنائیت، احساس؟ خیال ہوتا؟ احترام ہوتا؟ الفاظ، وعدے، کوڑا کرکٹ، کچے کا ڈھیر، محبت......؟ تھو، تھو، تھو...... وہ خون تھوک کر محبت کے دعووں کو پاؤں تلے مسل سکتی تھی مگر اب وہ ملزم تھی، وہ مجرم تھی...... میرو خالہ کی آنکھوں میں سوال تھے، کیا یہ سچ ہے؟ کیا تم ایسی تھیں؟ مگر ان تیز دھار سوالات کی دھار کو نظر انداز کر کے اس نے اپنا سوال میرو خالہ کے دامن میں ڈال دیا۔

"اماں نے...... کیا کہا تھا؟" (یعنی کیا وہ یقین کر گئی تھیں)

"دوپٹا دیکھ کر وہ گم صم ہو گئی تھی...... پریشان وہ تب زیادہ ہوتی رہی تھی جب اس بدمعاش کے فون آتے تھے...... تین بار فون آئے تھے...... اتفاقاً تینوں ہی بار نورو بہن نے فون اٹھایا اور سنا...... تب اس کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے...... اگر بخاری صاحب نے فون اٹھا لیا تو وہ انہیں کس طرح یقین دلائے گی کہ ہماری بیٹی بے قصور ہے...... بس یہی فکر لگ جاتی اسے...... کئی دنوں تک فون کی گھنٹی بجنے پر لرز جاتی...... مگر دوپٹا دیکھ کر اس کا یقین طوفان کی زد میں آ گیا۔ وہ لٹھے کی طرح بے جان اور سفید پڑ گئی تھی...... میں نے اسے سمجھایا۔ نورو...... تیری بیٹی ایسی نہیں ہے، اس نے تو یونیورسٹی میں داخلہ بھی اس لیے نہ لیا کہ مردوں میں پڑھنا پڑتا ہے...... میں نے کہا مجھے یہ بندہ اس کی سہیلی کے گھر کا بندہ لگتا ہے یہ بڑا ہی مکار و بدمعاش ہے۔" مگر نورو کو چپ لگ گئی تھی...... اس دن کے بعد اس کے چہرے پر ہنسی نہیں آئی۔ اس دن کے بعد اس نے جیا بھی کتنے دن...... تیسرے دن ختم ہو گئی۔ ہاں بس ایک بات بولی تھی کہ "صفہ نخبہ کے گھر جب گئی تھی تو یہی سوٹ پہن کر گئی تھی......" تو میں نے کہا پھر تو معما ہی حل ہو گیا...... نخبہ کا بھائی ہے بدمعاش، نخبہ کا بھائی ہو یا کوئی

سے کیوں چھپایا...... میں بھی تو کبھی لڑکی رہی ہوں...... میں بھی عورت ہوں، برے لوگ، بدمعاش پیچھے پڑ جاتے ہیں، بیٹی ماں سے بڑھ کر کسی کے قریب ہوتی ہے......" میرو خالہ نصیحت کے انداز میں بولے جاتی تھیں اور صفہ پشیمانی کی کند چھری سے ذبح ہو رہی تھی...... ماں کے نہ ہونے کا درد پہلے سے زیادہ شدت سے وارد ہوا جاتا تھا۔ کاش وہ اماں کے جوتوں میں بیٹھ کر معافی مانگ لیتی، وہ سارا سچ بتا دیتی پھر بے شک ابا صاحب اسے بندوق لے کر گولی مار دیتے یا کسی غریب بڈھے سے بیاہ دیتے، وہ زندہ رہتے، ان کا غصہ ٹھنڈا ہو جاتا، ان دونوں کو مار کر اپنی زندگی بچا کر پچھتاوے کی آگ میں عمر بھر جلنے سے تو اچھا ہوتا...... وہ اپنی جنت راضی کر لیتی...... اپنا سچ جھیل جاتی......

"اب کہاں ان کو جا کے ڈھونڈوں...... کہاں کے ملوں...... کیسے معافی مانگوں...... کیا کروں میرے اللہ......" وہ ہونٹ پیوست پتھر کی طرح ساکت تھی مگر آنکھوں کے جھرنے چیخ رہے تھے۔ اتنی شدت سے آنسو بہہ رہے تھے کہ میرو خالہ کی ہتھیلی اس کے آنسوؤں سے بھر گئی اسے جھاڑ کر وہ اسے سینے سے لگاتی اور سر پر بوسے دیتی تھیں۔ وہ اس کے اندوہ سے ڈر گئی تھیں...... وہ دلاسے دیتی تھیں، چمکارتی تھیں مگر صفہ کو آنسوؤں کی یلغار میں سانس تک نہیں آتی تھی جیسے کوئی بچہ ضد میں روتے، روتے ایک سانس میں پھنس جائے اور حلق سے آواز نہ نکل پائے...... آنسوؤں کے کنویں میں تڑپتا دل کہیں ایک تھمے سانس پا کر سنبھلا تو اس کی چیختی ہوئی آواز نکلی۔

"میرو خالہ......"

"ہاں...... میری جند...... خالہ قربان، خالہ صدقے......"

"وہ دوپٹا...... میرا ہے۔" پھر ایک آنسوؤں کا دریا اور ٹوٹا تھا۔ "مگر میں، بری نہیں ہوں۔" پھر کہیں گُل خزانہ۔ خالہ نے سینے سے چمٹا لیا۔

بری...... چہرہ دیکھ کر پتا چل جاتا ہے، صفہ میری بیٹی، صبر اور نماز کے ساتھ اللہ سے مدد مانگو، صبر مانگو، وہ تمہیں قرار دے، دے بھول جاؤ، بھولنے کی کوشش کرو...... ماں کے بعد خالہ ہوتی ہے، میرا پیٹ تیری ماں کا پیٹ ہے۔ ایک ماں مر گئی...... دوسری ماں چلتی پھرتی قبر ہے۔ قبر میں دفن ہو گئی یہ بات بیٹی...... میں نے آج تک اجمل تک سے ایسی بات نہیں دہرائی...... نہ کروں گی......"

"اماں کیوں مر گئی......؟ مجھ سے پوچھے بغیر کہ میں بری ہوں...... میرا جواب لیے بغیر۔ وہ وہاں جاتی...... وہ مجھے بلا لیتی...... وہ درس گاہ میں آ کر سب کے سامنے مجھے جوتے لگاتی...... سزا سنانے سے پہلے صفائی کا موقع تو دیتی...... اس طرح تو نہیں کرتے اماں...... میرو خالہ......"

"اس کے بس میں کچھ نہیں تھا...... موت، زندگی اللہ کے اختیار میں ہے...... وہ تو دوا لینے گئی تھی...... خاوند کے چیک اپ کرانے گئی تھی...... اللہ کو یہی منظور تھا۔ وہی ہو کر رہتا ہے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے۔"

زندگی میں بارہا سنی ہوئی یہ ضرب المثل آج پہلی بار اس پر تفسیر ہوا۔ بے شک اللہ نے اسی ترتیب سے سب لکھا تھا...... انسان کو خبر نہیں ہوتی کہ وہ مرض الموت میں مبتلا ہو چکا ہے، اس کی بربادی کی اینٹ لگا دی گئی تھی۔ واقعات کی ساری ترتیب ایک کڑی سزا پر اختتام ہوئی اور سزا یافتہ صرف صفہ تھی...... کیا واقعات واقعی یہاں پر آ کر رک گئے تھے؟ اور کیا واقعی یہی حتمی فیصلہ تھا؟ متورم آنکھوں والی صفہ کو تو ایسا ہی لگ رہا تھا مگر اس کا علم محدود، سوچ زمانۂ حال تک محیط تھی کیونکہ...... عالم الغیب ہی غیب جانتا ہے۔

صفہ خاموش ہوئی تو بالکل سپاٹ ہو گئی...... اپنے اول میں دبک گئی۔ میرو خالہ نے اسے اپنے ساتھ لٹا لیا اور تھپکتی رہیں۔ تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑے، نیند کی پُرسکون آغوش نے سمیٹ لیا۔

لگی۔ زندگی معمول کا راستہ پکڑنے کی تگ و دو میں تھی مگر معمول ملتا ہی نہیں تھا۔ میرو خالہ کا سادات حویلی میں سدا بیٹھے رہنا اور صفہ کا اُن کے گھٹنے سے لگ کر بیٹھے رہنا معمول نہ تھا اور نہ بن سکتا تھا۔

☆☆☆

دو مہینے گزر چکے تھے...... میرو خالہ نے تلاوت کے بعد قرآن پاک بند کیا آنکھوں سے چوما، جزدان میں رکھ کر شبانہ کو آواز دی۔ شبانہ نے قرآن پاک سنبھال کر اونچی جگہ رکھا۔ میرو خالہ نے تسبیح پکڑ لی۔ سامنے صحن کے پرلے حصے میں اماں بتولاں کپڑے دھو رہی تھی۔ شبانہ بھی اس کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ ماسی خیراں، میرو خالہ کے پاس ہی فرش پر بیٹھی پودینے کی پتیاں صاف کر رہی تھی۔ ملازموں نے آج چٹنی سے روٹی کھانے کی فرمائش کی تھی۔ چٹنی، دہی لسی ان سب کو بے حد پسند تھی لیکن جب سے سادات حویلی میں دو، دو اموات ہوئی تھیں احباب و اقارب کی جانب سے مسلسل گوشت کے سالن آتے، سوئم، جمعراتیں، اکیسواں، دیگیں اترتی رہیں۔ گھر والے یعنی میرو خالہ، صفہ، اجمل بھائی، برائے نام کھاتے، خیراتیں غربا اور ملازمین کے ٹبر کھاتے، قورمے، پلاؤ کھا، کھا کر وہ تھک گئے تھے۔ ماسی خیراں جانے کون سا سرائیکی حسینی دوہڑا گنگنا رہی تھی۔ دیوار پر ایک خاموش کوا بیٹھا تھا، صفہ اندر سے آ کر میرو خالہ کے پاس بیٹھی اور کہا۔

"میرو خالہ......"

"جی خالہ کی جان......؟"

"میں جامعہ جانا چاہتی ہوں۔"

"کیا مطلب......؟"

"میں یہاں نہیں رہنا چاہتی۔"

میرو خالہ سوالیہ نظروں سے تکنے لگیں۔ بات مکمل ہو کے بھی نامکمل تھی۔

"میرو خالہ، آپ اجمل بھائی کے ساتھ چلی جائیں، آپ یہاں اکیلی کیونکر رہ سکتی ہیں، میری بات

کوارٹر ہے، منشی ماما ان کا بھائی ہے، منشی ماما ایمان دار اور نیک شخص ہے، وہ مجھ یتیم، مسکین کی اراضی کا کچھ نہ کچھ کرتے رہیں گے...... اللہ ان کو جزائے خیر دے... مجھے پیسوں کا کیا کرنا ہے۔" میرو خالہ کا تسبیح والا ہاتھ صفہ کے سر پر آیا۔

"بیٹی، تمہاری پہاڑ جیسی زندگی پڑی ہے، پیسوں کی ضرورت کب نہیں ہوتی، منشی کا سارا گھرانا اچھا ہے، دین دار ہے یہ سب بات ٹھیک ہے...... مگر......"

"مگر......؟"

"زمینوں کے معاملات اجمل طے کرا کے جائے گا...... لکھت پڑھت سے ہوگا...... مگر...... تمہیں یوں اکیلا چھوڑ کر ملک سے باہر کیسے چلی جاؤں......؟"

"حویلی میں تالے ڈلوا دیں گے...... میں جامعہ میں پہلے رہتی تھی، اب بھی رہوں گی۔" وہ دھیرے، دھیرے ان کی ٹانگیں دبانے لگی۔ خالہ کے چہرے سے عدم اطمینان ہویدا تھا۔ صفہ بولتی رہی، وہ سنتی رہیں۔

"ہماری زندگیاں طے شدہ کہانیاں ہیں مگر ہم اس کو پہلی بار پڑھتے ہیں...... ہر فرد اپنی زندگی کی کہانی پہلی اور ایک بار پڑھتا ہے اس لیے... اسے دھچکے لگتے ہیں، قرار نہیں آتا...... مگر ہوتا وہی رہتا ہے جو فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے۔"

"میری جند میری بچی...... تمہیں اللہ نے اتنی سی عمر میں بڑی آزمائش دی ہے، بہن، بہنوئی کی جدائی صدمہ میرے لیے بھی ہے جب سے میں یہاں آ کے رہی تھی، ہم ایک دوسرے کی عادی ہو گئی تھیں...... سارا دن ہنستے بولتے گزر جاتا...... یہ خیراں مائی بیٹھی ہے...... یہ دیکھتی رہتی تھی۔ (مائی خیراں نے سر ہلاتے ہوئے آہ بھری) ہم دونوں میں تو عبادت کرنے کا لڑکیوں کی طرح مقابلہ ہوتا۔ نورو نے روزہ رکھ لیا، اب میں ضرور رکھوں گی، نورو نے تین ہفتوں میں قرآن پاک ختم کر لیا، میں اس سے پہلے ختم شریف

...... اب وہی باتیں یاد آتی رہتی ہیں۔ کوئی پیاری صورت سامنے نہیں رہی اکیلی میں بچ گئی۔ میری عمر ساٹھ سے اوپر ہے میں بخوبی جانتی ہوں جو چلے جاتے ہیں کبھی نہیں پلٹتے۔ میں اپنی باری کا انتظار کرنے میں پہلے سے زیادہ صابر ہو گئی ہوں...... مگر بیٹی تم لڑکی ہو، اکیلی ہو، صاحب جائداد ہو، تمہیں بہت لوگ اچھے بن، بن کر ملیں گے، بہلائیں، پھسلائیں گے...... کچھ ایسے ہوں گے جو دھمکیاں بھی دیں گے...... مجھے ہر طرح کے وسوسے آتے ہیں، تمہاری شادی کر جاتی، گھر بار بس جاتا پھر مجھے فکر نہ ہوتی، جامعہ میں پڑھنا، معلم بن جانا، اس فکر کا حل نہیں ہے۔"

"اور کیا حل ہے؟ میرا اندر مر گیا ہے، دنیا مجھے پہلے ہی اپنے اصلی رنگ میں نظر آ چکی تھی اب تو یہ مزید قابلِ نفرت ہو چکی ہے۔ اماں خواب میں بھی نہیں آتیں...... ابا صاحب کیسے مجھ سے لاتعلق ہو گئے...... اب میں رونا بھی اللہ کے لیے چاہتی ہوں، اللہ جلدی مان جاتا ہے، آپ کہتی ہیں میں شادی کر لوں، میں شادی کا پھندا اپنے گلے میں ڈال کر پچھتا تو سکتی ہوں خوش نہیں رہ سکتی...... میرو خالہ...... آپ کا فکر کرنا مجھے احساس دلاتا ہے کہ میں اس کرۂ ارض پر یکسر تنہا نہیں ہوں، کوئی تو ہے جو جہاں بھی ہوگا مجھے دعاؤں کے حصار میں رکھے گا۔"

ایک لمبی سانس خارج کر کے صفہ نے ڈوبتی آواز کو بحال کیا۔

"جامعہ میں اس لیے رہنا چاہتی ہوں کہ وہاں محفوظ رہوں گی...... وہی اب میری دنیا ہے، باقی جو اللہ کو منظور......!"

"ہاں اس حد تک تو تسلی ہے کہ وہاں تم محفوظ ہو، اچھا کل نہ جاؤ جب تک میں ہوں ہم ماں، بیٹی ساتھ وقت گزار لیں۔" میرو خالہ نے بانہیں بڑھائیں اور صفہ اُن کی بانہوں میں سمٹ گئی۔ دونوں رو رہی تھیں۔ اماں خیراں آہ سرد بھر کر پانی لینے چلی گئی تھیں۔



ناولٹ

محبت اور انا

سنبل

نادر کتنی ہی دیر سے بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے، ارما، میری بڑی بیٹی آئی ہوئی تھی۔ اس کی شادی ابھی تین مہینے پہلے ہی ہوئی تھی۔ ارما اور چھوٹی سوما دونوں بیٹیاں ہی میرے ساتھ کچن میں لگی ہوئی تھیں۔ میں کتنی ہی بار نادر سے کہہ چکی تھی کہ بازار سے سودا سلف لا دیں مگر ان کے تو کان پر جوں ہی نہیں رینگ رہی تھی۔ آخر میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

"کیا مسئلہ ہے نادر...... آپ کیوں میری بات نہیں سن رہے ہیں اگر لڑکے ہوتے تو میں کبھی آپ کو زحمت...... نہ دیتی۔" میرا لہجہ طنزیہ بھی تھا اور سخت بھی۔ وہ تیزی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور باہر نکل گئے

''مما، آپ بہت زیادتی کرتی ہیں بابا کے ساتھ۔'' وہ ناراضی سے بولی۔

''ہاں تم لوگوں کو تو تمام زیادتیاں میری ہی نظر آتی ہیں کب سے سودا لانے کا کہہ رہی ہوں مگر وہ اٹھ ہی نہیں رہے پھر بھی بے قصور ہیں اور میں ظالم۔ خبریں ایسے پڑھتے ہیں گویا عالمی سیاست میں حصہ لینا ہو جبکہ ہر دوسرا چینل نیوز چینل ہے۔ ہر چھوٹی بڑی خبر بریکنگ نیوز ہوتی ہے۔'' میں بولی تو بولتی ہی چلی گئی پہلے میں کہاں اتنا بولتی تھی۔ اب تو شروع ہوتی تو رکنا ہی بھول جاتی۔ اور وہ دونوں ہنسنے لگیں۔

''مما! وہ نیوز جو نیوز چینلز پر آتی ہیں صرف دیکھنے کے لائق ہوتی ہیں۔ آپ کو پتا تو ہے کہ بابا شروع سے ہی آرٹیکلز وغیرہ شوق سے پڑھتے ہیں۔'' ارما نے کہا۔

''آرٹیکلز اور فیچر کے شوقین ہیں تو مذاکرے دیکھ لیا کریں۔'' میں کہاں ہار ماننے والی تھی۔

''الامان مما! جو مذاکرے نیوز چینلز پر آتے ہیں وہ بھلا دیکھنے کے لائق ہوتے ہیں؟ ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنا اور الزامات لگانا، بدتمیزی اور بدتہذیبی کے مظاہرے ایک دوسرے کے لیے بری زبان اور لہجوں کا آزادانہ استعمال، اس پر اینکرز الامان...... عجیب و غریب سوالات کر کے اپنی بہترین کارکردگی ظاہر کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں پھر تہذیب سے اس قدر عاری کہ جن مہمانوں کو بلایا جاتا ہے ان کی بات کاٹنا، اونچی آواز میں بات کرنا، مما آئی ایم سوری تو سے کہ وہ مذاکرے کم اور مظاہرے زیادہ لگتے ہیں۔'' ارما سالن کا مسالا بھونتے ہوئے بولتی چلی گئی مگر سوما خاموش کھڑی کچھ سوچ رہی تھی کہ نادر نے آ کر سودا لاؤنج میں ڈائننگ ٹیبل پر رکھا۔

''مما! کیا آپ کی شادی آپ کی پسند سے نہیں ہوئی تھی؟ کیا بابا آپ کو ناپسند تھے؟'' سوما کا رخ... کوکنگ رینج کی طرف تھا سو اس نے باپ کو نہیں دیکھا تھا تھی۔ اس کے سوال پر میں نے چونک کر نادر کو دیکھا تو وہ مجھے گلہ آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے اندر کمرے کی جانب بڑھ گئے۔

''سومی...... ! یہ کیا سوال ہے؟'' نادر کے اندر جاتے ہی میں تیزی سے سوما کی طرف مڑی۔

''سوری مما! آپ کو برا لگا؟ مگر مجھے جو محسوس ہوا میں نے کہہ دیا۔ میں نے آپ کے انداز میں کبھی بابا کے لیے محبت محسوس نہیں کی۔ کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے کہ دو اجنبی بحالتِ مجبوری ایک ساتھ رہنے پر مجبور ہیں۔'' سوما اگرچہ سائیکالوجی کی اسٹوڈنٹ تھی۔ اس کا تجزیہ صائب تھا مگر ایسا بھی نہیں تھا۔ میں نے ارما کو دیکھا۔ وہ میری درد آشنا تھی۔

''مما! تو آپ نے ابھی تک بابا کو معاف نہیں کیا؟ مما بہت سال گزر چکے ہیں اب انہیں ...۔ معاف کر دیں۔ آپ دیکھیے گا کہ آپ کو بھی سکون ملے گا اور بابا بھی گلٹ سے آزاد ہو جائیں گے۔'' ارما نے کہا تو سوما نے الجھن آمیز نظروں سے ہم دونوں کو دیکھا اور میں نے سر جھکا لیا۔

☆☆☆

ارما کو رات میں اس کا شوہر عدیل لینے آیا۔ کھانا بہت خوشگوار ماحول میں کھایا گیا۔ ہمارے بیٹوں ایمل اور شائل کے چٹکلے محفل کو زعفران زار بنا رہے تھے اور میں نے ارما اور عدیل کے خوشی اور محبت سے چمکتے چہروں سے نظر چرائی، پتا نہیں کیوں لیکن ایک عرصے سے میں اپنی ہی نظر کے اپنے گھر اپنے بچوں اور اپنی خوشیوں کو لگ جانے کے وہم میں مبتلا ہو گئی تھی۔

کچن وغیرہ سمیٹ کر میں کمرے میں آئی تو نادر کمرے میں نہیں تھے۔ وہ اکثر رات میں مطالعے کے عادی تھے سو اس وقت بھی یقیناً اسٹڈی میں ہی تھے۔ میں نے بستر پر لیٹ کر کروٹ بدل لی۔ سوما کا سوال کسی ہتھوڑے کے مانند میرے سر پر برس رہا تھا۔ مجھے لگ رہا تھا کہ کوئی کیل ہے جو مسلسل میرے سر میں ٹھونکی

نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ آنکھوں کے آگے گزرا وقت کسی فلم کی طرح چل رہا تھا۔ تبھی نادر آ گئے انہوں نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''روما اب تو معاف کر دو اب تو بہت سا وقت گزر چکا ہے۔'' انہوں نے کہا مگر میں نے کوئی رسپانس نہیں دیا۔

''مجھے معلوم ہے تم سو نہیں رہی ہو مگر پلیز اب تو دل میں وسعت پیدا کر لو۔ اب تو سوما کو بھی احساس ہونے لگا ہے جو اس وقت بہت چھوٹی تھی۔'' انہوں نے کہا مگر میں نے اب بھی کوئی رسپانس نہیں دیا تو وہ تھک کر اپنی جگہ پر آ کر لیٹ گئے۔

☆☆☆

شارق، میرے ابی جان کے دوست حسن انکل کے بیٹے تھے۔ میرا، نادر اور شارق کا بچپن ساتھ کھیلتے کودتے گزرا تھا۔ نادر کا گھر ہمارے پڑوس میں تھا۔ حسن انکل اکثر و بیشتر ہمارے گھر آتے تھے اور شارق ہمیشہ ہی ان کے ساتھ ہوتے تھے۔ شارق مجھ سے چار سال بڑے تھے اور نادر پانچ سال، ہماری ٹرائی اینگل مشہور تھی۔

لیکن پتا نہیں شارق کو کیا ہوا کہ میں جب ایٹتھ اسٹینڈرڈ میں تھی اور وہ خود آئی کام کے سیکنڈ ایئر کے اسٹوڈنٹ تھے۔ انہوں نے حسن انکل سے کہہ سن کر میرے ہاتھ میں منگنی کی انگوٹھی ڈلوا دی۔ مجھے تو ٹھیک طرح سے حیران ہونے کا موقع بھی نہیں مل سکا۔

اتنی کم عمری میں کسی کی نظر میں سما جانے اور چاہے جانے نے مجھے ایک نشے، ایک سرشاری میں مبتلا کر دیا۔ محبت کے تو اس وقت مفہوم سے بھی میں ناآشنا تھی۔ ہاں مگر مجھے شارق سے باتیں کرنا، انہیں سوچنا ان کے ساتھ وقت گزارنا، ان کا مجھے گہری نظروں سے دیکھنا اچھا لگنے لگا مگر دوسری طرف نادر پر اس کا الٹا اثر ہوا۔ وہ ہماری مشترکہ کمپنی سے بھاگنے لگا اور اگر کبھی اس کی مجھ سے بات بھی ہوتی تو طنزیہ ہی بات کرتا۔

''تمہیں اس لنگور میں کیا نظر آیا؟'' اس دن وہ

''بہت ہو گیا نادر......'' میں نے غصے سے کہا۔

''نہیں، یہ بہت کچھ نہیں ہے۔ میرے دل میں تمہارے اس سو کالڈ فیانسی کے لیے جو کچھ ہے اگر سب اگل دیا تو تمہیں پتا لگے گا کہ بہت ہوتا کیا ہے۔'' وہ چڑچڑے پن سے بولا۔

''میں چلتی ہوں۔'' میں نے اٹھتے ہوئے ناراضی سے کہا تو اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے دوبارہ بٹھا لیا۔

''بیٹھو...... اب کچھ نہیں کہوں گا اس افریقن کے لیے۔'' اس نے کہا، میں نے اسے غصے سے گھورا تو وہ ہنس دیا اور مجھے بھی ہنسی آ گئی۔

''ویسے تمہاری قریب کی نظر کمزور ہے کیا؟'' اس نے اچانک پوچھا۔

''نہیں تو، کیوں پوچھ رہے ہو؟'' کہتے ہوئے میں نے نادر کو دیکھا تو مجھے اپنے سوال کا جواب مل گیا اور میں اندر تک لرز گئی۔ میرے لیے یہ کوئی خوش کن بات نہیں تھی کہ ہماری ٹرائی اینگل کے دو کونے مجھ میں انوالوڈ تھے، میں فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور نادر کے بہت روکنے پر بھی نہیں رکی۔ اس کے بعد سے میں نے نادر سے بچنا شروع کر دیا مگر اس کی بولتی آنکھوں سے بچنا بہت مشکل کام تھا۔ ایک ہی محلے میں دیوار سے ملی دیوار کے ساتھ گھر ہوتے ہوئے یہ کیسے ممکن تھا۔

نادر بہت خوبرو تھا۔ ہیزل آنکھیں، گولڈن براؤن دھوپ میں سونے کی طرح چمکتے بال، کھڑے نقوش اور سرخ و سپید رنگت، لمبا قد اور بھرے، بھرے جسم والا۔ اس کی سنگت پر کوئی بھی لڑکی فخر کر سکتی تھی اور دوسری جانب شارق تھے گہری سانولی رنگت والے، لمبے، سوکھے، قبول صورت...... مگر مسئلہ سارا یہ تھا کہ انہوں نے میرے جملہ حقوق اس وقت اپنے نام کروا لیے تھے جب میں محبت کے مفہوم سے بھی آشنا نہیں تھی۔ بلاشبہ اگر یہی کام پہلے نادر کر گزرتا تو میرے دل میں اترنے والا پہلا محبت کا احساس وہی ہوتا مگر اب دیر ہو چکی تھی۔

وجہ بھی نادر ہی تھا۔ وہ اس کی خوبروئی اس کی متاثر کُن شخصیت سے خائف تھے اور اب بھی ان کی کوشش ہوتی تھی کہ میں نادر سے دور رہوں مگر یہ کام تو میں خود بھی کر رہی تھی۔ اصل میں شارق عورت کی نفسیات سے ہی واقف نہیں تھے کہ اگر عورت کسی سے محبت کرنے لگے تو اس کے لیے صورت ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ محبت کو ایسے اوڑھ لپیٹ لیتی ہے کہ سامنے والے کی شخصیت میں اس کی صورت دب جاتی ہے۔ اسی لیے نادر، شارق سے زیادہ خوبرو ہو کر بھی میرے دل پر نہ چڑھ سکا۔

محبت کے اس خمار میں شروع میں تو مجھے شارق کی امی، سکینہ آنٹی کا رویہ محسوس ہی نہیں ہوا...... مگر گزرتے وقت کے ساتھ یہ احساس بڑھنے لگا کہ میں آنٹی کی ناپسندیدہ ہوں۔ وہ جب بھی گھر آتیں ان کا رویہ بڑا اوپرا اور پرایا سا ہوتا مجھ سے روڈلی بی ہیو کرتیں اور ان کی تمام باتوں کا لب لباب ہمیشہ یہی نکلتا تھا کہ لڑکیاں بہت بے دید ہو گئی ہیں، کم عمری میں ہی لڑکوں کو پھانس لیتی ہیں اور ایسا دیوانہ بنا لیتی ہیں کہ وہ ماں، باپ کو کچھ گردانتے ہی نہیں بس اپنی مرضی چلاتے ہیں۔

اور میٹرک تک پہنچتے، پہنچتے مجھے پتا چل گیا کہ انہوں نے مجھے مجبوراً قبول کیا ہے ورنہ وہ اپنی بہو کی جگہ ہمیشہ اپنی بھتیجی میرال کو دیکھتی تھیں۔ امی نے اکثر ہی ابی جان سے کہا کہ ”سکینہ کی مرضی نہیں ہے اور سچ پوچھیں تو روما اور شارق کا کوئی جوڑ بھی نہیں ہے۔ روما پری دکھتی ہے اور شارق دیو اس پر بھی سکینہ جب آتی ہیں بچی کو اور مجھے سنا کر چلی جاتی ہیں کہ روما نے ان کے شارق کو پھانس لیا ہے حالانکہ معاملہ الٹا ہے۔“ امی اس دن سکینہ آنٹی کے جانے کے بعد خاصے غصے میں تھیں۔

”سیما! حسن نے مجھے بتایا تھا کہ بھابی کی مرضی نہیں ہے، وہ اپنی بھتیجی کو لانا چاہتی ہیں مگر حسن اور شارق دونوں کو میرال پسند نہیں، خاصی تیز لڑکی ہے وہ اور رہ گئی شکل صورت کی بات تو مرد کی شکل نہیں اس کا خاندان، کردار، تعلیم اور جاب دیکھی جاتی ہے اور

کہا تو میری رکی ہوئی سانس بحال ہوئی۔ میں کچن میں ابی جان کے لیے چائے بنا رہی تھی اور وہ دونوں لاؤنج میں بیٹھے بات کر رہے تھے۔

”وہ سب تو ٹھیک ہے صاحب! مگر ابھی بچی گھر میں ہے، جب وہ ہمارے گھر میں ہماری بچی کو اتنا سنا جاتی ہیں تو بعد میں تو جانے کیا سلوک کریں گی۔“ امی کی بات درست تھی مگر میں اس دل کا کیا کرتی جو اب شارق کے نام کی مالا جپتا تھا۔

”میں بات کروں گا حسن سے مگر یہ سب کچھ ابھی قبل از وقت ہے۔ ابھی تیل دیکھو تیل کی دھار دیکھو۔“ ابی جان نے گویا بات ختم کر دی اور میں نے سکون کی سانس لی۔

☆☆☆

میرے انٹر کلیئر کرنے تک آنٹی کا انداز اتنا جارحانہ ہو گیا کہ مجھے بھی گراں گزرنے لگا اور میں نے یہ بات شارق سے کہہ بھی دی مگر مجھے ایسا لگا کہ میں نے پتھر سے سر پھوڑا ہے۔

”ارے یار، میری خاطر اتنا سا بھی برداشت نہیں کر سکتیں۔ محبت کرنے والے تو کیا، کیا نہیں کر گزرتے۔“ وہ بے پروائی سے بولا۔

”ادب پہلا قرینہ ہے، محبت کے قرینوں میں...... اگر آپ جس سے محبت کرتے ہیں اس کی عزت خود کریں نہ دوسروں سے کروائیں تو وہ محبت نہیں ہوتی۔“ میں نے دکھ سے کہا۔

”او کے، او کے میں بات کروں گا امی سے۔“ اس کا انداز سراسر جان چھڑانے والا تھا اور مجھے پتا تھا کہ وہ کبھی اُن سے بات نہیں کرے گا۔

☆☆☆

مگر ایک دن امی کی برداشت جواب دے گئی۔ اس دن آنٹی کا انداز اتنا ہتک آمیز تھا کہ امی برداشت نہیں کر سکیں۔

”سکینہ! اگر آپ کو میری بچی پسند نہیں تھی تو نہ

اور اب بھی آپ بصد شوق یہ رشتہ ختم کر سکتی ہیں۔ میری بچی کو کمی نہیں ہے رشتوں کی۔“ امی نے غصے سے کہا۔

”اور بھلا کیسے مجبور کرتے ہیں، بچی نے ادائیں دکھا، دکھا کر میرے معصوم بیٹے کو رجھالیا اور ماں کہتی ہیں ہم نے مجبور نہیں کیا۔“ آنٹی کے لبوں پر رشتہ توڑنے والی بات پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ آئی تھی اور انہوں نے طنزیہ کہا۔

”معاف کیجیے اس دیو سے لڑکیاں ڈر تو سکتی ہیں رجھا نہیں سکتیں۔ سنبھال کر رکھیں اس نمونے کو اپنی بھتیجی کے لیے۔“ امی نے کہا تو آنٹی نے شعلہ بار نظروں سے انکل کی طرف دیکھا۔

”اور بھی کچھ سنانا باقی ہے یا گھر چلیں گے۔“ آنٹی کا کام تو ہو چکا تھا رکنے کا فائدہ ہی نہیں تھا اور میں پھٹی، پھٹی آنکھوں اور سن ہوتے جذبات کے ساتھ یہ سب دیکھ رہی تھی۔ ابی اور انکل صورتِ حال کو سنبھالنے یا اپنی دوستی بچانے کی کوشش کر رہے تھے اور تب مجھے ایک امید کی کرن نظر آئی شارق...... ہاں شارق کو لے کر آئی ہوں۔ میں نے سوچا اور باہر کی طرف دوڑ لگا دی کیونکہ باہر نادر اور شارق باتیں کر رہے تھے اور مجھے یہ بات پتا تھی لیکن جیسے ہی میں باہر دروازے کے قریب پہنچی مجھے شارق کی آواز آئی۔

”میں نے روما کو چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا ہے تم چاہو تو اسے اپنا لو۔“

”تم پاگل تو نہیں ہو، تمہیں پتا ہے کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟“ نادر کی آواز حیرت و استعجاب میں ڈوبی ہوئی تھی۔

”ہاں بالکل، مجھے تو اس سے شادی کرنی ہی نہیں تھی۔“ شارق کا لہجہ بے پروا تھا گویا اسے کوئی دکھ نہیں ہے۔

”تو پھر تم نے یہ سب جو کیا ہے اس کی وجہ جان سکتا ہوں؟“ نادر کا لہجہ شعلہ بار تھا۔

”ضرور جانو یہ تمہارا حق ہے۔“ شارق کا لہجہ تمسخر اڑاتا ہوا تھا۔

”میں اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہوں گھر

والوں کا ہی نہیں، خاندان بھر کا لاڈلا ہوں۔ میرے ناز اٹھائے جاتے، مجھ پر صدقے واری جایا جاتا۔ میری نظریں اتارتی ہیں نظر کے ٹیکے لگتے ہیں صدقے خیرات مجھ پر وارے جاتے اور جب میں یہاں آیا تو مجھے ایک نئی کیفیت سے گزرنا پڑا۔ مجھے عادت تھی نمایاں رہنے کی۔ اہمیت اور توجہ وصول کرنے کی...... مگر یہاں تو کسی آئے گئے کو تم دونوں کے علاوہ تیسرا وجود نظر ہی نہیں آتا تھا۔ گھر والے ہوں یا باہر والے، بات روما کے پریوں جیسے حسن سے شروع ہو کر تمہارے دیو مالائی حسن پر ختم ہو جاتی اور میں کھڑا منہ دیکھتا رہ جاتا اور میرے اندر سانپ لوٹ جاتے۔ تب میں نے منگنی کا شوشا چھوڑ کر روما کو اپنی جانب راغب کیا اور اب میں نے خود ہی اسے چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔“ شارق کی داستانِ امیر حمزہ ختم ہوئی۔

”میں اب بھی تمہارا مقصد نہیں سمجھ سکا، تم روما کو چھوڑ دو گے تو میں اپنی محبت کو اپنا لوں گا؟“ نادر کے لہجے میں الجھن تھی۔

”بہت ناسمجھ ہو...... سب سے پہلے تو اس فیری ٹوپیا کی فیری کا دل ٹوٹے گا اور دوسرے جس دل کی سرزمین پر تم اپنے نام کا کنول کھلانا چاہتے تھے... یہ میں پہلے ہی محسوس کر چکا تھا۔ اسی کورے دل پر میں اپنا نام لکھ چکا ہوں اور پہلی محبت کا تمہیں پتا ہے ناں! عورت کے لیے اس کی کیا حیثیت ہوتی ہے۔ کبھی نہیں بھولتی بیچاری۔ اور رہ گئے تم...... تو اس دیو مالائی حسن کے ساتھ بھی تم دوسرے نمبر پر ہی رہو گے۔“ شارق کے لہجے میں زہر ہی زہر تھا۔

”مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میری محبت جس مقام پر ہے، وہاں یہ چھوٹی، چھوٹی باتیں میٹر نہیں کرتیں اور رہ گئی روما تو وہ بہت پریکٹیکل لڑکی ہے۔ جب اسے تمہاری اصلیت پتا چلے گی تو وہ تمہارا نام دھو کر نہیں، کھرچ کر باہر نکالے گی۔“ نادر کا لہجہ... پُریقین تھا اس پر شارق نے بڑا زہریلا قہقہہ لگایا تھا۔

”ارے مسٹر نادر! آپ کو تو پتا ہی نہیں ہے عورت

کے دل کی کیمسٹری، وہ سب بھول جاتی ہے مگر پہلی محبت کبھی نہیں بھولتی اور یہ ہے میرا انتقام تم دونوں سے۔ اب لے کر اپنے، اپنے حسن کو چاٹتے رہو، میں شادی تو اپنے جیسی ہی کسی لڑکی سے کروں گا۔ حسین لڑکی سے شادی کر کے زندگی بھر کا روگ نہیں لگانا مجھے۔'' وہ پُرسکون تھا۔

''ٹھیک ہی کیا تم نے، ورنہ پہلوئے حور میں لنگور ہی دکھتے۔'' نادر نے جل کر کہا تو شارق نے زوردار قہقہہ لگایا۔

''اب کچھ بھی کہو، تم دونوں بری طرح ہار چکے ہو، تم دونوں کو شہ اور مات ساتھ ہی ملی ہے۔ اب میں اندر جا کر دیکھوں، امی آخری گیم کھیل چکی ہوں گی۔'' وہ بڑی ترنگ سے کہتا ہوا آگے بڑھا اور مجھے لگا کہ چھت میرے سر پر آگری ہو..... تو گویا یہ طے شدہ منصوبے کے تحت تھا اور میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا پھر مجھے کچھ نہیں پتا کیا ہوا۔

میری آنکھ اسپتال میں کھلی تھی۔ ابی میرے بیڈ کے قریب کرسی رکھے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے تھے اور میرے دوسرے ہاتھ میں ڈرپ لگی ہوئی تھی۔ اس میں سے قطرہ، قطرہ زندگی میرے اندر اتر رہی تھی۔ اسپتالوں والی مخصوص خاموشی اور دواؤں اور اسپرٹ کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ امی نے مجھے ہوش میں آتا دیکھ کر فوراً جائے نماز سنبھال لی تھی۔ ابی نے ہولے سے میرا ہاتھ سہلاتے ہوئے کہا۔

''اپنے ابی پر اعتبار نہیں تھا سارا اسٹریس خود لے لیا۔ میں سب ٹھیک کر دوں گا۔'' انہوں نے پیار سے میری پیشانی چومی۔

''کچھ ٹھیک کرنے کی ضرورت نہیں ہے ابی جان' امی اسے شروع سے gaint کہتی تھیں مگر مجھے اب پتا چلا ہے کہ وہ gaint نہیں۔ ghost ہے اور میری بددعا ہے کہ وہ کبھی چین وسکون سے نہ رہے۔'' میں نے دکھ سے کہا تو ابی نے مجھے حیرت سے دیکھا تو میں کچھ

امی، ابی سے ہی مجھے پتا چلا کہ میں دو دن بعد ہوش میں آئی تھی اور میں نے اتنا شدید اسٹریس لیا تھا کہ مجھے نروس بریک ڈاؤن ہوتے، ہوتے بچا۔

☆☆☆

میں نے بی ایس سی میں ایڈمیشن لے لیا تبھی نادر کا رشتہ آ گیا۔ میں نے ابی کو کہہ دیا اب جب تک میں اپنی تعلیم مکمل نہیں کر لیتی ایسا کوئی سلسلہ نہ چلایا جائے اور ابی نے نادر کے گھر والوں کو بتا دیا۔ میری اور نادر کی اب بھی ویسی ہی دوستی تھی۔ ہم اب بھی دنیا جہان کی باتیں کرتے تھے مگر اب ہماری باتوں میں اچانک خاموشی کے طویل وقفے در آئے تھے۔ میں نے نیوکلیئر فزکس میں ایم ایس سی کیا تو نادر کا دوبارہ رشتہ آیا۔ میں نے کہہ دیا کہ مجھے پی ایچ ڈی کرنا ہے۔ میں ایم فل میں ایڈمیشن لے رہی ہوں اور تب نادر میرے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔

''اب جو کچھ بھی کرنا ہے میرے گھر آ کر کرنا، بہت طویل انتظار کیا ہے میں نے اب میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔'' اس کا گمبھیر لہجہ ہی نہیں اس کی آنکھیں بھی بول رہی تھیں اور میری نظریں جھکتی چلی گئیں۔

☆☆☆

ہماری شادی ہو گئی مگر شادی سے قبل ہی میں نے اپنے دل سے شارق کے نام کا ہر ملال دھو ڈالا۔ نادر نے کبھی مڑ کر مجھ سے اس کے بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی۔ شادی کے بعد واقعی میرا ہر دن عید اور ہر رات شب برات تھی۔ نادر نے مجھے اتنا چاہا کہ کبھی شارق کے نام کا گزر بھی ذہن سے ہوا تو بڑی ناگواری کے ساتھ۔

پہلے ہی سال میں ارما کی ماں بن گئی تیسرے سال ایمل اور شائل اکٹھے آ گئے اور پانچویں سال سوہا۔ زندگی مصروف ہو گئی مگر میں سوہا کے بعد سے بیمار رہنے لگی تھی اور ازلی مشرقی عورتوں والی بے پروائی کہ گھریلو ٹوٹکے تو چلا لیے مگر ڈاکٹر کے پاس نہیں جانا سو میں آئے دن بیمار رہنے لگی۔ نادر نے نہ صرف مجھے

کہہ دیا کہ انہیں اب مزید اولاد کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے مزید اس جھنجٹ میں نہیں پڑنا چاہیے۔ مجھے اس دن نادر پر بڑا ٹوٹ کر پیار آیا اور پھر شاید میری گرہستی کو میری ہی نظر لگ گئی۔

☆☆☆

اس دن نادر گھر پر نہیں تھے۔ بچے اسکول سے آنے کے بعد سو چکے تھے۔ تب دروازے پر بیل ہوئی۔ یہ وقت نادر کے آنے کا نہیں تھا۔ میں خود بھی سونے کے لیے لیٹنے لگی تھی کہ بیل ہوئی تھی۔ میں جھنجلا کر اٹھی تھی مگر دروازہ کھولنے پر میں سن ہو گئی۔

دروازے پر شارق کھڑا تھا۔ ایک دبلی پتلی مدقوق سانولی عام سی شکل صورت کی عورت کے ہمراہ..... گو کہ وہ میرے دل میں اب کہیں بھی نہیں تھا مگر میں اسے اپنے گھر کے دروازے پر دیکھ کر شاکڈ ہو گئی..... پھر میرے اندر سے ناگواری کی لہر سی اٹھی۔

''کیسے آنا ہوا؟'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔

''اندر نہیں آنے دو گی؟'' شارق نے پوچھا۔

''آ جاؤ'' میں نے راستہ چھوڑ کر کہا۔

اور وہ دونوں میرے پیچھے چلتے ہوئے لاؤنج میں آ گئے۔ میں نے انہیں بٹھا کر پانی دیا۔ پانی پی کر شارق نے نظریں گھما کر ارد گرد دیکھا۔

''گھر تو بڑا اچھا سیٹ کیا ہے۔'' اس نے کہا مگر میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''نادر تو آفس میں ہو گا، بچے کہاں ہیں؟'' اس کے لہجے میں اشتیاق تھا۔

''فضول مت گھماؤ، ناؤ کم ٹو دا پوائنٹ.....'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔

''مجھے تم سے معافی مانگنی ہے۔ میں نے تمہارا دل دکھایا تھا اور اس کی سزا میں آج تک بھگت رہا ہوں۔'' اچانک ہی اس کا لہجہ التجائیہ ہو گیا۔

''نہیں، نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے اس سلسلے میں تو میں تمہاری شکر گزار ہوں کہ تم جیسے گھوسٹ نے مجھے خود چھوڑ دیا ورنہ نادر جیسا شاندار شخص میرا نصیب

مردم شماری

''بیگم وہ جو تم نے نئی نوکرانی رکھی تھی اسے نوکری سے جواب کیوں دے دیا؟'' خاوند نے گھر کے معاملات میں دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے بیوی سے سوال کیا۔

''بس یونہی......'' بیوی نے جواب دیا۔

''یہ کیا جواب ہوا؟'' خاوند نے مزید پوچھا۔ ''کیا وہ قابلِ اعتبار لڑکی نہ تھی؟''

''جی مجھے تو اس پر پورا اعتبار تھا۔''

''تو پھر......؟''

''مجھے آپ پر اعتبار نہیں تھا۔''

انتخاب: غزالہ، حیدر آباد

غزل

خیالوں میں تیرے رہنا بڑا مہنگا پڑا ہے
تری الفت کا یہ گہنا بڑا مہنگا پڑا ہے

مری آہوں میں بدلیں ساری خوشیاں
یوں آنسو کی طرح بہنا بڑا مہنگا پڑا ہے

ترے وعدوں نے مجھ کو تو دیوانہ کر دیا ہے
لباسِ عشق جو پہنا بڑا مہنگا پڑا ہے

بہاروں کی رہی ہوں منتظر کس کو بتاؤں
غموں کی دھوپ کو سہنا بڑا مہنگا پڑا ہے

مری فریاد اب خانم سنے گا میرا مولا
کسی سے حالِ دل کہنا بڑا مہنگا پڑا ہے

شاعرہ: فریدہ خانم، لاہور

کیسے بنتا۔'' میں نے تمسخرانہ انداز میں اس سے کہا۔

''پلیز رومی......'' اس نے لجاجت سے کہا اور میں نے اس کی بات درمیان میں کاٹ دی۔

''ڈونٹ کال می رومی! اس نام سے صرف مجھے نادر پکار سکتے ہیں مائی نیم از مسز روما نادر انڈر اسٹینڈ......!'' میں نے چبا، چبا کر کہا۔

''او کے روما، پر مجھے معاف کر دو...... میں آج بارہ سال گزرنے کے بعد بھی تمہاری بددعا کے زیر اثر ہوں۔'' وہ دکھی لہجے میں بولا۔

''مسٹر شارق حسن......! اس تعلق کے ٹوٹنے کے بعد میں نے تمہیں کبھی اس لائق بھی نہیں سمجھا کہ اپنی... بددعاؤں میں تمہیں جگہ دوں۔'' میں نے تنفر سے کہا۔

''میں نے تو بہت لوگوں کا دل دکھایا تھا۔ کسی نہ کسی کی... بددعاؤں میں تو ہوں گا اور میں سب سے معافی بھی مانگوں گا...... تم، نادر، آنٹی، انکل کسی نہ کسی کے دل سے تو بددعا نکلی ہوگی جس نے میری پوری زندگی بددعا بنا دی۔ تم سے تعلق ختم ہوتے ہی کچھ دنوں بعد ابو پہلے ہی ہارٹ اٹیک میں راہی عدم ہو گئے۔ مجھے کاروبار کی کچھ نہیں تھی۔ آہستہ، آہستہ کاروبار ختم ہوتا چلا گیا۔ امی نے میری شادی اپنی بھانجی میرال سے کر دی۔ میں ایک شاہانہ لائف اسٹائل کا عادی، نوکری سے اتنا ملتا نہیں تھا۔ ایک تو میں خود چڑ چڑا رہنے لگا تھا اوپر سے بیوی انتہائی نخریلی کسی کام کو ہاتھ نہ لگاتی۔ امی کو دنوں میں اندازہ ہو گیا کہ وہ تمہارے ساتھ کیے ہوئے کا بھگتان بھگت رہی ہیں۔ آئے دن گھر میں برتن ٹوٹتے۔ میں بھی آخر انسان تھا، آفس کی ٹینشن اور گھر میں فساد...... آخر ایک دن جھگڑے میں، میں نے اس فساد سے نجات حاصل کر لی اور میرال کو طلاق دے دی۔ اس کے کچھ دنوں بعد میں نے اپنے ساتھ آفس میں کام کرنے والے ایک دوست کی بہن نائلہ سے شادی کر لی۔'' اس نے اپنے برابر میں بیٹھی خاموشی سے سب کچھ سنتی عورت کی طرف دیکھا۔

''میری دوسری شادی کے بعد سے گھر میں تو کچھ سکون ہو گیا مگر امی کی طبیعت خراب رہنے لگی اور انہیں معدے کا کینسر تشخیص ہوا۔ میں مسلسل حالات کی چکی میں پس، پس کر چڑ چڑا ہو چکا تھا۔ امی کا مہنگا علاج، کم وسائل زیادہ مسائل...... میں بھی، کبھی امی پر بھی چڑھ دوڑتا...... مگر امی نے چپ سادھ لی تھی۔ وہ عبادت میں مشغول رہتیں۔ گڑ گڑا کر اپنے گناہوں کی معافیاں مانگتیں اور تب میں نے جانا کہ ہم یقیناً کسی بددعا کے زیر اثر ہیں۔ بہر حال امی اپنے گناہوں کی معافیاں مانگتی، مانگتی اوپر چلی گئیں۔ مگر ان میں اتنی ہمت نہ ہو سکی کہ وہ انکل، آنٹی یا تم سے معافی مانگ لیتیں۔ امی کے بعد ہم دونوں کو احساس ہوا کہ ہم پچھلے دو سالوں سے ساتھ ہیں اور اب تک بے اولاد ہیں۔ نائلہ کے اور میرے ٹیسٹ وغیرہ سب کچھ ہوئے، سب کلیئر تھا مگر اولاد کو نہ ہونا تھا اور نہ ہوئی، ہر اچھا ڈاکٹر، ہر درگاہ، ہر آستانہ ہماری جبینوں سے چھوا گیا مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔ آخر بارہ سال بعد اللہ نے کرم کیا ہمارے ہاں ٹوئنز ہوئے ہیں مگر دونوں پیٹ سے جڑے ہوئے ہیں۔ ڈاکٹرز کہتے ہیں ان کا بچنا محال ہے کیونکہ وہ بظاہر دو دھڑ ہیں مگر ان کے اندرونی اعضا ایک، ایک ہیں دونوں کی kidneys ایک، ایک ہے۔ لنگز ایک، ایک ہیں۔ ہارٹ ایک ہی ہے۔ معدہ بھی ایک ہی ہے۔ میں بہت لمبی سزا کاٹ چکا ہوں، اب اور برداشت نہیں ہوتا۔ تم مجھے معاف کر دو۔'' وہ دونوں گھٹنوں کے بل میرے سامنے جھک گیا اور اپنے دونوں ہاتھ میرے سامنے جوڑ لیے۔ اور مجھ پر لرزہ طاری ہو گیا۔ میں کیوں فرعون بنی بیٹھی ہوں جبکہ میرا رب بہترین حساب کتاب رکھنے والا ہے۔ پھر میں ایک جھرجھری لے کر سیدھی ہوئی۔ نائلہ بھی رو رہی تھی۔

''میں نے اللہ کے لیے تمہیں معاف کیا، میرا رب بھی تمہیں معاف کرے۔'' میں نے کہا تو اُن دونوں نے تشکر سے مجھے دیکھا پھر وہ دونوں رکے نہیں، جلدی اٹھ گئے۔

اس دن نادر کی واپسی جلدی ہو گئی گھر میں داخل ہوتے ہی انہوں نے پوچھا۔

''کیا کوئی آیا تھا؟'' انداز تفتیشی نہیں تھا مگر میں چونک گئی۔

''ہاں شارق اور اس کی بیوی آئے تھے۔'' میں نے بے پروا سے لہجے میں کہا۔ ان کا کف کھولتا ہاتھ رکا تھا۔

''وہ کیوں آئے تھے؟'' ان کے لہجے میں نفرت ہی نفرت تھی۔

''معافی...... مانگنے آئے تھے۔'' میں نے شلوار، قمیص ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''معافی کیسی معافی اور اب کیوں؟'' وہ ابھی تک الجھے ہوئے تھے۔

''آپ فریش ہو کر آئیں، بتاتی ہوں۔'' میں نے کہا تو وہ باتھ روم چلے گئے۔ فریش ہو کر آئے تو میں نے ساری بات بتائی اور ان سے کہا کہ وہ بھی اسے معاف کر دیں۔

''ٹھیک ہے میں نے اسے معاف کیا اپنے اللہ کے لیے۔ میرا اللہ بھی اسے معاف کرے مگر اب وہ دوبارہ یہاں نہ آئے۔'' انہوں نے تنبیہ کی۔

''دوبارہ وہ یہاں کیوں آئے گا۔ اب بھی اپنی غرض سے ہی آیا تھا۔'' میں نے کہا تو وہ ریلیکس ہو کر چائے پینے لگے۔

☆☆☆

ہمارے سامنے والا گھر ابھی پچھلے ہی مہینے بکا تھا۔ اب وہاں شفٹنگ ہو رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ وہ مصروف ہوں گے سو دوپہر کا کھانا تیار کر کے ٹرے میں رکھ کر لے کر ان کے گھر چلی گئی وہاں جا کر مجھے پتا چلا کہ وہ میری کلاس فیلو لیلیٰ تھی۔ لیلیٰ نے میرے ساتھ میٹرک کیا تھا۔ لیلیٰ مجھے ذاتی طور پر کبھی پسند نہیں رہی تھی۔ وہ انتہا سے زیادہ خود پسند لڑکی تھی۔ اس کے پاس بیٹھنے کا مطلب...... میں، مجھے، میرا، مجھ سے، میرے لیے جیسے الفاظ کا ذخیرہ بڑھانا ہوتا تھا۔ اس کا میٹرک میں ہی اپنے کسی کزن سے شدید قسم کا افیئر چلا تھا اور یہ افیئر اتنا

چلی جاتی تھی۔ ٹیچرز اس کے والدین کو بلا کر ان کی... بے عزتی کرتے مگر وہ سننے والی کہاں تھی۔ اس کے دھواں دھار افیئر کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ پانچوں پیپرز میں شاندار طریقے سے فیل ہو گئی پھر جب کے بعد میری اس سے اب ملاقات ہوئی تھی۔ اسے میں نے 7th اسٹینڈرڈ کے بعد سے ہمیشہ ہلکے میک اپ میں دیکھا۔ وہ خوب صورتوں میں شمار نہیں ہوتی تھی مگر اسے اچھا لگنا آتا تھا اور اب بھی میں بیزاری سے اس کا ''میں سے مجھ'' تک سن رہی تھی اور اس کی زبانی مجھے پتا چلا کہ اس نے اگلے سال کلاس ریپیٹ کر کے میٹرک کے پیپرز دیے تھے اور اسی سال اس کی اپنے اسی کزن محسن سے شادی ہو گئی تھی جو بہ مشکل دو سال چلی اور اسے طلاق ہو گئی۔ اس کے بعد اس نے گریجویشن کیا پھر اس کی دوسری شادی اپنے کسی دور پار کے کزن سے ہو گئی۔ یہ شادی ایک سال چلی اور تب سے اس نے شادی کے نام سے توبہ کر لی اور وہ اپنے دونوں سابقہ شوہروں کو بے بھاؤ کی سنا رہی تھی کہ انہوں نے اس جیسی مس یونی ورس کو کھو دیا ہے۔ ایک تو بہت زیادہ بولنے والے اپنے آدھے سے زیادہ راز خود کھول دیتے ہیں۔ میں اتنی کوفت میں مبتلا تھی کہ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس کا میں نامہ کہاں ختم ہوگا۔ اس کے ابو کا انتقال ہو چکا تھا۔ اسے اپنے ابو کے ترکے سے حصہ ملا تھا۔ اس سے اس نے یہ گھر خریدا تھا۔ اور وہ یہاں شفٹ ہوئی تھی۔ ابھی اس کا خودنامہ جاری ہی تھا کہ میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

''لیلیٰ! برتن تم بعد میں بھجوا دینا ابھی بچے آنے والے ہیں تو میں چلتی ہوں۔'' میں نے کہا۔

''ارے! میں نے تمہارے بارے میں تو پوچھا ہی نہیں، بچے کتنے ہیں، شوہر کیا کرتے ہیں؟'' وہ کھلکھلا کر ہنستے ہوئے بولی تھی۔

''بہت شکریہ آپ کا کہ آپ نے مجھے اتنی اہمیت دی مگر فی الحال ابھی میں رک نہیں سکتی۔''

میں طنزیہ کہتے ہوئے باہر کی جانب بڑھی مگر وہ تو

قہقہہ لگا کر ہنسی......

☆☆☆

اس دن چھٹی تھی اور چھٹی والے دن کا لنچ اور ڈنر میں ہمیشہ ہی اچھا بناتی تھی۔ دوپہر میں کوئی فاسٹ فوڈ آئٹم اور رات میں دیسی تڑکا......سو پورا دن مصروف گزرتا۔ شام کی چکن کڑاہی اور نادر کا فیورٹ مٹن کنا بنا کر میں شاور لے کر باہر آئی تو لیلیٰ آئی ہوئی تھی اور نادر کو دیکھتے ہوئے اس کی نظروں میں عجیب سی چمک اور اشتیاق تھا۔ میری چھٹی حس نے فوراً مجھے ہلا دیا تھا۔ ایسی ہی چمک اس کی آنکھوں میں تب ہوتی تھی جب اس کا اپنے کزن سے افیئر چل رہا تھا لیکن میں نے محسوس نہیں ہونے دیا اور ہلکے پھلکے انداز میں پوچھا۔

''اوئے لیلیٰ! تم کب آئیں؟''

''اب تو لگتا ہے بہت دیر سے آئی ہوں۔'' اس کی نظریں مستقل نادر پر جمی ہوئی تھیں جو کہ سوہا کو گدگدا رہے تھے اور وہ کھلکھلا کر ہنس رہی تھی۔ میں نے بادلِ ناخواستہ سب کا تعارف کرایا۔

''نادر! مگر میں نے تو سنا تھا کہ تمہارے منگیتر کا نام کچھ اور تھا اور وہ تمہارے مقابلے میں خاصا کم رو بلکہ بدصورت تھا۔'' اس نے تجاہلِ عارفانہ سے کہا۔

''ہاں میری اس سے منگنی ختم ہو گئی تھی اور میں اور نادر بنے ہی ایک دوسرے کے لیے تھے سو یہ مجھے مل گئے۔'' میں نے ہلکے پھلکے انداز میں کہہ کر نادر کو دیکھا تو وہ مسکرا دیے تھے۔

''مگر اتنے کم صورت انسان نے تمہارے جیسی خوب صورت لڑکی کو چھوڑا کیوں؟'' پوچھتے ہوئے اس کے لبوں پر بڑی زہریلی مسکراہٹ تھی۔

''سائیکو تھا مگر یہ تو اس کا ہم پر احسان تھا کہ ہمارے درمیان سے نکل گیا۔'' نادر نے مسکرا کر مجھے دیکھا تو میں کھل کر مسکرا دی اگر جیون ساتھی آپ کے ساتھ کھڑا ہو تو کوئی خطرہ، خطرہ نہیں لگتا۔

لیلیٰ کے چہرے پر بڑی تیزی سے مسکراہٹ سمٹی تھی۔ اس نے بڑی تیزی سے بات پلٹی تھی۔

''ماشاءاللہ......'' نادر نے فوراً سے پیشتر کہا تھا۔

''ظاہر ہے ہمارے بچے ہم پر ہی جائیں گے۔'' انہوں نے دوبارہ کہا اور اس دن لیلیٰ بڑی دیر ہمارے گھر رکی رہی تھی۔ کھانا بھی اس نے ہمارے گھر ہی کھایا تھا۔

☆☆☆

دوسرے دن نادر گھر سے نکل ہی رہے تھے کہ لیلیٰ فوراً اپنے گھر سے باہر نکل آئی تھی۔

''نادر بھائی، میرا آفس آپ کے آفس کے راستے میں ہے۔ آپ مجھے چھوڑ دیا کریں گے؟'' اس نے پوچھا اور نادر نے مڑ کر میری طرف دیکھا۔ میں نے اثبات میں سر ہلا دیا اور اس لمحے میں نے لیلیٰ کی آنکھوں میں حسد کی واضح لہر محسوس کی تھی۔

پھر اچانک کوئی تبدیلی آنے لگی تھی جو زیادہ تو نہیں تھی مگر محسوس ہونے لگی تھی۔ نادر کے آفس ٹائمنگو بڑھنے لگے تھے۔ پوچھنے پر کام کی زیادتی ہی ہوتی۔ میں نے زیادہ توجہ نہیں دی کیونکہ نادر میرا اور بچوں کو اسی طرح خیال رکھ رہے تھے۔ ہماری ہر ضرورت اسی طرح پوری کرتے تھے پھر تبدیلی بڑھنے لگی۔ اب کام کی زیادتی اتنی ہو گئی کہ نادر کے پاس میرے اور بچوں کے لیے وقت ہی نہیں بچا تو میں ایک دن گلہ کر بیٹھی۔

''کیا بات ہے نادر ایسا کون سا کام ہے کہ آپ کو میں اور بچے بھی یاد نہیں ہیں؟'' میرے لہجے میں گلہ ہی گلہ تھا۔

''نئے آفس کا کام، تمہیں کیا پتا تم تو آرام سے گھر میں بیٹھی ہو۔ تمہیں اتنا مسئلہ ہو رہا ہے تو میں جاب چھوڑ کر گھر بیٹھ جاتا ہوں۔'' نادر کا لہجہ بہت روڈ تھا۔ میں نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

''نادر! میں نے ایسا آپ کو کیا کہہ دیا ہے کہ آپ کو اتنا برا لگا ہے۔'' میں نے کہا تو شاید نادر کو فوراً احساس ہوا اور ان کا انداز معذرت خواہانہ ہو گیا۔

''سوری...... وہ کام کی ٹینشن ہے ناں! تو بس......''

''مجھے تو یہ کام سے زیادہ کسی اور چیز کی ٹینشن لگ رہی ہے۔'' میں نے بھی غصے سے کہا۔

''تمہارے کہنے کا مطلب کیا ہے؟'' انہوں نے غصے سے مجھے دیکھا۔

''کچھ نہیں۔'' کہہ کر میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆☆☆

اس سے اگلے دن کی بات ہے۔ نادر حسبِ معمول لیٹ تھے۔ پتا نہیں مجھے کیا ہوا میں اوپر ٹیرس پر کھڑے ہو کر انتظار کرنے لگی۔ کافی دیر بعد نادر کی گاڑی آتی ہوئی نظر آئی۔ گاڑی رکنے پر اس میں سے لیلیٰ اتری اور اتر کر اس نے فلائنگ کس اچھالی جواباً نادر نے بھی یہی کچھ کیا اور میں زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔ میرا شہر بھنبھور اجڑ چکا تھا۔ میں کتنی ہی دیر زمین پر بیٹھی رہی اور آنسو ٹوٹ، ٹوٹ کر میری آنکھوں سے بہتے رہے۔ بہت دیر بعد ارما مجھے بلانے آئی۔

''مما! چلیں بہت بھوک لگ رہی ہے۔'' اس نے پیچھے سے آکر اپنے دونوں ہاتھ میرے گلے میں ڈال دیے۔

''ہاں تم چلو میں آتی ہوں۔'' میں نے اپنے آنسو پونچھے۔

''مما......! آپ رو رہی ہیں؟'' وہ گھبرائے لہجے میں بولی۔

''نہیں میرا بچہ......! کچھ آنکھوں میں چلا گیا ہے۔'' میں نے اس کے گالوں پر پیار کیا۔ ''تم چلو میں آنکھ دھو کر آتی ہوں۔'' میں نے اسے پچکارا تو وہ چلی گئی۔ میں نے واش روم جا کر منہ دھویا اور نیچے آ گئی۔ نادر ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے سرسری سی نظر مجھ پر ڈالی۔ میرا چہرہ اور آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔

''خیریت، کیا طبیعت خراب ہے؟'' ان کے الفاظ کے مقابلے میں اُن کے لہجے میں فکرمندی مفقود تھی۔

''نہیں......'' میں مختصراً کہہ کر کچن میں آ گئی۔ نادر سے پوچھنا بیکار تھا۔ وہ آج کل کھانا کھا کر ہی آتے تھے میں نے کھانا ٹیبل پر لگا کر بچوں کو بلایا اور نادر کو نظر انداز کر دیا اس پر بھی انہوں نے مڑ کر مجھے دیکھا۔

''خیریت، سارے ادب و آداب بھول گئی ہو۔ آج مجھے کھانے کے لیے پوچھنا بھی گوارا نہیں کیا۔'' ان کے لہجے میں طنز تھا۔

''جب جواب پتا ہے تو روزانہ اللہ کی نعمت کو ٹھکرانے کا گناہ کیوں سہوں۔'' میں نے بے تاثر لہجے میں کہا۔

تو نادر نے بڑی گہری نظر سے میرا جائزہ لیا اور اپنا رخ دوبارہ ٹی وی کی طرف کر لیا۔

اس دن مجھے نادر سے اس قدر شدید چڑ ہو رہی تھی کہ میں بچوں کے کمرے میں ان کے ساتھ ہی سو گئی۔

''خیریت آج بچوں کے کمرے میں کیوں سو گئی تھیں؟'' دوسرے دن صبح نادر نے پوچھا۔ انداز تفتیشی تھا۔ ان کے دل میں چور تھا جس کی کل سے تشفی نہیں ہو پا رہی تھی۔

''ایسے ہی سوہا کے پیٹ میں درد تھا۔ اس نے اٹھنے ہی نہیں دیا۔'' میں نے کہا تو انہوں نے مطمئن ہونے والے انداز میں سر ہلایا۔

اور میں، میں کیوں ان سے کل والی بات کے متعلق نہیں پوچھ رہی تھی؟ تو اس کی واضح وجہ یہ تھی کہ میرا ذاتی خیال ہے کہ بات کھل جانے پر فریقِ ثانی زیادہ ڈھٹائی پر اتر آتا ہے۔ سو میں نے طرح دی تھی۔

☆☆☆

نیا مہینہ شروع ہو گیا تھا۔ نادر نے صرف گروسری لا کر دی تھی بجلی، گیس، ٹیلی فون کے بلز اور بچوں کی فیس کا کوئی اتا پتا نہیں تھا۔ میں نے کہا تو جواب آیا۔

''سوری......! وہ پیسے تو خرچ ہو گئے۔'' اور میں نے چونک کر نادر کو دیکھا۔

''نادر! آپ ٹھیک تو ہیں اتنی بڑی رقم کہاں خرچ کر دی۔ ابھی سارے بلز اور بچوں کی فیس بھی نہیں گئی ہے۔'' میں چڑ گئی نادر کی تنخواہ کم نہیں تھی۔ سارے خرچے نکال کر ہم سیونگ بھی کر لیتے تھے اور اب......

''کہا ناں! خرچ ہو گئے

میری مرضی جہاں خرچ کروں۔'' نادر نے غصے سے کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے، سیونگ میں سے پیسے نکال لیں۔'' میں نے ٹھنڈے لہجے میں کہا۔

''وہ تو اور پہلے خرچ ہو گئے۔'' وہ بے پروائی سے بولے اور میں نے حیرت سے انہیں دیکھا مگر کہا کچھ نہیں اور ان کے پاس سے اٹھ گئی۔

اسی دن دوپہر میں لیلیٰ آ گئی۔

''کیا بات ہے آج آفس نہیں گئیں؟'' میں نے دل پر پتھر رکھ کر کہا۔

''آج نہیں گئی، آج تو میری برتھ ڈے ہے۔'' اس نے اٹھلا کر کہا۔

''اوہ ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔'' میں نے اسے وش کیا تب اس نے گلے میں پہنے وائٹ گولڈ میں جڑے ڈائمنڈ پینڈنٹ اور ٹاپس دکھائے۔

''guess کرو یہ کس نے دیئے ہیں؟''

''امی نے دیے ہوں گے۔'' میں نے کہا۔

''امی تو مہا کنجوس ہیں کہیں دے ہی نہیں دیں۔'' وہ بل کھا کر بولی۔ ''یہ تو مجھے نادر نے دیے ہیں۔'' اس نے تمسخر سے کہا اور میرے جو تلوؤں سے لگی تو سر میں جا کر بجھی کہ میرے گھر کے خرچے پینڈنگ میں ڈال کر ایک غیر عورت کو مہنگے تحائف دیے جا رہے ہیں۔

''تمہیں کس حساب میں دیے ہیں؟'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔

''کیونکہ ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔'' اس کی ہنسی اس لمحے بڑی زہریلی تھی۔

''محبت کی بات تم جیسی عورتوں کے منہ سے اچھی نہیں لگتی۔ تم ساری زندگی بھی کوشش کر لو ناں تو محبت کے ''م'' کو بھی نہیں پا سکتیں۔'' میرا لہجہ اس وقت اس سے بھی زیادہ زہریلا تھا۔

''تمہارا مطلب کیا ہے، مجھ جیسی عورت سے.....؟'' اس نے چبا، چبا کر پوچھا۔

''تم جیسی عورت جو دوسری عورتوں کی اترنوں کو

''اترن.....!'' اس نے تمسخر سے میری بات دُہرائی۔

''ہاں اترن..... نادر میرا لباس ہیں اگر تم انہیں پہنتی ہو تو میری اترن ہی پہنتی ہو۔'' میں نے تمسخر سے کہا۔

''چلو یونہی سہی..... مگر مجھ جیسی عورت نے تم جیسی نیک اور پاکباز عورت کو بڑی بری شہ مات دی ہے۔'' وہ ہنسی تھی اور میرا دل ڈوبا تھا اور آنکھوں میں نمی آئی تھی۔

''بہر حال میں چلتی ہوں مگر تم نے جو آج میری بے عزتی کی ہے اس کا مزہ تمہیں میں ضرور چکھاؤں گی؟'' وہ بڑے سرد لہجے میں بولی۔

''تم اور مجھے مزہ چکھاؤ گی؟'' میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

''ہاں، آج رات کو دیکھ لینا، تمہیں تو میرا احسان مند ہونا چاہیے کہ تمہارا گھر اب تک میری وجہ سے بچا ہوا ہے۔'' اس نے طنزیہ کہا۔

''اوہ میڈم.....! ابھی مجھ پر اتنا برا وقت نہیں آیا کہ میری گرہستی کو تم جیسی عورتوں سے خطرہ ہو۔'' میں نے بھی طنزیہ کہا۔

''یہ تو تم آج رات دیکھ ہی لو گی۔'' وہ طنزیہ کہتی ہوئی باہر نکل گئی اور میں سینے پر ہاتھ رکھ کر نادر کا نام لے کر شدت سے رو پڑی۔

☆☆☆

اور لیلیٰ کے کہنے کے مطابق ہی رات میں نادر میرے سر پر کھڑے تھے۔

''تم نے لیلیٰ سے کیا کہا ہے؟'' وہ بڑے غصے میں تھے۔

''میں نے..... میں نے کیا کہا ہے، کہا تو اس نے ہے۔ جس گھر کے بلز بھرے نہیں گئے، بچوں کے اسکول کی فیس نہیں دی گئی، اس گھر میں ایک غیر عورت آ کر بتاتی ہے کہ اس گھر کے سربراہ نے اسے وائٹ گولڈ ڈائمنڈ سیٹ لے کر دیا ہے۔ وہ آ کر باقاعدہ مجھے جتاتی ہے۔'' میں نے ایک دم غصے سے کہا اور نادر کے

بھڑکانے پر بھڑک کر آ تو گئے تھے مگر وہ قطعی نہیں جانتے تھے کہ وہ کیا گوہر افشانی کر کے گئی ہے۔ ظاہر ہے اس نے ہر وہ بات ہی بتائی تھی جو میرے خلاف جاتی تھی کچھ دیر خاموش رہ کر نادر گویا ہوئے۔

''اب جبکہ بات کھل گئی ہے تو ہاں میں اقرار کرتا ہوں کہ مجھے لیلیٰ اچھی لگنے لگی ہے اور اگر وہ مجھ سے کوئی فرمائش کرتی ہے تو مجھ سے انکار نہیں ہوتا۔'' ان کے لہجے میں بے بسی تھی اور میں کھڑے سے بیٹھ گئی۔ میں نے سینے پر ہاتھ رکھا اور میرے آنسو بہنے لگے۔ شارق سے مجھے محبت تھی مگر نادر سے میں نے عشق کیا تھا۔

''تم اوور ری ایکٹ کر رہی ہو۔'' نادر جھنجلا گئے۔

''میں..... ہاں میں ہی تو اوور ری ایکٹ کر رہی ہوں، میں جسے آج سے نہیں بہت عرصے پہلے سے آپ دونوں کے تعلقات کا علم ہے۔ جس نے اب تک آپ دونوں کو جتایا بھی نہیں..... اور میں اب بھی کچھ نہ کہتی اگر وہ خاتون خود ہی مجھے سنانے کے بعد آپ کو بھڑکا کر نہ بھیجتیں۔'' میرے لہجے میں ٹوٹے ہوئے کانچ کا درد اتر آیا مگر نادر کے انداز میں بیزاری تھی۔

''بہر حال تمہیں پتا چل گیا، اچھا ہی ہوا۔ مجھے اس پر کوئی شرمندگی نہیں ہے۔ میں اس سلسلے میں مجبور ہوں۔ لیلیٰ مجھے اچھی لگتی ہے اور تمہیں تو خود ان فیلنگز کا اندازہ ہو گا آخر تمہیں بھی تو شارق اچھا لگتا تھا۔'' نادر نے بڑا اوچھا وار کیا تھا۔ میں بلبلا گئی تھی میں نے تڑپ کر انہیں دیکھا۔ ان کے ہونٹوں پر محظوظ ہونے والی مسکراہٹ تھی۔

''یہ بات... آپ کو اب یاد آئی ہے نادر اتنے سال گزرنے کے بعد اگر آپ کو اس بات پر اعتراض تھا تو مت کرتے مجھ سے شادی، میں نے آپ کو مجبور تو نہیں کیا تھا..... اور یوں بھی جب شارق مجھے پسند تھا تو میں آپ کے ساتھ کمیٹڈ نہیں تھی..... مگر آپ.....'' میں اس وقت بے بسی کی انتہاؤں پر تھی۔

''بہر حال جو بھی ہے، اب تو ہو چکا جو ہونا تھا۔

کرنا ہے جلد از جلد کر لو..... ہم دونوں نے شادی کا فیصلہ کر لیا ہے۔'' وہ بے پروائی سے بولے۔ ''اور یوں بھی شرع میں چار کی اجازت تو ہے ناں.....'' وہ دوبارہ بولے۔

''شرع..... واہ شریعت بہت وقت سے یاد آتی ہے آپ مردوں کو۔'' میں استہزائیہ ہنسی۔

''جب شرع کا پتا ہے تو انصاف کا بھی پتا ہو گا۔ آپ تو اپنے لو پیریڈ میں انصاف نہیں کر پا رہے ہیں، شادی کے بعد کیا کریں گے۔'' وہ خاموش ہو گئے تھے۔

ہم لوگ بے شک اچھے کھاتے پیتے لوگ تھے مگر کوئی مل اونر تو نہیں کہ کسی کو وائٹ گولڈ اور ڈائمنڈ گفٹ کرتے پھرتے پھر ان دونوں کے روزانہ کے لنچ یا ڈنر باہر ہی ہوتے، ہر ہفتہ، پندرہ دن میں شاپنگ، قارون کے خزانے خالی ہو جاتے ہیں بے دریغ لٹانے سے تو..... اور نادر تو صرف ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں اچھی پوسٹ پر تھے۔

☆☆☆

اس دن نادر تو مجھ سے بات کر کے چلے گئے اور میں کمرے میں آ کر بری طرح رونے لگی۔ کوئی درد سا درد تھا جو اندر ہی اندر سینے کی گہرائیوں میں اترتا جا رہا تھا۔ کوئی تکلیف تھی جس نے شہ رگ مٹھی میں دبا رکھی تھی۔ دل کی ہر دھڑکن نادر کا نام جپ رہی تھی اور میں بے بسی کی انتہاؤں پر کھڑی نادر کے پلٹ کر دیکھنے کے انتظار میں خود پتھر بنتی چلی جا رہی تھی۔ تبھی دروازہ کھلا اور ارما اندر آئی اس نے اندر آ کر لائٹ جلا دی۔ میں نے جلدی سے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا۔

''ماما.....! آپ رو رہی ہیں۔'' اس نے اپنے ننھے منھے ہاتھوں سے میری آنکھیں صاف کیں۔

''نن نہیں.....'' میں نے بوکھلا کر کہا۔

''مجھے پتا ہے ماما! لیلیٰ آنٹی اور بابا بہت برے ہیں، وہ دونوں آپ کو رُلاتے ہیں۔'' ارما نے کہا تو میں نے اس آٹھ دس سالہ معصوم بچی کو دیکھا جو ماں کا درد بن

’’ماما......! آپ مت روئیں۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں ناں......آپ کے پاس......‘‘ یہ کہہ کر اس نے اپنے دونوں ہاتھ میرے گلے میں ڈال دیے۔ اور اس دن، ارما نے مجھے ایک نئی طاقت، ایک نئی ہمت دی۔ پوری دنیا میں اگر کوئی بھی میرے ساتھ نہیں ہے تو بھی میرے بچے میرے ساتھ ہیں۔ ان بچوں کا باپ اگر ان سے جیتے جی چھن ہی چکا ہے تو کم از کم ان کی ماں کو ان سے نہیں چھننا چاہیے۔ یہ اگر میرے ساتھ کھڑے تھے تو مجھے بھی ان کے ساتھ ان کے لیے کھڑا ہونا تھا۔ اور میں آنسو پونچھ کر ایک نئی ہمت اور عزت کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی اور میں نے باہر آ کر کھانا گرم کیا خود بھی کھایا اور بچوں کو بھی کھلایا۔

☆☆☆

اگلے مہینے پھر وہی پیسوں کا مسئلہ تھا۔ میں نے اس بار نادر سے کوئی سوال نہیں کیا۔ بچوں کے اسکول سے نوٹس آ گیا ٹیلی فون کٹ گیا۔ بجلی اور گیس کے بل ڈبل آ گئے بلکہ بجلی والے تو کنکشن کاٹنے آ گئے تھے انہیں کہہ سن کر بھیجا۔

شام میں نادر ذرا جلدی گھر آئے۔ میں ویسے تو ان سے بات کرنا کافی عرصے سے چھوڑ چکی تھی۔ مگر اس وقت ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

’’نادر، آپ میرے ساتھ چل سکتے ہیں؟‘‘ میں نے کہا تو انہوں نے حیرت سے مجھے دیکھا۔

’’صرافہ جانا ہے۔‘‘ میں نے بے تاثر لہجے میں کہا۔

’’کیوں وہاں سے کیا خریدنا ہے؟‘‘ وہ تمسخر سے بولے۔

’’خریدنا نہیں بیچنا ہے نادر! بچوں کے اسکول سے نوٹس آ چکا ہے۔ انہیں اسکول میں punish کیے جانے سے پہلے میں ان کے لیے فیس کا انتظام کرنا چاہتی ہوں۔ ٹیلی فون کٹ چکا ہے، بجلی اور گیس نہ کٹے اس لیے ان کے بلز بھرنے کا انتظام کرنا چاہتی ہوں۔ کل کو میرے بچوں کے فاقے کی نوبت نہ آ جائے سو کچھ پیسے اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتی ہوں۔‘‘ میں بہت ہی بے تاثر لہجے میں کہتی چلی گئی۔

’’کب تک اور کیا، کیا بیچوگی؟‘‘ نادر نے طنزیہ کہا۔

’’ویسے تو اب مزید کچھ بیچنے کی نوبت آئے گی نہیں...... لیکن میری مجبوری ہے، آپ کی عزت رکھنا۔ میں تھک بھی جاؤں تو بھی مرتے دم تک آپ کی عزت رکھوں گی۔ کیونکہ میں لباس ہوں آپ کا، آپ کو ڈھانپنا میرا کام ہے۔ میں لوگوں کو جوابات دیتے، دیتے تھک گئی ہوں کہ اتنا اچھا کمانے پر بھی میرا شوہر گھر کے اخراجات پورے کیوں نہیں کر پا رہا ہے۔ سو آپ کی عزت رکھنے کے لیے یہ قدم اٹھانا پڑے گا۔‘‘

نادر نے کچھ شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

’’رکھواسے میں کچھ کرتا ہوں۔‘‘ انہوں نے کہا۔

’’نہیں نادر، ہم نے پہلے بھی کبھی قرض نہیں لیا یہ روایت نہیں ٹوٹنی چاہیے۔ یوں بھی اب اس کے بعد کچھ بیچنے کی ضرورت نہیں پڑے گی کیونکہ میں نے تین اچھے اسکولز میں اپنا سی وی ڈراپ کیا تھا۔ تینوں جگہ سے کال آ گئی ہے۔ اس کے علاوہ میں ہوم ٹیوشن بھی دوں گی۔ اب آپ بے فکری سے لیلیٰ سے شادی کر لیں۔ آپ کو ہماری فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔‘‘ یہ کہہ کر میں باہر نکل آئی میں نے اپنے دو بڑے بھاری سیٹ جو کہ میرے میکے کے تھے بیچ دیے، میرے پاس اچھی خاصی رقم آ گئی تھی۔ اس دن میں نے نادر کے چہرے پر شرمندگی دیکھی تھی مگر اس شرمندگی سے مجھے کیا فائدہ ہونا تھا۔ میں نے سب سے پہلے بچوں کے اسکول کی فیس کلیئر کی اور تمام بلز کلیئر کیے۔

☆☆☆

تینوں اسکولوں نے مجھے ہاتھوں ہاتھ لیا کیونکہ میرے مین سبجیکٹ فزکس، میتھس اور انگلش تھے مگر میں نے وہاں جوائننگ دی جہاں سیلری سب سے اچھی تھی۔ ٹیوشنز بھی دیتی تھی۔ میری ماہانہ انکم آرام سے پچاس ساٹھ ہزار سے زیادہ تھی۔ مجھ پر اب پیسے کی اہمیت واضح ہو چکی تھی۔

اب مصروفیت اس قدر تھی کہ کسی طرف دیکھنے اور سوچنے کا وقت ہی نہیں تھا۔ ہفتہ اور اتوار میرا آف ہوتا تھا۔ سو ہفتے والے دن میں واشنگ مشین لگاتی، اپنے اور نادر کے اور بچوں کے کپڑے بھی اسی دن استری کر دیتی تھی۔ اپنے اور نادر کے تو ہفتے بھر کے کپڑے استری کر دیتی تھی۔ جو سبزیاں فریز ہونے والی ہوتی تھیں وہ چھیل کاٹ کر فریز کر دیتی۔ گوشت ادھ گلا کر کے رکھ دیتی۔ اور یہ سارے کام میں ہفتے کو ہی مکمل کر لیتی تھی۔ کیونکہ اتوار کا دن بچوں کے لیے مخصوص تھا۔ اس دن میں انہیں ضرور کہیں باہر گھمانے لے کر جاتی۔ میں نے اپنی زندگی کا سیٹ اپ بنا لیا تھا جس میں نادر کی اب کہیں جگہ نہیں تھی نادر کا میں پہلے ہی کی طرح خیال رکھتی تھی۔ مگر میں نے اب ان کے آنے جانے کا حساب کتاب رکھنا چھوڑ دیا تھا بلکہ چھوڑ کہاں دیا تھا، وقت ہی کہاں تھا میرے پاس......صبح سب کے ناشتے اور لنچ باکسز کے ساتھ، ساتھ خود بھی تیار ہوتی اور چاروں بچے اور میں ساتھ ہی نکل جاتے۔ واپسی بھی آگے پیچھے ہی ہوتی۔ ہمارے پہنچتے ہی ماسی بھی آ جاتی تھی۔ گھر کی صفائی کے ساتھ، ساتھ ہی لنچ سے فارغ ہو کر ہم سب سو جاتے۔ شام کی چائے اور کھانے کے ساتھ بچوں کا ہوم ورک کرواتی تب تک میرے اسٹوڈنٹ آ جاتے۔ بچوں کو ٹی وی اور گیم وغیرہ میں لگا کر میں اپنے اسٹوڈنٹس کو دیکھتی۔ اس کے بعد ڈنر...... یونی فارم دیکھتی، اگلے دن کے ڈریس دیکھتی اور تھک کر سو جاتی۔ کبھی نادر جلدی آ جاتے تو ڈنر ہمارے ساتھ کر لیتے تھے ورنہ باہر سے ہی کر کے آتے تھے۔ میں نے اب ان کی فکر کرنا چھوڑ دی تھی۔

☆☆☆

اس دن چھٹی تھی۔ بچے رات سے امی کی طرف تھے، صائم اور شرجیل میرے دونوں بھائیوں کے بچوں سے میرے چاروں بچوں کی بہت بنتی تھی۔ وہاں رکنے کی جب بھی بات ہوتی سب جھٹ سے تیار ہو جاتے تھے۔ رات بھی صائم بھائی اور منیبہ بھابی آئے تھے۔ چاروں ان کے ساتھ لگ کر چلے گئے تھے۔ میں آج

ہفتے کو ہی مکمل کر لیتی تھی۔ بوریت سے ...
وی لگا کر بیٹھ گئی۔ مگر اس میں بھی دل نہیں لگا تو ...
نامہ لے کر بیٹھ گئی۔

تبھی ڈور بیل بجی میں نے جا کر دیکھا تو لیلیٰ ہشاش بشاش کھڑی ہوئی تھی۔ بہترین تراش خراش کے سوٹ میں ملبوس فل میک اپ میں......میرے دروازہ کھولتے ہی وہ بلا اجازت اندر چلی آئی۔

’’ہیلو ہاؤ آر یو......؟‘‘ وہ بڑے خوشگوار انداز میں بولی۔

’’ہمیشہ کی طرح فائن......‘‘ وہ میرے ہی ساتھ چلتی ہوئی اندر آ گئی اور اس نے بڑے غور سے مجھے دیکھا۔

’’نادر کہاں ہے؟‘‘ اس نے میری دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا۔

’’پتا نہیں، میرا تو یہی خیال تھا کہ وہ تمہاری طرف ہوں گے۔‘‘ میں نے لہجے میں حتی الامکان.... بے پروائی سمو کر کہا۔

’’تمہیں دکھ نہیں ہوتا۔‘‘ اس کے لہجے میں کھوج تھی۔

’’شروع میں ہوتا تھا، اب نہیں ہوتا۔‘‘ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر ڈھٹائی سے جھوٹ بولا۔

’’تمہیں اتنے شاندار بندے کو کھونے کا کوئی دکھ نہیں ہوا جسے دیکھتے ہی میرے دل نے تمنا کی تھی کاش یہ شخص میرا ہو صرف میرا......‘‘ وہ مشکوک لہجے میں بولی۔

’’کسی دانا کا قول ہے اگر تمہیں کسی سے محبت ہو تو اسے آزاد چھوڑ دو اگر واپس آ گیا تو تمہارا ہے اگر واپس نہ آئے تو اسے بھول جاؤ، وہ کبھی تمہارا تھا ہی نہیں۔‘‘ میں ہولے سے ہنسی تھی۔

’’تم کبھی ہار نہیں مانتی ناں......‘‘ وہ استہزائیہ ہنسی تھی۔

’’ہار تسلیم کر لینے والا ہار جاتا ہے۔ میں آخری دم تک ہار کو جیت میں بدلنے پر یقین رکھتی ہوں۔‘‘ میں نے عزم سے کہا۔

’’لیکن اس بار تم ضرور ہارو گی۔ ہم دونوں جلد ہی شادی کرنے والے ہیں۔‘‘ اس نے گویا دھماکا کیا

''congratulations ویسے کتنے عرصے کے لیے؟'' میں نے تمسخرانہ کہا اور وہ جل ہی گئی۔

''اور تمہارا اپنا پہلے کاٹوں گی۔'' وہ غصے سے بل کھا کر بولی۔

''اوکے......بیسٹ آف لک......'' میں نے مزید چڑایا اور وہ پاؤں پٹختے ہوئے چلی گئی۔

اتنا مجھے بھی اندازہ تھا کہ لیلیٰ کچھ بھی کرلے، یہی ایک کام نہیں کرسکتی تھی۔ شام میں نادر پھر عدالت لگائے کھڑے تھے۔

''تم نے لیلیٰ سے کچھ کہا ہے؟'' انداز جارحانہ تھا۔

''ایک بات اپنی لیلیٰ کے ذہن میں کلیئر کروا دیجیے گا نادر! میں اس کی اور آپ کی زندگی میں انٹرفیئر نہیں کرتی لہٰذا آئندہ آکر اس نے میری زندگی میں مداخلت کی تو اسے دھکے دے کر گھر سے باہر نکال دوں گی۔ بہت سنبھال لی میں نے آپ کی عزت......اب آپ دونوں کی عزت آپ دونوں کے ہاتھ میں ہے، ورنہ آئندہ پورا محلہ دیکھے اور سنے گا۔'' یہ کہہ کر میں رکی نہیں۔

☆☆☆

اور اس بات کا خاطر خواہ اثر ہوا اس کے بعد نہ نادر کبھی لیلیٰ کو لے کر میرے روبرو کھڑے ہوئے اور نہ کبھی لیلیٰ میرے گھر آئی۔ میں کوئی انیس سو ساٹھ کی دہائی کی کوئی مجبور و بے کس ہیروئن تو تھی نہیں کہ کوئی میرے ساتھ کچھ بھی کرجائے یا کوئی بھی زہر میرے کانوں میں انڈیل کر چلا جائے اور میں کونوں کھدروں میں منہ چھپا کر روتی رہوں۔ یوں بھی میرا مزاج یہ تھا کہ کسی کو چھیڑو مت اور اگر تمہیں چھیڑ دے تو اسے چھوڑو مت......اس پورے وقت جب، جب بھی نادر اور لیلیٰ میرے منہ لگے دونوں نے منہ کی ہی کھائی۔

☆☆☆

بہر حال وقت کا کام تو گزرنا ہے اچھا ہو یا برا گزر ہی جاتا ہے۔ میری تو مصروفیات ہی اتنی تھیں کہ

تھا۔ اب میں ایک اچھا خاصا اماؤنٹ سیو بھی کرلیا کرتی تھی۔ اب میری سوچ قطعی بدل چکی تھی۔ فضول خرچ میں پہلے بھی نہیں تھی اور اب تو اگر کوئی چیز خریدنی ہوتی تھی تو دس بار سوچتی تھی۔ میری سوچ اب یہ تھی کہ مجھے اپنے چاروں بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلوانی ہے۔ ارما اور سوہا کی شادیاں کرنی ہیں۔ زندگی میں ٹھہراؤ سا آگیا تھا۔ نادر کی روٹین اب بھی وہی تھی۔

پھر میں نے محسوس کرنا شروع کیا، نادر کے آنے جانے کے اوقات وہی ہوگئے ہیں جو کہ دو سال قبل لیلیٰ کے آنے سے پہلے تھے۔ ان کے انداز میں بھی شرمندگی تھی۔ اب وہ بچوں کو بھی پراپر وقت دینے لگے تھے۔ بچے خوش تھے، گھر پر پہلے کی طرح خرچ کرنے لگے تھے۔ مجھ پر بھی پہلے ہی کی طرح توجہ دینے لگے......مگر پتا نہیں کیوں دل کا کوئی گوشہ مرسا گیا تھا، وہاں سناٹوں کا راج تھا۔ نادر نے کئی بار مجھ سے جاب چھوڑنے کو کہا مگر میں نے کوئی رسپانس نہیں دیا اور ایسے وقت پر نادر کے چہرے پر خفت کے آثار ہوتے۔ میں جانتی تھی کہ نادر شرمندہ ہیں۔ مگر میں کیا کرتی میرے اندر خوف بیٹھ گیا تھا۔ مجھے وہ دو مہینے اور ان میں پیسوں کے حوالے سے اٹھائی گئی شرمندگی نہیں بھولتی تھی......یہ خوف میرے اندر کنڈلی مار کر بیٹھ گیا تھا اور آج چودہ سال گزرنے کے بعد میری سب سے چھوٹی، سب سے لاڈلی بیٹی مجھے بلیم کررہی تھی کہ میں اس کے باپ کے ساتھ زیادتی کرتی ہوں......اور ارما کہتی ہے میں اس کے باپ کو معاف کردوں۔ میں نے کبھی نادر سے نہیں پوچھا کہ وہ کیوں پلٹے تھے۔

اس واقعے کے بعد سے بھی ہمارے تعلقات پہلے جیسے نہیں ہوسکے۔ ہمارے درمیان جو خلیج حائل ہوگئی تھی وہ حائل ہی رہی۔ ہمارے تعلقات میں پہلے والی گرم جوشی پھر کبھی نہ آسکی ایک سرد مہری سی آگئی۔ نادر نے اس خلیج کو پاٹنے کی بہت کوشش کی مگر میں اپنے اندر لچک پیدا نہیں کرسکی۔ میں اعلیٰ ظرف نہیں بن سکی۔ میں

سال والے عرصے کو اپنی چوبیس سالہ شادی شدہ زندگی کے درمیان برقرار رکھا میں ان دو سالوں کو بھول نہیں سکی کہ میرے شوہر نے مجھ سے بے وفائی کی تھی حالانکہ بعد کی چودہ سالہ زندگی میں ان کے اندر پھر بھی لغزش نہیں آئی مگر میں نے ان دو سالوں کو چودہ سالوں پر محیط کر دیا۔ میں سوچتے، سوچتے بہت دور نکل گئی تھی۔

تبھی میرا موبائل الارم بجنے لگا اور میں نے چونک کر دیکھا تو آج تہجد قضا ہوگئی۔ میں تہجد کے لیے الارم نہیں لگاتی تھی اس وقت عموماً میری آنکھ خود ہی کھل جاتی تھی مگر آج خیالات کے ہجوم کی یلغار نے وقت کا پتا لگنے ہی نہیں دیا اور فجر ہوگئی۔

نادر اٹھ کر واش روم جاچکے تھے وہ جماعت سے نماز پڑھتے تھے سو وہ پہلے گھر میں ہی وضو کرتے تھے۔ پچھلے سال سے میں نے جاب چھوڑ دی تھی۔ اب جسم ہی نہیں اعصاب بھی تھکنے لگے تھے اور اس تھکن کا غصہ زیادہ تر نادر پر ہی نکلتا۔ ارما اور سوہا بیٹیاں تھیں ناں فوراً محسوس کرگئیں اور بیٹے تو ہمیشہ ہی ماں کے زیادہ قریب ہوتے ہیں گو کہ میرے چاروں بچے مجھ پر جان چھڑکتے تھے مگر وہ باپ سے بھی اتنا ہی پیار کرتے تھے۔ میں نے کسی بھی حال میں شعوری کوشش رکھی کہ بچے حالات سے باخبر نہ ہوسکیں۔ صرف ارما ہی سب سے بڑی ہونے کی وجہ سے کسی حد تک حالات سے واقف تھی، باقی تینوں بے خبر تھے۔

نادر کے جانے کے بعد میں نے وضو کیا نماز پڑھی۔ دیگر اذکار پڑھے۔ نادر نماز کے بعد پارک جاتے تھے۔ یہ ان کا بہت پرانا معمول تھا۔ میں اذکار سے فارغ ہوئی تو دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ وہ آچکے تھے میں نے مڑ کر دیکھا۔

''نادر یہاں آئیں، میری بات سنیں۔'' میں نے جائے نماز پر بیٹھے، بیٹھے ہی کہا اور وہ آکر میرے سامنے کھڑے ہوگئے۔

''یہاں بیٹھیں۔'' میں نے دوبارہ کہا تو میرے

''نادر! آج اللہ کو حاضر و ناظر جان کر میں آپ کو معاف کرتی ہوں گو کہ اللہ شاہد ہے کہ میری محبت نے تو آپ کو اسی وقت معاف کردیا تھا جس وقت آپ پلٹے تھے مگر میری انا نے آپ کو آج تک معاف نہیں کیا تھا۔ مگر آج میری انا بھی آپ کو معاف کرتی ہے۔'' کہتے ہوئے میرے آنسو چھلکے تھے کہ انا ٹوٹتی ہے تو انسان کو توڑ کر ٹوٹتی ہے۔ بہت ظالم ہوتی ہے یہ انا......

اور میری بات سن کر نادر نے بے اختیار میرے ہاتھ تھام کر لبوں سے لگالیے۔

''تھینک یو......سوچ رومی......اینڈ آئی لو یو سو مچ رومی۔'' ان کا لہجہ بھی نم تھا۔

''تم نے کبھی پوچھا ہی نہیں کہ میں پلٹا کیوں تھا؟'' انہوں نے میرے دونوں ہاتھ اپنے سینے سے لگا کر کہا۔

''غصہ ہی اتنا تھا کہ آپ سے بات کرنے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا۔'' میں استہزائیہ ہنسی تھی۔

''اس نے مجھ سے تمہیں چھوڑ دینے کو کہا تھا......اور مجھے لمحہ بھی نہیں لگا تھا فیصلہ کرنے میں......مجھے ایسا لگا تھا کہ اس نے مجھ سے تمہیں صرف چھوڑ دینے کو نہیں کہا ہے، میرے اردگرد کے ماحول سے آکسیجن نچوڑ لی ہو۔ مجھے ایسا لگا کہ تمہارے بغیر تو میں اگلی سانس بھی نہیں لے سکوں گا تو پھر جی کیسے سکوں گا اور میں نے اگلے ہی لمحے فیصلہ سنا دیا تھا۔ مجھے آج بھی اس کے چہرے کی حیرت نہیں بھولتی۔ وہ تو غالباً یہ سمجھ بیٹھی تھی کہ وہ میرے دل و دماغ پر قابض ہوچکی ہے اور جو چاہے گی کروالے گی مجھ سے۔ مگر مجھ پر بھی یہ اسی لمحے کھلا تھا کہ وہ میرے دماغ پر تو قابض تھی مگر دل پر تو بلا شرکت غیرے تمہارا ہی قبضہ تھا۔'' نادر نے محبت سے مجھے دیکھا اور میں برستی آنکھوں سے نادر کے سینے سے جا لگی ایک طویل عرصے بعد۔ میری انا تو مجھے پہلے ہی بہت خوار کرچکی تھی۔ ایک لمبا گولڈن پیریڈ جو کہ اچھا گزر سکتا تھا۔ اس انا کے ہاتھوں برباد ہوچکا تھا مگر اب اور نہیں اور نادر نے میرے گرد اپنی محبت کا حصار قائم کردیا تھا۔

وفا کے راستے میں

پروین عذرا تشنہ

مکمل ناول

جاذب نے دروازے میں قدم رکھا ہی تھا کہ کوئی چیز اڑتی ہوئی سینے سے آ ٹکرائی جسے اس نے گرنے سے پہلے ہی تھام لیا تھا۔

''شکر ہے گولی کاغذ کی ہے، اگر اصلی ہوتی تو آج گیا تھا جان سے۔'' وہ بڑبڑاتا ہوا ایسی کتنی ہی گولیوں کو قدموں تلے روندتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا تھا جو سر جھکائے معروفِ عمل تھی۔

''بھئی یہ کیا ہے، کیا کوئی اسلحہ خانہ کھول رہی ان کاغذ کی گولیوں کا جو سارے کمرے میں پھیلا رکھی ہیں؟'' اس نے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے پو لیکن جواب ندارد تھا، کاغذوں پر اسی رفتار سے مشق جاری تھی تو جاذب نے زور سے اس کا سر ہلاتے ہوئے پوچھا۔

''آخر ان کاغذوں نے کیا بگاڑا ہے، تمہارا

منہ کالا کر کے پھینکے جا رہی ہو؟''

''تم اس وقت کیوں ٹپک پڑے مجھے ڈسٹرب کرنے کے لیے؟'' اس نے بڑے غصے سے سر اٹھایا تھا۔

''ایک منٹ، بس ایک منٹ بالکل اسی پوز میں رہنا جب تک میں واپس نہ آؤں۔'' وہ کہہ کر بھاگتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

''اسے کیا ہوا...... اور میں کیوں اس طرح بیٹھی رہوں اس کے آنے تک......؟'' وہ ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ جاذب اسی رفتار سے واپس آ گیا... اور آئینہ اس کے چہرے کے سامنے کرتے ہوئے قہقہے لگا رہا تھا۔

''ہائے یہ کیا......؟'' اس نے لمحے بھر کو ہی اپنی شکل آئینے میں دیکھی تھی، آنکھیں اور ناک سرخ ہو رہی تھیں اور چہرے پر جگہ جگہ روشنائی لگی ہوئی تھی، اس نے گھبرا کر دوپٹے سے ہی اپنا چہرہ رگڑ ڈالا۔ جاذب ہنستے، ہنستے لوٹ پوٹ ہوا جا رہا تھا اور وہ غصے سے اسے گھورے جا رہی تھی۔

''اچھا یہ تو بتاؤ یہ ہو کیا رہا ہے؟'' وہ ہنسی روکتے ہوئے اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

''میں صبح سے افسانہ لکھ رہی ہوں۔'' بڑی سنجیدگی سے کہا گیا۔

''تو کتنے لکھ لیے؟'' وہ چاروں طرف بکھرے کاغذوں پر نظریں دوڑاتے ہوئے بولا۔

''کوئی بھی نہیں، کوئی موضوع ہی نہیں مل رہا۔'' نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس نے کہا۔

''کیا مطلب کوئی موضوع نہیں مل رہا، بھلا یہ کیا بات ہوئی؟''

''مطلب یہ کہ جس موضوع پر بھی لکھنا شروع کرتی ہوں، یاد آتا ہے اس پر تو میں پہلے ہی کئی افسانے پڑھ چکی ہوں، صبح سے کوشش کر رہی ہوں لکھنے کی لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کیا لکھوں۔'' اس نے اپنی کنپٹیاں دباتے ہوئے کہا۔

''واقعی...... یہ تو بہت بڑی پرابلم ہے۔'' جاذب اس سے زیادہ سنجیدہ لگ رہا تھا، کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد پھر بولا۔ ''تمہیں معلوم بھی ہے یہ جو رائٹر ہوتے ہیں ناں یہ ذرا سی بات کو اتنا کھینچتے ہیں، اتنا کھینچتے ہیں کہ بڑے، بڑے افسانے بن جاتے ہیں، اب تم بھی ایسا ہی کرو نا پک میں بتاتا ہوں۔''

''کیا......؟'' اس نے حیرانی سے پوچھا۔

''اور کیا، دیکھو یہ جو تمہاری بوا نصیبن ہیں ناں تو انہوں نے اپنی چھوٹی سی معصوم سی بیٹی کی شادی اس کے باپ کی عمر کے مرد سے کر دی، کبھی تم نے جھانکا اس بیچاری کی آنکھوں میں وہاں کتنے دکھ اور کتنے ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں ہیں، تم اس پر لکھو یا پھر جو مالی بابا ہیں ناں کتنے بوڑھے ہیں' ان کے گیارہ بچے ہیں، جوان بیٹا نشئی ہو گیا، بڑی بیٹی بیوہ ہو کر دو بچوں سمیت ان کے سر پر آ بیٹھی، کتنی درد بھری کہانی ہے ان کی۔ اس پر لکھو نہیں تو پھر......''

''بالکل بیکار......'' اس نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ''یہ جو کچھ بھی تم بتا رہے ہو ان سب پر اتنی بار لکھا جا چکا ہے کہ اب یہ سب گھسی پٹی کہانیاں بن کر رہ گئی ہیں۔'' اس نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔

''ایک تو ہمارے ہاں مصنفات اتنی زیادہ ہیں اور سب ہر ٹاپک پر دھڑا دھڑ ناول اور افسانے لکھ رہی ہیں کہ میرے لکھنے کو تو کچھ رہا ہی نہیں۔'' وہ روہانسی ہو رہی تھی۔

''اچھا بابا اگر تمہیں افسانہ لکھنا اتنا ہی ضروری ہے تو میں حاضر ہوں، مجھ پر لکھ دو۔'' جاذب نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ چڑ ہی گئی۔

''تم پر......؟''

''ہوں......'' جاذب کی ہنسی برقرار تھی۔

''تم پر لکھ تو سکتی ہوں لیکن اس کی ایک شرط ہے۔'' اس نے اتراتے ہوئے کہا۔

''وہ کیا؟''

''وہ یہ کہ پہلے تمہیں ایک لڑکی سے محبت کرنی پڑے گی۔''

ہوں لیکن اگر وہ لڑکی ہی مجھے لفٹ نہ کرائے تو، میری بات کو نہ سمجھے تو؟'' جاذب نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دھیرے سے کہا' لمحے بھر کو تو وہ گنگ رہ گئی پھر آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے بولی۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم کسی سے پیار کرو، محبت کرو۔۔ اور وہ تمہیں ہی نہیں۔''

''اچھا چلو میں کسی سے محبت کرتا ہوں، لیکن...... اب آگے چلو پھر......''

''پھر یہ کہ تم اس لڑکی سے بے انتہا محبت کرو گے، اسے ٹوٹ کر چاہو گے، وہ لڑکی بھی تم سے محبت کرے گی لیکن جلد ہی وہ تم سے بے وفائی کر لے گی، تم اس کی یاد میں دن بھر تڑپو گے اور رات بھر تارے گنا کرو گے، تمہیں کسی پل چین نہیں آئے گا، تم اس کی جدائی میں بالکل مجنوں ہو جاؤ گے پھر میں تم پر افسانہ لکھوں گی بس یہ شرط ہے میری۔'' وہ بڑے فاتحانہ انداز میں بولی۔

''خوب، بہت خوب، یعنی تمہارا افسانہ لکھنے کا ذوق پورا کرنے کے لیے میں اتنی تکلیفیں اٹھاؤں، اتنی اذیتیں سہوں، اتنے کرب سے گزروں، اپنی راتوں کی نیندیں تک قربان کروں...... اور پھر یہ کون سا نیا موضوع ہوگا جس پر تم تیر مار دو گی لکھ کر...... ہر افسانے میں یہی محبت، بے وفائی، جدائی، آنسو، آہیں ہی تو ہوتا ہے...... مجھے کیا پاگل سمجھا ہے، کوئی نہیں لکھوانا مجھے اپنے اوپر افسانہ۔'' اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''اور بائے داوے، بیٹھے بٹھائے تمہیں افسانہ لکھنے کی سوجھی کیوں؟'' وہ تیوریاں چڑھاتے ہوئے بولا۔ ''کیا تمہارے نہ لکھنے سے افسانوں میں کمی آ جائے گی یا رائٹر نہ رہیں گی۔''

''یہ تم پوچھ رہے ہو سوجھی کیوں؟ تمہیں کیا معلوم نہیں کہ پیپرز کے بعد سے میں کتنی بور ہو رہی ہوں، تمام فرینڈز تو کوئی مری چلی گئی، کوئی پشاور، کوئی لاہور، کوئی بلوچستان، کوئی دبئی سب ہی انجوائے کرنے چلی

سوچا کہ چلو افسانہ لکھ کر ہی کچھ بوریت دور کر لی جائے تو تم پوچھ رہے ہو سوجھی کیوں؟'' اس نے غصے سے دانت کچکچاتے ہوئے کہا۔

''اچھا چلو غصہ چھوڑو اتنے دن بعد آیا ہوں' اچھی سی چائے تو پلوا دو۔'' وہ دوبارہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے دوستانہ لہجے میں بولا۔

''ہاں، ہاں چائے تو ضرور پلواؤں گی تمہیں، ایک دو دن کا کہہ کر پورے دو ہفتے بعد لاہور سے لوٹے ہو اور میں اکیلی بور ہوتی رہی۔ چائے تو میں تمہیں اچھی طرح پلاؤں گی۔'' کشن اٹھا کر اس نے جاذب پر برسانا شروع کر دیے۔ تابڑ توڑ حملوں سے بچنے کے لیے اس نے دروازے کی سمت دوڑ لگا دی، کشن تو اس کے تعاقب میں ہی تھا وہ تو جھکائی دے کر بچ گیا اور کشن دروازے میں داخل ہوتی رائمہ کی امی کے سر پر اس زور سے لگا کہ وہ لڑکھڑا گئیں۔ ''اوئی اللہ'' کہتے ہوئے انہوں نے دیوار کا سہارا لیا ان کا سر گھوم گیا تھا لیکن جلد ہی سنبھل گئیں۔

''ارے رائمہ...... کیا پاگل پن ہے، یہ چیزیں اٹھا، اٹھا کر کیوں پھینک رہی ہو؟ اور یہ کمرے کا کیا حشر کر رکھا ہے، کارپٹ پر اتنے کاغذ کیوں پھیلا رکھے ہیں؟'' انہوں نے غصے سے کہا، کمرے کی حالت پر ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔

''امی! یہ کشن تو میں نے جاذب کو مارا تھا۔'' اس نے دیوار کے ساتھ چپکے کھڑے جاذب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور سر جھکا لیا۔

''پھپھو جان! السلام علیکم...... ویری سوری...... آپ کو چوٹ تو نہیں آئی؟'' اس نے پھپھو کے ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

''نہیں بیٹا! چوٹ تو نہیں آئی، بس ذرا سر گھوم گیا تھا اور اس کمرے کی حالت دیکھ کر تو دماغ ہی گھوم گیا، دیکھ رہے ہو کس قدر گند پھیلا رکھا ہے اس نے۔ صبح سے یہاں گھسی جانے کیا کرتی رہی ہے اور تم اتنے دنوں بعد

مارنے کی کیا تک تھی، تم کب آئے بیٹے پتا ہی نہیں چلا انہوں نے جاذب کو گلے لگاتے ہوئے پوچھا۔

"بس پھپھو جان! کچھ دیر پہلے ہی تو آیا تھا، رائمہ سے کہا چائے پلوا دو تو یہ مرنے مارنے پر تل گئی۔" اس نے مسکین سی صورت بنا کر کہا۔

"چائے تو بوا نے تیار کر لی ہے اسی لیے تو رائمہ کو بلانے آئی تھی، تم صحیح وقت پر آئے ہو چلو چائے پیتے ہیں، رائمہ تم بھی فوراً آ جاؤ ورنہ چائے ٹھنڈی ہو جائے گی۔" انہوں نے دروازے کی سمت مڑتے ہوئے کہا۔

"چلیں جی، چائے کی بہت طلب ہو رہی ہے۔" پھپھو سے کہتے ہوئے اس نے گھوم کر رائمہ کو انگوٹھا دکھایا اور زبان چڑائی رائمہ نے دوسرا کشن اٹھا لیا تھا لیکن وہ تیزی سے باہر نکل گیا، اس کی حرکت پر رائمہ مسکراتی ہوئی وہیں ڈھیر ہو گئی، جاذب کے آ جانے سے بوریت دور ہو گئی تو افسانہ لکھنے کا بھوت بھی اتر چکا تھا۔

☆☆☆

"اُفوہ، ایک تو آفس سے اتنی دیر میں آتے ہیں...... ساتھ یہ فائلوں کا گٹھر بھی اٹھا لاتے ہیں اور پھر انہی میں سر دیے بیٹھے رہتے ہیں، نہ کوئی بات نہ چیت، نہ کہیں آنا نہ جانا، سن رہے ہیں میں کیا کہہ رہی ہوں؟"

"سن رہا ہوں نائمہ بیگم سن رہا ہوں لیکن کیا کروں، گورنمنٹ کا ملازم ہوں یہ سب تو ہوگا ہی، آپ کہیں کیا کہنا چاہ رہی ہیں؟" سر اٹھائے بغیر کہا گیا۔

"آج فیض بھائی اور ارم بھابی کا فون آیا تھا، کہہ رہے تھے کہ آپ لوگ آج مٹھائی کھانے آ جائیں اور اگر ندیم بھائی کے پاس وقت نہیں تو ہم مٹھائی لے کر آ جاتے ہیں۔" انہوں نے قریب ہی صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"مٹھائی؟ کس بات کی مٹھائی بھئی؟" صفحے پلٹتے ہوئے پوچھا گیا۔

"یہی تو میں کہتی ہوں کہ آپ کو تو کسی بات کا ہوش ہی نہیں ہوتا۔ جاذب سال بھر سے جاب کر رہا ہے لیکن عارضی طور پر تھا، پچھلے ہفتے ہی تو لاہور سے دو ہفتوں کا کورس کر کے لوٹا ہے، آفس والوں نے ہی بھیجا تھا اب سے اس کی جاب پکی ہو گئی ہے تو اس بات کی مٹھائی۔" نائمہ بیگم کے لہجے سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔

"ارے...... یہ تو واقعی خوشی کی بات ہے۔" وہ ایک دم سیدھے ہو کر بیٹھ گئے تھے۔ "بہت، بہت مبارک ہو، یعنی آپ کے اکلوتے بھتیجے صاحب کی مستقل جاب ہو گئی اور آپ نے ہمیں بتایا ہی نہیں۔" انہوں نے چشمہ اتار کر ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا تو نائمہ بیگم مسکرا دیں۔

"بتا تو رہی ہوں اور کیسے بتاؤں؟ اور آپ نے یہ خوب کہا تمہارے بھتیجے صاحب، کیا آپ کا کوئی رشتہ نہیں؟" انہوں نے مصنوعی خفگی سے کہا تو ندیم صاحب بھی ہنس دیے کہ اس خبر سے وہ بھی بہت خوش تھے۔

"ہے کیوں نہیں بھئی؟ میرے بھی فرسٹ کزن کے صاحب زادے ہیں، چلو بیگم آج تو مٹھائی کھانے ضرور جانا ہے آپ اور رائمہ فوراً تیار ہو جائیں، بازار سے جاذب کے لیے کوئی گفٹ بھی لیتے جائیں گے اور ہاں کل انہیں عشائیے پر مدعو کرنا نہ بھولیے گا۔" انہوں نے فائلیں سمیٹتے ہوئے کہا تو نائمہ بیگم کا چہرہ کھل اٹھا۔

☆☆☆

"سنو رائمہ! کیا تمہیں معلوم ہے آج ہم لوگ تمہارے ہاں ڈنر پر آ رہے ہیں؟ تو اس خوشی میں کیا کیا بنا رہی ہو، علاوہ بیوقوف بنانے کے؟"

"معلوم ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ بیوقوف کو بیوقوف بنانے کی ضرورت نہیں ہوتی، اچھا بتاؤ تم کیا کھانا چاہتے ہو؟ آخر ہو ناں ندیدے صبر نہیں ہو سکا۔" رائمہ نے ہنستے ہوئے کہا تو اس کی بھی ہنسی کی آواز سنائی دی۔

"میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ زیادہ تکلف نہ کرنا، بس چکن بریانی اور بکرے کی بھنی چانپیں بنا لینا، کباب کوفتے تو خیر ہوں گے ہی پھر ان کے ساتھ روغنی نان شیرمال وغیرہ تو ہوتے ہی ہیں اور رائمہ بھی، مجھے کی کیا ضرورت ہے ابا کی پسند کے پسندے تو تم خود لوگی اور شیرمال تو تمہیں اتنی پسند ہے کہ وہ بھی

اور دیکھو میٹھے میں بھی زیادہ تردد کرنے کی ضرورت نہیں، چاکلیٹ موز، فروٹ کسٹرڈ، کھیر اور آئس کریم، میرے خیال میں یہی کافی ہوگا کیونکہ ہم لوگ زیادہ تو کھاتے نہیں ہیں اور ہاں یاد آیا ویسے تمہیں بھی معلوم ہے کہ سارہ کو ایک ہی چیز تو پسند ہے بھنی بکرے کی ران یعنی روسٹ تو یہ بھی رکھ لینا میرے خیال میں زیادہ تکلف کی ضرورت نہیں گھر کی ہی تو بات ہے۔" اس کے لہجے میں شوخی کوٹ، کوٹ کر بھری تھی جسے رائمہ بھی سمجھ رہی تھی۔

"بالکل، بالکل ہم خود بھی تو تکلف کرنے کے عادی نہیں ہیں، تم بے فکر رہو، سب کچھ پکا کر پھر سب کو اچھی طرح مکس کر کے اس میں سے ایک پلیٹ تمہیں بھی دے دی جائے گی۔" رائمہ نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"اونہہ...... پرانا لطیفہ، تم مذاق سمجھ رہی ہو اور میں نے تمہیں یہ سمجھانے کے لیے فون کیا ہے کہ تھوڑی سی تم خود بھی بنا لینا تاکہ امی، ابو کو بھی پتا چلے کہ تم کیا، کیا بنا سکتی ہو، اسی بہانے میں بھی تمہارے ہاتھ کا ذائقہ چکھ لوں گا۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا تو رائمہ چڑ گئی تو اس کا لہجہ بڑا تلخ تھا۔

"سنو......! سب تھوڑا سا کھانا نصیبن بوا بہت اچھا بناتی ہیں وہی بنائیں گی، ویسے بھی ماموں جان اور ممانی جان کو علم ہے کہ میں کیا، کیا بنا سکتی ہوں اور رہی میرے ہاتھوں کے ذائقے کی بات تو تم آؤ تو ایسا...... جلاؤں گی کہ ہمیشہ یاد رکھو گے۔" اس نے ہاتھوں، پر زور دے کر کہا تھا، ریسیور رکھ کر وہ ہنس رہی تھی۔

☆☆☆

کھانے کے بعد ٹی وی لاؤنج میں کافی کا دور چلا تو رائمہ، سارہ کو لے کر اپنے بیڈروم میں آ گئی۔ جاذب بھی قریب ہی اپنے کسی دوست سے ملنے چلا گیا ندیم صاحب اور فیض صاحب سیاست پر بڑی سنجیدہ گفتگو کرنے میں مصروف تھے، ارم اور نائمہ اپنی باتوں

لیکن باتوں کا سلسلہ بھی جاری تھا۔

"نائمہ اب تو رائمہ نے بھی بی ایس سی کر لیا ہے، کیا اس کی کہیں بات چیت چلی؟" ارم بھابی نے قریب کھسکتے ہوئے پوچھا، نائمہ کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد بولیں۔

"بھابی! جہاں بیری ہوتی ہے پتھر تو آتے ہی ہیں، رشتے تو کئی آئے لیکن کہیں جی نہیں ٹھکا پھر بھابی ایک ہی بیٹی تو ہے ہماری اسے اتنی جلدی جدا کرنے کو جی نہیں مانتا...... کون سا کوئی بیٹا ہے جو اسے رخصت کر کے بہو لے آؤں، ساری رونق ایک اسی کے دم سے تو ہے اس کے بعد تو گھر خالی ہو جائے گا۔"

"یہ تو ٹھیک ہے لیکن جب اللہ کا حکم ہوتا ہے تو کچھ پتا ہی نہیں چلتا آناً فاناً سب فیصلے ہو جاتے ہیں، یہ کہو ابھی اللہ کی طرف سے حکم نہیں ہوا۔"

"بس یہی بات ہے بھابی، اس کے اچھے مستقبل کی دعا کیا کیجیے۔" ابھی یہ باتیں چل رہی تھیں کہ جاذب کے واپس آنے پر سب جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے لیکن نائمہ اور بھابی کے دل میں کچھ ان کہی باتیں رہ گئی تھیں۔ جو شاید دونوں ہی ابھی زبان پر لانا نہیں چاہتی تھیں۔ لیکن دونوں کی آنکھوں میں ایک عکس سا لہرا گیا تھا۔

☆☆☆

"زہے نصیب، آج تو بڑے، بڑے لوگ تشریف فرما ہیں۔" جاذب نے رائمہ کو بہت دن بعد اپنے گھر دیکھ کر جملہ کسا تھا۔

"جب چھوٹے لوگ راستہ بھول جائیں تو بڑے لوگوں کو ہی تشریف فرمانی پڑتی ہے۔" رائمہ نے بھی ٹھیک نشانے پر چوٹ ماری تھی کیونکہ وہ ہفتہ بھر سے پھر وجہ بتائے بغیر غائب تھا اب یہ اس کی عادت بنتی جا رہی تھی۔

"اچھا تو ہم چھوٹے لوگ ہیں؟! ابھی امی سے کہتا ہوں کہ آپ کی بھانجی صاحبہ کیا فرما رہی ہیں آپ کی تعریف میں۔" جاذب نے مصنوعی غصہ دکھایا۔

تعریف کررہے تھے اور یہ ممانی جان کو کیوں بیچ میں گھسیٹ رہے ہو صرف اپنی بات کرو۔'' رائمہ نے بے اختیار ہنستے ہوئے کہا، ہنسنے سے چہرہ اور گلابی ہوگیا تھا اس پرخوب صورت سادہانہ اور سفید موتیوں جیسے دانتوں کی لڑی کچھ دیر کو تو وہ مبہوت ہوکر رہ گیا، اس کی اس کیفیت پر رائمہ نے جھینپتے ہوئے کہا۔

''امی، ابو بھی آئے ہیں۔'' تو وہ ایک دم چونک گیا۔

''اوہ میری پیاری پھپو آئی ہیں۔'' وہ جانے کے لیے مڑا ہی تھا کہ اچانک رک گیا۔

''یہ کیا ہے؟'' اس نے رائمہ کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے لفافے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''تصویریں ہیں۔''

''کیسی تصویریں؟''

''وہی، جو کالج کے ساتھ پکنک پر کھینچی تھیں سارہ کو دکھانے لائی ہوں۔''

''یعنی کہ اب دکھانے لائی ہو؟ کمال ہے۔'' اس نے رائمہ کے ہاتھ سے لفافہ لیتے ہوئے کہا اور ایک، ایک تصویر نکال کر دیکھنے لگا۔

''سب ہی لڑکیاں کاپی کرواتی رہیں، مجھے کل ہی تو ملیں آج لے آئی۔''

''بھائی آپ خوب وقت پر پہنچے، اب فوراً فریش ہوجائیں جب تک میں رشیدہ کے ساتھ مل کر کھانا لگواتی ہوں۔'' سارہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

''بس بہنا ابھی جاتا ہوں فریش ہونے ذرا ان صاحبہ کی سہیلیوں پر تو ایک نظر ڈال لوں شاید کوئی پسند ہی آجائے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''لیکن بھائی! آپ کو ان میں سے کوئی لڑکی پسند کرنے کی کیا ضرورت ہے؟'' اس نے حیرانی سے پوچھا۔

''ضرورت کیوں نہیں ہے؟ آخر کماؤ پوت ہوگیا ہوں اور حسب روایت والدہ میرے لیے لڑکی ڈھونڈ رہی ہیں۔''

''بے شک دیکھ لیں، کوئی پسند نہیں آئے گی، اس

اس نے جاتے، جاتے جاذب کی طرف معنی خیز مسکراہٹ سے دیکھا۔

''ونڈرفل، غضب ہے بھئی غضب، کیا بڑی بڑی جھیل سی آنکھیں، ستواں ناک، گلاب کی پنکھڑیوں جیسے نازک ہونٹ، اتنے خوب صورت بال، جادو بھری مسکراہٹ، ہم تو اسیر ہوگئے اس حسین مسکراہٹ کے آفت ہے آفت بلکہ قیامت ہے قیامت ...... اتنی اسمارٹ لڑکی......'' وہ بڑی محویت سے تصویریں دیکھ رہا تھا اور رائمہ سوچ رہی تھی کہ اتنی خوب صورت کون سی لڑکی آگئی تصویر میں جس کے حسن کے قصیدے پڑھے جارہے ہیں، ان میں سے تو کوئی ایسی نہیں۔

''کس پر اتنی شاعری ہورہی ہے؟'' رائمہ نے زیرلب مسکراتے ہوئے پوچھا تو اس نے شہادت کی انگلی کو گول، گول گھماتے ہوئے رائمہ کی تصویر پر رکھتے رکھتے اس کے ساتھ کھڑی لڑکی پر رکھتے ہوئے کہا۔

''اس پہ۔ ہے ناں قیامت......؟'' وہ کن انکھیوں سے رائمہ کو دیکھ رہا تھا اور اس کی حیرانی سے لطف اندوز ہورہا تھا۔

''توبہ ہے جاذب، اتنے بدذوق ہو تم، چھوٹی چھوٹی آنکھیں، پکوڑا ناک، چھوٹا قد اور موٹی بھدی کہاں سے خوب صورت لگ رہی ہے، یہ تمہیں؟'' رائمہ ہنستے ہنستے دوہری ہورہی تھی ''تو یہ پسند ہے تمہاری۔''

''جب تم اسے دوست بناسکتی ہو تو کیا میں اسے پسند نہیں کرسکتا؟'' اس نے تیوریاں چڑھا کر پوچھا تو رائمہ تو چڑ ہی گئی۔

''تمہیں کس نے کہا یہ میری دوست ہے؟''

''بھئی اس تصویر نے...... اگر دوست نہ ہوتی تو یوں چپکی کیسے کھڑی ہوتی تمہارے ساتھ اور اس وقت تم دوست کیوں نہیں مان رہیں؟''

''یہ، نہ تو میری دوست ہے اور نہ ہمارے گروپ کی، تصویر بن رہی تھی تو نہ جانے کس وقت آکر کھڑی ہوگئی، ہماری گروپ فوٹو بھی خراب کرادی۔

اظہار کررہی تھی۔

''تم کچھ بھی کہو، ہے بہت چارمنگ اور اسمارٹ مجھے تو بھئی پسند آئی۔'' وہ دل پر ہاتھ رکھے کہہ رہا تھا۔

''تمہیں کیا خوب صورتی نظر آئی اس میں یہ تو بتاؤ۔'' رائمہ کو واقعی غصہ آرہا تھا۔

''اتنی تفصیل سے تو بتایا ہے پھر بھی پوچھ رہی ہو، کسی نے کیا خوب کہا ہے حسن تو دیکھنے والے کی نظر میں ہوتا ہے، دل گدھی پر آجائے تو پری کیا چیز......اور میری آنکھوں سے دیکھو کہ وہ کتنی حسین ہے، آخر اس کا پتا ٹھکانا بھی ہے؟'' وہ اتنی سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا کہ رائمہ سلگ کر رہ گئی۔

''یہ جو اتنی لڑکیاں تم نے تصویر میں دیکھی ہیں اس سے تو لاکھ درجے بہتر ہیں لیکن تمہیں پسند بھی آئی تو کون؟ اور مجھے تو اس دن سب ہی کہہ رہی تھیں کہ اس سی گرین سوٹ میں تم غضب ڈھا رہی ہو، کھلے بالوں میں تو تم بہت ہی خوب صورت لگ رہی ہو اور تم ہو کہ ذرا بھی تعریف نہیں کی۔'' رائمہ روانی میں کہتی چلی گئی اسے تو علم ہی نہ تھا کہ جاذب اس کی باتوں پر مسکرائے جارہا تھا۔

''ضروری تو نہیں کہ تعریف زبان سے بھی ضروری جائے۔'' اس نے جانے کن نظروں سے رائمہ کی آنکھوں میں دیکھا تھا کہ اس کے دل میں کچھ عجیب سا ہوا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ وہاں سے جاچکا تھا اور جب واش روم سے لوٹا تو اس کی آنکھیں ہمیشہ کی طرح شفاف تھیں۔

کھانے کے دوران ہلکی پھلکی گفتگو بھی چلتی رہی ساتھ، ساتھ کھانے کی تعریف بھی ہوتی رہی کہ کچھ ڈشز تو سارہ نے خود تیار کی تھیں جو بہت لذیذ تھیں۔

''اب تو ہماری سارہ خوب اچھی کوکنگ کرنے لگی ہے۔'' نائمہ نے سارہ کی طرف پیار سے دیکھتے ہوئے کہا سارہ تو اپنی تعریف سے بہت خوش ہورہی تھی اور مسکرائے جارہی تھی۔

''نائمہ یہ پڑھائی سے اب تو فارغ ہوچکی ہے، لہٰذا اب کوکنگ کی طرف توجہ دے رہی ہے۔ اب دیکھو

''بھابی، ٹھیک تو ہے، سارہ کی منگنی کو چار سال تو ہوگئے وہ اب اور کتنا انتظار کریں گی۔ ابھی ارادہ نہیں ہے کیا بیٹی کو رخصت کرنے کا؟'' نائمہ نے حیرانی سے پوچھا۔

''یہ بات نہیں ہے بلکہ میں تو یہ سوچ رہی ہوں کہ جاذب بھی جاب سے لگ گیا ہے تو دونوں کی شادی اکٹھا ہی کردوں، تمہارا کیا خیال ہے؟'' انہوں نے نائمہ سے مشورہ چاہا تاپک ایسا چھڑ چکا تھا کہ تینوں بچے وہاں سے خاموشی سے کھسک گئے، دونوں مرد تو پہلے ہی اٹھ چکے تھے اس لیے نند، بھاوج ہی باتیں کرنے کو رہ گئیں..تو نائمہ نے بات شروع کی۔

''بھابی کیا آپ نے جاذب کے لیے لڑکی ڈھونڈ لی یا جاذب نے اپنی کوئی پسند بتائی ہے جو آپ سارہ کے ساتھ ہی ان کی شادی کا سوچ رہی ہیں؟''

''ارے کہاں' میں نے تو جب بھی اس سے پوچھا کہ بھئی اگر کوئی پسند ہے تو بتادو تاکہ تمہارا ابھی رشتہ طے کردوں تو گول کر جاتا ہے اور جب میں کہتی ہوں کہ میں اپنی پسند سے تمہاری شادی کردیتی ہوں تو کہتا ہے کہ ابھی اتنی جلدی کیا ہے۔ معلوم نہیں کیا چاہتا ہے اور کب شادی کرے گا کچھ پتا نہیں، بڑا موڈی لڑکا ہے اور لا ابالی بھی بہت ہے، اسی وجہ سے تو میں اب تک خاموش بیٹھی ہوں ورنہ تو اب تک اس کی بھی منگنی کر کے بے فکر ہوجاتی......شادی جب چاہے کرتا لیکن وہ تو ایسا مطمئن ہے جیسے خود کہیں بکی بکنگ کررکھی ہو۔'' ان کی پریشانی پر نائمہ کو ہنسی آگئی۔

''چھوڑیں بھابی ابھی اسے ہنسنے کھیلنے دیں جب خود سنجیدہ ہوگا تو ہوجائے گی شادی بھی، ابھی تو آپ بیٹی کو خوشی، خوشی رخصت کریں۔''

''اچھا، چلو چھوڑو، ارے ہاں کل رائمہ فون پر بتارہی تھی امریکا سے کوئی مہمان آرہا ہے؟'' بھابی کو ایک دم ہی یاد آگیا پوچھنا تو انہوں نے کل ہی تھا لیکن بھول ہی گئی تھیں۔ اب بھی اچانک ہی یاد آیا تھا۔

''ہاں بھابی، آتو رہا ہے، میری ایک رشتے کی

بھی یاد ہو، بیس سال پہلے وہ لوگ امریکا جا کر سیٹ ہو گئے تھے، بیٹیوں کی شادیاں بھی وہیں کر دی تھیں اور اس بیٹے کو بھی وہاں سیٹ کر کے آٹھ سال پہلے وہ لاہور شفٹ ہو گئے تھے، وہ لوگ جب گئے تھے تو بیٹا چھوٹا ہی تھا اب جب سے پہلی مرتبہ وطن آ رہا ہے تو ثریا آپا کا پنڈی سے فون آیا تھا کہ صولت میاں کو کراچی میں کچھ دن کام ہے، یہ جگہ اور ماحول اس کے لیے بالکل اجنبی ہیں تو اپنے گھر ٹھہرا لیں، کچھ دن بعد وہ لاہور آ جائے گا، ہم نے بھی کچھ دن ٹھہرانے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا' آپ تو جانتی ہیں، ہمارا گیسٹ روم تو گھر سے بالکل الگ تھلگ ہی ہے تو رہ لے کچھ دن یہاں۔''

''تو لڑکا کیا پاکستان شادی کرنے آ رہا ہے؟''

''اتنی تفصیل تو میں نے نہیں پوچھی، آپا نے یہی بتایا تھا کہ وہ لوگ اب یہاں بھی بزنس سیٹ کرنا چاہ رہے ہیں، اسی سلسلے میں آ رہا ہے، ویسے بھی ان لوگوں سے ایک مرتبہ ہی ملاقات ہوئی تھی جب وہ لوگ امریکا جا رہے تھے اس کے بعد کبھی رابطہ ہی نہیں ہوا تو کیا پوچھتی۔''

''ہاں، ہاں اب کچھ یاد تو آ رہا ہے ان کے بارے میں، عرصہ بھی تو اتنا زیادہ گزر گیا اس بات کو۔''

''جی بھابی!'' نائمہ نے مسکرا کر کہا۔

☆☆☆

ندیم صاحب آج میٹنگ میں مصروف ہونے کی وجہ سے روزانہ سے زیادہ لیٹ ہو گئے تھے۔ رائمہ بھی اس وقت گیسٹ روم کی صفائی میں مصروف تھی۔ نائمہ بیگم کچھ دیر تو ٹی وی کے چینل بدلتی رہیں آخر بور ہو کر کچھ کپڑے نکال کر بوا کے ساتھ تخت پر آ بیٹھیں اور دونوں مل کر کپڑوں کی کٹائی، چھنٹائی میں مصروف ہو گئیں...... اتنی مصروفیت میں بھی بوا نے اٹھ کر جب تیسری مرتبہ صحن میں آتی بال باہر گلی میں بچوں کی طرف پھینکی تو ان کا ضبط جواب دینے لگا پھولی سانس کے ساتھ کہنے لگیں۔

''میں تو کہتی ہوں بہو بیگم یہ دیوار بڑھوا لو، ہر وقت تو گیندیں اندر گرتی رہتی ہیں۔ بھیا کچن میں کام کرتے، کرتے بھی دسیوں دفعہ آ کر اٹھانی پڑتی ہیں، ان بچوں کو تو معلوم ہوتا ہے گیند بلا کھیلنے کے علاوہ کوئی کام ہی نہیں، دیوار اونچی ہو جائے تو روز، روز کی پریڈ سے جان چھوٹے۔'' انہوں نے پھر تخت پر بیٹھتے ہوئے کہا تھا کہ اسی وقت رائمہ گیسٹ روم کی صفائی کر کے نکلی تھی' وہ پوری کی پوری گرد میں اٹی ہوئی تھی، سیاہ بالوں پر بھی مٹی چمک رہی تھی اور کچھ لٹیں چوٹی سے نکل کر چہرے پر جھول رہی تھیں...... اسے اس قدر الجھن ہو رہی تھی کہ فوراً نہانے کا سوچ کر زینے سے بھاگتی ہوئی اتر رہی تھی آخری سیڑھی سے نیچے قدم رکھتے ہی کوئی چیز اس طرح پیر تلے آئی کہ پیر رپٹ گیا اور وہ پھسلتی ہوئی اس زاویے سے گری کہ سر نیچے اور ٹانگیں اوپر...اور عین اسی وقت جاذب بھی دروازے تک پہنچا تھا، یہ منظر دیکھتے ہی اس نے بے اختیار زبان دانتوں میں جمائی تھی اور اس کے قدم وہیں جم گئے تھے۔ رائمہ کی ایک چپل اڑتی ہوئی امی اور بوا کے درمیان جا گری جو اس طرف پیٹھ کیے کسی کپڑے کے مسئلے میں الجھی ہوئی تھیں تو ایک دم اچھل پڑیں۔

''اے لو بہو بیگم، ہم تو گیندوں کو رو رہے تھے اب تو جوتیاں بھی ہمارے سر پر پڑنے لگیں۔ اب تو اچھی طرح خبر لینی پڑے گی ان بچوں کی۔'' بوا جوتی پکڑے بولتی، بولتی تخت سے اتریں...... نظریں چاروں شانے چت پڑی رائمہ پر پڑی تو گھبرا کر اس کی طرف بھاگیں۔

''ارے یہ بٹیا کو کیا ہوا؟'' دوسرے ہی لمحے امی بھی ان کے پیچھے پہنچی تھیں، دونوں مل کر رائمہ کو اٹھانے کی کوشش کر رہی تھیں اور گرنے کا سبب بھی پوچھ رہی تھیں۔ لیکن وہ تو کراہے جا رہی تھی۔

''گریں کیسے یہ تو بتاؤ......؟'' انہوں نے پھر پوچھا

''مجھے نہیں معلوم...... بس کوئی چیز پیر کے نیچے آئی تھی۔'' اس نے بہ مشکل کہا۔

''کیا چیز آئی تھی؟'' امی نے پھر تشویش سے پوچھا۔

''چیونٹی آ گئی ہوگی۔'' جاذب کی آواز بالکل قریب سے آئی تھی۔ اسی وقت اسے وہ گلی نظر آ گئی جو رائمہ کے گرنے کا سبب بنی تھی اس نے گلی اٹھا کر خاموشی سے باہر اچھال دی۔

''یہ تم ٹیک آف کر رہی تھیں یا لینڈ کر رہی تھیں؟'' جاذب، رائمہ سے پوچھ رہا تھا جسے امی اور بوا پکڑ کر چلانے کی کوشش کر رہی تھیں اور وہ لنگڑا، لنگڑا کر تھوڑا، تھوڑا چل رہی تھی اور آنسو اس کے رخساروں پر گر رہے تھے۔

''میں گر گئی ہوں اور تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے۔'' اس نے سسکی لی اس سے نہ بات ہو رہی تھی، نہ چلا جا رہا تھا۔

''ہائیں، تم گر پڑی تھیں؟ میں نے تو دور سے دیکھا تھا پہلے سمجھا کہ ٹانگوں کو ہوا میں لہرا کر فلائی کرنے کا شاید کوئی نیا طریقہ ایجاد ہوا ہے، جس کی تم کھلے صحن میں پریکٹس کر رہی ہو لیکن جب پہلے بوا اور پھر پھپھو جان کو تمہاری طرف دوڑتے دیکھا تو فوراً سمجھ گیا کہ سر کے بل لینڈ کرنے کا کوئی طریقہ ایجاد ہوا ہے اور تم نے ابھی، ابھی صحن میں لینڈ کیا ہے اور دونوں خواتین تمہارے استقبال کو دوڑی ہیں۔ تمہارا حلیہ بھی یہی بتا رہا ہے کہ سیدھی چاند پر سے سرگشت کر کے آ رہی ہو، سنا ہے چاند پر مٹی اور پتھروں کے سوا کچھ نہیں۔'' وہ مسلسل بولے چلا جا رہا تھا اور اس وقت اس کی باتیں رائمہ کو ہنسانے کے بجائے رُلا رہی تھیں۔

''امی چپ کرا لیں اپنے بھتیجے کو۔'' اس نے چیخ کر کہا اور درد سے کراہ اٹھی تو امی نے بھی فکر مندی سے کہا۔

''معلوم ہوتا ہے بیٹا چوٹ کچھ زیادہ ہی آ گئی ہے، اس وقت اس سے کوئی بات برداشت نہیں ہو رہی۔''

''سوری پھپھو، میں تو اس کی تکلیف میں کمی کرنے کے لیے مذاق کر رہا تھا، واقعی اسے چوٹ زیادہ آئی ہے...... آپ اسے بیڈ پر لٹائیں میں پانی اور پین کلر لاتا ہوں۔'' اس نے فریج کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

اسے لٹا کر بوا بھی گرم دودھ میں ہلدی ڈال کر لے آئی تھیں جو زبردستی اسے پلوایا گیا۔ ندیم صاحب کے آنے پر اس کا ایکسرے بھی کروا لیا تھا۔ سب کی تسلی ہوئی کہ فریکچر نہیں ہوا تھا صرف کولہے کی ہڈی پر چوٹ لگی تھی۔

ریسیور رکھتے ہی دوبارہ بیل بجی تھی دوسری طرف جاذب تھا جو غصے میں بول رہا تھا۔

''کافی دیر سے فون کے خالی ہونے کا منتظر تھا، اتنی فضول اور اتنی زیادہ باتیں کرتی ہو تم دونوں فون پر، میرا کتنا وقت ضائع کروا دیا تم دونوں نے۔''

''تو یہ بات سارہ سے کہہ دی ہوتی، اتنی فضول بات کرنے کے لیے فون کیا تھا کیا؟ اور یہ بتاؤ اتنے

دن سے تم غائب کہاں تھے، گھر آنا تو درکنار فون تک نہ کر سکے، کتنا بدل گئے ہو تم۔'' رائمہ نے شکوہ کیا تھا۔

''اب تو بدلنا ہی ہے، آج کل میں بہت ہی مصروف ہوں، تمہیں بتایا تو تھا کہ امی میرے لیے لڑکی تلاش کر رہی ہیں، تو بس روزانہ ہی صبح شام کہیں نہ کہیں بردکھوے کو جانا پڑتا ہے۔'' اس نے رعونت سے کہا۔

''اونہہ...... یہ منہ اور مسور کی دال، زیادہ ہیرو بننے کی ضرورت نہیں ہے اور بر دکھوے کے لیے مارے، مارے پھرنے کی کیا ضرورت ہے جبکہ لڑکی تو تم پسند کر چکے ہو تو ممانی جان کو کیوں نہیں بتا دیتے؟'' تصویر والی لڑکی یاد آتے ہی رائمہ ہنس دی تھی۔

''ارے جو میں نے پسند کی ہے ناں وہ اسپیشل پیس تو میں نے اپنے دل میں چھپا کر رکھا ہے، جب امی تمام لڑکیاں دیکھ کر تھک جائیں گی تب اس کا بتاؤں گا تاکہ ریجیکٹ کرنے کا خدشہ ہی نہیں رہے کیونکہ شادی تو اسی حسن کی دیوی سے کرنی ہے، کیا سمجھیں؟ اچھا اس بات کو چھوڑو، یہ بتاؤ تمہارے امریکن مہمان کیسے ہیں؟ خوب گپ شپ رہتی ہوگی، وقت اچھا گزر جاتا ہوگا اور تم بور بھی نہیں ہوتی ہوں گی۔''

''ہاں یہ بات تو ہے، بہت اچھے، بہت خوب صورت ہیں صولت بھائی اور گپ شپ امی، ابو سے زیادہ ہوتی ہے دونوں ہی ان کے گرویدہ ہو گئے ہیں، ایک مزے کی بات بتاؤں، مجھے دیکھ کر تو دو دن بیچارے شاک میں رہے کہ اتنی خوب صورت لڑکی لنگڑی ہے، جب لنگڑانے کی وجہ بتائی تو ان کی تسلی ہوئی، چار دن ہو گئے انہیں آئے ہوئے اور تم ابھی تک اُن سے ملنے بھی نہیں آئے جبکہ تمہارا غائبانہ تعارف تو اُن سے ہو چکا ہے۔''

''ہوں...تو پھپھو اور پھپا جان کو بہت پسند آ گئے تمہارے صولت بھائی۔'' رائمہ کے چپ ہوتے ہی وہ بولا۔ ''اور تمہیں؟ تمہیں کتنے پسند آئے یہ نہیں بتایا۔'' اس نے چبھتے لہجے میں پوچھا تھا۔

''اچھے اور مہذب لوگ تو سب کو ہی پسند آتے ہیں، تم ملو گے تو تمہیں بھی بہت پسند آئیں گے تو آج

آ رہے ہو ناں صولت بھائی سے ملنے؟''

''بہت مشکل ہے، آج بہت مصروفیت ہے، کل رات کی میری فلائٹ ہے لاہور کی وہاں نئی برانچ کھل رہی ہے اور کل جانے سے پہلے یہاں دو میٹنگز بھی اٹینڈ کرنی ہیں، سر کھجانے کی فرصت نہیں، اسی لیے آج تھوڑا وقت نکال کر تم سے بات کر لی اور یہ ایک ہفتہ بھی بہت زیادہ مصروفیت کا گزرا، تم سمجھو اتنی مصروفیت میں کوئی بات بھی ذہن میں نہیں رہتی، اسی لیے آنے کا وعدہ نہیں کر رہا، اب وہاں سے آ کر ہی ملاقات ہوگی مائنڈ نہ کرنا۔''

''سنو کوشش تو کرنا آج آنے کی اور کل تو خیر تم بغیر کہے ہی آ جاؤ گے، میں جانتی ہوں اور تم بھی......'' اس نے پُرامید لہجے میں کہا لیکن جاذب ہنس دیا تھا۔

''دل تو بہت چاہ رہا ہے تمہاری چائے اڑائے ہوئے بھی تو بہت دن ہو گئے ناں......؟''

''یہ تم میری چائے ناشتے کے پیچھے کیوں پڑے رہتے ہو؟ تو آؤ تو سہی تھرماس بھر کر چائے پلوا دوں گی حلق تک۔'' رائمہ نے قہقہہ لگایا۔

''نہیں، جو مزہ تمہاری چائے اڑا کر پیچھے ہوئے تمہیں چیختے چلاتے دیکھنے میں آتا ہے ناں وہ کسی اور چائے میں کہاں۔ اور تم اتنی کنجوس کیوں ہو کہ ایک پیالی چائے پر جان لینے اور دینے پر تل جاتی ہو؟'' اس نے پھر چڑایا۔

''کنجوسی کی بات نہیں ہے بس مجھے غصہ آ جاتا ہے، تمہاری ان حرکتوں پر اور اگر اب تم نے ایسی حرکت کی تو دیکھنا میں چیخوں چلاؤں گی نہیں بلکہ خاموشی سے تمہارا سر پھوڑ دوں گی تاکہ آئندہ ایسی حرکت نہ کر سکو سمجھے؟ اور سنو ہو سکے تو آج بھی وقت نکال کر آ جانا اور کل کا تو مجھے پتا ہے تم جانے سے پہلے ضرور آ جاؤ گے خواہ تھوڑی دیر کو ہی لیکن آؤ گے ضرور......'' جاذب کے قہقہے پر اس نے فون بند کر دیا تھا اور خود بھی ہنس پڑی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ یہ سب اسے ستانے کے لیے کر رہا ہے۔

☆☆☆

آج کا بقیہ دن اور اگلا سارا دن انتظار میں گزرا تھا جاذب نے آنا تھا نہ آیا۔ وہ یہ سوچ کر مطمئن تھی کہ زیادہ تر کام اس نے کل نبٹا لیے ہوں گے تاکہ آج کچھ فرصت مل سکے، آج تو اس کے آنے کا پورا یقین تھا ہو ہی نہیں سکتا کہ آج وہ نہ آئے۔ بے شک آج دو میٹنگز تھیں اسی لیے فلائٹ سے پہلے آنے کے لیے اس نے وقت نکال ہی لیا ہوگا کل زیادہ کام کر کے۔ یہی سب سوچتے ہوئے وہ اس کی پسند کی کئی چیزیں تیار کر چکی تھی جن میں اس کا پسندیدہ کیک بھی تھا، شام ہو رہی تھی اس لیے نہا دھو کر تیار ہو گئی جانے کس وقت آ جائے، اس نے تھرماس بھر کر چائے بھی بنالی اور انتظار کرنے لگی...... انتظار میں وقت بہت آہستہ گزر رہا تھا، صولت بھائی بھی اپنے کام سے گئے ہوئے تھے اور ابھی تک نہیں آئے تھے، بوریت بڑھنے لگی تو اس نے سوچا ایک کپ چائے ہی پی لی جائے ان لوگوں کے آنے تک، کپ میں چائے ڈال کر ٹیبل پر رکھی۔ ''خالی چائے کے ساتھ کسی کتاب کا ہی مزہ لیا جائے یہ ٹھیک ہے۔'' وہ کتاب لینے اوپر اپنے بیڈ روم میں چلی گئی۔ واپس آئی تو چائے غائب تھی۔ ''ہوں تو موصوف تشریف لے ہی آئے۔'' دل میں بہار سی بھر گئی۔ ''لیکن منع کرنے پر بھی حرکت سے باز نہیں آیا، آج مزہ چکھاتی ہوں، آج تو اس ڈھیٹ کی خیر نہیں۔'' وہ ہنسی اور اِدھر اُدھر ڈھونڈتی ڈرائنگ روم میں پہنچ گئی۔ اس کی حالت دیکھ کر قہقہہ لگانے کو دل چاہا کیونکہ وہ پورے کا پورا اخبار میں چھپا بیٹھا تھا، سارا اخبار کھول کر آگے پھیلا رکھا تھا یعنی اخبار میں پناہ لے رکھی تھی۔

''میری وارننگ سے ڈر بھی گیا لیکن حرکت سے باز نہیں آیا۔'' اس کے سامنے ٹیبل پر بھاپ اڑاتی چائے پڑی دیکھ کر وہ کھول گئی۔ کتاب کو ہاتھوں میں تولا دبے پاؤں چلتی اس کے قریب پہنچ گئی اور پوری قوت سے کتاب اس کے سر پر دے ماری، اخبار دو حصوں میں تقسیم ہو کر فریم بن گیا جس کے درمیان صولت بھائی کا حیران و پریشان چہرہ فٹ تھا جن کی قہر آلود آنکھوں

جائیں گے، انہوں نے سرخ انگارہ ناک پر ہاتھ رکھ لیا تھا جس میں سے خون کی باریک لکیر بہتی نظر آ رہی تھی۔ وہ شاید منہ اٹھائے اوپر کی سرخیاں پڑھ رہے تھے جو کتاب سر کے بجائے سیدھی ناک پر پڑی، ناک کی تکلیف کا اندازہ ان کی آنسوؤں بھری جلتی آنکھوں سے ہو رہا تھا، جن میں حیرت و غصہ درد اور جانے کیا، کیا بھرا تھا۔

''صولت بھائی آپ......؟'' چیخ کے ساتھ ہی کتاب رائمہ کے ہاتھ سے چھوٹ کر کپ پر گری جو نیچے لڑھک گیا اور گرم چائے پینٹ سے ہوتی جوتوں اور جرابوں میں گھس گئی وہ اچھل کر کھڑے ہو گئے، شدید غصے اور تکلیف سے ان کا چہرہ عجیب ہو رہا تھا، رائمہ کی تو ہوائیاں اُڑ گئی تھیں۔

''صولت بھائی، آئی ایم رئیلی سوری، مجھے نہیں پتا تھا کہ اخبار کے پیچھے آپ ہیں، صولت بھائی پلیز کتاب آپ کو نہیں مار رہی تھی، میں تو جاذب کو مار رہی تھی۔ صولت بھائی رکیے پلیز میری بات تو سنیے۔'' وہ گھبراہٹ میں جلدی، جلدی اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے انہیں روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''پلیز صولت بھائی۔'' اس نے ان کی آستین پکڑ کر انہیں روکنا چاہا تو انہوں نے ایک جھٹکے سے چھڑالی۔

''یو سلی گرل، نان سینس، ایڈیٹ، ڈونٹ فالو می۔'' انہوں نے پیروں میں پڑے کپ کو کک ماری اور زور، زور سے ڈانٹتے ہوئے ڈرائنگ روم سے نکل گئے۔ نائمہ بیگم جو تخت پر بیٹھی تسبیح پڑھ رہی تھیں، انہیں حیرانی سے دیکھتی رہیں جو انتہائی غصے کے عالم میں گیسٹ روم کی سیڑھیاں چڑھ رہے تھے، ان کے جانے کے بعد ڈرائنگ روم میں چلی آئیں جہاں رائمہ گھٹنوں پر سر رکھے کارپٹ پر خاموش بیٹھی تھی۔

''رائمہ! کیا ہوا، یہ صولت میاں اس قدر غصے میں چلاتے ہوئے کیوں گئے ہیں کیا، کیا تم نے؟'' امی مجسم سوال بنی ہوئی تھیں۔

''امی...... میں نے تو جاذب کے سر پر کتاب

"جاذب کے سر پر کیوں اور جاذب کہاں ہے؟" انہوں نے غیر ارادی طور پر اِدھر اُدھر دیکھا لیکن جاذب تو کہیں نظر نہیں آیا۔

"کہیں نہیں، اخبار کے پیچھے صولت بھائی تھے، میں سمجھی جاذب ہے اور میری چائے لے اڑا ہے، مجھے غصہ آگیا لیکن میں نے صولت بھائی کو نہیں جاذب کو کتاب ماری تھی، یہی بات میں انہیں سمجھانا چاہ رہی تھی، میں نے اُن سے سوری بھی کیا لیکن انہوں نے میری بات ہی نہیں سنی، غصے میں ڈانٹتے ہوئے چلے گئے۔" وہ بہت پشیمان تھی اور امی گم صم کھڑی اسے دیکھ رہی تھیں۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔

"امی، کتاب سر کے بجائے ان کی ناک پر لگی ناک سے کچھ خون بھی نکل رہا تھا شاید ان کی نکسیر پھوٹ گئی ہو۔" اس نے ہاتھوں کی پشت سے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"اور یہ کارپٹ کا کیا حشر کیا ہوا ہے؟" امی نے نیچے پڑا کپ اٹھاتے کہا۔

"امی، چائے ان کے کپڑوں اور جرابوں پر گرگئی تھی۔" سر جھکائے جواب دیا۔

"اُفوہ، یہ باری، باری کیا بتارہی ہو اور جو کچھ کیا ہے ایک دفعہ میں ہی بتادو، نہ جانے تمہاری یہ حرکتیں کیا رنگ لائیں گی، گھر آئے مہمان کی یہ درگت بنائی ہے۔" امی سر پکڑ کر صوفے پر نڈھال ہوگئیں پھر کچھ دیر بعد خود ہی بولیں۔

"میں نے دیکھا گرم، گرم چائے ٹیبل پر پڑی ٹھنڈی ہورہی ہے اور تم غائب تھیں، اسی وقت صولت میاں باہر سے آگئے تو میں نے وہ چائے انہیں دے دی کہ ٹھنڈی ہونے سے بہتر ہے وہی پی لے، عصر کی نماز نکلی جارہی تھی اس لیے اسے بٹھا کر نماز پڑھنے چلی گئی، مجھے کیا معلوم تھا کہ ایک کپ چائے اسے اتنی مہنگی پڑے گی کہ تمہارے ہاتھوں اس کا یہ حشر ہوجائے گا اور کتاب بھی تو دیکھو کتنی موٹی جمانت کرائی تھیں۔" امی

"میں جاکر اسے دیکھتی ہوں اور تم بھی اپنے حواسوں میں رہا کرو، اتنی بڑی ہوگئی ہو اور ابھی تک بچپنا نہیں گیا۔" امی نے جاتے، جاتے بھی اسے لتاڑ دیا تھا، وہ روتے ہوئے پھر وہیں بیٹھ گئی تھی لیکن جب ڈور بیل بجی تو وہ اپنا حلیہ درست کرنے واش روم میں گھس گئی۔ جاذب ہی آیا ہوگا، اتنی دیر کردی آنے میں کچھ دیر پہلے آجاتا تو وہ کچھ نہ ہوتا، کچھ دیر قبل گزرے واقعات پر اس وقت اسے ہنسی آگئی۔

"جاذب کو بھی بتاؤں گی کہ تم تو بچ گئے لیکن آج تمہارے دھوکے میں بیچارے صولت بھائی کی کیا درگت بنی میرے ہاتھوں۔" وہ مسکراتے ہوئے واش روم سے نکلی تھی۔

"کون آیا ہے؟" اس نے بوا سے پوچھا۔

"تمہارے ابا آئے ہیں اور کون آتا اس وقت؟" بوا کہتی ہوئی کچن کی طرف چل دیں تو اس کا چہرہ ایک دم پھیکا پڑ گیا، وہ اب بھی نہیں آیا تھا، پہلی دفعہ ایک ساتھ ہی حد درجہ غصہ اور دکھ اس کے دل میں بھر آیا تھا لیکن ابو کو اپنی طرف آتا دیکھ کر اس نے اپنے آپ کو نارمل رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے مسکرا کر انہیں سلام کیا لیکن چہرہ اور آنکھیں اندرونی کرب کو چھپانے میں ناکام رہے تھے جسے ابو نے بھی محسوس کیا۔

"کیوں بھئی، آج ہماری بیٹی بجھی، بجھی لگ رہی ہے، کیا کچھ طبیعت خراب ہے؟" ابو نے اسے اپنے ساتھ چپٹاتے ہوئے پیار سے پوچھا تو اس کا دل بھر آیا۔

"نہیں تو ابو، میں بالکل ٹھیک ہوں، آپ ڈائننگ ٹیبل پر آجائیں، میں چائے لگاتی ہوں۔" وہ اپنے آپ کو سنبھالنے کے لیے کچن میں گھس گئی، امی بھی صولت بھائی کو لیے آگئی تھیں جن کی دوستانہ مسکراہٹ سے وہ سمجھ گئی کہ امی ان کی غلط فہمی دور کرنے میں کامیاب ہوگئی تھیں پھر اس نے چائے کے ساتھ تمام لوازمات ٹیبل پر لگادیے لیکن اس کے کان جاذب کے قدموں کی آہٹ پر اور آنکھیں دروازے پر لگی تھیں۔

میں روشن تھی۔

اتنی پُرتکلف چائے اور اس کے ساتھ مخصوص کیک دیکھ کر امی، ابو کو یاد آگیا کہ آج تو اس کی برتھ ڈے ہے۔

"کیا جاذب نہیں آیا؟" ابو نے بے اختیار پوچھا تھا۔

"نہیں، آج اسے لاہور جانا تھا۔" امی نے کہا تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ امی، ابو نے اسے گلے لگا کر ڈھیروں دعاؤں سے نوازا..... صولت ایسی برتھ ڈے دیکھ کر حیران تھا پھر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"اگر پہلے بتایا ہوتا تو میں برتھ ڈے گفٹ تو لاتا کیسی برتھ ڈے ہے؟"

"تم اس بات کو محسوس نہ کرو، ہمارے ہاں سالگرہ منانے کا رواج نہیں ہے، یہ تو رائمہ اور جاذب مل کر منا لیتے ہیں تو ہم بھی اس دن اتنی شاندار چائے پی لیتے ہیں، اس خوشی میں کہ سال میں یہ ایک دن ان کی دوستی کا دن ہوتا ہے جو پیار و محبت سے گزرتا ہے، ورنہ پورا سال تو دونوں لڑتے جھگڑتے ہی رہتے ہیں۔" ابو نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

تینوں اس کی بنائی ہوئی ہر چیز کی تعریف کررہے تھے لیکن اسے تو ہر چیز بدمزہ لگ رہی تھی، وہ مہمان کی وجہ سے ان کا ساتھ دینے پر مجبور تھی ورنہ کب کی اٹھ جاتی۔ وہ خود کھانے کے بجائے سرو کرتی رہی یہ اس کی پہلی برتھ ڈے تھی جو جاذب کے بغیر اس کے انتظار میں بے کیف گزری تھی، نہ وہ آیا تھا اور نہ ہی اس نے فون پر وِش کیا تھا، غصہ اور دکھ سے نہ جانے رات کے کس پہر تک وہ روتی رہی تھی اور سوچتی رہی "اسے میرا ذرا بھی خیال نہ رہا وہ کس قدر بدل گیا ہے، ہاں اس نے اس دن کہا بھی تو تھا کہ اب تو بدلنا ہی ہے، میں اس کی بات کو مذاق سمجھی تھی لیکن اس سے دوستی ختم، اب وہ آیا بھی تو میں اس سے بات بھی نہیں کروں گی اور اسے ایسی سزا دوں گی کہ ہمیشہ یاد رکھے گا۔" یہ فیصلہ کرکے وہ مطمئن ہوگئی اور سب آنسو پونچھ ڈالے، ایسے بے

اس نے یہی سوچا تھا۔

صبح دیر سے آنکھ کھلی تھی، طبیعت میں کچھ کسلمندی تھی، وہ ناشتے کے لیے ڈائننگ ٹیبل پر اکیلی بیزار سی بیٹھی تھی۔ صولت بھائی تیزی سے چلے آرہے تھے ہاتھ میں پکڑا شاپر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے۔

"تمہارا گفٹ آگیا تھا، تم نظر نہیں آئیں تو میں اپنے کمرے میں لے گیا تھا۔" وہ جس تیزی سے ایک دروازے سے داخل ہوئے تھے اسی تیزی سے دوسرے دروازے سے نکل گئے اور رائمہ سوچ رہی تھی کہ یہ گفٹ دینے کا کون سا انداز تھا، اگر اس وقت جلدی میں تھے تو کسی فرصت کے وقت دے دیتے، ان کے انداز سے تو لگ رہا تھا جیسے کوئی فریضہ ادا کیا ہو یا کوئی بوجھ سر سے اتارا ہو، اس نے بغیر دیکھے ہی شاپر بے دلی سے ایک طرف ڈال دیا اور ناشتے کی طرف متوجہ ہوگئی۔

☆☆☆

تقریباً ہفتہ بھر بعد جاذب ہمیشہ کی طرح ہنستا مسکراتا چلا آیا، گویا اسے کسی بات کا احساس ہی نہ ہو اور اس نے اس کے لیے ڈھیروں آنسو بہا دیے۔ اسے دیکھتے ہی رائمہ کو بے انتہا غصہ آگیا، جاذب حسبِ معمول اسے مخاطب کرتا رہا لیکن رائمہ نے اسے لفٹ ہی نہیں کرائی بلکہ اسے جلانے کے لیے صولت بھائی کے ساتھ ہنس، ہنس کر باتیں کرتی رہی۔ رائمہ کا رویہ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا، پھوپو نے اسے بلا لیا وہ صولت بھائی سے بھی اچھی طرح ملا لیکن رائمہ کے رویے نے اسے الجھا دیا تھا، اس لیے جلد ہی اٹھ کھڑا ہوا، پھوپو نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن وہ رکا نہیں تھا۔

"اچھا ہوا چلا گیا، مجھے کون سی اس کی پروا ہے۔" اس نے سر جھٹک کر دل میں اٹھتی چبھن کی لہر کو سلا دیا اور صولت کی کسی بات پر ہنس دی۔

ندیم صاحب کی گاڑی تو ان کے ہی استعمال میں رہتی تھی اس لیے صولت نے اپنے لیے رینٹ پر کار

لے لی تھی، جاذب اب بھی کبھی، کسی دن کچھ دیر کے لیے آجاتا تھا اس کے آتے ہی رائمہ، صولت بھائی سے کہیں نہ کہیں چلنے کی فرمائش کر دیتی اور امی کو لے کر ہنستی مسکراتی ان کے ساتھ چل دیتی، امی اور صولت نے کئی بار جاذب کو بھی ساتھ چلنے کی آفر کی لیکن وہ کسی کام کا بہانہ بنا کر انکار کر دیتا اور واپس چلا جاتا...... اس کے اس طرح لوٹ جانے کے بعد خود رائمہ کا دل بھی بہت دیر تک خالی رہتا اور وہ کہیں بھی کچھ بھی انجوائے نہ کر پاتی، امی اور صولت بھائی اس کی دلی کیفیت سے بے خبر رہتے۔ جاذب کئی مرتبہ اس سے بات کرنے کے ہی ارادے سے آیا لیکن وہ جاذب کو دیکھتے ہی صولت بھائی کی خاطر و مدارات میں لگ جاتی، جاذب، پھپھو سے باتیں کرتا رہتا لیکن اس کی نظریں رائمہ پر ہی ہوتیں جو بے فکری سے صولت بھائی کی باتوں پر قہقہے لگا رہی ہوتی، جاذب اس کی اس بدلتی کیفیت سے پریشان تھا...... اس نے بالآخر پھپھو سے رائمہ کے متعلق بات کرنے کا سوچا لیکن کر نہ سکا پھر ایک دن وہ دوپہر کے وقت آ گیا اس وقت صولت بھائی گھر پر نہیں تھے اور پھپھو بھی سو رہی تھیں۔ اس نے رائمہ کو جا لیا جو اسے دیکھتے ہی کھسکنے لگی تو جاذب نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا، وہ سر جھکا کر بیٹھ گئی۔

''رائمہ! کیا ہو گیا ہے تمہیں، تم اتنا کیوں بدل گئی ہو اگر تم اس دن کی بات پر ناراض ہو تو میں نے تمہیں بتا دیا تھا کہ میرے پاس بالکل وقت نہیں ہے، تم خود سوچو کہ اب میں جاب کر رہا ہوں پہلے کی طرح آزاد تو نہیں ہوں کہ جب دل چاہا منہ اٹھا کر چلا آیا۔ تم میری مجبوری کو سمجھنے کے بجائے ناراض ہو گئیں اور اپنے اندر جانے کیا، کیا جمع کر کے بیٹھ گئیں۔ میں نے تم سے ہر دفعہ بات کرنا چاہی لیکن تم مجھ سے بات تک کرنا نہیں چاہتیں کچھ تو بولو کہ تمہارے دل میں کیا ہے، آج اس وقت تم سے یہی کہنے آیا ہوں کہ اپنے دل سے ساری کدورتیں نکال کر پہلے جیسی بن جاؤ، ایسا نہ ہو کہ یہ

وقت کو آواز دو گی تو کہیں وہ بھی تمہیں ایسی سزا نہ دے بیٹھے جیسی تم مجھے میری مجبوری پر دے رہی ہو۔ تمہیں یقین کیوں نہیں آتا کہ اگر میرے پاس چند لمحے بھی ہوتے تو کیا میں نہ آتا؟ سمجھ میں نہیں آ رہا پہلے تو تم ایسی نہ تھیں، اب اتنی ضدی کیوں ہو گئی ہو؟ اس بات کو تم نے اتنا بڑا مسئلہ کیوں بنا لیا؟ دیکھو ہم دونوں ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے، میں تو یہی سمجھتا ہوں اور اگر تمہیں کوئی دوسرا مسئلہ ہے...... یعنی اگر تم اپنے امریکی مہمان کی امریکی نیشنلٹی پر ریجھ کر یہ سب کچھ کر رہی ہو تو میں آئندہ اس مسئلے پر تم سے کوئی بات نہیں کروں گا۔''

وہ اور بھی بہت کچھ کہتا رہا اس نے اتنی بڑی بات کہہ دی لیکن رائمہ نے ایک لفظ بھی نہیں کہا، وہ تو اسے یہ بھی نہیں کہہ سکی کہ وہ اس کی برتھ ڈے کا دن تھا جسے صرف وہ دونوں ہی مل کر سلیبریٹ کیا کرتے تھے لیکن وہ تو ایسا بھولا تھا کہ دو منٹ کو بھی نہ آ سکا تھا یہاں تک کہ فون پر بھی وش نہ کیا تھا اور اب تک بھی کوئی ذکر نہیں کیا۔

''اسے تو میری ناراضی کی وجہ بھی یاد نہیں آئی اب تک اور الٹا مجھے ہی موردِ الزام ٹھہرا رہا ہے کہ صولت بھائی کی امریکن نیشنلٹی پر میں ریجھ گئی ہوں۔'' ایسی گھٹیا سوچ نے اس کا دل ایسا بجھا دیا کہ اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکلا کوئی گلہ شکوہ بھی نہ کیا، ذرا، ذرا سی بات پر لڑ مرنے والی پتھر کی بن گئی تو وہ کب تک پتھر سے سر پھوڑتا...... آخر کو چلا گیا۔ اس دن وہ کتنا سوبر لگ رہا تھا ایسی باتیں کرتا ہوا، ہمیشہ سے مختلف، اس کی بڑی، بڑی خوب صورت آنکھوں میں جانے کیا تھا کہ رائمہ اندر سے ہل گئی تھی لیکن پگھل نہ سکی۔ وہ اسے کیا سمجھتا تھا اور وہ کیا نکلی۔ صولت سے اس کی اس قدر بے تکلفی اور اس پر اس قدر توجہ نے اس کے دل میں رائمہ کی طرف سے بہت سی بدگمانیاں پیدا کر دیں۔

آج پھر وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر آ گیا تھا اور یہ اندازہ کرنا چاہتا تھا کہ کل کی باتوں کا رائمہ پر کتنا اثر ہوا، وہ بیٹھا پھپھو سے باتیں کرتا رہا تھا کہ رائمہ

پر بندھی نازک سی گھڑی دکھاتے ہوئے بولی۔

''دیکھیں امی، یہ صولت بھائی نے گفٹ دی ہے، کتنی خوب صورت اور قیمتی ہے ناں؟'' امی نے پہلے اسے اور پھر جاذب کی طرف دیکھا جس نے نظریں جھکا لی تھیں۔

''ہاں اچھی ہے، بھائی چھوٹی بہنوں کو گفٹ دیا ہی کرتے ہیں۔'' امی نے سرسری لہجے میں کہا تھا لیکن رائمہ کے کچھ جتاتے لہجے نے اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا جس میں ایک سوچ اب یہاں نہ آنے کی بھی تھی۔

☆☆☆

سارہ محسوس کر رہی تھی کہ جاذب ہر وقت کھویا، کھویا سا اور کچھ نہ کچھ سوچتا سا رہتا ہے، گھر پر ہوتا تب بھی زیادہ وقت اپنے کمرے میں تنہا گزار دیتا، نہ پہلے جیسا ہنسنا بولنا تھا، نہ وہ چھیڑ چھاڑ...... اس نے کئی بار اس سنجیدگی کے بارے میں پوچھنا چاہا لیکن وہ کوئی نہ کوئی بہانہ بنا دیتا کہ اب مصروفیت ہی بہت ہو گئی ہے۔ اس وقت بھی وہ خاموش بیٹھا جانے کون سی گتھی سلجھانے میں مگن تھا کہ امی اپنی الجھن لیے اس کے پاس چلی آئیں۔

''جاذب، بیٹا آ[illegible]بان کا اصرار بڑھتا جا رہا ہے۔ سارہ کی جلد شادی کے لیے۔'' امی کی بات سن کر اس نے اپنے ذہن کو جھٹکا اور مسکرا دیا۔

''امی، خالہ جان کا اصرار بالکل بجا ہے، اتنا عرصہ ہو گیا منگنی کو اور اب جب آپ کا ارادہ ہی نہیں سارہ کی تعلیم مزید جاری رکھنے کا تو شادی میں دیر کرنے کا کیا جواز؟ بس اب آپ اس کی شادی کی تیاری کریں۔'' وہ قریب رکھی کتاب اٹھانے لگا۔

''بیٹا! میں چاہتی ہوں کہ سارہ کی اور تمہاری شادی ایک ساتھ کر دی جائے لیکن تم تو پلے پر ہاتھ نہیں دھرنے دیتے، تمہاری بھی تو جاب لگ گئی ہے اب شادی سے انکار کا تمہارے پاس کیا جواز ہے بتاؤ، تمہارے لیے تو لڑکی بھی گھر میں ہے اور اگر تمہاری کوئی اور پسند ہے تو

کو ٹالو نہیں، مجھے تمہارا فائنل جواب چاہیے۔'' امی سنجیدہ تھیں لیکن وہ حسبِ سابق بات کو ٹالنے لگا۔

''دیکھیے امی، اس وقت مسئلہ سارہ کی شادی کا ہے، آپ میری شادی کا ذکر کہاں سے لے آئیں؟ ابھی جمعہ، جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں میری جاب لگے، اتنی جلدی کچھ نہیں ہو سکتا، ابھی تو میں نے شادی کے بارے میں کچھ سوچا ہی نہیں اور آپ بھی نہ سوچیں، بس ابھی تو آپ ہنسی خوشی سارہ کے فرض سے سبکدوش ہو جائیں اور جو خدمت میرے لائق ہے وہ مجھے بتائیں، میں حاضر ہوں اور باقی مسئلے مسائل بعد میں حل ہوتے رہیں گے۔'' اس نے ماں کے شانوں پر بازو دراز کرتے ہوئے کہا اور ہنس دیا لیکن امی کی تیوریاں چڑھی تھیں۔

''میں نہیں بولتی تم سے، تم کبھی میری بات پر سیریس نہیں ہوتے۔'' انہوں نے غصے سے اس کا بازو ہٹا دیا اور دور کھسک گئیں۔

''بیگم، جاذب بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے، ابھی ہمیں اس کی شادی کی کوئی جلدی نہیں جبکہ سارہ کی شادی کی تمام تیاری مکمل ہے اور آپا جان کو اب جلدی بھی ہے تو ان سے بات کر لیں کہ کسی دن آ کر تاریخ پکی کر جائیں۔'' کافی دیر سے اخبار پر نظریں جمائے فیض صاحب نے اخبار کے ساتھ، ساتھ ان کا مسئلہ بھی طے کر دیا اور اٹھ کر چل دیے، جاذب بھی آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا اور وہ بیٹھی سوچ رہی تھیں۔

''اگر جاذب نے لڑکی کے انتخاب کا اختیار مجھے دیا ہوتا تو میں سارہ کو رخصت کرتی اور رائمہ کو لے آتی تو گھر میں رونق ہی رونق رہتی۔ رائمہ تو ہم سب کو ہی پسند ہے اور مجھے کئی بار محسوس ہوا کہ نائمہ بھی یہی چاہتی ہے دونوں ساتھ، ساتھ لگتے بھی تو کتنے پیارے ہیں جیسے ایک دوسرے کے لیے ہی بنائے گئے ہوں اگر اس کی کوئی اور پسند کی ہوئی ہو تو جانے کیسی ہو گی لیکن یہ لڑکا کچھ بتاتا ہی نہیں... بہت گھنا ہے، دونوں ساتھ ہی پلے

میں بھی بہت رہتی ہے، اب معلوم نہیں یہ کس نوعیت کی محبت ہے، بس یہی خیال مجھے روک دیتا ہے کہ اگر میں خود ہی جاذب کا رشتہ رائمہ سے کردوں اور بعد میں وہ کہے کہ میں نے تو رائمہ کو کبھی اس نظر سے دیکھا ہی نہیں میں تو کسی اور سے شادی کرنا چاہتا ہوں تو پھر بہت ہی برا ہوگا، معلوم نہیں دونوں چاہتے کیا ہیں، جب تک بتائیں گے نہیں، میں کیا کرسکتی ہوں اور پھر نائمہ اور ندیم بھائی بھی تو ابھی اس کی شادی نہیں کرنا چاہتے تو پھر تو انتظار ہی کرنا ہوگا۔'' وہ اپنی ہی سوچوں میں گم تھیں۔

اُدھر نائمہ بیٹی کی ہر وقت کی خاموشی اور وقت بے وقت سوچ میں ڈوبی ہوئی آنکھیں دیکھتیں تو وہ اسے جاذب کی طویل غیر حاضری کا سبب سمجھتیں، انہوں نے کئی مرتبہ جاذب سے نہ آنے کا سبب پوچھا تو وہ ہر بار خوب صورتی سے اپنی مصروفیت کی کہانی دُہرا دیتا اور جب صولت کے جانے کے تقریباً تین ہفتے بعد اس کے والدین نے اس کا رشتہ رائمہ کے لیے بھیجا تو رائمہ کی خاموشی کا سبب ان کی سمجھ میں آگیا، یہ تو وہ محسوس کرتی تھیں کہ صولت کے آنے کے بعد رائمہ نے جاذب کو لفٹ کرانی چھوڑ دی تھی حالانکہ یہ بات انہیں بری بھی لگتی تھی لیکن اس خیال سے درگزر کردیتیں کہ صولت نے تو کچھ دن بعد چلے ہی جانا ہے اور جاذب بھی آج کل بہت مصروف ہے تو صولت کے جانے کے بعد خود ہی ٹھیک ہوجائے گی لیکن اب صولت کا رشتہ آنے پر وہ سمجھ گئیں کہ ان دونوں نے ایک دوسرے کو پسند کرلیا تھا۔ اسی لیے رائمہ، صولت پر اتنی توجہ دینے لگی تھی انہوں نے تو جاذب کو ہی رائمہ کے لیے پسند کیا ہوا تھا یہی ان کی خواہش تھی لیکن بیٹی کی پسند کے آگے تو وہ کچھ نہیں کرسکتی تھیں اور پھر بھابی اور بھائی نے بھی کبھی جاذب کے حوالے سے کوئی امید نہیں دلائی تھی اور اب تو جاذب نے خود بھی آنا کم کردیا تھا اور اب یہ رشتہ آیا تو وہ سوچنے لگیں کہ صولت جتنے دن یہاں رہا انہوں نے اس میں کوئی خامی یا خرابی نہیں دیکھی بلکہ وہ تو بہت مخلص

بیوی اتنا اچھا رشتہ آنے پر خوش تو تھے لیکن اکلوتی بیٹی کے اتنی دور چلے جانے کا دکھ بھی محسوس کر رہے تھے لیکن جتنا بھی اس رشتے پر غور کیا رائمہ کی خوش قسمتی ہی لگا کیونکہ یہاں بڑھتی مہنگائی اور بیروزگاری سے تنگ آکر جسے دیکھو باہر جانے کی سوچ رہا ہے پھر باہر جا کر سیٹ ہونے میں بھی کافی عرصہ لگ جاتا ہے جبکہ صولت میاں کا تو وہاں پرانا بزنس ہے اور اب وہ پاکستان میں بھی بزنس سیٹ کرنے کی کوشش میں ہے تو جانے آنے کا بھی کوئی ایسا مسئلہ نہیں رہے گا۔ دونوں ہی کافی سوچ بچار کے بعد مطمئن ہوچکے تھے۔

نائمہ بیگم کو تو اس بات کی خوشی تھی کہ رشتہ رائمہ کی پسند کا آیا ہے... اور جب انہوں نے رائمہ کو بتایا کہ اس کے لیے صولت میاں کا رشتہ آیا ہے وہ اچھی طرح سوچ کر جواب دے تو اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ وہ کتنی ہی دیر شاک کی کیفیت میں رہی۔ اس کے اور صولت بھائی کے درمیان کوئی ایسی بات نہیں ہوئی تھی کہ انہوں نے اس کے لیے رشتہ بھجوادیا، ان کی تو کسی بات سے بھی ان کا ایسا کوئی ارادہ ظاہر نہ ہوا تھا پھر یہ کیا ہے، وہ تو جب جاذب آتا تھا تو وہ اسے جلانے، ستانے کے لیے صولت بھائی کے پاس جا کر بیٹھ جاتی تھی اور چائے وغیرہ کا پوچھتی رہتی تھی اور جاذب کے جاتے ہی وہاں سے اٹھ جاتی تھی اور تو کچھ بھی نہیں تھا، وہ انہیں اچھی طرح جانتی ہی نہیں تھی نہ وہ اسے جانتے تھے پھر صولت نے اتنا بڑا فیصلہ کیسے کرلیا اور ان کے ساتھ اس شادی سے پتا نہیں جاذب خوش ہوگا یا نہیں۔ جاذب نے اسے اپنے امریکی کزن پر ریجھ جانے کا طعنہ دیا تھا وہ کس قدر جیلس ہے صولت بھائی سے کہ اپنی غلطی ماننے کے بجائے غلط بات کہہ رہا ہے تو ٹھیک ہے اس کی غلط بیانی کو وہ سچ کا رنگ دے دے گی پھر وہ کتنا جلے گا، غصے سے کتنا تپے گا اور یہی تو وہ چاہتی تھی یہ تو زبردست موقع اسے مل گیا تھا۔ جاذب کو ستانے کا......

''تھینک یو صولت بھائی، اس سے بڑی کیا سزا

احساس ہوگا۔'' یہ سوچ کر وہ خوش ہوگئی۔ اب وہ اسی طرح کی باتیں سوچتی رہتی تھی، کبھی اسے جاذب پر ترس آنے لگتا اور کبھی خیالوں میں ہی اسے ستا، ستا کر خوش ہوتی رہتی، غصے میں اسے تلملاتا دیکھنا اس کی خواہش تھی...... پھر جب امی نے اس سے جواب طلب کیا تو اس نے سر جھکا کر رضامندی دے دی اس کی آنکھوں میں فتح کی ایک جھلک تھی، امی اسے اس کی خوشی سمجھیں۔ جب باپ بیٹی دونوں ہی اس رشتے پر خوش تھے تو وہ کیا کہہ سکتی تھیں جبکہ انہیں بھائی جان اور جاذب کی طرف سے کوئی اشارہ تک نہیں ملا تھا۔ پھر صولت کا رشتہ قبول کرلیا گیا اور دونوں فیملیز کے درمیان یہ طے پا گیا کہ جب دو ماہ بعد صولت امریکا جانے لگے گا تو اس کے والدین اس کے ساتھ آکر منگنی کی رسم کر جائیں گے اور جب اگلے سال صولت کی واپسی ہوگی تو شادی کردی جائے گی، جب بھابی کو اس رشتے کے طے ہونے کا بتایا تو کچھ دیر تو وہ خاموش رہیں۔

''نائمہ! اتنی دور بچی کو دینے سے پہلے کچھ انکوائری تو کرالی ہوتی، کیسے کیسے قصے سننے میں آتے ہیں باہر بیاہی جانے والی لڑکیوں کے ساتھ جو ہوتا ہے۔'' بھابی نے اپنا خدشہ ظاہر کرتے ہوئے تشویش سے کہا تھا۔ اس وقت انہیں جاذب کی بے پروائی پر بہت دکھ ہو رہا تھا کیونکہ رائمہ انہیں بہت پیاری تھی۔

''بھابی! یہ سب تو غیروں میں ہوتا ہے، یہ لوگ تو ثریا آپا کی فیملی کے ہیں، وہ عمرے پر گئی ہوئی ہیں اگر یہاں ہوتیں تو یقیناً رشتہ ان کی طرف سے ہی آنا تھا کیونکہ انہوں نے صولت میاں کا ذکر بہت اچھے الفاظ میں کیا تھا۔''

''ہاں یہ بھی ٹھیک ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے بہتر کرے، ویسے تم نے بہت جلدی کردی سب بات طے کرنے کے بعد مجھے بتارہی ہو۔'' بھابی نے گلہ کرہی دیا۔

''بس بھابی آپ کی بات یاد آرہی ہے کہ جب اللہ کا حکم ہوتا ہے تو سب آنا فانا ہوجاتا ہے، اب کیا آپ نے ہی بتایا کہ ٹھیک ہوگیا تو میں نے بات کرلی، بھائی جان بھی پشاور گئے ہوئے ہیں ورنہ ان کے آفس ہی فون کرلیتی، بس اب آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔'' نائمہ نے دیر سے بات کرنے کی وجہ بتائی اور خدا حافظ کہہ کر فون رکھ دیا۔

اور جب ارم نے سارہ کو یہ خبر بتائی تو وہ رو دی تھی۔

''یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ رائمہ نے کیسے ہاں کردی؟''

اسے پورا یقین تھا کہ بھائی اور رائمہ ایک دوسرے کو بے انتہا چاہتے ہیں، جب ہی تو بھائی روز وہاں بھاگا جاتا تھا اور اگر کبھی نہ جائے تو رائمہ اس کا پوچھتی تو یہ کیا ہوا تھا...... کیا میرا خیال غلط تھا، کیا ان دونوں میں صرف دوستی تھی اور زندگی کا ساتھی اس نے صولت بھائی کو چن لیا، اتنے سے دنوں میں وہ صولت بھائی سے اتنی متاثر ہوگئی کہ ان سے شادی پر راضی ہوگئی۔ اس نے ضرور بھائی کے ساتھ بے رخی برتی ہوگی اس لیے تو بھائی ایسے عجیب سے ہوگئے۔ بھائی کی اتنے دنوں کی خاموشی کا راز اب اس پر کھلا تھا، وہ گہری سوچ میں تھی کہ جاذب اس کے قریب چلا آیا تو اس نے یہ خبر جاذب کو بھی سنادی جسے سنتے ہی کچھ لمحے تو وہ ساکت رہا، کتنے رنگ اس کے چہرے پر آکر گزر گئے، لمحے بھر میں اس کے اندر بہت سے دھماکے ہوچکے تھے۔

''ہوں...... یہ تو ہونا ہی تھا۔'' اس نے زیرلب کہا اور دوسرے لمحے سر جھٹک کر ہنس دیا تھا۔

''چلو بھئی اب ایک نہیں دو لڑکیاں رخصت کرنی پڑیں گی۔'' وہ بہت دن بعد ہنسا تھا لیکن اس کی ہنسی اس کی آنکھوں کا ساتھ نہیں دے رہی تھی، کتنی ویرانیاں سمٹ آئی تھیں اس کی آنکھوں میں۔ اور وہ ہنستا ہنستا کمرے سے چلا گیا تھا شاید تنہائی میں رونے کے لیے۔

''کیوں خود پر اتنا ظلم کررہے ہو، کیوں اپنے اوپر خول تان رہے ہو جس میں تمہاری آنکھیں نہیں سما پارہیں، تمہاری آنکھیں تو اتنی سچی، اتنی کھری ہیں کہ کچھ بھی نہیں چھپا سکتیں سب کچھ اگل دیتی ہیں

کرتے ہو اور اپنی خاموشی سے اسے کھو رہے ہو، اتنی بڑی قربانی نہ دو جو تم سہہ نہ سکو۔'' اس نے بڑے دکھ سے سوچا تھا اور وہ ایسی باتیں سوچنے کے علاوہ کر بھی کیا سکتی تھی کہ رائمہ اور اس کے والدین فیصلہ کر چکے تھے اور پھپھو نے اب انہیں بتایا تھا۔ پھر سارہ نے رائمہ کو فون پر صولت بھائی کے ساتھ اس کا رشتہ طے ہونے پر مبارک باد دی جو اس نے ہنستے ہوئے شکریہ کے ساتھ قبول کرلی۔ اس دن رائمہ، سارہ سے بہت دیر تک باتیں کرتی رہی اس امید پر کہ اب سارہ، جاذب کی کیفیات کا بھی بتائے گی کہ اس خبر سے اسے کتنا غصہ آیا اور وہ کتنا ناراض ہوا کہ رائمہ نے میرے مشورے کے بغیر یہ قدم کیوں اٹھایا کیونکہ دونوں ہر کام سے پہلے ایک دوسرے سے مشورہ ضرور کرلیا کرتے تھے، کسی کو انوائٹ کرنا ہو یا گفٹ دینا ہو کوئی پارٹی ارینج کرنی ہو ہر بات شیئر کیا کرتے تھے اور اتنا بڑا فیصلہ اس نے اکیلے کرلیا تھا لیکن سارہ نے تو اس کا ذکر بھی نہیں کیا۔ فون بند کرنے کے بعد بھی وہ سوچتی رہی کہ شاید غصے میں وہ ساری ناراضی بھول کر خود ہی چلا آئے، وہ مجھ سے کہے گا میرے مشورے کے بغیر صولت بھائی سے رشتہ کیوں جوڑ لیا تو میں کہوں گی وہ بہت اچھے جو ہیں اور اب تو میں امریکا چلی جاؤں گی جہاں تم جیسے فضول اور مغرور لوگ نہیں بستے پھر دیکھوں گی اسے اس قدر غصہ آئے گا۔'' وہ ہر وقت اسی طرح کی باتیں سوچ، سوچ کر ہنستی رہتی اور اس کا انتظار کرتی رہتی۔ دن گزرتے گئے لیکن وہ نہ آیا تو اسے بوریت ہونے لگی، وہ ہر وقت بیزار سی رہنے لگی۔ اس کا تو وقت کاٹے نہیں کٹ رہا تھا، اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وقت ایک جگہ رک گیا ہو لیکن امی کو محسوس ہو رہا تھا جیسے وقت تیزی سے گزر رہا ہو اس لیے انہوں نے جہیز کی تیاری شروع کر دی تھی۔ لیکن وہ ان کے کہنے پر بھی کسی چیز میں دلچسپی نہ لیتی۔ اِدھر اُدھر اس طرح بولائی، بولائی پھرتی جیسے اس کی کوئی قیمتی چیز کھو گئی ہو، وہ فون پر سہیلیوں سے دیر تک باتیں کرتی

ہوگئی تھی ہنستی تو ہنستی ہی چلی جاتی اور ذرا سی بات پر روتی تو گھنٹوں چپ ہی نہ ہوتی، بوا اس کے لیے اس کی پسند کی طرح، طرح کی ڈشز بناتیں لیکن اب اسے کسی چیز سے رغبت ہی نہیں رہی تھی۔ ممانی جان اور سارہ تو شادی کے سلسلے میں مصروف تھیں اس لیے آج کل وہ بھی نہیں آ رہی تھیں۔ اور جاذب تو اس دن کے بعد سے ہی نہیں آیا تھا جب رائمہ نے اس کی کسی بات کا جواب نہ دیا تھا اور پھر وہ گھڑی کا قصہ ہوگیا تھا۔ اچانک ہی صولت کے فون آنا شروع ہوگئے، وہ رائمہ سے کہتا۔

''میں تم سے ڈھیروں باتیں کرنا چاہتا ہوں، تمہاری پسند پوچھنا چاہتا ہوں، اپنی پسند سے تمہیں آگاہ کرنا چاہتا ہوں، تم سے مستقبل کی باتیں کرنا چاہتا ہوں جو ہم دونوں نے اکٹھا گزارنا ہے۔'' لیکن وہ خاموشی سے فون امی کو تھما کر وہاں سے ہٹ جاتی اس نے تو کبھی ان باتوں کے بارے میں سوچا ہی نہیں تھا تو کیا جواب دیتی، اسے تو یہ سب الفاظ عجیب اور بے معنی لگتے تھے، ضروری تو نہیں کہ پسند کی چیزیں ہی اپنائی جاتیں۔ زندگی ہی تو گزارنی ہے تو وہ ناپسند چیزوں کے ساتھ بھی گزر ہی جائے گی پھر پسند کیا ضروری ہے؟ اسے اپنے خیالات کی تبدیلی پر خود حیرانی ہوتی ہے۔ اس کی خود سمجھ میں نہ آتا کہ وہ اتنی زود رنج کیوں ہوگئی ہے کہ ہر وقت آنکھیں گیلی رہتی ہیں اور اس نمی میں بھی اکثر انتظار کا دیا جل اٹھتا اور جلتے، جلتے خود ہی بجھ بھی جاتا اس کی سب عادتیں بدلتی جا رہی تھیں سوائے ایک عادت کے اسے بچپن سے جاذب کی عادت تھی جو کوشش سے بھی نہیں چھٹ رہی تھی اور بے خیالی میں وہ اس کا انتظار کرنے لگتی، اسے سوچتی رہتی اس کی سوچوں کا محور اب بھی جاذب ہی تھا لیکن اب وہ بھی اسی کی طرح ضدی ہوگیا تھا۔

☆☆☆

پھر سارہ کی شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے تھے،

امی کے ساتھ جانا پڑا، ابو بھی آفس سے وہیں آ جاتے، سارہ کو مایوں کو بٹھا کر ڈھولک رکھ دی گئی تھی، لڑکیاں دن بھر ڈھولک پر گیت گاتی رہتیں لیکن وہ سارہ کے ساتھ چپکی بیٹھی رہتی، کبھی جاذب کی بھی اندر باہر جاتے جھلک نظر آ جاتی، وہ جانے کن کاموں میں الجھا رہتا کہ کسی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتا۔ اس کا جی چاہتا کہ جاذب پہلے کی طرح اس سے ڈھیروں فضول سی باتیں کرے، اس سے لڑے، اسے ستائے لیکن اس کی اس بے نیازی پر وہ کھول کر رہ جاتی، وہ اس کے گھر آئی ہوئی تھی لیکن اس نے اس بات کو ذرا سی بھی وقعت نہ دی تھی...... اس نے جو سزا جاذب کو دینا چاہی تھی وہ خود اس کے لیے ہی سزا بن گئی تھی، اس کا دل ان ہنگاموں سے اچاٹ ہوا تو وہ پچھلے صحن میں ٹہلنے لگی، اس کا جی چاہ رہا تھا کہ یہاں سے کہیں دور بھاگ جائے کہ ممانی اس کے قریب چلی آئیں۔

''رائمہ بیٹی، اکیلی کہاں پھر رہی ہو، اندر کی رونق چھوڑ کر، چلو سارہ کے پاس بیٹھو وہ تمہیں بلا رہی ہے، بس یہ دو دن اس کے ساتھ رہ لو پھر تو اسے چلے جانا ہے۔'' ممانی نے کہتے ہوئے اسے گلے لگایا تو وہ ان کے کاندھے پر سر رکھ کر یوں پھوٹ، پھوٹ کر روئی جیسے اسے رونے کے لیے کسی کاندھے کی ہی تلاش تھی، ممانی اسے پیار کیے جا رہی تھیں لیکن جانے کب کا رکا لاوا آنکھوں کے راستے بہہ رہا تھا، ممانی کا خیال تھا کہ وہ سارہ کی جدائی کے غم میں رو رہی ہے، اس لیے اسی حوالے سے سمجھاتی رہیں لیکن اس کے رونے میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا اور ممانی پریشان تھیں۔

''ایک دن تم نے بھی تو رخصت ہونا ہے، کچھ آنسو اس دن کے لیے بھی بچا کر رکھ لو۔'' یہی تو وہ آواز تھی جسے سننے کو کان ترس گئے تھے، جانے وہ کب پیچھے آ کر کھڑا ہوگیا تھا۔

''یہی تو میں بھی اسے اتنی دیر سے سمجھا رہی تھی۔'' ممانی ہنس رہی تھیں۔

اس نے سرخ انگارہ آنکھوں سے جاذب کی طرف دیکھا جو ویران آنکھیں اور زرد چہرہ لیے اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا اور اب بھی ہنس رہا تھا۔ اسے دیکھ کر پہلی مرتبہ اس کا دل عجیب انداز سے دھڑکا تھا اور اندر کچھ ٹوٹتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ یہ وہ جاذب تو نہ تھا جس کی آنکھوں میں ہر وقت قوسِ قزح اتری رہتی تھی۔ جس کے چہرے پر ہمیشہ بہار کا موسم رہتا تھا۔ وہ چھوٹے، چھوٹے قدم اٹھاتی ممانی کے ساتھ چل دی اور جاذب نے اپنی آنکھوں کو زور سے رگڑ ڈالا تھا، باہر سے اسے آوازیں پڑ رہی تھیں کیونکہ سارا انتظام اسی کے زیرِ نگرانی تھا۔

☆☆☆

مہندی کی رات حسبِ روایت بہت ہنگامہ خیز تھی، ہر طرف رنگین آنچل اور خوشبوئیں بکھری ہوئی تھیں، طنز و مزاح کے جملے ایک دوسرے پر چسپاں کرنے میں لڑکے اور لڑکیاں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں تھے۔ آج تو بزرگ بھی خوشبوؤں میں بسے ترنگ میں آئے ہوئے تھے۔ اور لڑکیوں میں تو مقابلہ حسن چل رہا تھا سب ہی مہندی کی تقریب کے لحاظ سے خوب سجی بنی تھیں، رائمہ بھی ہلکے سے دبکے کے کام کا میرون سوٹ اور ساتھ... اس کی مناسبت سے ہلکی جیولری پہنے ہوئے تھی، میک اپ سے بے نیاز چہرے پر عجب نکھار تھا، لڑکیوں نے اسے اپنی طرف بلایا لیکن وہ خاموشی سے سارہ کے پاس بیٹھ گئی اور دھیرے، دھیرے اس سے باتیں کرتی رہی، ممانی سب کو بتا رہی تھیں۔

''میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ جاذب جیسا.. لاابالی لڑکا اس قدر ذمے دار ہو سکتا ہے، اسی نے ہر کام کی ذمے داری سنبھال رکھی ہے، اسے تو اتنے دن سے اپنے کھانے، پینے، سونے، جاگنے کا ہوش نہیں، بہن کی شادی میں باؤلا ہوئے جا رہا ہے۔'' انہیں یہ سوچنے کی فرصت ہی نہیں تھی کہ ان کے بیٹے نے کس کرب، کس دکھ سے فرار حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو اتنی

آنکھوں کو بھی غور سے نہیں دیکھا تھا جن میں محرومیوں کی داستان رقم تھی۔ وہ تو خود ہی ٹھٹی قہقہے لگاتی سب کی مبارک بادیں سمیٹتی پھر رہی تھیں۔ خاندان کی شادی تھی تو مہندی پر صرف رشتے دار ہی مدعو تھے، دو پارٹیاں بن گئی جن میں گانوں کا خوب مقابلہ ہوا اور ساتھ، ساتھ ہوٹنگ بھی چلتی رہی، اسی دوران مہندی کی رسم بھی نبٹ گئی تو سب نے انفرادی طور پر گانوں کی محفل جمالی، تب کچھ لڑکے جاذب کو بھی گھیر گھار کر لائے، سادہ سے شلوار سوٹ اور بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ وہ سب سے منفرد لگ رہا تھا اس کے آنے پر ایک شور سا مچ گیا، زیادہ تر فلمی گانے سنائے گئے جو ہنسی مذاق اور برجستہ چبھتے جملوں کی نذر ہو گئے، پھر سب کی پُرزور فرمائش پر آخر بڑی مشکل سے جاذب کچھ سنانے پر راضی ہوا تو اس کے احساسات لفظوں کا روپ دھارے ترنم میں ڈھل گئے۔

اجاڑ لمحوں کی داستانیں جو تم کہو تو سنائیں تم کو
بہت سا ہم جاگتے رہے ہیں چلو ذرا سا جگائیں تم کو
تم ہی تو روشنی بن کر ہماری آنکھوں میں آبسے ہو
جب اپنی آنکھیں ہی کہہ دیا ہے تو پھر بھلا کیوں رلائیں تم کو
تم آج کیوں مضطرب ہو جاناں! تمہارے لہجے میں ٹوٹ کیسی
کہا نہیں تھا کہ وقت دے گا کدورتوں کی سزائیں تم کو
تم ایسا کرنا کہ ایک لمحے کو اپنی دھڑکن پہ ہاتھ رکھنا
میری وفائیں، یہ میرے جذبے اگر کبھی یاد آئیں تم کو
تمہیں تو سکھ آگئے میسر، تمہیں تو ہم یاد ہی نہیں ہیں
مگر بتاؤ ہم جو چاہیں تو کس طرح بھلائیں تم کو
تم اپنی باتوں پہ مطمئن ہو، ہمیں بھی شرمندگی نہیں ہے
انا کی دیوار کو گرا کر نہیں یہ ممکن منائیں تم کو
کہواے جاذب! یہ جھوٹ ہے ناں کہ تم نے اس کو بھلا دیا ہے
ابھی تلک جس کی شوخ یادیں ہر ایک لمحہ ستائیں تم کو

غزل ختم ہو چکی تھی، جاذب اٹھ کر جا چکا تھا، جانے یہ آواز کا سوز تھا یا لفظوں کی زنجیر جس کے سحر نے

زندگی جاگ اٹھی۔ سب ہی کھانے کے لیے جا چکے تھے، رائمہ نے اپنا سر سارہ کے کندھے پر ٹیک دیا تو اس نے رائمہ کے ہاتھوں کو تھام لیا جو برف کی طرح ٹھنڈے ہو رہے تھے۔

''کیا ہوا رائمہ! کیا طبیعت خراب ہو رہی ہے، پھپھو کو بلواؤں؟'' اس نے گھبرا کر رائمہ کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر ٹھنڈا پسینہ تھا اور وہ ہولے، ہولے کپکپا رہی تھی اور آنکھوں کے کنارے گیلے تھے۔

''نہیں، نہیں پریشان نہ ہو سارہ اس قدر شور وغل سے میری طبیعت ذرا خراب ہو رہی تھی۔ بس ابھی ٹھیک ہو جاؤں گی۔'' اس نے بے ربط سانسوں کے درمیان بڑی مشکل سے مسکراتے ہوئے کہا تو سارہ تڑپ کر رہ گئی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ بھائی کی غزل کا اثر ہے جو انہوں نے رائمہ کے لیے ہی پڑھی تھی تو کیا اس طرف بھی وہی حال ہے تو پھر رائمہ نے ایسا کیوں کیا؟ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کیونکہ اب تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا اس لیے وہ تسلی کا ایک لفظ بھی نہ بول سکی۔ لیکن اس کے دل میں ان دونوں کی طرف سے بہت دکھ بھر آیا تھا۔ اور اس کی آنکھیں بھی گیلی ہو گئی تھیں۔

''چلو تم تھوڑی دیر کو آنکھیں بند کر کے میرے قریب لیٹ جاؤ۔'' سارہ نے اسے اپنے پاس لٹاتے ہوئے اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا اور اس کی ہتھیلیوں کو آہستہ، آہستہ سہلانے لگی، جس سے واقعی رائمہ کو کافی سکون محسوس ہونے لگا۔

☆☆☆

سارہ کی شادی سے واپسی کا سفر تو کرب آگہی کا سفر تھا۔ جس میں اس کی روح تک چھلنی ہو چکی تھی۔ اس کے لیے دکھ اور پچھتاوؤں کے نئے در وا ہو چکے تھے اور دور تک تپتا صحرا ہی نظر آیا تھا۔ اتنے دنوں بعد جاذب کی حالت دیکھ کر اور اس کی غزل کے ایک، ایک لفظ کی گہرائی میں اتر کر آج وہ عرفان کی اس منزل پر پہنچی تھی

تھا۔ آج ہی تو اس نے اپنے دل کو ٹٹولا تھا جہاں جاذب کے علاوہ کوئی نہ تھا تو پھر یہ کیا، کیا اسے اپنے ہاتھوں سے کھو دیا۔ ''لیکن بے وفائی تو اس نے ہی مجھ سے کی تھی اس نے ہی تو مجھے اگنور کیا تھا۔ میری نفی کی تھی، میرا دل توڑا تھا۔'' وہ اپنے آپ سے لڑتی رہی تھی کہ فیصلے کا وقت تو گزر ہی چکا تھا پھر بھی وہ اپنے آپ کو جرم سے بری کرنا چاہتی تھی اس لیے دل کو تاویلیں دے کر سمجھا رہی تھی کہ مجرم تو جاذب تھا۔

☆☆☆

فون رائمہ نے ہی ریسیو کیا تھا دوسری طرف غیر متوقع طور پر جاذب کی آواز سن کر اس کا دل بری طرح دھڑکا تھا، ریسیور اس کے ہاتھوں میں لرز رہا تھا اور جاذب دھیمے لہجے میں کہہ رہا تھا، اس کی آواز رائمہ کو کسی کنویں سے آتی لگ رہی تھی۔

''رائمہ میں نے تمہیں صرف یہ کہنے کے لیے فون کیا ہے کہ اب تم مجھ پر افسانہ لکھ سکتی ہو کیونکہ اب تمہاری ہر شرط پر......'' اس کی پوری بات سننے سے پہلے ہی رائمہ نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا تھا، وہ آگے کیا کہنا چاہ رہا تھا رائمہ سمجھ چکی تھی۔ یہ اس نے کیا کہہ دیا۔

''جاذب! تم کس راستے پر چل پڑے ہو؟ اب اس راہ پر دور تک اندھیرا ہی ہے اور آگے بند گلی۔'' وہ فون سیٹ پر سر رکھ کر رو پڑی تھی۔ ایک بار اس کا جی چاہا کہ وہ جاذب کو آواز دے اسے منالے لیکن دوسرے لمحے ہی اس نے اپنے خیال کو جھٹکتے ہوئے سوچا۔

''نہیں، اب ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں جبکہ اب ہماری راہیں جدا ہو چکی ہیں اور یہ سب خود جاذب کی وجہ سے ہی ہوا اور اب ہمیں حقیقت میں ہی جینا ہے۔'' اور حقیقت کا خیال آتے ہی صولت اس کے تصور میں چلا آیا، بس اب اسے جاذب کو بھلا کر صولت بھائی بلکہ صولت کے بارے میں سوچنا چاہیے اسی طرح وہ ان کو اپنے قریب محسوس کر سکے گی جب انہی کے ساتھ زندگی گزارنی ہے تو یہ تو کرنا ہی پڑے گا پھر وہ کوشش کر

سوچتے، سوچتے اسے یاد آیا کہ انہوں نے ویسے تو اسے کئی خوب صورت گفٹ دیے تھے لیکن برتھ ڈے کا گفٹ جو دیا تھا وہ رکھ کر تو وہ ایسا بھولی تھی کہ اب تک دیکھنا یاد نہ آیا ایک تو اس دن اسے جاذب کے نہ آنے کا ملال تھا اور پھر انہوں نے اس کے متعلق دوبارہ پوچھا ہی نہیں تھا کہ کیسا لگا ورنہ ہر مرتبہ پوچھتے تھے۔ وہ پہلا گفٹ تھا اور جس انداز سے انہوں نے دیا تھا اسے سوچ کر ہنسی آ گئی۔ چلو آج دیکھ لیتی ہوں کہ خاص برتھ ڈے گفٹ کیا تھا اس نے تلاش کر کے اپنی وارڈ روب سے وہ شاپر نکالا اور جب اس میں سے پیکٹ نکالا تو وہ سناٹے میں آ گئی خوب صورت گفٹ پیکنگ میں اس کے ریپر کو پھاڑ ڈالا تو اس کے اندر ایک باکس تھا لیکن اسے کھولنے سے پہلے ایک خوب صورت خوشبوؤں میں بسا لفافہ اس کے ہاتھ میں آیا اسے بھی بے دردی سے چاک کیا تو ایک گلابی کاغذ پر جاذب کی تحریر تھی جسے آنکھیں پھاڑے وہ پڑھ رہی تھی۔

''ہمیشہ کی طرح اچھی رائمہ...... ہیپی برتھ ڈے ٹو یو، رائمہ! مجھے احساس ہے، میں جانتا ہوں کہ تم مجھ سے بہت سخت ناراض ہو گی کیونکہ تمہاری یہ پہلی برتھ ڈے ہے جو تم میرے بغیر منا رہی ہو، میں جانتا ہوں میرا بہت انتظار کیا ہو گا میں نے تو سوچا تھا کہ چند لمحے بھی ملے تو میں یہ گفٹ لے کر تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا لیکن یقین کرو کہ وقت اتنا شارٹ ہو گیا تھا کہ آفس کی گاڑی گھر پر پہنچ گئی، رائمہ میں بہت مجبور تھا، مجھے پورا یقین ہے کہ یہ خط پڑھ کر تم مجھے فوراً معاف کر دو گی، میں نے ایک مرتبہ گھر سے نکلتے ہوئے تمہیں فون کیا اور دوسری مرتبہ ائرپورٹ سے کیا کہ جاتے، جاتے تمہیں وش کر دوں لیکن دونوں مرتبہ تمہارے گھر کا فون انگیج ملا۔ رائمہ میں یہاں سے بہت اداس جا رہا ہوں لیکن میری دعا ہے کہ آئندہ ہمیشہ یہ دن ساتھ منائیں اور میں تمہیں اسی طرح ہنستا مسکراتا دیکھوں، یہ خط اور گفٹ میں اپنے کولیگ کو دے رہا ہوں وہ تم تک پہنچا

میری تمام دعائیں اور نیک تمنائیں تمہارے ساتھ ہیں...... جاذب......''

جوں، جوں وہ خط پڑھ رہی تھی اس کی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی اس کا سر چکرا رہا تھا، اس نے بڑی مشکل سے خط کو اپنے پرس میں رکھا۔ اس کی آنکھوں میں اندھیرا ابھر گیا جب اس کی آنکھ کھلی تو امی، ابو، بوا اور ڈاکٹر علیم اس کے ارد گرد تھے۔ اسے ہوش میں آتا دیکھ کر انہوں نے سکھ کی سانس لی تھی۔

''اسے کوئی صدمہ پہنچا ہے' آپ ان کا خیال رکھیں۔ انہیں ہر ممکن خوش رکھنے کی کوشش کریں، ابھی بخار بھی تیز ہے اس لیے دوا وقت پر دیتے رہیں۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

''کیسا صدمہ پہنچا ہے، کیوں صدمہ پہنچا ہے؟'' سب حیران پریشان تھے اس کی حالت کے پیش نظر ڈاکٹر نے اس سے کوئی سوال کرنے سے منع کر دیا تھا لیکن یہ سوال اپنی جگہ سب کے ذہن میں موجود تھا۔

☆☆☆

جاذب کو لاہور آئے ہوئے کافی دن ہو گئے تھے جس کے خیال سے فرار حاصل کرنے کے لیے اس نے وہ شہر چھوڑ دیا تھا وہ تو دل میں بیٹھی اس کے ساتھ ہی چلی آئی تھی اور بچپن سے لے کر اب تک کی باتیں دُہراتی رہتی تھی۔ آفس ٹائم کے بعد وہ گھبرا کر سڑکوں پر پھرتا رہتا یا کسی ہوٹل میں بیٹھا گرم، گرم چائے سے اپنے اندر کی آگ کو بجھاتا رہتا۔

آج بھی وہ اپنی مخصوص ٹیبل پر بیٹھا چائے پی رہا تھا کہ ایک دم چونک اٹھا، ہوٹل میں داخل ہونے والی دونوں شخصیات اس کے لیے اجنبی نہ تھیں لیکن وہ ان کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے چہرے کے آگے اخبار پھیلا لیا۔ دونوں اس سے کافی فاصلے کی ٹیبل پر اس کی طرف پشت کر کے بیٹھ گئے تو اس نے سکون کی سانس لی کہ اس کے قریب نہیں بیٹھے۔ وہ انہیں اخبار کی اوٹ سے دیکھتا رہا ایک تو منصور تھا اس کے بچپن کا دوست جو

پہلے تو منصور بھی امریکا جا چکا تھا لیکن جب کراچی آتا اس سے ملاقات ضرور ہوتی اور فون پر بھی بات ہوتی رہتی تھی لیکن اب دو سال سے اس سے رابطہ نہیں ہوا تھا۔ اور آج اچانک یہاں دیکھ کر جاذب کو بہت خوشی ہوئی لیکن دوسرے شخص صولت بھائی تھے جن کا...... وہ سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن منصور سے وہ ملنا چاہتا تھا، کتنی ہی دیر وہ دونوں اطمینان سے بیٹھے چائے پیتے رہے، ان کے اندازِ گفتگو سے اندازہ ہو رہا تھا کہ دونوں آپس میں کافی بے تکلف ہیں، جاذب کو یہ فکر تھی کہ اگر دونوں ساتھ اٹھ گئے تو اس کی منصور سے کیسے ملاقات ہو گی لیکن صولت بھائی کو اکیلا جاتا دیکھ کر اسے بہت اطمینان ہوا اور صولت بھائی کے باہر نکلتے ہی وہ منصور کے پاس پہنچ گیا، اسے دیکھ کر منصور پہلے تو حیران ہوا اور پھر بے تابانہ لپٹ گیا، بہت دیر تک ایک دوسرے سے گلے شکوے ہوتے رہے اور بچپن کی شرارتوں کا بھی خوب ذکر ہوا۔

''اچھا، بتاؤ کیا شادی کرنے کے چکر میں آئے ہو؟'' جاذب نے پوچھا۔

''شادی......؟'' اس نے قہقہہ لگایا۔ ''شادی تو یار امریکا میں ہو گئی ہے، پچھلے سال مما وہاں گئی تھیں تو میری ماموں زاد سے کر دی، ہم تو گھر والوں سے ملنے آئے ہیں، جب وہاں رہنا ہے تو شادی بھی وہیں کی لڑکی سے ٹھیک رہتی ہے، کیا سمجھے؟'' اس نے حسبِ عادت جاذب کی کمر پر دھمک لگایا۔

''یار، تیری یہ عادت نہیں گئی، بھابی تو تنگ آ گئی ہوں گی تیری اس عادت سے؟''

''شروع میں تو گھبرائی تھی اب اسے بھی عادت ڈال دی تو اب بھی اس کی کمر ہوتی ہے اور کبھی میری......'' دونوں ہی ہنس پڑے تھے، ویٹر چائے رکھ کر جا چکا تھا۔

''بھائی میرے! لوگ تو امریکا سے یہاں شادی کرنے آتے ہیں اور تم کہہ رہے ہو وہاں کی لڑکی ٹھیک

ہوئے کہا۔

''ہاں، میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں، اب دیکھو ناں میرے ماموں برسوں سے وہاں آباد ہیں اور ان کی اولاد اپنی تہذیب میں رہتے ہوئے بھی وہاں کے ماحول سے بے بہرا نہیں، وہاں کے کلچر کی خوبیوں اور خامیوں کو اچھی طرح سمجھتی ہے، یہاں کی لڑکی تو جا کر شروع میں کافی الجھ جاتی ہے۔ قدم، قدم پر گھبرا جاتی ہے وہاں کی دنیا یہاں سے بالکل مختلف ہے اس لیے میرا خیال تو یہی ہے۔ آگے اپنے، اپنے مزاج کی بات ہے، ویسے کون آیا ہے یہاں شادی کرنے جو تم کہہ رہے ہو؟'' منصور نے سپ لیتے ہوئے پوچھا۔

''وہی صاحب جو کچھ دیر پہلے تمہاری ٹیبل سے اٹھ کر گئے ہیں۔'' جاذب مسکرا دیا۔

''وہاٹ......؟'' منصور اتنی زور سے اچھلا تھا کہ چائے چھلک گئی تو کپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولا۔

''کیا تم صولت بھائی کو جانتے ہو، تمہیں کیسے پتا ...... کہ وہ شادی کرنے آئے ہیں؟ یار وہ تو اپنا بزنس سیٹ کرنے آئے ہیں، اسی پر تو ہم دونوں اتنی دیر تک ڈسکس کر رہے تھے۔'' اس نے ٹیبل پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا پریشانی اس کے چہرے سے عیاں تھی۔

''تو اس میں اتنے اچنبھے کی کیا بات ہے، کیا دونوں کام ساتھ نہیں ہو سکتے؟ ہو سکتا ہے بزنس کے لیے آئے ہوں اور یہاں انہیں کوئی لڑکی پسند آ گئی ہو اور میں انہیں جانتا ہوں جب ہی تو کہہ رہا ہوں۔'' جاذب نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''کہاں شادی کر رہے ہیں وہ؟'' اس نے بے قراری سے پوچھا تھا۔

''کراچی میں، میری فرسٹ کزن سے، صولت بھائی کی میرے پھوپا سے ذرا دور کی رشتے داری بھی ہے لیکن تم اتنے حیران کیوں ہو رہے ہو، یہ کوئی ناممکن بات تو نہیں؟'' جاذب نے ٹھنڈی سانس بھری۔

''ناممکن بات تو نہیں لیکن کوئی مناسب بات بھی

لاہور میں بھی امریکا میں بھی ہمارے گھر ایک ہی اسٹریٹ پر ہیں۔ یار بھابی یعنی صولت بھائی کی مسز بہت اچھی اور ڈیسنٹ خاتون ہیں اور ان کے دو پیارے، پیارے بچے ہیں، سات سال کی ثوبیہ اور تین سال کا کاشف، آٹھ سال پہلے آنٹی خود ان کی پسند سے ان کی شادی کر کے آئی تھیں۔ ان کی بہنوں کو بھی اپنی بھابی بہت پسند ہیں۔ میاں، بیوی میں تو بہت ہی محبت ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے، کیا کچھ دن کی دوری سے انسان اتنا بدل سکتا ہے، میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ سب کیا ہے؟'' وہ سخت الجھن میں ہاتھ چلا، چلا کر بولے جا رہا تھا اور جاذب بے یقینی کی کیفیت میں اس کی صورت تکے جا رہا تھا اس کا سارا جسم پسینے سے بھیگ چکا تھا اور وہ بار، بار اپنی مٹھیاں بھینچ رہا تھا۔

''اچھا یہ بتاؤ کیا وہ والدین سے چھپ کر شادی کر رہے ہیں؟'' منصور نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دباتے ہوئے پوچھا اس کی آنکھوں میں چنگاریاں سی بھڑک گئی تھیں۔

''نہیں، ان کے والدین نے ہی رشتہ بھیجا تھا اور تم ابھی کہہ رہے تھے کہ ان کی والدہ نے ان کی پسند کی شادی کروائی تھی۔ پھر وہ بیٹے کی دوسری شادی کیوں کروا رہی ہیں؟ جبکہ اس کے بچے بھی ہیں۔'' جاذب الجھ گیا تھا۔

''یہی بات تو میری سمجھ میں بھی نہیں آ رہی ہے حالانکہ آنٹی اور انکل تو بہت اچھے ہیں، یقین نہیں آ رہا کہ وہ ایک ساتھ دو لڑکیوں پر اتنا ظلم کر سکتے ہیں۔'' وہ کچھ دیر پیشانی کو انگلی سے بجاتے ہوئے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ''تم اطمینان رکھو میں جلد ہی ان سے بات کر کے تمہیں سب کچھ بتا دوں گا اور ہاں اپنے پھوپا کا فون نمبر دے دو، میں کچھ کرتا ہوں۔''

☆☆☆

بخار کی شدت کی وجہ سے اس رات امی اس کے ساتھ ہی لیٹ گئی تھیں اور وہ تمام رات بے چینی میں

کہ ''انکل اور آنٹی بہت شرمندہ ہیں، صولت بھائی کی ضد کے آگے وہ مجبور ہوگئے تھے کیونکہ ان کا کہنا تھا اب میں یہاں بھی بزنس سیٹ کررہا ہوں تو شادی کے بعد رائمہ کو یہیں رکھوں گا، ثمرینہ اور بچے وہیں رہیں گے۔ انہیں میری دوسری شادی سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ میں کسی کے ساتھ بھی امتیازی سلوک نہیں کروں گا، بیویوں کے درمیان مساوات رکھتے ہوئے ہمارے دین نے مجھے ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت دی ہے تو آپ کو کیوں اعتراض ہے؟ جبکہ میں کوئی غیر شرعی کام تو نہیں کررہا۔'' پھر یہ کہ صولت بھائی ان کے ہاں رہ کر آئے تھے تو انہیں کیا معلوم کہ انہوں نے اپنے بیوی بچوں کے متعلق انہیں لاعلم رکھا تھا۔ ان کی باتوں سے تو یہی محسوس ہوتا تھا کہ لڑکی نے بھی انہیں پسند کرلیا، اس لیے انہیں بھی راضی ہونا پڑا کہ صولت بھائی کی بات بھی صحیح تھی اور پھر ان کا بھیجا ہوا رشتہ بھی قبول کرلیا گیا تو وہ مطمئن ہوگئے کہ لڑکی اور اس کے والدین نے بھی صولت کو پسند کرلیا تھا جب ہی اس نے رشتہ بھیجنے کا کہا۔ لیکن اب بہت شرمندہ ہیں، صولت بھائی فوراً واپس جارہے ہیں کیونکہ میں نے بھابی کو بھی فون پر بتادیا اور اب تو وہ صولت بھائی کو کبھی اکیلا نہیں چھوڑیں گی۔'' جاذب، منصور کا بے حد ممنون تھا اور بار بار اسے گلے لگا کر اس کا شکریہ ادا کیے جارہا تھا۔

''لیکن یار، یہ تم اس قدر جذباتی کیوں ہوئے جارہے ہو، کہیں ایسا تو نہیں کہ صولت بھائی تمہاری ہی لو اسٹوری کے ولن بننے جارہے ہوں؟ اگر ایسا ہے تب تو واقعی میں بہت زیادہ شکریے کا مستحق ہوں، کیا سمجھے؟'' منصور نے اس کی کمر پر دھپ رسید کرتے ہوئے کہا تو اس نے اپنی پشت اس کے آگے کرتے ہوئے ہنس کر کہا۔

''لے یار آج یہ کمر تیرے حوالے ہے جتنے چاہے مکے برسالے، اُف نہیں کروں گا۔'' وہ پھر ہنس رہا تھا۔

''اچھا تو بچو یہ بات ہے، آج تیری کمر پر کے

جب سے کزن، کزن کیے جارہا ہے، اصل بات نہیں پھوٹتا۔'' منصور نے دونوں ہاتھوں میں اس کی گردن دبوچ لی، دوسرے لمحے جھٹکے سے اسے گلے لگالیا اور بہت دیر تک بھینچے رکھا۔

''یار، اب چلتا ہوں، میری ہیروئن کہیں میری راہ تکتے، تکتے بوڑھی نہ ہوجائے۔'' اس نے قہقہہ لگایا۔ ''آؤ ناں کسی دن تمہیں بھی ملواؤں گا۔'' اس نے گاڑی کی چابی گھماتے ہوئے کہا۔

''بالکل آؤں گا اور بھابی کے ہاتھ کا کھانا بھی کھاؤں گا بہت دن ہوگئے گھر کا کھانا کھائے ہوئے۔'' منصور کے جانے کے بعد کچھ دیر تو وہ سوچتا رہا لیکن اس سے صبر نہیں ہورہا تھا پھر اس نے فون پر ساری بات امی کو بتادی...... وہ خوش تھیں کہ شادی سے پہلے ہی ساری بات کھل کر سامنے آگئی ورنہ تو بہت برا ہوتا۔

''ہاں، امی یہ تو بہت اچھا ہوا لیکن مجھے تو رائمہ کی فکر ہے، یہ رشتہ اسی کی مرضی سے طے ہوا تھا اور وہ اس رشتے پر بہت خوش بھی تھی اور اب حقیقتِ حال جان کر اس کے دل پر کیا گزرے گی، وہ کس طرح اس دکھ کو جھیل پائے گی، کس طرح برداشت کرے گی یہ سب کچھ، اسے کس طرح بتایا جائے گا؟ اور امی ایسا بھی تو ہوسکتا ہے کہ صولت بھائی نے اسے اپنے بارے میں سب کچھ بتادیا ہو اور وہ پھر بھی اسے شادی پر راضی ہو آپ کا کیا خیال ہے؟''

''بیٹا، مجھے تو وہ خوش نہیں لگتی، میں نے تو جب بھی اسے دیکھا اداس اور کھویا، کھویا سا ہی دیکھا، پسند کی شادی کرنے والوں کے یہ انداز تو نہیں ہوتے، مجھے تو لگتا ہے اس کی خاموشی کو ہی اس کے والدین نے اس کی رضامندی سمجھ لیا ہوگا، انہی کی خواہش ہوگی کہ ان کی بیٹی اتنے بڑے بزنس مین سے بیاہی جائے، جب ہی تو اکلوتی بچی کو اتنی دور بھیجنے پر بھی کوئی اعتراض نہ ہوا۔'' امی نے چبھتے ہوئے انداز میں کہا۔

''اچھا، یہ تو بتاؤ تم کب آرہے ہو؟'' امی کے

''جاذب مجھے معاف کردو۔'' امی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

''جاذب مجھے معاف کردو، میں کہیں نہیں جاؤں گی، کہیں نہیں جاؤں گی۔'' وہ بخار میں بڑبڑائے جارہی تھی اور امی پریشانی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں جس کی آنکھیں بند تھیں اور سانس بہت تیز چل رہی تھی۔ امی نے دھیرے سے اپنا ہاتھ اس کے سینے پر رکھا تو اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ اس کا چہرہ پسینے سے تر تھا، امی نے پسینہ صاف کرکے اسے پانی پلایا تو وہ کروٹ بدل کر سوگئی لیکن امی بہت دیر تک جاگتی رہیں اور سوچتی رہیں کہ کیا ہم سے غلطی ہوگئی تو پھر وہ سب کیا تھا اور رشتہ تو رائمہ کی رضامندی سے ہی ہوا ہے پھر اس کی یہ حالت کیوں ہوئی اور یہ خواب میں جاذب سے کس بات کی معافی مانگ رہی تھی۔ وہ سمجھنے سے قاصر تھیں لیکن جب تک رائمہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہوجاتی وہ اس سے پوچھنا نہیں چاہتی تھیں۔ ڈاکٹر کا علاج جاری تھا، اب بخار میں وہ شدت تو نہ تھی۔ لیکن ہلکا ٹمپریچر اور سر کا درد نہیں جارہا تھا، وہ کسی سے کوئی بات ہی نہیں کرتی خاموش پڑی در و دیوار کو تکتی رہتی، بوا اپنی باتوں سے اسے ہنسانے کی کوشش کرتیں لیکن وہ تو مسکرانا تک بھول گئی تھی۔ گھر کی چہکتی مینا خاموش ہوگئی تو اداسیاں بولنے لگیں، امی نے اس کی کیفیت کا ذکر ابھی ابو سے نہیں کیا تھا لیکن ان کے اپنے دل میں پھانس سی چبھ کر رہ گئی تھی۔

☆☆☆

اتنی رات گئے کال امریکا سے آئی تھی۔ فون پر کوئی خاتون تھیں تو دھیان صولت کی بہنوں کی طرف گیا۔ لیکن بولنے والی خاتون نے اپنا تعارف مسز ثمرینہ صولت کے نام سے کرایا تھا، اس کی باتوں سے ندیم صاحب اور نائمہ کے سروں پر جیسے حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹتے رہے، الفاظ ان کے کانوں میں پگھلا سیسہ بن کر گر رہے تھے۔

رہے پھر انہوں نے اپنی طرف سے اس کی تسلی بھی کرائی اس کا بہت، بہت شکریہ بھی ادا کیا کہ اس نے انہیں بہت بڑے دکھ سے بچالیا تھا۔ فون بند ہونے کے بعد کافی دیر تک دونوں ایک دوسرے کی طرف خاموشی سے دیکھتے رہے۔

''بھابی جان ٹھیک ہی کہہ رہی تھیں کہ لڑکے کی کچھ انکوائری تو کروالی ہوتی۔'' نائمہ بیگم نے ڈوبتی آواز سے کہا۔

''ہم نے تو سوچا بھی نہیں تھا کہ اپنے بھی ہمارے ساتھ فراڈ کرجائیں گے۔'' وہ سر پکڑے بیٹھے تھے۔

''ہم نے بھی تو جلدی کی ثریا آپا کے آنے سے پہلے جواب نہیں دینا چاہیے تھا۔'' وہ پچھتاوؤں کی زد میں تھیں۔

''قسمت کا لکھا تو ہوکر رہتا ہے، شکر کرو بیگم کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک بہت بڑی مصیبت سے بچالیا۔ اگر شادی کے بعد یہ سب پتا چلتا تو ہم کیا کرسکتے تھے۔''

''چلیں شکرانے کے نوافل ادا کرتے ہیں۔'' وہ رب العزت کے بہت شکر گزار تھے۔ یہ بھی اطمینان کی بات تھی کہ کئی دنوں بعد کل ہی رائمہ کا بخار ٹوٹا تھا لیکن اب بھی نقاہت کے باعث اس کی آواز نہیں نکل رہی تھی۔ بالکل پیلی ہوکر رہ گئی تھی۔ ہر ایک کو پھٹی، پھٹی آنکھوں سے چپ چاپ دیکھتی رہتی، اس کے الفاظ جانے کہاں گم ہوگئے تھے۔ امی نے بڑی ہمت کرکے ڈرتے، ڈرتے دھیرے، دھیرے اسے سب کچھ بتایا تھا کہ جانے اس بات کا وہ کیا اثر لے لیکن وہ تو یوں خاموشی سے سن رہی تھی گویا اس بات کا اس کی ذات سے کوئی تعلق ہی نہیں ہو، اس کے چہرے کا رنگ بدلا نہ ہونٹوں میں کوئی جنبش ہوئی۔ اس لیے کسی کو اندازہ ہی نہیں ہو پارہا تھا کہ اس سانحے کا اس پر کیا اثر ہوا، وہ اب بھی پہلے کی طرح خالی، خالی نظروں سے چھت کو گھورتی رہتی، نائمہ اس کی حالت دیکھ کر چپکے، چپکے روتی رہتیں۔

☆☆☆

ماضی کے جھروکوں سے

موسم بہار کی ایک یادگار پکنک......

دسویں جماعت نے پک نک، پک نک ایک ردھم میں گا کر پرنسپل کا ناک میں دم کر دیا تھا۔ مگر نہ ہاں میں نہ بدل سکی۔ سو چند اساتذہ (خواتین) دسویں جماعت کی دس بارہ لڑکیاں اسکول کا چوکیدار، ملازمہ کو ساتھ ملا کر چپکے سے پکنک کا پرائیویٹ پروگرام بنالیا گیا۔ یہ سارا گروپ سیر وتفریح کا شوقین تھا۔ اور پشاور میں دریا تو صرف دریائے سندھ، دریائے کابل بہتے ہیں، سو اٹک کے مقام پر پکنک منانے کا فیصلہ ہوا۔ سینئر ٹیچر سربراہ تھیں، طے یہ ہوا کہ جی ٹی ایس بس سے صبح آٹھ بجے اٹک کے لیے روانہ ہوں گے ہر ایک نے کھانے کا بھی بندوبست کر رکھا تھا یعنی ٹفن بکس، پھل فروٹ، چائے، پانی کا انتظام، صبح بس آٹھ بجے روانہ ہوئی، پندرہ سولہ لوگ تھے ہنسی خوشی سفر طے ہوا اور سب نے نیچے اتر کر دریا کنارے ڈیرے ڈال دیے۔ سارا دن پانی میں کھانے پینے ہنسی مذاق گاتے ہنستے گزرا۔ دوپہر ڈھلنے لگی تو جانے کی تیاری ہوئی آتے ہوئے تو بڑے اڈے سے سوار ہوئے تھے بس خالی ملی تھی۔ اب واپسی پر سربراہ کھڑے ہیں اور پنڈی سے بھری، بھری بسیں آرہی ہیں بتیرے اشارے دیے، ہاتھ ہلا کر مگر وہ زن سے گزر جاتیں۔ دو گھنٹے اسی حالت میں تھکے ہارے، کبھی بیٹھے کبھی اٹھے، آخر دور سے ایک خالی ٹرک آتا دکھائی دیا۔ چوکیدار نے اسے ہاتھ سے رکنے کا اشارہ کیا۔ وہ رک گیا اور اتنی ساری بلاؤں کو سڑک کنارے دیکھ کر حیران بھی...... خیر ہماری سربراہ نے ان سے بات کی کہ ہمیں بٹھا کر...... اٹک پل (پرانا ریلوے کا پل) تک لے جاؤ وہاں ہم اتر جائیں گے۔ پھر بذریعہ ریل آگے کا سفر طے ہوگا۔

اب جناب ٹرک میں سوار ہونے کا پہلا موقع خیر کسی نہ کسی طرح ایک دوسرے کا سہارا لے کر سوار ہوئے۔ پتا چلا کہ وہ کوئلوں کا خالی ٹرک تھا کالا سیاہ سو ہم نے بھی اپنے کپڑوں، ہاتھوں کو خوب کالا کیا زندگی میں پہلی بار...... ٹرک جب موڑ کاٹتا (اس وقت اٹک کی روڈ ٹیڑھی میڑھی تھی بل کھاتی) تو ہم سب لڑھک کر ایک دوسرے پر دوسری جانب گر پڑتے جب دوبارہ مڑتا تو پھر وہی حال مارے ہنسی کے سب کا برا حال تھا خیر اٹک پل پر پہنچے اور وہاں کھڑے ایف سی کے جوانوں نے جو ٹرک سے اترتی بلاؤں کو دیکھا تو حیرت و ہنسی پر قابو نہ رکھ سکے۔ ہمارا اپنا بھی ہنس، ہنس کر برا حال تھا۔ اب جی سیڑھیاں اوپر چڑھ کر ریلوے اسٹیشن پہنچے...... ہماری سربراہ نے اسٹیشن ماسٹر کے آفس جا کر صورتِ حال بیان کی کہ ہم نے ان بچیوں کو بحفاظت اپنے گھروں تک پہنچانا ہے سوائے اس ریل کے اور کوئی ذریعہ نہیں۔ ایک ٹرین جو آنے والی تھی پنڈی کی طرف سے اس نے سات بجے اِدھر سے گزرنا تھا اور صرف ایک منٹ کے لیے اسٹیشن ماسٹر نے اسے روکا اور ہم بعجلت سوار ہوئے یہ پسنجر ٹرین تھی اور دھیرے، دھیرے چھک، چھک کرتی رات گیارہ بجے پشاور سٹی کے اسٹیشن پہنچی وہاں سے تانگوں میں بیٹھے اور باری، باری سب کو ان کے گھروں میں اتارا گیا۔ اس روز والد کی طرف سے جو شامت آئی تھی وہ ناقابلِ بیان ہے کہ وہ سارا وقت اسکول اور گھر کے پھیرے لگا چکے تھے اور آخر والدہ سے بولے لگتا ہے کہ آج اٹک میں غرقِ آب ہوگئی ہیں سب...... اللہ بچائے...... ڈانٹ ڈپٹ کھا کر توبہ کر کے آئندہ یہ غلطی نہ دہرانے کا وعدہ کر کے گرم، گرم چائے، دو عدد درد...... کی گولیاں اور والدہ کی تقریر سن کر بے سُدھ ہو کر سو گئے۔ مگر وہ ہم ہی کیا جو پھر نہ لیں اجازت پک نک کی...... اس روز تمام گھروں میں سب گھر والوں کا یہی حال تھا پوچھ تاچھ کر، کر کے کہ کہاں گئیں۔

یہ قصہ اب بھی یاد کر کے خوب ہنستے ہیں۔ جو، جو بھی اب اٹک پل سے گزرتی ہیں وہ یاد کر کے ہنستی ضرور ہیں اپنے پاگل پن پر...... موبائل فون نے آج کل مشکل آسان کر دی ہے کہ منٹ، منٹ کی خیر خیریت پتا چل جاتی ہے۔ ان دنوں نام بھی نہ سنا تھا۔

تحریر: فریدہ افتخار، اسلام آباد

"جلد ہی آجاؤں گا لیکن یہ تو بتائیں آپ نے جو کہا وہ سچ ہے؟" اس نے بے یقینی سے پوچھا۔

"میں نے جو محسوس کیا وہ تم سے کہہ دیا، تم خود آ کر اس کی حالت دیکھ لو کہ وہ کتنی خوش ہے اس رشتے سے، کچھ دن پہلے کافی بیمار ہو گئی تھی، جب سے اپنے کمرے میں گوشہ نشینی اختیار کر لی ہے، نہ باہر نکلتی ہے نہ کسی سے بات کرتی ہے، پہلے تو ہم سارہ کی شادی میں ہی مصروف رہے فراغت ہوئی تو تم لاہور چلے گئے... اور میں اب جب بھی وہاں جاتی ہوں مجھے تو وہ ایک دن بھی خوش نہیں لگی، میری بات کا یقین نہیں آرہا تو ہاتھ کنگن کو آرسی کیا؟ تم آ کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لو اور شاید تمہیں کچھ بتا بھی دے۔" امی نے برا مناتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے مما، اپنا خیال رکھیے گا، انشاء اللہ جلد ہی ملاقات ہو گی، اللہ حافظ۔" فون بند کر کے وہ پھر گہری سوچوں میں کھو گیا تھا۔

☆☆☆

اور انہیں معاف بھی کر دیا گیا تھا لیکن نائمہ اپنے دل کا کیا کرتیں جسے ایک پل چین نہ تھا۔ رائمہ کی حالت دیکھ کر دکھ اور بڑھ جاتا اور تیز بخار میں کہی گئی اس کی باتیں ذہن میں ہیجان بپا رکھتیں، وہ بہت پریشان تھیں، ندیم صاحب کو بتانے کی اور رائمہ سے کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں کر پا رہی تھیں، ایسے میں بھابی جان کی شدت سے ضرورت محسوس ہو رہی تھی، ان کا جی چاہ رہا تھا کہ بھابی جان کے گلے لگ کر اتنا روئیں کہ تمام دکھ آنسو بن کر بہہ جائیں لیکن ان سے کچھ کہتے ہوئے شرمساری محسوس ہو رہی تھی لیکن کب تک......؟ ایک دن تو انہیں بتانا ہی پڑے گا اس رشتے کے ختم ہونے کا، یہی سوچ، سوچ کر انہوں نے ہمت جمع کر کے ایک دن بھابی کا نمبر ڈائل کر ہی دیا اور روتے ہوئے سب کچھ ان کے گوش گزار کر دیا...... بھابی انہیں تسلیاں دیتی رہیں، انہیں یہ بتانا مناسب نہ لگا کہ انہیں بھی ان باتوں کا علم ہو چکا ہے اور یہ کہ اس فراڈ کا پردہ جاذب نے ہی

اور جلد ہی ان کے پاس آنے کا وعدہ کیا۔

☆☆☆

آج رائمہ کی طبیعت قدرے بہتر لگ رہی تھی، کئی دن بعد اس نے دلیا بھی کھایا تھا اور چکن سوپ بھی پیا تھا، شام کی چائے کے ساتھ ہی دو بسکٹ لیے تھے اس لیے چہرے پر کچھ بشاشت محسوس ہو رہی تھی۔ اسے دیکھ کر والدین نے بھی سکون کی سانس لی کہ اب یہ بہتر ہونے لگی ہے، انشاء اللہ بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔ لیکن اب بھی وہ اپنے کمرے میں تنہا ہی لیٹی ہوئی تھی، اس کی سوچیں اب بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑ رہی تھیں۔ آنکھوں کی گیلی زمین پر اب بھی کسی کے مانوس قدموں کی آہٹ محسوس کر کے پلکوں کی چلمن اٹھا کر بے اختیار اِدھر اُدھر دیکھنے لگتی اور پھر مایوس ہو کر آنکھوں کے در بند کر لیتی، اس کی خاموشی کی وجہ سے گھر میں بھی سناٹا تھا، ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے ندیم صاحب اور نائمہ بھی سوچوں میں غرق تھے، ایسے میں بھائی، بھابی، سارہ اور جاذب کو

"میں نے تو پہلے ہی کہا تھا، بچی کو اتنی دور غیروں میں دینے سے پہلے چھان پھٹک ضرور کر لینی چاہیے، اپنے تو اپنے ہی ہوتے ہیں۔" بھابی نے نائمہ کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں، اپنے تو اپنے ہی ہوتے ہیں مارتے بھی ہیں تو سائے میں ڈالتے ہیں۔" بھائی جان نے بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

"اے لو، اپنے ماریں گے ہی کیوں؟" بھابی ایک دم بھڑک گئیں۔ تو سب ہی ہنس پڑے اور وہ کچھ خجل سی ہو گئیں اور مسکرا دیں۔

"چلو اچھا ہوا وقت سے پہلے پتا چل گیا، اللہ کا لاکھ، لاکھ شکر ہے، جس نے ہماری بچی کو فراڈیوں سے بچا لیا، بس بھئی اب ہماری بیٹی ہمیں دے دو۔" بھابی نے جھولی پھیلاتے ہوئے کہا تو نائمہ ان سے لپٹ گئیں۔

"بھابی، بیٹی تو آپ ہی کی ہے لیکن آپ نے کبھی مانگی ہی نہیں تھی۔" فرطِ جذبات سے ان کے آنسو بہہ نکلے۔

انہوں نے جاذب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو اس نے ہاتھوں میں چہرہ چھپا لیا اس کی اس معصومانہ ادا پر سب ہنس رہے تھے۔

سارہ مٹھائی لیے رائمہ کے کمرے میں پہنچ گئی اور جب اسے اپنی آمد کا مقصد بتا کر اس کی رائے پوچھنے لگی تو وہ سارہ کو بھینچ کر بے اختیار رو پڑی۔ سارہ کی اسے چپ کرانے کی تمام کوششیں ناکام ہو رہی تھیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے، کمزور سی رائمہ روتے، روتے نڈھال ہونے لگی تو وہ خاموشی سے لاؤنج میں جا کر اشارہ کرکے جاذب کو بلا لائی اور اسے اندر بھیج کر خود باہر کھڑی رہی۔ جاذب، رائمہ کی حالت دیکھ کر دنگ رہ گیا، منصور سے ملاقات سے پہلے تک تو وہ یہی سمجھتا تھا کہ رائمہ، صولت کو چاہنے لگی ہے، اسے پا کر تو وہ خوشی سے اور نکھر گئی ہوگی لیکن امی نے فون پر بتا دیا تھا کہ وہ صولت کو پسند نہیں کرتی اس رشتے کے بعد سے خوش نہیں ہے، گھر آیا تو سارہ نے بھی اسے یہی یقین دلایا تھا اور اس کی مہندی پر جاذب کی غزل سن کر رائمہ کی جو حالت ہوئی تھی وہ بتایا تھا۔ اسے یہ بھی علم تھا کہ وہ پچھلے دنوں کافی بیمار بھی رہی ہے پھر بھی اس نے یہ نہیں سوچا تھا کہ اس کی اتنی بری حالت ہو چکی ہوگی اور وہ اتنی بری طرح بکھر چکی ہوگی۔

اب اس کی حالت دیکھ کر وہ تڑپ گیا اور قریب بیٹھتے ہوئے دھیرے سے بولا۔

”رائمہ، تم نے ایسا کیوں کیا، اپنی کیا حالت بنالی ہے اب بھی اپنی ضد نہیں چھوڑو گی؟ دیکھو میں تمہارے پاس آ گیا ہوں، تمہیں ہمیشہ کے لیے اپنانے کے لیے...... میں نے کہا تھا ناں کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو کر خوش نہیں رہ سکتے، پلیز رائمہ پلیز میری طرف دیکھو۔“ اس نے نظر اٹھا کر جاذب کی طرف دیکھا پھر جیسے اس پر جنون سوار ہو گیا۔ وہ جاذب کے سینے پر دونوں ہاتھوں سے مکے برسانے لگی۔

”تم اب آئے ہو، کیوں آئے ہو؟ اب بھی نہ

تھے؟“ وہ بے تحاشا روتے روتے، نڈھال ہو چکی تھی لیکن اس کا رونا رک نہیں رہا تھا، جاذب کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ رہے تھے۔

”رائمہ پلیز بس کرو، اب بس کرو، اپنی اور میری سزا ختم کر دو۔“ اس نے رائمہ کے ٹھنڈے یخ ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا تو آج ان ہاتھوں کے لمس میں جانے کیسی مسیحائی تھی کہ اس کی رگ، رگ میں سکون اور طمانیت کی لہر دوڑتی چلی گئی بتدریج اس کے رونے کی شدت میں کمی ہوتی چلی گئی، کچھ دیر بعد اس نے دھیرے سے اپنے ہاتھ ان مضبوط ہاتھوں کے حلقے سے نکالے اور شرمندہ سی سر جھکا کر بیٹھ گئی۔

”یہ تم نے اپنی کیا حالت بنالی ہے، وعدہ کرو اب تم اپنا خیال رکھوگی اور خوش رہوگی میرے لیے کیوں ٹھیک ہے؟“ جاذب نے اس کا چہرہ اونچا کرتے ہوئے کہا تو رائمہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر دھیرے، دھیرے اپنی غلط فہمی بھی بتادی جس وجہ سے دونوں کو اتنی اذیت سے گزرنا پڑا تھا۔

”یعنی کہ یہ سب صولت بھائی کی وجہ سے ہی ہوا، اگر وہ تمہیں بتا دیتے کہ یہ گفٹ میں نے بھیجا ہے تو تمہاری ناراضی اسی وقت ختم ہو جاتی؟“

”ہاں اور غلطی میری بھی ہے کہ میں نے کبھی وہ گفٹ دیکھا ہی نہیں تھا اور کچھ تمہاری بھی کہ تم نے پلٹ کر اس کے بارے میں پوچھا ہی نہیں۔“ دونوں کو ہی تاسف ہو رہا تھا کہ ذرا سی غلطی اور غلط فہمی کی وجہ سے کیا سے کیا ہونے کو جا رہا تھا۔

”چلو چھوڑو اس کو...... ہمیں اپنی غلطیوں کی بہت سزا مل چکی ہے اور اب ہمارے دل ایک دوسرے کی طرف سے صاف ہو چکے ہیں اور کوئی بدگمانی نہیں رہی، اب تو مجھے اجازت ہے ناں کہ تمہیں پرپوز کر دوں؟“ جاذب کا لہجہ شوخ ہو چکا تھا تو وہ بھی مسکرا دی۔ اسی رات اس کی اجازت سے جاذب نے اسے منگنی کی انگوٹھی پہنا دی...... لیمن کلر کے سوٹ میں ہلکی پھلکی

بیٹھی مسکراتی ہوئی وہ بہت پیاری لگ رہی تھی...... سارہ کی خوشی کی تو کوئی انتہا نہیں تھی۔ نائمہ اور بھابی کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو اور لبوں پر گہری مسکراہٹ تھی۔ بھائی جان اور ندیم صاحب بھی اپنی باتوں میں مصروف ہو چکے تھے۔ جاذب نے دھیرے سے اس کے کان میں کچھ کہا تھا کہ وہ سر جھکا کر ہنس رہی تھی جب اندر کے موسم بدلے تو باہر کی فضا بہت خوشگوار ہو گئی تھی۔

دو ماہ بعد کی شادی کی تاریخ رکھ دی گئی تھی، دونوں گھروں میں شادی کی تیاریاں زور شور سے شروع ہو چکی تھیں، دونوں طرف ہر چیز جاذب اور رائمہ کی مشترکہ پسند سے لی جا رہی تھی اس لیے شاپنگ پر زیادہ تر سب اکٹھے ہی جاتے، دن بہت تیزی سے گزر رہے تھے۔ ہر دن نیا سورج نئے رنگ اور نئی امنگیں لیے طلوع ہو رہا تھا، مہندی کا فنکشن ہال میں بہت زبردست ہوا، جاذب کے دوستوں، سارہ اور رائمہ کی سہیلیوں نے بہت ہلا گلا کیا سب نے خوب انجوائے کیا۔ شادی پر تو ڈنر کے بعد زیادہ تر مہمان رخصت ہو چکے تھے، صرف رشتے دار رہ گئے تھے تو رسمیں شروع کر دی گئیں جنہیں ختم ہوتے، ہوتے کافی رات گزر گئی۔ میرج ہال کے ملازموں نے کرسیاں وغیرہ اٹھانے کے بعد لائٹس بھی آف کرنا شروع کیں تو رخصتی کا مرحلہ آیا، تھوڑی سی لائٹس جل رہی تھیں جن میں سب باہر نکل آئے اور گاڑیوں کی طرف بڑھنے لگے، اس وقت کتنی ہی ملی جلی نسوانی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

”لڑکی کے ساتھ کون جائے گا بھئی......؟“

”کسی کو ساتھ جانے کی کیا ضرورت ہے؟ کوئی غیروں میں تھوڑا ہی جا رہی ہے۔“

”لو یہ کیا بات ہوئی؟ یہ تو رسم ہے، جہاں سب رسمیں ادا کی ہیں یہ بھی ہونی چاہیے۔“ ملگجے اندھیرے اور اتنی بھیڑ میں سارہ جانے کس کو گھسیٹتی ہوئی لے گئی تھی۔

دلہن کو گھر لے جا کر بھی کتنی ہی رسمیں کی گئی تھیں۔ جس میں آدھی رات سے زیادہ گزر چکی تھی، بے چینی عیاں تھی، اسے حجلۂ عروسی جانے کی جلدی ہو رہی تھی۔ رائمہ کا پریوں جیسا روپ اس کے دل میں ہلچل مچائے دے رہا تھا۔ وہ تنہائی میں اس کے حسن کی ضیا پاشیوں سے سیراب ہونا چاہتا تھا۔ اس سے ڈھیروں باتیں کرنا چاہتا تھا لیکن سارہ اور تمام کزنز ہر رسم کو لمبا کیے جا رہے تھے، آخر بڑوں کے کہنے پر لڑکیاں رائمہ کو کمرے میں لے گئیں لیکن جاذب کو دوستوں نے اب بھی گھیر رکھا تھا وہ اس کی اس وقت کی حالت سے مزہ لے رہے تھے اور وہ ان سب پر غصہ ہوئے جا رہا تھا، آخر کافی دیر بعد انہیں اس پر ترس آ ہی گیا، بڑی مشکل سے چنڈال چوکڑی سے گلوخلاصی پا کر اپنے بیڈ روم کے دروازے تک پہنچا تو وہاں ایک اور ہی افتاد کا سامنا تھا، سارہ مع تمام کزنز کے دروازہ روکے کھڑی تھی وہ جتنا نیگ دیتا لڑکیاں چیخ، چیخ کر اس سے زیادہ کی فرمائش کرتیں اور راستہ نہ چھوڑتیں۔

”آخر اتنی خوب صورت دلہن کے پاس ہم یوں تو نہ جانے دیں گے منہ مانگا انعام ملے گا تب ہی جانے دیں گے۔“ وہ سب یک زبان تھیں، تنگ آ کر اس نے والٹ سارہ کی طرف اچھالا لڑکیاں اس طرف متوجہ ہوئیں اور اس نے کمرے میں جمپ لگا دی۔ دلہن کی پنسل ہیل والی خوب صورت سی جوتیاں راستے میں پڑی تھیں جن پر پڑ کر اس کا پیر مڑ گیا اور وہ سیدھا بیڈ پر بیٹھی سرخ گٹھری کے قدموں میں آ پڑا اور آمد کے اس انوکھے انداز پر گٹھری اچھلی اور پھر ساکت ہو گئی، وہ زمین سے اٹھ کر اس کے قریب بیٹھ چکا تھا۔

”توبہ، توبہ یہ لڑکیاں ہیں یا آفت کی پرکالہ......“ اس نے شیروانی کی جیب سے رومال نکال کر پسینے سے تر چہرہ صاف کیا۔ ”اوہ تو دولہا کو رومال اسی لیے دیا جاتا ہے۔“ سوچ کر وہ مسکرا دیا۔ کچھ دیر اس نے سانسوں کو درست کیا پھر سائڈ دراز سے منہ دکھائی کے کنگن نکالتے ہوئے بڑے جذباتی لہجے میں مخاطب ہوا۔

”سوری رائمہ! تمہیں بہت انتظار کرنا پڑا،

ہوگی، تم بھی میری طرح بے چین ہی ہورہی ہوگی لیکن کیا کروں، پہلے تمام کزنز اور دوستوں نے پلاننگ کے تحت الجھائے رکھا، بڑی مشکل سے ان سے پیچھا چھڑا کر یہاں آیا تو یہ لڑکیاں ظالم سماج بنی اپنی راہ روکے کھڑی تھیں، بڑی مشکل سے جان چھڑا کر تم تک پہنچا ہوں میری جان..... لیکن یہ کیا؟ تم تو بالکل روایتی بلکہ پرانے زمانے کی دلہن بنی پوری کی پوری گھونگٹ میں چھپی بیٹھی ہو، میں تو سمجھا تھا اتنی لیٹ حاضری دینے پر غصے میں لال، پیلی آنکھیں نکالے مجھے چباڈالنے کے انداز میں بیٹھی ہوگی، میں تو ڈر رہا تھا کہ کہیں ہماری سہاگ رات کو ہی لڑائی شروع نہ ہوجائے اور پھر باقی وقت مجھے تمہیں منانے میں ہی گزر جائے لیکن تم تو شرم کی دیوی بنی بیٹھی ہو، کم آن یار، یہ ریشمی دیوار تو درمیان سے ہٹادو۔'' اس کی برداشت جواب دے رہی تھی۔

''ارے یہ تو وہی چادر ہے ناں جو رخصتی کے وقت تمہیں اوڑھائی گئی تھی لیکن یہ تو صرف راستے کے لیے تھی، اس لیے تو نہیں تھی کہ اپنی سیج پر تم اس میں ہاتھ پیروں تک چھپ کر بیٹھ جاؤ، یہ اچھا طریقہ نکالا ہے دیر سے آنے کی سزا دینے کا، کیا ہمیشہ سزا ہی دیتی رہو گی؟'' اس نے گھونگٹ اٹھانا چاہا لیکن اندر سے ہی چادر کو مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا وہ پھر بیٹھ گیا۔

''دیکھو تو سہاگ رات کی نشانی کے لیے کتنے خوب صورت کنگن بنوائے تھے میں نے تمہارے لیے، یہی تو تمہارے لیے سرپرائز تھا، دیکھ تو لو..... اچھا تو یہ بات ہے کہ میں منہ دکھائی دیے بغیر گھونگٹ نہیں الٹ سکتا تو جانِ من...... اپنا خوب صورت ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دو ناں کہ میں تمہاری مرمریں کلائی کو اس طلائی کنگن سے سجا کر تمہارے رخِ زیبا کا دیدار کرسکوں۔'' جاذب نے اس پر جھک کر کان میں کہنا شروع کیا تو وہ آہستہ سے پیچھے کو سرک گئی۔

''اس خوب صورت اور زندگی کی یادگار رات میں بھی کیا کسی بات کا بدلہ لے رہی ہو؟ بھئی اب تو کوئی قرض نہیں رہا سب حساب برابر ہوچکا ہے اور ہمیشہ کے لیے پکی دوستی بھی ہوچکی ہے تو پھر یہ کیا ہے۔'' وہ آگے بھی کیا کچھ کہتا رہا۔ اس کا لہجہ خوابناک سا ہوگیا تھا، اس نے پھر گھونگٹ اٹھانا چاہا تو اُدھر سے بھرپور مزاحمت پر وہ جز بز ہوگیا، سارا نشہ ہرن ہوگیا تو لہجہ کٹیلا ہوگیا۔

''گھونگٹ تو یوں نکال کر بیٹھی تھیں کہ میں سمجھا کہ آج سے تم بالکل سیدھی سادی اور شرمیلی سی بن گئی ہو لیکن کہاں، تم تو آج دھینگا مشتی پر اتر آئی ہو، کیا میرے بازوؤں کو آزمانا مقصود ہے؟ چلو یہ ہے تو یونہی سہی......'' کہتے ہوئے وہ جھپٹا اور ایک ہی ہاتھ میں زرتار چادر نوچ کر پھینک دی۔

''بوا تم......'' وہ چیخ کر دور کھڑا ہوگیا اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔

''آج، آج بھی تم......؟'' اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔

''میں، میں کا کرتی بھیا...... مجھے تو تمہاری بہن اور دلہنیا نے اپنی ڈھیروں قسمیں دے کر یوں بٹھا دیا تھا یاں۔'' بٹیا کی شادی کی خوشی میں آنکھوں میں بھرا کاجل اور ہونٹوں پر تھپی سرخی پسینے کی وجہ سے چہرے کی جھریوں میں گڈ مڈ ہوچکی تھی۔ دھونکنی کی طرح چلتی سانسوں کے درمیان لفظ بھی ٹوٹ، ٹوٹ کر نکل رہے تھے، جاذب کو ان پر ترس آگیا تھا تو وہ ان کی طرف سے رخ موڑ کر کھڑا ہوگیا، اسی لمحے سجاوٹ کے لیے لگائے گئے دبیز قدِ آدم پردے کے پیچھے آہٹ اور حرکت محسوس ہوئی تھی۔

''اچھا تو تم یہاں چھپی کھڑی ہو؟'' اسے پردے کی طرف لپکتا دیکھ کر بوا تیر کی طرح دروازے کی طرف دوڑیں اور سیدھی بھاگتی چلی گئیں تو دروازے سے لگی کھڑی سارہ سمیت تمام لڑکیاں چیختی چلاتی قہقہے لگاتی ان کے پیچھے ہی دوڑتی چلی گئیں۔



تہجد، قیامُ اللیل......قربِ الٰہی

تمام تعریفیں اللہ رب العزت کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا خالق و مالک ہے۔ سب کا ہادی و رہنما ہے۔ جس کی نہ ابتدا ہے اور نہ انتہا...... اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ظاہر و باطن کا جاننے والا اور علیم و خبیر ہے۔ ہر عیب سے پاک اور عظمت و بزرگی والا ہے، ہر قسم کی بڑائی صرف اس کی ذات کو زیبا ہے۔

کروڑہا درود و سلام ہو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ان کی آلؓ پر اور ان کے اصحابؓ پر...... آمین

ہمارا آج کا موضوع نمازِ تہجد، قیام اللیل ہے۔ عشا کی نماز کے بعد رات کو سو کر اٹھنے کے بعد فجر کا وقت ہونے سے پہلے جو نماز پڑھی جاتی ہے اسے تہجد کہتے ہیں۔ اس نماز کی بہت زیادہ فضیلت ہے۔ اس کی کم از کم دو رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں ہیں۔ اور جو عشا کے بعد سونے سے قبل پڑھی جائے اسے صلوٰۃ اللیل کہتے ہیں...... فرض نمازوں کے بعد افضل ترین نماز رات کی نماز ہے۔ نفلی عبادات میں قربِ الٰہی کے حصول کے لیے راتوں کے قیام کو انتہائی اہمیت حاصل ہے۔ یہ نماز فرض تو نہیں کی گئی مگر اللہ تعالیٰ نے اس نماز کی ترغیب اور تاکید میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

شب بیداری کی قرآن پاک میں بہت تعریف کی گئی ہے۔ محبّ اور محبوب میں راز و نیاز کے لیے رات کی تنہائی سے زیادہ اور کوئی وقت موزوں نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبین اور اہلِ قربِ کے بارے میں قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے۔ ''اور جو راتیں بسر

کرتے ہیں اپنے رب کے حضور سجدہ کرتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے۔'' (سورۂ فرقان)

''ان کے پہلو بستروں سے دور رہتے ہیں، اپنے رب کو پکارتے ہیں، ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے۔'' (سورۂ سجدہ)

فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ ''تمہارے لیے ضروری ہے کہ رات کو بیدار رہو یہ نیک لوگوں کا طریق کار ہے۔ انبیا اور اولیا شب بیدار ہوتے تھے تم بھی شب بیداری کو اپنا لو...... شب بیداری سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے، یہ گناہوں کے کفارے کا سبب اور گناہوں سے لوٹ آنے کی علامت ہے۔''

ایک اور حدیث پاکؐ میں ارشاد ہے......'' اللہ تعالیٰ سے قریب تر ہونے کا وقت تو رات کی گہرائی ہے جبکہ سحر نزدیک ہو اس ساعت میں یادِ خداوندی کے لیے بیدار رہو۔''

نمازِ تہجد اللہ تعالیٰ کو بہت مقبول ہے۔ نفل نمازوں میں اس کا اجر سب سے زیادہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب رات کا تیسرا حصہ رہ جاتا ہے تو ہمارا پروردگار پہلے آسمان پر نزولِ اجلال فرماتا ہے اور فرماتا ہے۔ ''کوئی ہے جو مجھ سے مانگے اور میں عطا کروں، کوئی ہے جو مجھ سے مغفرت کا طالب ہو اور میں اس کے گناہ معاف کردوں کوئی ہے جو مجھ سے سوال کرے میں اس کا سوال پورا کروں۔''

اللہ تعالیٰ نے اس فرمان کے ساتھ قیامِ لیل کو صالحین کا وصف قرار دیا۔

’’اللہ کی آیتیں پڑھتے ہیں رات کی گھڑیوں میں اور سجدہ کرتے ہیں۔‘‘ (سورۂ آل عمران)

آقائے دو جہاںؐ نے فرمایا...... ’’تم پر لازم ہے کہ رات کو نماز (تہجد) پڑھو...... یہ تمہارے رب کو راضی کرنے والی، تمہارے گناہوں کا کفارہ بننے والی ہے اور تم سے پہلے کے نیک لوگوں کا طریقہ ہے اور گناہوں سے روکنے والی، بوجھ ہٹانے والی، شیطان کے مکر کو دور کرنے والی اور بدن سے بیماری دور کرنے والی ہے۔‘‘

مستحب یہ ہے کہ رات کا دو تہائی حصہ قیام کیا جائے اور قلیل ترین مستحب عبادت یہ ہے کہ رات کے چھٹے حصے تک قیام کرے۔

بعض علما کرام نے فرمایا ہے کہ قیامِ شب کرنے والوں کی تین قسمیں ہیں۔

1۔ایک گروہ وہ ہے جنہیں رات نے قطع کر دیا ہے۔ یہ اوراد اور وظائف والے مریدین ہیں، رات نے انہیں تھکا دیا آخر رات ان پر غالب آ گئی۔

2۔دوسرا گروہ وہ ہے جنہوں نے رات کو قطع کیا یہ لوگ عبادت گزار عالم ہیں۔ انہوں نے صبر و استقلال سے کام لیا آخر کار رات پر غالب آ گئے۔

3۔تیسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جنہوں نے رات کو قطع کیا یہ لوگ محبین اور علماء اہلِ فکر ہیں۔ یہ راتوں کو... گزارنے والے ہیں، ان کی رات پریشان حال ہوتی ہے...... ان کے لیے نعمتِ شب گھٹ کر رہ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے نیند اٹھا لیتا ہے۔ ان پر شب کو قیام کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ وصل نے ان سے ملال کو دور کر دیا ہے اور خدا کے عتاب نے انہیں ہمیشہ بیدار رکھا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا...... ’’اگر تم چاہتے ہو کہ خدا تعالیٰ کی رحمت تم پر کے بعد جی اٹھنے کے حال میں رہے تو رات کو اٹھ کر نماز پڑھو...... اور اس نماز سے اپنے پروردگار کی رضا چاہو۔‘‘ اور فرمایا۔ ’’رات کی عبادت کو اپنے اوپر لازم کر لو...... اس لیے کہ وہ تم سے پیشتر کے نیک بختوں کا طریقہ ہے۔‘‘ فرمایا...... ’’جس شخص کی عادت رات کے وقت نماز پڑھنے کی ہو اور نیند اس پر غالب آ جائے اور نماز نہ پڑھ سکے تو اس کے لیے اس کی نماز کا ثواب لکھا جائے گا اور سونا اس کے فائدے میں رہا۔‘‘

☆☆☆

آقا دو جہاںؐ کے عہدِ مبارک میں ایک شخص تھا جب لوگ نماز پڑھ کر سو جاتے تو وہ اٹھ کر نماز شروع کرتا اور قرآن کی تلاوت کرتا...... اور پھر دعا مانگتا...... کہ ’’اے دوزخ کے پروردگار! مجھ کو اس سے پناہ دے۔‘‘ یہ بات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کی گئی تو آپ نے فرمایا...... ’’جب وہ ایسا کہے تو مجھے خبر دینا......‘‘

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے اور خود اس کی دعا سنی جب صبح ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا...... ’’تو اللہ تعالیٰ سے جنت کیوں نہیں مانگتا......؟‘‘ اس نے عرض کی...... ’’یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ میرا رتبہ نہیں اور نہ میرے اعمال اس قابل ہیں۔‘‘ یہ کہہ کر وہ تھوڑی دیر رکا تھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اترے اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا...... ’’اس شخص سے کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے دوزخ سے پناہ دی اور جنت میں داخل کیا۔‘‘

ایک اور حدیث مبارکہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

’’اس شخص پر اللہ تعالیٰ رحم کرے جو رات کو اٹھ کر نماز پڑھے اور پھر اپنی بی بی کو جگا دے اور وہ بھی نماز پڑھے اور اگر نہ اٹھے تو اس کے منہ پر پانی جو رات کو اٹھ کر نماز پڑھے اور اپنے شوہر کو جگا دے اور وہ بھی نماز پڑھے اور اگر نہ اٹھے تو اس کے منہ پر پانی کا چھینٹا دے۔‘‘

ایک رات حضرت سفیان ثوریؒ نے پیٹ بھر کر کھانا کھا لیا۔ پھر آپ نے فرمایا...... کہ جب گدھے کو زیادہ گھاس دی جاتی ہے تو کام بھی زیادہ لیا جاتا ہے۔ بس صبح تک عبادت کرتے رہے۔

حضرت طاؤسؒ جب اپنے بستر پر لیٹتے تو ایسے اچھلتے جیسے دانہ بھوننے کے وقت اچھلتا ہے پھر اچھل کر بستر سے علیحدہ ہو جاتے اور صبح تک نماز پڑھتے رہتے۔

حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے کہ ’’جب آدمی گناہ کرتا ہے تو اس کے سبب سے رات کے وقت اٹھنے سے محروم رہتا ہے۔‘‘

حضرت فضیلؒ فرماتے ہیں کہ ’’جب تم سے رات کا جاگنا اور دن کو روزہ رکھنا نہ ہو سکے تو جان لو کہ محروم ہو...... اور تمہارے گناہ بہت ہو گئے ہیں۔‘‘

☆☆☆

حضرت حسن بن صالحؒ کے پاس ایک کنیز تھی انہوں نے اسے ایک قوم کے ہاتھ فروخت کر دیا...... جب آدھی رات ہوئی وہ کنیز اٹھی اور کہا گھر والوں اٹھو اور نماز پڑھو...... انہوں نے کہا صبح ہو گئی جو ہم نماز پڑھیں؟ کنیز نے حیرانی سے کہا۔ ’’تم لوگ فرض نماز کے سوا کوئی نماز نہیں پڑھتے......؟‘‘ انہوں نے کہا۔ ’’نہیں......‘‘ وہ کنیز حضرت حسن بن صالحؒ کے پاس آ گئی اور کہا...... ’’آقا! آپ نے مجھے کیسے لوگوں کے گھر بھیج دیا ہے جو تہجد نہیں پڑھتے مجھے آپ واپس بلا لیں......‘‘ چنانچہ انہوں نے کنیز کو واپس بلا لیا اور ان کے پیسے واپس کر دیے۔

حضرت ربیعؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت امام شافعیؒ کے مکان میں بہت راتیں سویا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ آپؒ رات کو بہت تھوڑی دیر سوئے تھے۔ حضرت ابو

مہینے رہا ہوں اس عرصے میں کوئی شب ایسی نہیں ہوئی کہ آپ نے زمین پر اپنی کروٹ لگائی ہو۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کا دستور تھا کہ نصف شب عبادت کیا کرتے لیکن ایک بار کچھ لوگوں کے پاس سے گزر ہوا تو وہ لوگ ذکر کر رہے تھے کہ یہ شخص تمام رات ذکرِ الٰہی میں مصروف رہتا ہے...... آپؒ نے اپنے دل میں کہا...... یہ میری وہ صفت بیان کر رہے ہیں جو میں نہیں کرتا اس لیے آئندہ تمام رات عبادت کرنے لگے...... کہتے ہیں کہ رات کے لیے آپ کا کوئی بستر نہ تھا۔

ایک دن حضرت سلیمان درائیؒ زارو قطار رو رہے تھے۔ کسی نے رونے کا سبب دریافت کیا تو فرمانے لگے...... میں کیوں نہ روؤں......؟ جب رات تاریک ہو جاتی ہے اور لوگ سو جاتے ہیں ہر حبیب اپنے محبوب کے ساتھ خلوت میں چلا جاتا ہے اور اہلِ محبت اپنے پاؤں پھیلا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ توجہ فرماتے ہیں اور جبرئیل علیہ السلام کو پکار کر کہتے ہیں...... ’’اے جبرئیل......! جو لوگ میرے کلام سے لذت حاصل کرتے ہیں اور میرے ذکر سے راحت پاتے ہیں، وہ میری نگاہ میں ہیں ان کی خلوت گاہوں میں ہی ان کو دیکھتا ہوں ان کی آہ و زاری کو سنتا ہوں اور رونے کو دیکھتا ہوں...... اے جبرئیل......! تو پکار کر کیوں نہیں پوچھتا کہ یہ رونا کیسا؟ کیا کبھی کوئی حبیب اپنے محبوب کو عذاب دیتا ہے۔ میرے لیے کیا یہ مناسب ہے کہ میں ان لوگوں کی گرفت کروں جو رات ہوتے ہی میری منت سماجت کرتے ہیں...... مجھے اپنی ذات کی قسم جب یہ لوگ قیامت کے دن میرے پاس آئیں گے تو میں ان کے لیے اپنے چہرے سے پردہ اٹھا دوں گا تا کہ وہ مجھے دیکھ لیں اور میں انہیں دیکھ لوں......

حضرت علی بن بکارؒ نے فرمایا۔ ’’پچھلے چالیس

فجر طلوع ہوتی ہے تو رات چلی جاتی ہے۔''

حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں، جب آفتاب غروب ہوا تو میں اندھیرا چھانے پر خوش ہوا کہ اب پروردگار کے ساتھ خلوت ہوگی اور جب فجر ہوئی تو افسوس ہوا کہ اب لوگ آجائیں گے۔''

حضرت ابوسلیمانؒ فرماتے ہیں کہ ''کھیل کود میں مشغول لوگوں سے زیادہ لذت شب بیداروں کی رات کی عبادت میں حاصل ہوتی ہے۔''

☆☆☆

حضرت عطاؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک بازار میں سے گزر رہا تھا وہاں دیکھا کہ ایک مجنونہ کنیز فروخت ہو رہی تھی میں نے اسے سات دینار دے کر خرید لیا اور اپنے گھر لے آیا۔

جب رات کا کچھ حصہ گزرا میں نے دیکھا کہ وہ کنیز اٹھی اور وضو کر کے نماز شروع کر دی اور نماز میں اس کی یہ حالت تھی کہ آنسوؤں سے اس کا دم گھٹا جاتا تھا۔ اور مناجات کر رہی تھی کہ ''اے میرے معبود، آپ کو مجھ سے محبت رکھنے کی قسم مجھ پر رحم کیجیے۔'' اس کا یہ حال دیکھ کر مجھے اس کے جنون کی حالت معلوم ہوئی کہ اسے کس قسم کا جنون ہے۔ میں نے اس کی یہ مناجات سن کر کہا۔ ''اے لڑکی! تو اس طرح نہ کہہ بلکہ اس طرح کہہ'' اے اللہ......! تجھ سے میرے محبت رکھنے کی قسم۔'' یہ سن کر وہ بولی۔ ''نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ مجھے قسم ہے اس حق کی اگر اسے مجھ سے محبت نہ ہوتی تو تجھے میٹھی نیند نہ سلاتا اور مجھے یوں کھڑا نہ رکھتا......'' پھر منہ کے بل گر پڑی۔

پھر نہایت بلند آواز سے پکاری کہ ''اے اللہ...... میرا اور آپ کا معاملہ اب تک پوشیدہ رہا اور اب مخلوق کو بھی خبر ہو چکی ہے۔ اب مجھ کو اپنے پاس بلا لیجیے......'' یہ کہہ کر ایک چیخ زور سے ماری اور فوت ہوگئی۔

☆☆☆

رکعت پڑھتے تھے اور نماز تہجد کبھی حالتِ قیام اور سفر میں بھی نہیں چھوڑی اور جب وضو کرتے ان کا رنگ زرد ہو جاتا اور جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے کانپ اٹھتے۔

حضرت امامؒ کی یہ دعا تھی کہ خداوندا......! میں پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ لوگوں کی نظروں میں میرا ظاہر اچھا ہو اور حقیقت میں باطن برا ہو...... فرمایا کرتے تھے کہ بعض لوگ خدا کی عبادت اس کے خوف سے کرتے ہیں، یہ عبادت تو غلاموں کی ہے اور بعض اس کی عبادت رغبتِ ثواب سے کرتے ہیں یہ عبادت تاجروں کی ہے اور بعض بندے نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لیے عبادت کرتے ہیں یہ عبادت آزاد بندوں کی ہے۔

حضور اکرمؐ رات کو اتنی کثرت سے عبادت کرتے کہ آپ کے قدمین شریفین متورم ہو جاتے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔ حضور! آپ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے بخشش و مغفرت کا وعدہ فرما رکھا ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا...... ''کیا میں اللہ کی بندگی اور شکر گزاری اختیار نہ کروں۔''

حضرت اویس قرنیؒ ان کی رات کی عبادت کا یہ حال تھا کہ ایک شب قیام میں گزارتے دوسری شب رکوع میں اور تیسری سجدے میں...... اکثر دن کا وقت بس آپ کا عبادت میں گزرتا تھا۔ ہمیشہ روزہ رکھتے جب افطار کے لیے کچھ میسر نہ ہوتا تو کھجور کی گٹھلیاں چن کر بیچتے اور ان کی قیمت سے چند لقموں کا سامان کر لیتے۔

حضرت امام حسن بصریؒ کثرت سے گریہ کیا کرتے تھے...... ایک مرتبہ رات کو اپنے گھر کی چھت پر اتنا روئے کہ آپ کے آنسوؤں کے چند قطرے نیچے ٹپک پڑے اور باہر ایک گزرتے ہوئے شخص پر پڑے اس نے پوچھا یہ کیسا پانی ہے؟ آپؒ نے آواز دی...... بھائی اپنے، کپڑے دھو لینا ایک بڑے سیاہ کار کے

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا معمول تھا کہ رات بھر روتے اور گھر میں گھومتے رہتے اور صبح تک آہ و زاری کرتے...... بسا اوقات بے ہوش ہو کر گر پڑتے۔ وہ بالا خانے کی چھت پر نماز پڑھتے اور سجدے میں اتنا روتے کہ کبھی، کبھی آنسوؤں کے قطرے بہہ کر پرنالے سے گرنے لگتے اور نیچے سوئے ہوؤں پر پڑتے...... آپؒ کا معمول تھا کہ عشا کے بعد تنہائی میں مسجد میں بیٹھ کر رو، رو کر دعائیں کرتے تھے اور اسی حالت میں آنکھ لگ جاتی آنکھ کھلتی تو پھر یہی مشغلہ جاری ہو جاتا...... اسی طرح روتے، دعائیں کرتے اور سوتے جاگتے ساری رات گزر جاتی تھی۔

حضرت رابعہ بصریؒ کا معمول تھا کہ دن میں روزہ رکھتیں اور رات عبادت میں صرف کر دیتیں...... ابتدا میں ایک شب آپ کے مالک کی آنکھ کھلی تو اس نے حیرت سے دیکھا کہ حضرت رابعہ بصریؒ ایک گوشے میں سجدہ ریز ہیں اور ایک معلق نور آپ کے سر پر فروزاں دیکھا...... آپ اللہ تعالیٰ سے عرض کر رہی تھیں۔ ''اے میرے رب! اگر میرے بس میں ہوتا تو سارا وقت تیری عبادت میں گزار دیتی لیکن چونکہ تو نے مجھے غیر کا محکوم بنا دیا ہے اس لیے میں تیری بارگاہ میں دیر سے آتی ہوں۔'' یہ سن کر آپ کا مالک بہت پریشان ہوا کہ اس نیک بی بی سے تو اپنی خدمت لینے کے بجائے ان کی خدمت کرنا چاہیے۔ چنانچہ صبح ہوتے ہی آپ کو آزاد کر دیا اور استدعا کی کہ ''آپؒ چاہیں تو یہاں قیام کریں اور اگر کہیں اور جانا چاہیں تو آپ کو اختیار ہے۔'' یہ سن کر آپ باہر نکل گئیں اور ذکر شکر میں مشغول ہو گئیں۔ آپ شب و روز ایک ہزار رکعت پڑھا کرتی تھیں۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ جب کسی طالب علم کو شب بیداری کرتا نہ پاتے تو اسے پڑھانا چھوڑ دیتے۔ ایک رات ابوعصمہ ان کے یہاں ٹھہرا...... تو امامؒ نے رات کو وضو کے لیے اس کے پاس

کہ وہ سویا ہوا ہے۔ اور پانی اسی طرح پڑا ہوا ہے۔ آپؒ نے اسے جگایا اور اس سے دریافت کیا'' کہ اے ابوعصمہ تم یہاں کیوں آئے ہو؟'' اس نے جواب دیا۔ ''اے امام......! آپ سے علم حدیث حاصل کرنے کے لیے۔'' امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا۔ ''تو علم حدیث کیا حاصل کرے گا؟ جبکہ تو رات کو تہجد تک نہیں پڑھتا پس جدھر سے آیا ہے اُدھر واپس چلا جا۔''

حضرت شیخ حسنؒ سے کسی نے دریافت کیا...... ''اے ابوسعید! میں تندرستی کی حالت میں رات بسر کرتا ہوں، عبادت کے لیے رات کو اٹھنا چاہتا ہوں اور میں اپنا سامانِ وضو بھی تیار رکھتا ہوں پھر بھی نہ جانے کیا بات ہے کہ میں اٹھ نہیں پاتا۔

حضرت نے فرمایا...... تمہارے گناہوں نے تمہیں مقید کر لیا ہے اس لیے دن کے وقت گناہوں سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان بندوں میں شامل فرمالے جن کو اس نے شب بیداری کی لذت اور توفیق عطا کی ہوئی ہے۔'' شب بیداری کے دوران دو، دو کر کے آٹھ رکعت نمازِ تہجد ادا کرے۔ یہی سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ شب بیداری کے دوران تلاوت قرآن پاک کرے۔ توبہ و استغفار اور دعا و مناجات میں مصروف رہے...... اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے ہی پسندیدہ بندوں میں شامل فرمالے...... آمین، الٰہی آمین......!

حرف آخر: اپنے بہت پیارے رب کی بارگاہ میں نادم دل کے ساتھ دعا گو ہوں کہ اس مضمون میں کوئی غلطی کوئی کوتاہی اور کوئی کمی رہ گئی ہو تو اللہ تعالیٰ اپنی صفتِ رحمت سے مجھے معاف کر دے۔ اور اسے اپنی بارگاہ میں قبول کرے۔ آمین۔ اور ان تمام عالم ہستیوں کے درجات بلند کرے جن کی کتب سے اس مضمون کے سلسلے میں استفادہ کیا۔ الٰہی آمین......

اے ارضِ وطن ہم تیرے ہیں

شائستہ زریں

عزیز قارئین......! السلام علیکم

شکر صد شکر اس ربِ عظیم کا، جس نے بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناح اور آپ کے رفقائے کار کی کاوشِ پیہم اور ہمارے اسلاف کا لہو رائگاں نہ جانے دیا......اور کلمۂ طیبہ سے منسوب پاکستان کا تحفہ ہمیں عطا کیا۔ ہم ہر سال اپنا جشنِ آزادی ملی جذبے سے سرشار نہایت جوش و خروش سے مناتے ہیں۔ بلاشبہ آزاد فضا میں آزادی سے سانس لینا ہمارے لیے کسی انعام سے کم نہیں۔ ہر معاشرے کے کچھ اصول وضوابط ہوتے ہیں خواہ وہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں یا آزادی کی مسرتوں سے ہمکنار اور ظاہر ہے ہمارا معاشرہ بھی اس سے مبرا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم آزاد وطن کے باسی ہونے کے باوجود بھی، کبھی خود کو پابندِ سلاسل محسوس کرتے ہیں۔ اور دیارِ غیر کی آسائشوں کے پیشِ نظر وہاں بس جانے کی آرزو امر بیل کی طرح دل میں پھیلنے لگتی ہے۔ ایسے میں پُرکشش پیشکش کے ساتھ وہاں مستقل رہائش کا اُمرت بھی اگر سامنے ہو تو گویا انتیس کے چاند کی عید کی خوشی ان کے حصے میں آجاتی ہے لیکن جو حقیقت پسند ہوتے ہیں وہ تمام کٹھنائیوں کے باوجود اپنی ارضِ وطن ہی میں رہنا پسند کرتے ہیں کیونکہ وہ دیارِ غیر کی سہولتوں کو ظاہر کی نہیں باطن کی آنکھ سے دیکھتے ہیں۔ اور فوری یہ پیشکش مسترد کردیتے ہیں۔ یہی تو وہ لوگ ہیں جو اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ......

وطن چمکتے ہوئے کنکروں کا نام نہیں
یہ تیرے جسم تیری روح سے عبارت ہے
(مجید امجد)

مختلف ہوتا ہے۔ کسی کو وطن کی مٹی بہت عزیز ہوتی ہے۔ وہ اس کی مہک کو ہر آن محسوس کرنا چاہتا ہے تو کسی کو سرزمین پاک کی بعض باتیں بہت کھلتی ہیں اس حد تک کہ آنکھوں میں خار بن کر کھٹکنے لگتی ہیں اور وہ پُرآسائش زندگی کی خواہش میں ہر اس پیشکش کی جانب لپکتا ہے جو اس کے لیے تاریکی میں کرن کے مانند ہوتی ہے۔ اسی سوچ کے تحت ہم نے ایک سروے کا اہتمام کیا اور شرکاء سے معلوم کیا کہ......

سوال 1: ایک آزاد وطن کا باشندہ ہونے کے ناتے آپ خود کو کتنا آزاد محسوس کرتی / کرتے ہیں؟

سوال 2: اگر کسی پُرکشش پیشکش کے ساتھ بیرونِ ملک مستقل سکونت کے لیے کہا جائے تو آپ کا فوری... ردِعمل کیا ہوگا؟

رابعہ رزاق
قلمکار، ڈراما نویس

1: آزادی! کتنا معتبر ہے یہ لفظ اور کتنا معتبر ہے یہ احساس جس میں ہم جیتے ہیں اور شکر ہے اللہ کا، مجھے پوری شدت سے اپنے آزاد ہونے کا احساس اس وقت ہوا تھا جب میں نے سری نگر سے آئی ایک طالبہ سے پوچھا تھا، ”تم یہاں آکر کیسا محسوس کررہی ہو؟“ تو اس نے بے ساختہ کہا۔ ”آزاد۔ میں کیا

ہوں؟ کہاں جارہی ہوں، کہاں گھوم رہی ہوں؟ مجھے کوئی ڈر نہیں، کوئی خوف نہیں کہ میری آمد و رفت پہ کسی کی نظر ہوگی یا کوئی میری باتیں سن رہا ہوگا اور یہاں تک کہ میں یہاں کے سربراہِ مملکت کے بارے میں بھی آزادانہ اظہارِ رائے کرسکتی ہوں۔ کوئی مجھے کچھ نہیں کہے گا۔“ تب میں نے سوچا کہ آزادی کیسی انمول نعمت ہے شکر ہے اللہ کا اور اس کے بعد ان تمام لوگوں کا جو آزادی کے اس پودے کو سینچنے میں قربان ہوگئے اور آج ہم اس تناور درخت کے نیچے سکھ کی سانسیں لے رہے ہیں۔ میرے وطن میں ساری آزمائشوں کے باوجود جو خوشی اس اپنائیت کی ہے کہ یہ وطن ہمارا ہے اور ہم اس کے ہیں۔ اس سے بڑی خوشی اور کوئی نہیں۔

2: میں ہمیشہ ایسی کسی پیشکش پر بے ساختہ کہتی ہوں کہ ”بہت مشکل ہے۔ میں اپنی زمین، اپنی مٹی اور اپنے لوگوں سے محبت کرنے والوں میں سے ہوں“۔ آج کل کراچی سے اسلام آباد ہجرت کرنے کے فیز سے گزر رہی ہوں لیکن مجھے ہر وقت کراچی ایسے یاد آتا ہے جیسے ماں کی گود۔ جب اپنے ہی وطن کے ایک شہر سے دوسرے شہر جاکر میری یہ کیفیت ہے تو بیرونِ ملک مستقل سکونت کا کیسے سوچ سکتی ہوں؟

مفلحہ رحمٰن
نیوز پروڈیوسر، پریس فوٹو گرافر

1: الحمدللہ میں خود کو ذہنی طور پر آزاد محسوس کرتی ہوں۔ کیونکہ جو حال میں میانمار، فلسطین، شام، عراق اور بھارت میں مسلمانوں کا دیکھتی ہوں۔ ان سب کو دیکھتے ہوئے مجھے اپنا آپ خوش قسمت لگتا ہے کہ میں اس ملک کی باشندہ ہوں جہاں مجھے آزادیِ رائے کا حق حاصل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جمہوری دور میں جہاں سچ کا گلا گھونٹنے کی ضرورت محسوس کی گئی وہیں آواز بلند کرنے کے لیے بھی بہت سے ذرائع موجود ہیں جیسے سوشل میڈیا



کو کہیں، کہیں پابند بھی سمجھتی ہوں کہ کچھ معاملات پر بولنے کی طاقت اور سمجھنے کی صلاحیت رکھنے کے باوجود کہہ نہیں سکتی کہ شاید ملکی مفاد کے لیے یہی ٹھیک ہو۔ تو ایسے میں آواز کا بند رہنا ہی ضروری ہے۔ کیونکہ کبھی کبھار ہمارے ان معاملات پر آواز اٹھانے سے ملک دشمن عناصر کو وطن کے خلاف بولنے کا موقع مل جاتا ہے۔ اس لیے خاموشی بہتر ہے۔

2: نہیں! شاید میں فوری طور پر ہاں نہ کہوں کیونکہ ملک سے باہر رہنا اتنا آسان نہیں۔ شاید حقیقت یہ بھی ہے کہ ملک سے محبت سے زیادہ یہاں کی آسانیاں ہیں جو شاید اور کسی ملک میں نہ ہوں۔ مثلاً قانون کی خلاف ورزی، لمبی قطاروں میں نہ لگنے والی عادت، جہاں دل چاہے پرچی لگوا دو، سگنل توڑو، بھاگ جاؤ، یہ سب پاکستان کے علاوہ اور کہاں ملے گا؟

اشعر آغا
میوزک کمپوزر، شاعر
ریڈیو پاکستان کراچی

1: بے شک مذہبی استحصال نہیں ہوتا لیکن دیگر



حیثیت سے باہر جاتے ہوئے یا سفر کرتے ہوئے کوئی خوف محسوس نہ ہو۔ زیادتی کا خوف نہ ہو اگر یہ معاملات بہتر ہو جائیں تو آزادی کا صحیح مفہوم سامنے آئے گا۔

2: بڑا مشکل فیصلہ ہوتا ہے۔ قوم کی سب سے منفرد چیز ہماری اقدار ہیں۔ ہم اپنے رشتے داروں سے محبت کرتے ہیں اور ان کے ساتھ ہی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے افراد جنہیں باہر جانے کے مواقع ملے وہ بھی اپنی زندگی میں ایسی چیزوں کی کمی محسوس کرتے ہیں، اسی لیے بہت سے لوگ ابھی تک باہر سکونت سے کتراتے ہیں۔ ان ہی میں سے ایک میں بھی ہوں۔

یاسر عباس

فزیو تھراپسٹ، آر جے

1: اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک آزاد وطن کا باشندہ ہونے کے ناتے میں خود کو بہت زیادہ کمفرٹیبل محسوس کرتا ہوں بالخصوص چند ایسے ممالک کو دیکھیں ..... جو اس وقت جدوجہدِ آزادی میں مصروفِ عمل ہیں یا پھر اس وقت کئی ممالک آزاد ہونے کے باوجود بھی آزاد نہیں ہیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانے کا مقام ہے کہ ہم دنیا کے اس خطے میں ہیں، جہاں ہم آزاد فضا میں سانس لے رہے ہیں۔ بولنے کی آزادی، ہر جگہ آنے جانے کی آزادی، سچ کہنے کی آزادی ہمیں حاصل ہے۔ دنیا میں شاید اور کوئی اتنا اچھا ملک نہیں ہوگا جتنا اچھا ہمارا ملک پاکستان ہے۔ یہاں کچھ کہنے اور کرنے کی جتنی زیادہ

2: سکونت کے حوالے سے اگر دیکھا جائے اور وہ مستقل نہ ہو اور ایک محدود مدت کے لیے ہو تب تو جانے میں کوئی مسئلہ نہیں ہوگا لیکن مستقل سکونت کی پیشکش تو دل پر ہاتھ رکھنے والی بات ہے تو میں منع کردوں گا۔ کیونکہ میرے خیال میں یہ مناسب نہیں۔ اپنی جائے پیدائش، اپنی فیملی اور اپنے لوگوں کو چھوڑ کر جانا واقعی ایک تکلیف دہ عمل ہے۔ ہاں اگر محدود مدت کے لیے جاؤں تو وہاں



جا کر کچھ ایسا کام کروں کہ اس ملک کے لوگ کہنے پر مجبور ہو جائیں کہ پاکستانی بہترین ہیں۔

ڈاکٹر فاطمہ علی

ڈینٹسٹ

1: ایک آزاد ملک پاکستان کی شہری ہونے کے ناتے مجھے اپنے پاکستانی ہونے پر فخر ہے۔ اگر ہم پاکستان میں نہ ہوتے تو آج بھی دیگر مسلمانوں کی طرح جو سرحد



بار رہتے ہیں اپنے آپ کو غلام محسوس کرتے اور اکثریت نہ ہونے کی وجہ سے آزادی سے کوئی فیصلہ نہیں کرپاتے۔

2: فوری ردِعمل کوئی بہت زیادہ حیرت انگیز نہیں ہوگا کیونکہ ایک ڈاکٹر کا کام ہر ایک ملک میں انسانیت کی خدمت کرنا ہی ہوتا ہے تو پھر کیوں نہ یہ فرض پاکستان میں رہ کر ہی ادا کیا جائے۔ جہاں بیماروں اور لاچاروں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

اسد علی چودھری

طالب علم، اسکرپٹ رائٹر

1: آزادی صرف ہاتھ پاؤں اور چلنے پھرنے کی آزادی کا نام نہیں ہے۔ اصل آزادی سوچ، اظہارِ رائے اور اظہارِ خیال کی آزادی ہے اگر یہ تینوں آزادیاں مل جائیں تو ہم واقعی آزاد ہیں۔ آزادی یہ ہے کہ میں ایک ایسے معاشرے میں ہوں، جہاں میں اپنی رائے کا کھل کر اظہار کرسکوں بغیر اس خوف کے کہ سامنے والا میری رائے سن کر مجھ پر تشدد نہیں کرے گا۔ مجھے جان سے مارنے کی



دھمکی نہیں دے گا۔ اگر اسے میری رائے سے اختلاف کرنا ہے تب بھی وہ خاموش رہے گا کہ اس کا کام اس کے ساتھ، میرا کرنا اور کہنا میرے ساتھ، اس سوچ کے تحت وہ مجھے چھوٹ دے گا اور جب یہ آزادی مجھے میسر ہوگی تو یہ نوید [illegible]۔ اگر ہم خود اپنے آپ کو درست کر

لیں تو مجھے لگتا ہے ہر کوئی صحیح ہو جائے گا۔ ہاں اس آزادی کے حصول میں ابھی وقت لگے گا کہ برسا برس کے مزاج کی تبدیلی میں کچھ تو وقت لگتا ہے ناں۔

2: پہلے تو مجھے یقین ہی نہیں آئے گا۔ دوسرے یہ کہ مجھے ایسا کوئی خیال نہیں ہے کہ میں کہیں اور شفٹ ہو جاؤں گا۔ میرا ایسا کوئی ارادہ اور منصوبہ نہیں ہے۔ مانا کہ کچھ مسائل ہیں جو بنیادی سہولیات وحقوق سے متعلق ہیں تو اس کے لیے لڑنا پڑتا ہے۔ تب جا کر وہ آپ کو ملتے ہیں لیکن اپنے وطن کی خوشبو، مٹی اور جو اپنائیت کا بھرپور احساس ملتا ہے یہ خوشی بیرونِ ملک نہیں مل سکتی۔ وہاں زبان بھی اجنبی، لوگ بھی اجنبی تو میرا خیال ہے کہ میں فوری اس پیشکش کو مسترد کردوں گا۔

مہرین انجم

نعت خواں، طالبہ

1: میں خود کو آزاد محسوس نہیں کرتی۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ ہمارے سیاستدان اپنی دکان سجانے کے لیے ہمیں کٹھ پتلیوں کی طرح چلاتے ہیں اور ہم چلتے ہیں۔ ہر شعبے بالخصوص تعلیم اور الیکٹرک سٹی میں کرپشن ہے۔ اس صورتِ حال میں میں خود کو آزاد محسوس نہیں کرتی۔ میں خود کو آزاد تب محسوس کروں گی جب غریبوں، لاچاروں اور بیماروں کو ان کے حقوق ملیں گے۔ ہمارے بزرگ پنشن کے حصول کے لیے لمبی، لمبی قطاروں میں لگنے کے بجائے عزت سے گھر بیٹھے اپنی پنشن کی رقم حاصل کریں گے کہ میرے یہ ہم وطن میرے اور میں ان کی ہوں۔



2: میرا وطن اس وقت ملک دشمن عناصر کی سازشوں کی زد میں ہے۔ ایسے میں مجھے کیا وہ قطرہ نہیں

بن جانا چاہیے جو دریا بنا دے اور پاکستان کی قسمت بدل دے۔ کیونکہ ہماری سوچ اور رویے میں تبدیلی وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اگر اچھی زندگی بسر کرنے کی خواہش میں سب ہی پاکستانی ڈاکٹرز اور انجینئر بن کر باہر سکونت اختیار کرلیں گے تو پھر غیر ملک کی غلامی میں جیتے جی مرجائیں گے۔ تو کیا ہی اچھا ہو کہ اپنے گھر میں رہ کر اسے سجائیں، سنواریں اور نکھاریں، غلط کو درست کریں اور میں خود بھی پاکستان میں رہنے میں زیادہ فخر اور خوشی محسوس کرتی ہوں۔

مشعل اورنگزیب

طالبہ

1: بالکل، میں خود کو آزاد محسوس کرتی ہوں۔ اور میں ہی کیا میری ہم وطن ہر وہ لڑکی جو بے جا اور نام نہاد رسم ورواج کی قید سے آزاد ہے خود کو آزاد محسوس کرتی ہے۔ مجھے کام کی آزادی ہے۔ جہاں اور جب جانا چاہوں جا سکتی ہوں۔ مجھے عمل کی آزادی حاصل ہے اور اپنی اس آزادی پر مجھے بہت فخر ہے جو آزاد ملک کی باشندہ ہونے کے ناتے مجھے حاصل ہے۔



2: ایسی پرکشش پیشکش تو مجھے میری کسی بھی صلاحیت یا خوبی کی وجہ سے مل سکتی ہے۔ تو پھر کیوں نہ محب وطن شہری ہونے کا عملی ثبوت دیتے ہوئے اپنے وطن ہی میں رہتے ہوئے، اپنی بہترین صلاحیتیں بروئے کار لاتے ہوئے اپنے ملک کو فائدہ پہنچاؤں بہ نسبت ایسے کسی ملک کے جو میرے لیے انجان ہو اور جہاں کے رہنے والے بھی میرے لیے اجنبی ہوں۔ یہ پاک سرزمین ہمارے بزرگوں کی امانت ہے اور اس کی حفاظت اپنے وطن میں رہتے ہوئے ہی کی جا سکتی ہے۔

☆☆☆

عزیز قارئین!

بلاشبہ ہم آزاد ہیں اور ہمیں وہ آزادی میسر ہے جو ہماری روحانی مسرت اور ذہنی سرخوشی کا باعث بنتی ہے۔ مانا ہمیں ایسی بہت سی آسانیاں وطنِ عزیز میں میسر نہیں جو بیرونِ ممالک ... مقیم افراد کو حاصل ہیں لیکن اس کے باوجود ہم خوش نصیب ہیں کہ ہماری حیثیت دوسرے یا تیسرے درجے کے شہری کی نہیں۔ پاکستان کے چپے چپے پر ہمارا حق ہے۔ پاکستان کا ہر گوشہ ہمارا ہے۔ جہاں ہم جا کر آباد ہو سکتے ہیں۔ بیرونِ ملک میں ہر طرح کی سہولتوں کے باوجود وہاں مستقل بس جانے والوں کا حال کیا ہوتا ہے؟ یہی ناں کہ......

بیٹھ جاتا ہوں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے
ہائے کیا چیز غریب الوطنی ہوتی ہے

دیارِ غیر پر اپنے وطن کو ترجیح دینے والے غریب الوطنی کے اس کرب سے آزاد ہوتے ہیں۔ بے شک ابھی ہمیں اور آگے جانا ہے اور یہ بھی بجا کہ ہمارے بعد آزاد ہونے والے بعض ممالک کئی اعتبار سے ہم سے بہت آگے ہیں لیکن یہ خوشی ہمارے حصے میں بھی تو آسکتی ہے ناں! بقول احمد ندیم قاسمی

اگر ہو جذبۂ تعمیر زندہ
تو پھر کس چیز کی ہم میں کمی ہے

تو بس یہ ولولہ اور جوش ہم پاکستانیوں کے جذبۂ عمل کو بیدار کردے تو وہ دن دور نہیں جب انشاءاللہ ہمارا شمار بھی ترقی یافتہ ممالک کی صف میں ہوگا۔ احمد ندیم قاسمی کا یہ دعائیہ شعر ہم پاکستانیوں کے دلی جذبات کی ترجمانی کرتا ہے کہ

یارب میرے وطن کو تو ایسی بہار دے
جو سارے ایشیا کی فضا کو نکھار دے

(آمین)

میری اور ادارہ پاکیزہ کی جانب سے تمام اہلِ وطن کو جشنِ آزادی مبارک۔

☆☆☆



گوشۂ ظرافت

ادارہ

مزاح نگاری، کمال کی صنفِ ادب ہے کہ جس میں وہ بات بھی بہ آسانی کہہ دی جاتی ہے کہ جسے سوچنے میں زمانے لگیں...... مگر ایسی نشتر زنی بخاطرِ اصلاح کا فن بھی کسی، کسی کو آتا ہے۔ ورنہ مزاح نگاری کو عامیانہ طرزِ تحریر بننے میں دیر نہیں لگتی۔

اپنے باذوق قارئین کے لیے اس مرتبہ ڈاکٹر محمد یونس بٹ کی کتاب "خندہ زن" سے دو اقتباسات آپ کی حسِ مزاح کی نذر......

شاعر اور شاعری

شاعر کو سمجھنا شاعری کو سمجھنے سے مشکل ہوتا ہے۔ ہمارے بہت سے شاعر اس لیے شاعر ہیں کہ ان کا مجموعۂ کلام نہیں چھپا، وہ جو مشاعروں کو لوٹتے ہیں ان کا کلام چھپے تو لگتا ہے وہ لُٹ گئے ہیں۔ ایک قلمی شاعر نے اپنا مجموعۂ کلام نقاد کو پیش کرتے ہوئے کہا میں نے اپنے آدھے گیت رد کردیے اور آدھے مجموعے میں شامل کردیے۔ نقاد نے مجموعے کی ورق گردانی کرتے ہوئے کہا یہ آپ نے بہت اچھا کیا، پڑھنے والوں کو سہولت ہوگی انہیں بھی آپ کے آدھے گیت ہی رد کرنے پڑیں گے۔ ہمارے ایک جاننے والے شاعر بغیر نقطوں والے شعروں پر مشتمل دیوان تیار کررہے ہیں۔ ابھی کل ہی ہمیں وہ کئی بے نقط سنا کر گئے ہیں۔ آج کل لوگ دیوان یوں اور اسی مقصد کے لیے چھپواتے ہیں جس مقصد کے لیے پہلے وزیٹنگ کارڈ چھپواتے تھے۔

ہم ایک بار محبت اور شادی پر ایک کتاب پڑھنا چاہ رہے تھے تو ہمیں پتا چلا اس کے لیے ہمیں علیحدہ، علیحدہ دو کتابیں خریدنا ہوں گی جیسے ہم ایک نیک و شریف سیاستدان سے ملنا چاہتے تھے تو اس کے لیے ہمیں دو آدمیوں سے ملوایا گیا۔ قتیل صاحب نے جتنے عشق کیے سچے کیے انہوں نے تو جھوٹ موٹ کے عشق بھی سچی مچی کیے۔ اپنے والد کے بجائے میر تقی میر کے والد کی نصیحت پر عمل کرتے رہے جس نے کہا تھا "بیٹا عشق ضرور کرنا۔" یوں ہری پور کا اورنگزیب عالمگیر نہ سہی اورنگزیب بالمگیر بن گیا۔ عشق میں جو نا کام ہوتا ہے وہ شاعری میں کامیاب ہو جاتا ہے اور جو عشق میں کامیاب ہو جاتے ہیں وہ جب دس بچوں کے جوتے لینے بازار جاتے ہیں تو سوچتے ہیں یہی بہتر تھا محبوبہ بے وفا نکلتی۔

ہم نے ایک شاعر سے کہا کہ آپ اپنے محلے کے غالب ہیں تو وہ بولا کل تک تھا، آج میں نے سب کا قرضہ لوٹا دیا ہے۔ قتیل صاحب اردو کے لارڈ بائرن ہیں بس یہ فرق ہے کہ قتیل صاحب محبت اور شاعری روانی سے کرتے ہیں دونوں کاموں میں لنگڑاتے نہیں۔ ویسے بھی ہم ان گناہوں پر اتنے نہیں پچھتاتے جو ہم نے کیے ہوتے ہیں جتنا ان پر پچھتاتے ہیں جو ہم نے نہیں کیے ہوتے۔

ادب کی نصف بہتر

ہر مرد کے اندر ایک عورت ہوتی ہے اور ہر عورت کے اندر کئی مرد...... ان کے اندر جو مرد ہیں ان کی تو مونچھیں بھی ملنے والوں کو چبھتی ہیں۔ ان جیسی ایک افسانہ نگار خاتون نے شادی کا اشتہار دیا ساتھ یہ بھی لکھا کہ میں کھانا بھی پکا سکتی ہوں پھر اسے جو ڈاک آئی، اس میں دس ملازمت کی اور دو شادی کی پیشکشیں تھیں۔ آپ عنوان سے یہ بھی نہ سمجھیں کہ ہم عورتوں کے ادب پر بات کرنا چاہ رہے ہیں۔ دراصل ہوا یہ ہے کہ ہم نے ایک فرانسیسی سروے رپورٹ پڑھی ہے جس کے مطابق بڑے شاعر، ادیب بیوی سے بڑا ڈرتے ہیں گویا نصف بہتر میں ہی ادب کی نصف بہتری مضمر ہے۔ ویسے تو جو شخص

بیوی سے نہیں ڈرتا وہ کوئی غیر شادی شدہ ہی ہو سکتا ہے۔ جو شخص کہتا ہے کہ وہ اپنے گھر میں باس ہے۔ وہ اور معاملات میں بھی جھوٹ بولتا ہوگا۔ ایک انقلابی شاعر نے ایک بار کہا۔ ''جوانی میں، کسی آمر کی نہیں سنتا تھا پھر......'' صحافی نے پوچھا۔ ''پھر کیا ہوا؟'' بولا۔ ''پھر میری شادی ہوگئی۔'' حبیب جالب جیسا شخص جو کسی حکمران سے نہ ڈرتا تھا گھریلو حکمران سے اس قدر خوف زدہ تھا کہ دوبار شادی کے ڈر سے گھر سے بھاگا حالانکہ جالب صاحب کی شاعری پڑھ کر شادی شدہ بندہ بھی بہادر ہو جاتا ہے ایسی شاعری کہ پڑھ کر دماغ دھڑ کنے اور دل سوچنے لگے۔ ایک دوست نے ان سے پوچھا۔ ''آپ روز رات کو دیر سے گھر جاتے ہیں، بیوی سے کیا کہتے ہیں؟'' بولے۔ ''میں تو کچھ نہیں کہتا جو کہنا ہوتا ہے وہی کہتی ہے۔'' شاید عورتیں اس لیے زیادہ بولتی ہیں کہ انہیں یقین ہوتا ہے کہ مرد کم سنتے ہیں۔ ایک امریکی شاعر نے اپنی بیوی کی قبر پر یہ کتبہ نصب کروا رکھا ہے۔ ''یہاں میری بیوی محوِ خواب ہے، 13 مئی 1985ء کو پہلی بار اس کی زبان بند ہوئی۔''

شاعری پر شوہری کے اثرات کے حوالے سے ہمارے دوست شاعر کہہ رہے تھے کہ ''اصغر گونڈوی کی بیوی چھوڑ گئی تو اس نے تفکرات کو شاعری میں ڈبو دیا۔'' ''میری بیوی چھوڑ گئی تو سارے تفکرات لے گئی۔'' ملٹن کی شاعری کا دو تین جملوں میں اجمالی جائزہ یہ ہے کہ اس نے شادی کی اور جنت گم گشتہ لکھی اور جب اس کی بیوی مرگئی تو اس نے دوسری کتاب جنت کی بازیافت لکھی حالانکہ اپنی بیوی کو شاعر، ادیب اتنا ہی دیکھتے ہیں جتنا اپنی کتاب خود پڑھتے ہیں اور اگر وہ اپنی کتاب پڑھ بھی رہے ہوں تو یقین کرلیں غلطیاں ڈھونڈ رہے ہوں گے۔ ذاتی بیوی کو بھی وہ اسی کتابی نظر سے دیکھتے ہیں۔ جوش صاحب ایسے شاعر تھے کہ وہ جس مشاعرے میں ہوتے وہ پُرجوش ہو جاتا۔ کسی نے پوچھا۔ ''آپ کو اتنی داد ملتی ہے کبھی کوئی فقرہ سننے کی خواہش دل میں رہی؟'' بولے۔ ''ہاں خواہش ہے کہ بیوی کبھی یہ فقرہ کہے۔ ''نہیں یہ مہنگا ہے۔'' رسول حمزہ توف جب عالمی ادبی کانفرنس کے موقع پر اسلام آباد آئے تو محمود احمد قاضی نے کہا۔ ''آپ فیض صاحب کے دوستوں میں سے ہیں پھر آپ کی کتاب ''میرا داغستان'' بھی ہم نے پڑھ رکھی ہے جس بنا پر ہمیں آپ سے بے پناہ عقیدت ہے۔'' اس کے جواب میں رسول حمزہ توف بولے۔ ''لیکن میری بیوی کی رائے آپ سے مختلف ہے۔'' شاعر، ادیب اپنی بیویوں سے زیادہ امید سے ہوتے ہیں۔

ویسے دنیا بھر کے شاعر، ادیب اپنی بیوی سے اتنا نہیں ڈرتے جتنا سسر کی بیوی سے۔ زخمی کانپوری کہتے ہیں میری بیوی اچھے خاندان ہی سے نہیں آئی بلکہ اچھا خاندان ساتھ لائی۔ کہتے ہیں شادی سے پہلے عدیم ہاشمی صاحب نے کہا تھا کہ میں اپنے جیسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں تو اس پر ایک نقاد نے کہا آپ کی سوچ بڑی مختلف ہے ورنہ ہر کوئی کسی حسین وجمیل لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ ہمارے ایک ممتاز شاعر نے اپنی بیوی سے کہا۔ ''عورتیں موذی ہوتی ہیں، آپ سنجیدہ معاملات میں ان پر اعتبار نہیں کرسکتے وہ میچور نہیں ہوتیں۔'' تو بیوی بولی۔ ''مجھے طلاق چاہیے؟'' پوچھا ''کیوں؟'' بولی۔ ''مجھے نہیں پتا تھا کہ میری شادی ایک عورت سے ہو رہی ہے۔'' صاحب ان کی ابھی تک طلاق نہ ہونے کی چار وجوہات ہیں۔ آپ پوچھیں گے کون، کون سی تو ''صاحب تین بیٹیاں اور ایک بیٹا۔'' برنارڈ شا نے یہ بات ڈرتے، ڈرتے بتائی کہ میں اس بات سے نہیں ڈرتا کہ بیوی کو وہ خط نہ مل جائے جو میں پوسٹ کرنا بھول گیا ہوں، اس سے ڈرتا ہوں کہ بیوی کو وہ خط نہ مل جائے جو میں جلانا بھول گیا ہوں۔ بیوی کو بچوں کے علاوہ اپنی کسی اور تخلیق کو سمجھنے کا موقع دینا اسے ہم راز بنانا ہے اور بیوی کو ہم راز بنانا دراصل اسے بیوی سے خاوند بنانا ہے۔ بہرحال شادی ایسا کام ہے کہ بیوی سے پوچھے بغیر نہیں کرنا چاہیے۔ ہم بیشتر شاعروں کی اس لیے عزت کرتے ہیں کہ ہم انہیں ملے نہیں اور کئی شاعروں کو اس لیے بڑا شاعر سمجھتے ہیں کہ ان کی شاعری ہمیں سمجھ نہیں آئی۔ وہ بیوی سے شاید اس لیے ڈرتے ہوں کہ بیوی ان کی شاعری کو بھلے نہ سمجھتی ہو انہیں تو سمجھ گئی ہوتی ہے۔ اسی لیے آئن اسٹائن نے کہا تھا۔ ''میرا نظریۂ اضافت بہت مشکل چیز ہے، بہت کم لوگ اسے سمجھ پاتے ہیں خود میری بیوی اسے نہیں سمجھ سکی۔'' پھر مسکرا کر بولے۔ ''لیکن وہ اس سے بھی مشکل چیز کو سمجھتی ہے؟'' ''وہ کیا؟'' کسی نے پوچھا تو بولے۔ ''وہ مجھے سمجھتی ہے۔''

☆☆☆



بہنوں کی محفل

مدیرہ

خط کتابت کے لیے پی او باکس 662 جی پی او کراچی 74200 ای میل: jdpgroup@hotmail.com

پیاری پاکیزہ بہنو! السلام علیکم رحمتہ اللہ وبرکاتہ

تمام حمد وستائش اس ذات والاصفات کو زیبا جو کُل کائنات کا خلق کرنے والا ہے۔ یکتا و وحدہ لاشریک ہے اور کروڑوں درود وسلام حبیب خدا رحمتہ اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات اقدس پر جو وجہ تخلیق کائنات ہیں۔ پروردگار عالم کے حضور دست بستہ دعا گو ہیں کہ اپنے خزانۂ غیب سے وہ سب کچھ عطا کرے جو ہمارے حق میں بہترین ہو۔ ہمارے وطن پاکستان میں امن وآشتی کی فضا اور خوش حالی رہے اور تمام اہلِ وطن اس کی ترقی ونیک نامی کے لیے کوشاں رہیں۔ (الٰہی آمین)

کچھ باتیں اپنی بہنوں سے

پیاری بہنو! سلام اور پُرخلوص دعائیں لیے آپ کی محفل میں پھر حاضر ہوں۔ ان تمام رائٹرز اور ریڈرز بہنوں کی دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے گزشتہ ماہ رسالے میں میری طبیعت کے بارے میں پڑھنے کے بعد مجھے فون کیے اور میری صحت کے بارے میں تشویش کا اظہار کیا اور اپنی محبت بھری پُرخلوص دعائیں میری نذر کیں۔ یہاں چونکہ فرداً فرداً نام نہیں لے سکتی کہ اگر ایک کا بھی نام رہ گیا تو انہیں افسوس ہوگا لہٰذا میں اپنی تمام دوستوں اور تمام ریڈرز اور رائٹرز بہنوں کی دل سے ممنون ہوں اور ان سب کی صحت وسلامتی کے لیے دعا گو ہوں۔

پچھلے ماہ عید کے موقع پر ہماری پیاری رائٹر، شاعرہ، تبصرہ نگار اور ماہر تعلیم افتخار شوق، میاں چنوں کی بھیجی گئی لذیذ مٹھائی سے ہم خوب لطف اندوز ہوئے مگر افتخار میری طبیعت کی خرابی کے باعث تمہارا شکریہ ادا کرنا رہ گیا تھا۔ اب طبیعت بہتر ہوئی تو یاد آیا...... تمہارے خلوص کا بے حد شکریہ...... پشاور سے ہماری دیرینہ رائٹر شمیم فضل خالق نے مان بھرا شکوہ کیا کہ عذرا رسول کبھی ہمارا ذکر بھی کردیا کریں تو بھئی شمیم ایسی بھی کیا بات ہے، تمہارا ذکر تو میں ہر مہینے کرنے کو تیار ہوں...... اور فریدہ فری، نزہت اصغر کی زبانی تمہارے گرنے کا پتا چلا، تمہاری طبیعت تو ویسے ہی ٹھیک نہیں رہتی، اب بتاؤ کیسی ہو...... احتیاط کیا کرو، اللہ تمہیں جلد صحت یاب کرے۔

بہنو! ماہ اگست کا یہ پرچہ جب آپ کے ہاتھوں میں آئے گا تو ہمارے اس پیارے ملک میں نئے حکمرانوں کا انتخاب بھی ہو چکا ہوگا۔ اللہ کرے وہ قیادت سامنے آئے جو ملک کو ترقی کی راہوں پر گامزن کرکے اور بہتر بناتے اور ہم پاکستانیوں کو باعزت مقام دلائے (آمین) اس کے ساتھ، ساتھ آپ سب کو جشن آزادی بھی مبارک ہو۔ اور ہاں بہنو اسی ماہ عید الاضحیٰ بھی منائی جائے گی جو فلسفۂ قربانی سے عبارت ہے دعا ہے کہ ہم سب مسلمان اپنے اسلامی تہواروں کے اصل مقاصد ومفاہیم بھی جان سکیں۔ اب ان مبارک یادوں کے ساتھ ہی مجھے اجازت دیجیے...... آپ تمام بہنوں کے لیے خیر وسلامتی کی دعائیں انشاء اللہ آئندہ ماہ پھر ملاقات ہوگی۔

اللہ نگہبان...... دعا گو عذرا رسول......!

☆☆☆

جی تو بہنو! عذرا آپی کی گفتگو کے بعد کہنے کو تو کچھ نہیں رہ جاتا مگر پھر بھی آپ کے لیے چند سطور لکھنا ضروری ہیں۔ فی الحال تو الیکشن کی گہما گہمی چل رہی ہے۔ آپ بتائیں ایک ذمے دار شہری ہونے کے ناتے اور ایک محبِ وطن پاکستانی ہونے کے ناتے آپ نے اس عمل میں کتنا حصہ ڈالا...... مطلب اپنی سمجھ بوجھ، عقل وشعور اور امیدوار

کی کارکردگی کو دیکھتے ہوئے فیصلہ کیا یا پھر جس کے دلائل زیادہ مضبوط لگے اسی طرف جھک گئے۔ الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے علاوہ سوشل میڈیا بھی شعور جگانے اور احساسِ ذمے داری اجاگر کرنے میں ہر آن کوشاں رہے مگر برسوں پرانی روایات ذرا دھیرے، دھیرے ہی بدلتی ہیں سو ترقی پسند اور مثبت اندازِ فکر بھی انشاء اللہ ضرور دل و دماغ روشن کریں گے اور یہ اسی صورت ہوگا جب ہم جمہوریت کے اس عمل کو ثابت قدمی اور وسیع النظری کے ساتھ قبول کریں۔ کسی نہ کسی کی ہار اور جیت تو لازمی ہے مگر اس سب میں خاندانی دشمنیاں نہ فروغ پائیں اور منتقم مزاجی کے جذبات نہ پروان چڑھیں۔
پیاری بہنو! اپنے پیغام سلام، رائے مشورے اور شکایات کے لیے بھی مندرجہ ذیل نمبر حاضر ہیں۔
0331626612,021.35386783.021.35802552.Ext:122.107 ہیں۔
اور حسبِ روایت نت نئی خبروں اور سرگرمیوں پر ایک نظر ڈالنے سے قبل ایک بار خلوصِ دل سے درود ابراہیمی اور اس کے بعد تین بار آیت کریمہ ضرور پڑھ لیں اور اپنی دعاؤں میں اپنے پیاروں کے ساتھ، ساتھ تمام اہلِ وطن کو بھی ضرور یاد رکھیں۔ اللہ رب العزت عالم اسلام کی تمام پریشانیوں کو رفع کرے اور تمام مسلمانانِ عالم کو کامیابیاں نصیب ہو۔ (الٰہی آمین)

مصنفات، شاعرات اور قارئین پاکیزہ بہنوں کی تازہ بہ تازہ سرگرمیاں

☆ مصنف و شاعر نعیم حیدر خان ایڈووکیٹ کی گراں قدر کاوشوں کے سلسلے میں مرتب کی ہوئی خوب صورت بصیرت افروز کتاب بصیرت قرآن شائع ہوگئی ہے۔ جس میں حمدیہ، نعتیہ و دعائیہ کلام بھی موجود ہے جبکہ اس میں موضوعات کے لحاظ سے سورۂ ہائے قرآنی کے تراجم بالترتیب شامل ہیں۔ ترجمہ مولانا سید بشیر احمد کا ہے اسے عمرانیہ کمپوزنگ سینٹر ملتان نے بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے۔ اس کتاب کی نمایاں بات یہ ہے کہ یہ صدقۂ جاریہ کی نیت سے ہدیتاً تقسیم کی جارہی ہے جسے کوئی بھی باستطاعت مسلمان نیک نیتی سے شائع کروا کر تقسیم کروا سکتا ہے۔ (جزاک اللہ)
☆ مستقل قاری نگینہ ضیا بنگش آج کل درسِ قرآن کی کلاسیں لے رہی ہیں۔ (اللہ اس کارِ خیر میں اضافہ کرے نگینہ)
☆ اس ماہ ہماری پیاری رائٹر غزالہ جلیل راؤ پیا دیس سدھار رہی ہیں۔ (بے حد مبارک باد)
☆ پاکیزہ کی دیرینہ پرستار روحی، کراچی کے بیٹے کے ہاں اللہ کی نعمت دوسرے بیٹے کی شکل میں اتری ہے، جس کا نام محمد سنابل رکھا گیا ہے۔ (بہت مبارک ہو)
☆ رائٹر شیریں حیدر اپنے عزیزوں سے ملنے کینیڈا گئی ہوئی ہیں۔
☆ مصنفہ، شاعرہ اور پاکیزہ کی پُرخلوص ساتھی دلشاد نسیم کے شعری مجموعے زیرِ لب کی تقریب رونمائی پچھلے دنوں لاہور میں منعقد ہوئی۔
☆ پاکیزہ کی مصنفہ، تبصرہ نگار ہما علی، اسلام آباد کی بڑی بہن شہلا شاہد اس سال حج کی سعادت حاصل کریں گی۔ (مبارک باد)
☆ مستقل تبصرہ نگار تسنیم کوثر، کراچی کے بیٹا، بہو حج کی سعادت حاصل کرنے سعودی عرب روانہ ہوئے۔ (مبارک باد)
☆ مصنفہ غزالہ عزیز کا لکھا سوپ ڈراما آج کل ایک نجی چینل پر کامیابی کے جھنڈے گاڑ رہا ہے۔ (مبارک ہاں بھئی)
☆ مصنفہ صائمہ اکرم کے لکھے ڈرامے آج کل خوب شہرت پا رہے ہیں۔ (مبارک ہو)
☆☆☆

سالگرہ مبارک

☆ فصیحہ آصف خان، آمنہ حماد، انیلا فاطمہ، رضوانہ منظر، محمد منیب فرزند حدیث اختر، تہنیت فاطمہ، محمد ادریس، رخسانہ۔ آپ سب کو اپنی سالگرہ مبارک ہو۔

دعائے صحت کے لیے التماس ہے

☆ بہبود ایجوکیشن اسکول کی پرنسپل شاہینہ شیخ اور ان کے والد اور بہن کی صحت یابی کے لیے خصوصی دعا کی درخواست ہے۔
☆ مستقل قاری روحی، کراچی کی صحت کے ساتھ، ساتھ ان کے مسائل کے حل کے لیے بھی ضرور دعا کریں۔
☆ مستقل پاکیزہ قاری سیما محمد عالم اور ان کے بھائی کی صحت کے لیے دعا کی درخواست ہے۔
☆ مستقل تبصرہ نگار فرخندہ جعفری کی طبیعت ان دنوں کافی خراب ہے۔
☆ مصنفہ حیا بخاری کی بیٹی موسمی بخار میں مبتلا ہیں جبکہ بیٹا بھی کافی بیمار ہے۔
☆ ہماری پیاری شاعرہ اور پاکیزہ کی دیرینہ ساتھی فریدہ جاوید فری جو کہ پہلے سے ہی بیمار ہیں، حادثاتی طور پر اپنے گھر میں گر گئیں۔ گرتے وقت انہوں نے قریب رکھے ٹی وی کا سہارا لیا جو انہی پر آن گرا۔ اب بیچاری بستر پر ہیں مگر ایسے عالم میں بھی جولائی کے پاکیزہ پر تبصرہ بھی کیا اور بہنوں سے خصوصی دعا کا بھی کہا۔
☆ مصنفہ رضیہ مہدی ان دنوں کافی بیمار ہیں۔
☆ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار مسز یٰسین، لیہ کی طبیعت خراب ہے۔
☆ رائٹر اور تبصرہ نگار طیبہ عنصر مغل کی مکمل صحت یابی کے لیے خصوصی دعا۔
☆ رائٹر عقیلہ حق گھر میں چوپر مشین چلاتے ہوئے اپنی انگلیاں زخمی کر بیٹھیں۔ آج کل بینڈیج کروا رہی ہیں۔
☆ شاعرہ، رائٹر و تبصرہ نگار فصیحہ آصف خان کی صحت کے لیے دعا کی درخواست ہے۔

انتقالِ پُرملال

☆ مصنفہ صائمہ اکرم کے سسر محترم برضائے ربی انتقال کر گئے۔
☆ پاکیزہ قاری سیما محمد عالم کے بھائی مرحوم مقصود عالم کی اس ماہ پہلی برسی ہے۔
☆ رائٹر، شاعرہ اور پاکیزہ تبصرہ نگار فصیحہ آصف خان، ملتان کی والدہ محترمہ کی اس ماہ برسی ہے۔
☆ رائٹر شمع تفسیر، کراچی کے والد محترم سید ذیشان علی کی اس ماہ پہلی برسی ہے۔
☆ پاکیزہ قاری حمیرا اقبال کے والد عبدالعزیز رضائے الٰہی سے انتقال کر گئے۔
تمام مرحومین کے لیے درجات کی بلندی کے لیے دعائے مغفرت کی استدعا ہے۔
☆☆☆
☆ اب آتے ہیں آپ بہنوں کے کھٹے میٹھے خطوط کی جانب......
✍ مسرت رانی خلیل، کراچی سے۔ ”پاکیزہ سے برسوں کی وابستگی ہے۔ پڑھنے میں ہرگز ناغہ نہیں ہوتا۔ وہ الگ بات کہ ہر ماہ تبصرہ نہ کرسکوں۔ آپ لوگ سچ میں بہت محنت کرتے ہیں۔ نزہت آپ اور آپ کی ٹیم بہت اچھا کام کر رہی ہے مگر آپ اپنا انٹرویو کیوں نہیں دیتیں (ضرور دوں گی) عذرا آپی کی باتیں بھی بہت اچھی لگتی ہیں۔ میں چاہتی ہوں آپ خطوط کے جواب بھی ضرور دیا کریں بلکہ خط چھوٹے لگائیں اور جواب بڑے۔“ (ارے یہ کیسی بات...... ہمارے قارئین اپنی تحریر پڑھنا چاہتے ہیں۔ جواب طلب بات کا تو ہم ضرور جواب دیتے ہیں۔ پاکیزہ سے آپ کی وابستگی اور محبت کی ہم بے حد قدر کرتے ہیں۔ آپ لوگوں کی تنقید اور قیمتی رائے ہی ہماری رہنمائی کرتی ہے)
✍ نصرت اقبال، سرگودھا سے۔ ”باجی مجھے پاکیزہ بہت پسند ہے۔ یہ ایک صاف ستھرا اچھا رسالہ ہے جسے ہر عمر کی خواتین شوق سے پڑھتی ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ آپ نئی رائٹرز کی بہت حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ میں بھی لکھنا چاہتی ہوں“ (ضرور لکھیں، معیاری تحریریں ہی پاکیزہ کی پہچان ہیں)
✍ فوزیہ سرور، لاہور سے۔ ”میں پاکیزہ بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ مجھے جب معلوم ہوا تھا کہ یہ ادارہ جاسوسی ڈائجسٹ کا پرچہ ہے تو بے انتہا خوشی ہوئی تھی اس لیے کہ آپ کے ادارے کے تمام پرچے ہمارے گھر میں شوق سے پڑھے جاتے ہیں اور میں بھی سسپنس اور جاسوسی پڑھتی رہی ہوں۔ میری کہانی لگانے کا شکریہ...... اتنے معیاری رسالے میں اپنی تحریر دیکھ کر دل بہت خوش ہوا۔“ (ہم تو بھی آپ لوگوں کا دل خوش کرتے ہی رہتے ہیں، اچھی تحریر تو اپنی جگہ خود بناتی ہے۔)
✉ مسز طور، مقام نامعلوم۔ پاکیزہ کو سراہنے کا بے حد شکریہ......
✉ تحریم بخاری، سانگھڑ۔ رسالہ پسند کرنے کا شکریہ تفصیلی تبصرہ بھی لکھیں۔

☒ نفیسہ سعید، کراچی۔ آپ کی کہانی اگلے ماہ یوم دفاع کی مناسبت سے ضرور شائع ہوگی۔ انشاء اللہ۔

☒ لبنیٰ قدیر، لاہور۔ تسلی رکھیں پیاری بہن، آپ کا ناول بھی جلد لگے گا۔

نسیم نیازی، لاہور سے۔ ''نزہت پیاری بہت اچھی طرح پاکیزہ سنبھال رہی ہو، ویسے آپس کی بات ہے ہم تو انٹرویو کے انتظار میں ہیں۔ (ارے پہلے تم اپنی تحریر اور شاعری تو بھیجو، بالکل چپ ہو کر بیٹھ گئی ہو) اس دفعہ لیلیٰ زبیری کا انٹرویو زبردست تھا۔ قسط وار ناول بھی بہت عمدہ جا رہے ہیں۔'' (بہت شکریہ)

رضوانہ کوثر، لاہور سے۔ ''پیاری نزہت پاکیزہ تو خیر نظر سے گزرتا ہی ہے۔ رائٹر غزالہ عزیز نے آپ کی شخصیت اور کام کی بہت تعریف کی تو میرا دل چاہا آپ سے بات کروں (ارے غزالہ تو خود بہت اچھی اور سادہ لڑکی ہے۔ ایک عرصے سے اس کے لکھے ڈرامے مختلف چینلز پر آ رہے ہیں مگر غزالہ عزیز کی خوش اخلاقی میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ اچھا رائٹر شہرت سے اپنی شخصیت میں جھول نہیں آنے دیتا بلکہ اسے مزید نکھارتا ہے۔ کیوں غزالہ ٹھیک ہے ناں اور بہت شکریہ رضوانہ سے میری تعریف کرنے کا) میری نسیم نیازی سے بھی بہت دوستی ہے اسی کے ہمت دلانے پر آپ سے بات کر پائی۔'' (بہت شکریہ، نسیم...... رضوانہ کوثر آپ کو پاکیزہ میں دل و جان سے خوش آمدید کہتے ہیں)

حمیرا الاشاری، کھوئہ سے۔ ''باجی آپ لوگ کیسے ہیں، میں پاکیزہ بہت شوق سے پڑھتی ہوں اور میرا دل چاہتا ہے کہ آپ اسلام آباد میں بھی پاکیزہ کی گیدرنگ رکھیں تاکہ ہم بھی سب سے مل سکیں۔ یہاں پاکیزہ شوق سے پڑھا جاتا ہے اور یہاں پنڈی اور اسلام آباد میں کافی رائٹرز بھی ہیں سب ہی مل بیٹھیں گے۔'' (جی ہاں ضرور اس پر غور کیا جائے گا)

☒ نصرت عباس عابدی، کراچی۔ آپ کی پاکیزہ سے وابستگی قابلِ قدر ہے۔ انشاء اللہ آپ سے رابطہ رہے گا۔

فاطمہ، کراچی سے۔ ''باجی مجھے پاکیزہ کے اسلامی صفحات بہت پسند ہیں، اللہ ادارے کو مزید ترقی دے آمین۔'' (دعاؤں کے لیے جزاک اللہ)

ثمرینہ نواز، کوئٹہ سے۔ ''دس سال مستقل خاموش قاری رہنے کے بعد آخر لکھ ہی دیا تبصرہ اور وجہ ہے محبت لفظ ہے لیکن کی ماہ جولائی کی قسط ضیا اور ان کی طرح نام نہاد بگڑی کے وارثوں کے لیے جہنم کی بددعا جب کہ ضیا میرا فیورٹ کیریکٹر تھا لیکن کہتے ہیں ہم جو سوچ بھی نہیں سکتے رائٹر اس نظر سے کہانی دیکھتا ہے اور تخلیق کر دیتا ہے۔ لالہ سے محبت البتہ اور بڑھ گئی ہے بچاری کو ماں کے ساتھ کی گئی زیادتی کا بہت برا بدلہ ملا لیکن اس دفعہ کی قسط میں لگا حیا ناول کو ختم کرنا چاہ رہی ہیں۔ حیا پلیز ناولٹ صحیح لیکن اسے بہت مختصر مت کیجیے گا۔ انجام سب کے زبردست ہوں اور پلیز ضیا کو لالہ کے ساتھ ہی رکھنا۔ کسی طرح منوا دیں دونوں کو۔ باقی پاکیزہ تو ایسے نکھر رہا ہے جیسے بہار میں ایک، ایک پتا...... سرورق سے لے کر بیوٹی ٹپس تک ہر صفحے پر ایڈیٹر کی محنت بولتی ہے۔ عذرا رسول آپا کا بھی انٹرویو شامل کریں۔'' (تبصرے کا شکریہ...... حیا بخاری انشاء اللہ بھرپور اختتام کریں گی آپ فکر نہ کریں۔ آپ کی دیگر فرمائشیں بھی ضرور پوری ہوں گی)

عائشہ خان، انڈیا سے۔ ''اُف حیا بخاری یہ کیا کر دیا لالہ کے ساتھ میں بہت روئی۔ اب ضیا کو پلیز دوسرے رائٹرز کی طرح پیار و پیار کر کے معاف مت کر دینا، کڑی سزا دیں اس وڈیرے کے بچے کو۔ آپ نے خط کا جواب دیا شکریہ۔''

ام حمزہ، گوجرانوالہ سے۔ ''پاکیزہ کا سرورق روز بروز نکھرتا جا رہا ہے۔ ستمبر، اکتوبر ہمارے ہاں شادیوں کا سیزن ہوتا ہے۔ مہندی، ہلدی، سے سجے سرورق کی فرمائش ہے۔ (جی ضرور اس دفعہ پسند آیا ہوگا) محبت لفظ ہے لیکن اس بار کی قسط نے تو ایسا چونکایا اس طرح بھی ایک دم رخ بدل سکتی ہے کہانی یا حیرت کہیں حیا ختم تو نہیں کرنے لگی۔ پلیز جلدی مت کرنا ابھی تو اس کہانی کے ساتھ چلنا شروع کیا ہے ہاں امرت کو اب ختم ہو جانا چاہیے خواہ مخواہ کی طوالت کا شکار ہے ناول...... یہ کہاں پہنچیں کہ دل یہ قسط بھی زبردست تھی۔ عالیہ بخاری کو بھی لائیں بھئی راحت جبیں سے بھی ناول لکھوائیں۔ (یہ رائٹرز تو آج کل اسکرپٹ لکھ رہی ہیں۔) سلسلے بھی سارے ہی اچھے ہمیشہ کی طرح لاجواب تھے۔ دردانہ نوشین کے ناول میں دلچسپی کم رہی لیکن مکمل پڑھ کے ہی پوری رائے دے سکوں گی۔'' (جی ضرور)

☒ حمیرا فضا، رحیم یار خان۔ آپ کا افسانہ مل گیا ہے پڑھ کر قابلِ اشاعت کا فیصلہ کیا جائے گا۔

☒ لائبہ رانا، فیصل آباد۔ تسلی رکھیں کہانی کا نمبر بھی جلد آئے گا۔

☒ طیبہ الیاس، سرگودھا۔ آپ تفصیلی تبصرہ بھی بھیجا کریں ناں پاکیزہ کی پسندیدگی کا شکریہ......

☒ فریدہ فضل، ڈالاس، یو ایس اے۔ آپ کے بھیجے گئے مراسلے پاکیزہ میں لگتے رہتے ہیں۔ آپ اینول سبسکرپشن لے لیں۔ ویسٹرن یونین یا منی گرام کے تھرو بھیج سکتی ہیں۔ باقی پروسز بھی آپ کو بتا دیں گے۔ اس طرح رسالہ آپ کے گھر پر مل جائے گا۔ آپ رومن اردو میں لکھا کریں۔ اردو ٹائپنگ کے الفاظ جڑ جاتے ہیں پڑھے نہیں جاتے۔

سعدیہ وحید سعدی، اسلام آباد سے۔ ''عذرا آپا آپ کو اللہ صحت و تندرستی دے۔ بہت، بہت شکریہ آپا کہ آپ لوگ میری بھیجی ہوئی تحریریں شائع کرتے ہیں۔ اللہ آپ کو مزید کامیابی دے۔'' (اللہ تمہیں بھی ہنستا ہنساتا آباد رکھے)

مسز یسین، لیہ سے۔ ''آنٹی بہت شکریہ آپ مجھے محفل میں شامل کرتی ہیں۔ (ہماری تو یہی کوشش ہوتی ہے کہ جو بھی بہن خط لکھے تبصرے بھیجے اسے ضرور شامل کریں) اس دفعہ بھی پورا پاکیزہ اچھا تھا۔ امرت بہت اچھے سے بڑھ رہا ہے اور حیا بخاری کے ناول کے کیا کہنے۔ لگتا ہے ضیا کو لالہ سے پیار ہو گیا ہے۔ آہستہ، آہستہ کہانی آگے بڑھ رہی ہے۔ پورا پاکیزہ ہی سپر ہٹ جا رہا ہے۔ میری طرف سے سب کو بہت سلام...... بیماروں کے لیے دعائیں۔'' (مختصر تبصرے کا شکریہ)

فریدہ ہاشمی مخفی، کراچی سے۔ ''جولائی کا پاکیزہ دیکھا۔ بہت پسند آیا۔ ساری کہانیاں عمدہ اور سبق آموز ہیں۔ یہی اچھی کہانی کی خوبی ہوتی ہے کہ اس سے کوئی اچھا سبق حاصل ہو۔ سب بہنیں بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ سب ناول بھی بہت اچھے طریقے سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ ناہید سلطانہ نے دانا دیوانہ بہت حقیقت پسندانہ انداز میں لکھا ہے۔ پڑھ کر بے اختیار آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ افسوس ایسی اولاد پر۔ فرینڈ شپ بھی اچھی لگی۔ دُردانہ نوشین کی صُفیہ بہت پسند آئی۔ دوسری قسط کا انتظار ہے۔ شمیم فضل حق نے بہت اچھا لکھا۔ بے شک خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔ وفا، گیدڑ سنگھی، عورت کہانی، رسوائے محبت، بہت پسند آئیں۔ ذکیہ بہن اور اختر شجاعت کی تعریف کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں خدا انہیں زندہ سلامت رکھے اور ہمیشہ اسی طرح ہم سب کی رہنمائی کرتی رہیں۔ آمین...... بڑا تعجب ہوا کہ لوگوں کو شیریں بہن کے ناول پر اعتراضات ہیں اگرچہ انہوں نے کوئی بات غلط نہیں لکھی پھر بھی انہوں نے ساری بات بہت اچھی طرح سمجھا دی۔ بہت اچھا کیا۔ ڈائری میں احادیثِ نبوی، حمد اور نعت بہت عمدہ ہیں۔ روحانی مشورے سب پر بہت آسانی سے عمل ہو سکتا ہے۔ خدا توفیق عطا کرے۔ آمین۔ عذرا بہن ماشاء اللہ ہر پرچے میں نظر آ رہی ہیں۔ بہت خوشی ہوتی ہے، معراج صاحب کی صحت یابی کے لیے دعا گو ہوں۔ سلام کہہ دیجیے۔ (جی ان کی طرف سے وعلیکم السلام) بہت عرصے سے عمیرہ احمد، نمرہ احمد نے نہیں لکھا۔ پُرزور فرمائش ہے ضرور لکھیں۔ (انشاء اللہ جلد آئیں گی) پچھلے پرچے میں نگہت سیما کا ناولٹ اختتام پزیر ہوا۔ بہت اچھا لگا۔ انجم انصار سے بھی لکھنے کی فرمائش ہے۔ سلام کہہ دیں۔ (جی ضرور) آپ کے اداریے وقت کی مناسبت سے بہترین ہوتے ہیں۔ ذرائع وی پروگراموں پر بھی توجہ دیں۔ بے حجابی کے علاوہ بہت سے بیکار ڈرامے ہیں۔ عورت کی عزم و ہمت اور عام انسانوں کی بہترین کارکردگی پر بھی لکھنے کی ضرورت ہے۔'' (آپ درست کہہ رہی ہیں بس بہتری کی امید تو ہے)

فرحت احمد، گلشن حدید، کراچی سے۔ ''ناول پہ کہاں پہنچیں کہ دل ہے، امرت اور محبت لفظ ہے لیکن تینوں ہی بہترین جا رہے ہیں۔ اللہ اور اس کا نور، شمع ہدایت واقعی ہدایت ہے۔ مستقل سلسلے اور بہنوں کی محفل سب سے پہلے پڑھتی ہوں جو کہ مجھے بہت پسند ہے اس سے ایسا لگتا ہے کہ جیسے تمام بہنوں سے ملاقات ہو گئی ہو۔ اس مرتبہ افسانوں میں گیدڑ سنگھی بہت اچھا لگا۔ پیاری نزہت میری جانب سے انجم باجی اور عذرا رسول صاحبہ کو بہت، بہت پوچھنا اور سلام پہنچا دیجیے گا (جی ضرور اور ان کی طرف سے بھی وعلیکم السلام) اور آپ کو بھی پاکیزہ کی مدیرہ بننے پر بہت، بہت مبارک باد ہو۔'' (آپ سے بہت اچھی طرح تعارف ہے آپ کے مراسلات لگتے رہتے ہیں، آپ کا اپنا رسالہ ہے ضرور رہنمائی کریں، رائے دینا آپ کا حق ہے اور اس پر غور کرنا اور بہتر کرنا ہمارا فرض ہے)

نگینہ ضیا بخش، کراچی سے۔ ''باجی آج کل مصروفیت بہت ہے۔ قرآنی درس کی وجہ سے وقت نہیں ملتا پھر بھی جلدی، جلدی جولائی کا پاکیزہ پڑھا کہ اسے پڑھے بغیر چین بھی نہیں آتا۔ حیا بخاری کا ناول زبردست جا رہا ہے۔ سعدیہ رئیس کا

ناول اور دُردانہ نوشین کا صُفہ زبردست لگا۔ افسانے بھی سب اچھے ہیں خاص طور پر ناہید سلطانہ اختر اور شمیم فضل خالق کے بہت اچھے لگے۔ شگفتہ بھٹی، ہاجرہ ریحان، سیما بنت عاصم، فوزیہ سرور سب کے ہی بہت زبردست لگے۔ سب نے ہی الگ، الگ پیغامات دیے۔ ان کے لیے بہت دعائیں۔ شائستہ زریں نے لیلیٰ زیبری کا انٹرویو زبردست کیا۔ سچی بات ہے لیلیٰ سدا بہار ہیں۔ اللہ انہیں نظرِ بد سے بچائے۔ (آمین) باقی سب سلسلے بھی اچھے لگے بیاد یوسفی بھی بہت خوب لکھا۔ اللہ آپ کو مزید کامیابی اور کامرانی دے، آمین۔'' (بہت شکریہ تمہاری پیار بھری دعاؤں کا)

☜ افتخار شوق، میاں چنوں سے۔ ''پاکیزہ حسبِ معمول جلدی، جلدی لیا اور پڑھا بھی۔ اس کے بغیر تو بھئی گزارہ نہیں ہے ناں...... (ہاں بھئی ایسے ہی ہوتا ہے اللہ آپ کا ذوق سلامت رکھے) اچھا عذرا رسول کی خصوصی مزاج پرسی کر دیجیے گا۔ آج کل اسکول کی مصروفیات تو کم ہیں بس کبھی، کبھی سرکاری میٹنگز میں جانا پڑتا ہے یعنی ای ڈی جو ٹھہرے (ہاں یہ تو ہے) اس دفعہ تو اپنے بھانجے، بھانجی کے اصرار پر ہم ملتان اور لاہور سیر کرنے گئے، ملتان شہر کی اپنی ہی الگ بات ہے گرمی تو تھی مگر مزہ خوب آیا۔ اولیا کرام کے مزار اور جدید بنے پارکس پھر جناب حسین آگاہی کا بازار ہر جگہ ہی خوب انجوائے کیا، بے شک ملتان ایک تاریخی شہر ہے۔ سرکاری امور کے لیے پورے پنجاب ہی میں گھومنا رہتا ہے مگر اس دفعہ بہن اور بچوں کے ساتھ سیر کا خوب لطف آیا۔ اور جناب لاہور کے تاریخی مقامات کی بھی خوب سیر کی۔'' (ارے افتخار کبھی کراچی کا سمندر دیکھنے بھی آجائیں۔ آپ کی تفریح کا سن کر ہمیں بھی لطف آرہا ہے۔ آپ کی دی مٹھائی کا ذائقہ بھولتا نہیں۔ عذرا صاحبہ الحمدللہ بخیریت ہیں اور مسلسل میری رہنمائی کر رہی ہیں۔)

☜ فرخندہ جعفری، گجرات سے۔ ''ماہ جولائی کا خوب صورت ٹائٹل سے سجا عید مبارک کہتا ہوا پاکیزہ ملا۔ اس ماہ بھی پہلے کی طرح ایک سے بڑھ کر ایک خوب صورت کہانی تھی مگر افسوس ہوا کہ رسالہ روز بروز کمزور ہوتا جا رہا ہے۔ اتنا معیاری اتنے اچھے مواد گھر بیٹھے مہیا کر رہا ہے تو دس بیس روپے بڑھانے سے کوئی غریب نہیں ہو جائے گا۔ (ارے بہن کاغذ کی صنعت بحران کا شکار ہے دعا کریں کہ حالات بہتر ہوں تو ہم واپس سے آپ کے لیے رسالہ موٹا کر دیں) برتن قلعی کرا لو۔ رسالے میں چھپی ہے پڑھ کر بہت خوشی ہوئی شکریہ آپ نے میرا مان رکھ لیا۔ تمام رائٹرز کی کہانیاں بہت عمدگی سے سنواری گئی ہیں۔ بہت سبق آموز اور دل پر اثر کرنے والی ہیں۔ جب کوئی قاری کسی کہانی پر تنقید کرتی ہے تو میرا دل دُکھتا ہے کہانی لکھنا اور اسے اتنے مشکل مراحل سے گزار کر انجام تک پہنچانا اتنا آسان نہیں ہوتا جان مارنی پڑتی ہے اور اگر پڑھنے والا کہہ دے کہ یہ کہانی اچھی نہیں ہے تو اسے خود کہانی لکھنی چاہیے۔ ان سینئر رائٹرز سے ہم جیسے اناڑی لوگ سیکھ کر اور پھر ان پر تنقید کریں یہ اچھی بات نہیں ہے ہر رائٹر کچھ نہ کچھ پیغام دے رہی ہوتی ہیں اسے سمجھنا ہمارا کام ہے۔ (ارے دل چھوٹا نہ کریں قارئین کی تنقید ہی تو بہتر بناتی ہے ہاں یہ کام ہے تو مشکل مگر ہماری رائٹرز بہت تن دہی سے کر رہی ہیں) پہ کہاں بچیں کہ دل ہے اور امرت اینڈ تک پہنچ رہے ہیں۔ رفعت سراج اور شیریں کو بہت، بہت مبارک ہو، کہانی اچھے موڑ پر لے آئی ہیں، ان میں اتنے زیادہ کردار ہو چکے ہیں کہانی طوالت تو پکڑے گی پھر آہستہ، آہستہ تمام کردار کہانی میں ضم ہو جائیں گے یہی تو اچھی رائٹرز کا کمال ہوتا ہے۔ (جی یہ تو ہے) صُفہ، دردانہ نوشین، دانا دیوانہ، ناہید سلطانہ اختر، وقت کا پہیا، طیبہ عنصر مغل، عید کے رنگ خوشیوں کے سنگ، صبا آصف، گیدڑ سنگھی، فوزیہ سرور، ع عورت، ج جاگیر، فرحین اظفر کوئی ایک کہانی بھی ایسی نہیں جس کی تعریف نہ کی جائے تمام رائٹرز کو مبارک باد، اللہ اور اس کا نور ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی صاحبہ، بیماری کے باوجود اتنا اچھا اور ناقص ایمان والوں کے دل و دماغ میں ایمان کا نور اور روشنی بھرنے کے لیے لکھ رہی ہیں یہ بہت بڑی خدمت ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں صحت اور اجر دے تاکہ وہ اسی طرح ایمان کی روشنی بڑھاتی رہیں۔ (الٰہی آمین) اس ڈائجسٹ میں ہر کوئی محنت سے اور بڑی لگن سے لکھ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کے قلم میں نور کے موتی پرونے میں مدد کرے۔ آمین...... تمام بیماروں کو شفا عطا کرے۔ تمام مرحومین کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔ شمع ہدایت، اختر شجاعت، معرفت علم الٰہی بہت اچھا اور مشکل ترین ٹاپک کو آسان لفظوں میں لکھا ہے۔ دلوں میں اتر جانے والی تحریر ہے۔ بہنوں کی محفل کا تو جواب نہیں، نزہت اصغر اور عذرا رسول صاحبہ جس طرح بہنوں کا سر جوڑے ہوئے ہیں یہ ان کا ہی کمال ہے کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں ہو رہی ہے۔ سب کو اتنی عزت مل رہی ہے تو پھر کیوں نہ قاری اور لکھاری بہنیں اس رسالے کا مان رکھیں اور اس میں اچھی اور معیاری تحریر ڈالیں۔'' (بہت پیارے تبصرے کا بے حد شکریہ)

☜ طیبہ عنصر مغل، راول پنڈی سے۔ ''میری پیاری پاکیزہ بہنو! آج میں تبصرہ نہیں لکھوں گی صرف چند باتیں کرنا چاہوں گی ہم لکھاری آپ کی تعریف اور تنقید دونوں ہی کے لیے آپ قاری بہنوں کے شکر گزار رہتے ہیں کیونکہ اسی چیز سے ہماری تحاریر میں پختگی آتی ہے، میری تحریر کو پسند کرنے پر سب بہنوں کی شکر گزار ہوں، چند باتوں کی وضاحت کرنا ضروری سمجھوں گی مانگے کی جنت میں جو موضوع لیا وہ بھی کرنٹ ایشو ہی ہے اور شیریں حیدر جی کی طرح میں بھی کہانی کی بُنت کرتی ہوں کہانی کا محرک کہیں نہ کہیں حقیقی ہی ہوتا ہے۔ کہانی میری ایک بہن کو ابتدا میں ہی سمجھ آگئی کہ انجام کیا ہوگا تو یہ تو ان کی ذہانت کا ثبوت ہے باقی جہاں تک معاملہ ہے موضوع پرانا ہونے کا تو شاید ایسا ہو مگر وگ کا رواج تو پرانا ہے لیکن ایکسٹینشن اور وہ بھی اصل بالوں کا یہ رواج کہاں تھا پہلے......؟ اور کہانی میں شوہر زیادہ وقت بیوی کے ساتھ نہیں رہا لیکن یہ حقیقت ہے کہ شوہر سے کچھ چھپ نہیں سکتا لیکن میری بہن! جس ایکسٹینشن کی میں نے بات کی ہے وہ لائف ٹائم ہے تقریباً اور اسے بالوں میں اس طرح گوندھ دیا جاتا ہے کہ وہ بالوں کا حصہ بن جاتا ہے کاٹے بغیر الگ نہیں ہوتا۔ یہ چائنہ میں بنائے جانے والے ایکسٹینشنز ہیں اور یہ کاروبار وسیع پیمانے پر ہو رہا ہے اور یہ اصلی بالوں کے مستقل ایکسٹینشن بالکل بھی نقلی پتا نہیں چلتے انڈیا میں کچھ جگہوں پر مندر ہیں جن میں لڑکیاں منت رکھتی ہیں، شادی کے لیے اور سر منڈواتی ہیں اور وہاں اس قدر رش ہوتا ہے کہ ایک وقت میں اتنی نائی بھی ناکافی پڑتے ہیں لڑکیاں انتظار کرتی ہیں اس کے علاوہ پوری دنیا میں بیوٹی پارلر پہ جو لمبے بال کاٹے جاتے ہیں۔ وہ فی کلو کے حساب سے ہزاروں میں فروخت بھی کیے جاتے ہیں۔ بعض مندر تو بنائے ہی ایسی جگہ جاتے ہیں جہاں کی لڑکیوں کے بال بہت چمکیلے اور تیل لگائے رکھنے سے بے حد صحت مند ہوتے ہیں، کچھ واقعات تو ایسے بھی ہیں جو بیان کرتے روح کانپ جاتی ہے کہ لمبے بالوں کے حصول کے لیے قبریں بھی کھودی جاتی ہیں، تازہ قبر جوان لڑکی کی، اللہ تعالیٰ ہدایت دے، اس کے علاوہ کوڑے سے بھی بے پروائی سے پھینکے گئے بال استعمال میں لائے جاتے ہیں مختلف انداز سے؛ مجھے نہیں لگتا کہ کچھ اور وضاحت درکار ہوگی۔ کہانی کا مرکزی خیال بالکل سچائی پرمبنی ہے سلمیٰ غزل صاحبہ کی تشفی کے لیے بتانا ضروری سمجھتی ہوں بہت محترم ہستی ہیں ہمارے لیے اور آپ کی تنقید سر آنکھوں پر کہ اسی تنقید کی وجہ سے مجھے یہ معلومات شیئر کرنے کا موقع ملا، سلامت رہیں۔ عذرا آپا کی سرجری کا سن کر بہت پریشانی ہوئی اللہ تعالیٰ ان کو صحت و سلامتی سے رکھے، آمین۔'' (اب تو ماشاء اللہ ٹھیک ہیں اور اتنی وضاحتیں دینے کا شکریہ)

☜ حنادیہ احمد، کراچی سے۔ ''باجی عید کیسی گزری...... اور یہ بتائیں پاکیزہ میں، میری اور بھی کہانیاں ہیں کب تک لگیں گی۔ ہمیں پاکیزہ بہت اچھا لگتا ہے۔'' (عید تو اچھی گزر گئی جولائی کا کام سر پر سوار تھا آپ کی کہانی بھی لگ جائے گی بس رسالہ پڑھ کر تبصرہ بھی بھیجیں۔)

☜ سعدیہ فرید، بنوں سے۔ ''میں پاکیزہ ڈائجسٹ کی دیوانی ہوں آپ ہم جیسے مداحوں کو یاد رکھا کریں (جی یاد تو رکھتے ہیں) اپریل کے شمارے میں ثمینہ عظمت علی کے افسانے نے دل جیت لیے بہت اچھا لکھتی ہیں۔ (جی ہاں) میں اور میری سہیلیاں شوق سے پڑھتی ہیں۔'' (اور تحریروں پر بھی تبصرہ کریں)

☒ فرحی نعیم، کراچی۔ آپ کی کہانیوں کی بھی عنقریب باری آجائے گی۔

☜ شمیم فضل خالق، پشاور سے۔ ''میرے افسانے کا سرورق پر ذکر کر کے آپ نے خوش کر دیا...... رائٹر کے لیے یہ بہت خوشی کی بات ہوتی ہے کہ اس کی تحریر کو عزت دی جائے۔ (پاکیزہ تو اپنے رائٹرز کو ہمیشہ ہی عزت دیتا ہے) عذرا رسول کو سلام کے ساتھ، ساتھ گلہ بھی دیں کہ میں تو پاکیزہ کی بہت پرانی ساتھی ہوں لیکن انہوں نے کبھی میرا ذکر نہیں کیا...... (اب تو آپ خوش ہو گئیں) میرے دل میں ان کی بہت عزت ہے اس کی بہت سی وجوہات ہیں ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے معراج صاحب کی جتنی خدمت کی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ خدا انہیں زندگی اور صحت دے...... آمین...... رفعت سراج کا ناول زبردست جا رہا ہے۔ زارا کے لیے دل میں افسوس ہوتا ہے لیکن خیر...... ناہید سلطانہ اختر کے لیے تو نام ہی کافی ہے، والا جملہ پرفیکٹ ہے۔ دانا دیوانہ اعلیٰ پائے کی تحریر ہے۔ طیبہ عنصر مغل کی تحریر وقت کا پہیا کیا زبردست تحریر ہے۔ سچ میں مجھے تو رونا آگیا...... مائیں بیچاریاں انتظار کرتی رہ جاتی ہیں لیکن بیٹیاں سسرالیوں کو خوش کرنے میں مگن رہتی ہیں۔ بالکل سچی بات کہی طیبہ نے موبائل کی

اچھائیاں اپنی جگہ لیکن برائیاں بھی بے حساب ہیں، شگفتہ بھٹی نے یہی بات سمجھانے کی کوشش کی ہے۔" (جی بالکل، آپ رائٹر زندگی کی حقیقتوں کو عیاں تو اپنی محنت سے صفحات پر منتقل کرتی ہیں، جزاک اللہ......!)

سعدیہ رئیس، کراچی سے۔ "جولائی کے پاکیزہ میں اپنا ناولٹ رسوائے محبت دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ اپنے ناول میں انمول کی باری کی منتظر ہوں کہ کب اسے پاکیزہ میں جگہ ملے گی۔ کوشش ہوگی کہ آئندہ مزید کہانیاں جلد ارسال کروں (جی ضرور) اس بار لیلیٰ زبیری کا انٹرویو اچھا رہا۔ میری من پسند اور پیاری سی اداکارہ ہیں۔ بہنوں کی محفل میں عذرا رسول کی باتیں چار، چار چاند لگا دیتی ہیں۔ انہوں نے بڑے بے ساختہ اور اپنے مخصوص انداز میں حیا بخاری کو مخاطب کیا ہے کہ اب ڈرتا نہیں فون کرلیا کرنا۔ یہ پڑھتے ہوئے ان کی شکل آنکھوں کے سامنے چلی آئی۔ الیکشن قریب آ رہے ہیں، ملکی صورتِ حال، سیاستدانوں اور لیڈروں کا بہت برا حال ہے سب ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے میں لگے ہوئے ہیں۔ خدا ان کے حال پر رحم کرے اور ہدایت دے اور ہمارے ملک کی حفاظت کرے۔" (الٰہی آمین، مختصر تبصرے کا شکریہ...... آپ کی کہانی کا قارئین انتظار کرتے ہیں)

کائنات زہرا، قصور سے۔ "محبت لفظ ہے لیکن...... اس ناولٹ نے تو دیوانہ بنا دیا ہے۔ اس ماہ کی قسط پڑھ کر ہم سب کی آنکھیں روتی رہیں خاص طور پر دروازے پر لالہ کا یوں ڈال جانا...... ہمیں تین گلیاں آگے رہنے والی زینب بیٹی کی یاد دلا دی۔ انسان ایسے ہی وحشی بن جاتا ہے۔ حیا اس ناولٹ کے اختتام پر پاکیزہ میں آئیں گی (جی ہاں ضرور آئیں گی، اگر آپ کو بھی کوئی سوال کرنا ہو تو بھیج دیں) طیبہ عنصر، صبا آصف، فرحین اظفر، ہاجرہ اور ناہید سلطانہ کے افسانے زبردست تھے۔ آپی پلیز فرح بخاری، حمیرا نوشین، صدف آصف، بمیرا گل اور راحت جبیں سے بھی لکھوائیں۔" (جی آپ کی فرمائش سر آنکھوں پر مختصر سے خط کا شکریہ)

وردہ ایوب، مقام نامعلوم سے۔ "میری امی طویل عرصے سے بہت سے رسالے پڑھ رہی ہیں لیکن ان تمام رسالوں میں، میری امی کا پسندیدہ رسالہ پاکیزہ ہے تو انہوں نے مجھے بھی پاکیزہ پڑھنے کا مشورہ دیا اور جب میں نے پاکیزہ کے چند افسانے جن میں تحفۂ عید، ٹھوکر اور پھوہڑ پڑھے تو میں کافی متاثر ہوئی اور میں نے اپنا پہلا خط پاکیزہ ڈائجسٹ میں بھیجا ہے۔ دراصل رائٹر بننا میرا خواب ہے اور لکھنا میرا شوق ہے۔ میں فقط اپنے قلم سے دوسروں کو فائدہ پہنچانا چاہتی ہوں اور رائٹر بن کر اپنے والدین کا نام روشن کرنا چاہتی ہوں۔" (جی پہلے اپنی تعلیم مکمل کریں پھر تمام سینئر رائٹرز کو پڑھیں اور پھر لکھیں۔)

نازنین آفریدی، پشاور سے۔ "اتنے ماہ باقاعدہ خط اور تبصرہ وغیرہ نہیں بھیج سکی کیونکہ کچھ گھریلو مصروفیات پھر رمضان المبارک کی مصروفیت اور پھر عید لیکن اس ماہ بھیں زبردستی ٹائم نکالا ہے۔ (بہت شکریہ) آخر کار پاکیزہ سے وابستہ لوگوں کو میں اپنی فیملی کی طرح سمجھتی ہوں۔ سو مزید ادھر اُدھر کی باتوں سے پرہیز کرتے ہوئے تبصرے کی طرف آتی ہوں۔ سب سے پہلے ہمیشہ کی طرح بہنوں کی محفل پڑھی۔ شیریں حیدر اور عنیزہ سید کے خطوط دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ کیا ہی اچھا ہو اگر ہماری مصنفات بھی، کبھی کبھار ہمارے درمیان آجایا کریں۔ ایسا ہی ایک خط پچھلے ماہ حیا بخاری کا تھا۔ پڑھ کر اچھا لگا تھا۔ شیریں حیدر کے ناول پر میرے خیال میں اعتراض کی تک نہیں بنتی...... تو پھر کیوں کسی کی دل شکنی کی جائے سوائے اس کے کہ آج کل کے زمانے میں اتنی صابر و شاکر لڑکیاں کہاں پائی جاتی ہیں۔ جیسے امرت ہے۔ میرا خیال ہے ہمیں آخر تک ناول پڑھنے کے بعد شرعی معاملات پر رائے دینی چاہیے۔ ایک چیز جو میں نے پاکیزہ میں بار، بار نوٹ کی ہے اور میرا خیال ہے مجھے اب اس پر بولنا چاہیے وہ یہ کہ قصائی ص سے لکھا جاتا ہے جبکہ پاکیزہ میں بار، بار س سے لکھا ہوا پایا گیا۔ کوئی بھی عقلِ کل نہیں، ہم سب خطا کے پتلے ہیں لیکن اگر مصنفات یہ غلطی کر رہی ہیں تو ادارے کو ٹھیک کرنا چاہیے۔ کیونکہ اگر ہم سمجھتے ہیں کہ ہم ادب کی خدمت کر رہے ہیں تو میرا خیال ہے ہمیں زبان پر بھی مکمل دسترس ہونی چاہیے۔ ہاں اگر میں غلط ہوں تو میری بھی اصلاح کیجیے گا۔ مجھے خوشی ہوگی اور علم میں اضافہ ہوگا۔ (جی نازنین لغت کے مطابق قسائی لفظ درست ہے۔ کچھ لفظ غلط العام ہو جاتے ہیں) اپریل کے بزم پاکیزہ کا انعام میں نے وصول کرلیا ہے جس کے لیے ادارے کی ممنون ہوں۔ یہ کہاں بچیں کہ دل ہے۔ بہت عمدہ لیکن تھوڑا سا سست روی کا شکار محسوس ہوا۔ (کچھ تفصیلات تحریر کا تقاضا ہوتی ہیں) صفر کی پہلی قسط بہت متاثر کن تھی اُمید ہے پورا ناول ہی ایسا ہوگا۔ محبت لفظ ہے لیکن لالہ کے ساتھ اچھا نہیں ہوا لیکن شاید یہ ماں کا دل دکھانے کی سزا ہے۔ گیدڑ سنگھی میں عامر کو وقت پر عقل آگئی۔ ماں کی دعا جنت کی ہوا ہوتی ہے مگر لوگ بھول جاتے ہیں یہ بات۔ فرینڈ شپ اچھی تحریر تھی۔ مجھے لگتا ہے نیٹ اور موبائل

نے ماحول نہیں خراب کیا۔ یہ ہمارے اندر کا جانور ہوتا ہے جو موقع ملنے پر باہر نکل آتا ہے۔ ردی کی نوکری پڑھ کر بے ساختہ سوچا۔ اُف شکر ہے میں ایڈیٹر نہیں ہوں لوگوں کو مطمئن کرنا اور کیڑے مکوڑوں جیسی لکھائی پڑھنا واقعی مشکل کام ہے۔ وقت کا پہیا، ع عورت ج جاگیر، تم وفا ہو، میری عید تم ہو، عید کے رنگ خوشیوں کے سنگ، چھوٹی سی بات مناسب رہیں جبکہ دانا دیوانہ اور تتلی کا گھر مجھے سبق آموز رہیں۔ اس ماہ کی سب سے بہترین تحریر سعدیہ رئیس کی رسوائے محبت رہی۔ پاکیزہ کی مہمان کسی زمانے میں میری پسندیدہ اداکارہ رہیں۔ شمع ہدایت ایک زبردست سلسلہ ہے ہدایت دینے کا...... حسن نکھاریے بہترین جا رہا ہے۔ روحانی مشورے اللہ اور اس کا نور بھی اچھا لگتا ہے۔" (بہت شکریہ پیارے سے تبصرے کا)

پروین افضل شاہین، بہاول نگر سے۔ "اس بار پاکیزہ جولائی کا شمارہ عید اسپیشل دلکش سرورق سے سجا میرے ہاتھوں میں ہے۔ دین کی باتیں، اللہ اور اس کا نور پڑھ کر روح کو غسل دیا۔ آپ نے اپنے اداریے میں الیکشن کے بارے میں بتا دیا۔ جی ہاں ہمیں اس بار سوچ سمجھ کر ووٹ کا حق استعمال کرنا چاہیے۔ ہماری دعا ہے کہ اس بار جو بھی وزیراعظم بنے اپنے ملک کے لیے اچھا ہو اور پاکستان کو عروج پر لے جائے، آمین...... پاکیزہ کی مہمان میں اس بار خوبرو اداکارہ لیلیٰ زبیری تھیں ان کے بارے میں جان کر بہت ہی اچھا لگا۔ ماشاء اللہ سے نواسیاں بھی بڑی ہو گئی ہیں اللہ ان سب کو سلامت رکھے۔ آمین...... میری اپنی نند فریدہ جاوید فری سے بات ہوئی تھی۔ اب وہ ماشاء اللہ پہلے سے بہتر ہیں اور ٹھیک ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اور ڈاکٹر ممتاز ضیا، امینہ عندلیب، شازیہ سرفراز، فریدہ خانم کو بھی صحت دے۔ آمین...... عذرا آپی اب آپ کی طبیعت کیسی ہے، اپنا خیال رکھا کریں ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں، میری خواہش پوری فرمانے کا شکریہ...... فری آپی مجھے انعام کی مبارک باد دینے کا شکریہ...... مسز یاسمین...... میرے لیے وظیفہ تجویز کرنے کا شکریہ...... پاکیزہ ڈائری میں صبا نور، فریدہ جاوید فری، نگینہ ضیا بخش، ساجدہ ظفر، ارم کمال، اقرا جٹ، میں اکثر گنگناتی ہوں میں گل شاہین، حمنیٰ قندیل، حمیرا وحید، کوثر خالد، سائرہ ارم ڈوگر، نازیہ نزی اور ہم سب کا پسندیدہ سلسلہ بزم پاکیزہ میں ساجدہ ظفر، مہ رخ چھائی رہیں۔ ہماری دعا ہے کہ پاکیزہ اور عروج حاصل کرے، آمین۔" (بہت شکریہ فرداً فرداً سب کو سراہنے کا)

صائمہ پرویز، کراچی سے۔ "جون کا شمارہ ملا اپنا خط پڑھ کر دل جھوم، جھوم اٹھا کہ آپ نے مجھے پھر سے جگہ دی بہت شکریہ...... سب سے پہلے تمام سلسلے پڑھے جس میں پاکیزہ ڈائری میں عہد و پیماں بہت اچھا لگا۔ میں اکثر گنگناتی ہوں میں عید کے اشعار اچھے تھے۔ افسانے ہمیشہ کی طرح قوسِ قزح کے رنگ بکھرائے ہوئے تھے۔ ناولٹ تو دونوں ہی بہت ہی خوب صورت تھے۔ حسینہ معین کی باتیں بڑی ہی پیاری لگیں۔ عید آئی ہے کئی رنگ کے جلوے لے کر میں تمام معززین کی پیاری، پیاری چٹ پٹی سی باتیں پڑھ کر ہم بھی اپنے بچپن میں کھو سے گئے تھے۔ میری طرف سے سب کو عید مبارک...... اللہ تعالیٰ ہمارے ملک میں بارش برسائے، رحمت کی بارش جس سے زمین بھی سیراب ہو جائے اور ہر طرف پانی کی دشواری ختم ہو جائے آمین......" (بے شک یہی دعا سب کو مانگنی چاہیے)

ایک قاری بہن، واہ، ٹیکسلا سے جو اپنا نام لکھنا بھول گئیں جبکہ پتا مکمل لکھا ہے خیر ہو جاتا ہے ایسا بھی۔ "خوب صورت ماڈل سے سجا پاکیزہ آج گیارہ جولائی کو میرے ہاتھ میں ہے۔ اللہ اور اس کا نور پڑھ کر ایمان کو تازگی ملی۔ مجھے کچھ کہنا ہے میں آپ نے بہت اہم بات کی طرف توجہ دلائی۔ ساری قوم کو سوچ سمجھ کر اپنے حکمران کا انتخاب کرنا ہوگا۔ یہ نہ صرف قوم کے لیے بلکہ ملک کی خوشحالی کے لیے بہت ضروری ہے۔ (جی بالکل) پاکیزہ کے افسانے بہت معیاری ہوتے ہیں۔ پاکیزہ ڈائری، روحانی مشورے تمام سلسلے بہت اچھے ہیں۔ اللہ پاک رفعت سراج آپی کے آنکھ کے آپریشن کو کامیاب کرے (آمین) تاکہ ہم ایک اچھی رائٹر کے اچھے، اچھے افسانے پڑھتے رہیں، عقیلہ آپی کو میری طرف سے عمرے کی سعادت حاصل کرنے پر بہت، بہت مبارک باد۔ پاکیزہ کے تمام قارئین اور رائٹرز کو چودہ اگست اور عید کی خوشیاں مبارک ہوں۔" (جی آپ کو بھی جشن آزادی مبارک...... آئندہ پہلے اپنا نام لکھیے گا۔)

سیدہ ماہا، منگلا سے۔ "ابھی کچھ دیر پہلے ہی پاکیزہ ہاتھ میں آیا ہے اور میرے آنسو تھم نہیں رہے۔ ضیا نے یہ کیا کردیا۔ باپ کی پیروی میں حکم خدا بھول گیا۔ اب کفارہ کیسے ادا کرے گا۔ حیا بخاری پلیز کسی طرح بھی لالہ اور ضیا کو ملا تا ہے جدا

نہ کرنا۔ ضیا تمہیں اللہ پوچھے۔ دکھ اتنا زیادہ ہے کہ اب کچھ بھی کرنے کو دل نہیں سو...... باقی پاکیزہ اب کچھ دن بعد ہی پڑھ سکوں گی لیکن اسما، طیبہ، دُردانہ سب کے نام دیکھ کر زبردست ہی لگ رہا ہے، پلیز ایک اور قسط وار مکمل ناول بھی شروع کریں۔“ (ارے آپ..... دلبرداشتہ نہ ہوں ماہا ایسے موڑ تو کہانی میں آتے ہیں، انشاء اللہ حیا بخاری اپنا اصل پیغام پہنچانے میں ہی کامیاب ہوں گی، ہاں ناولوں کی قطار ہے انشاء اللہ جلد ہی نیا ناول شروع کریں گے بس آپ لوگ تعمیری فیڈ بیک ضرور دیں۔)

صائمہ سید، کراچی سے۔ ”اس بار تو لیلیٰ زبیری کے انٹرویو نے دل خوش کردیا۔ بہت مہذب اور سلجھی ہوئی خاتون ہیں۔ عذرا آپی سے بات کرنے کی بڑی خواہش ہے لیکن ڈر لگتا ہے اور پھر یہ بھی سمجھ نہیں آتا کہ کیا بات کروں گی میں تو مشہور بھی نہیں ہوں اور نہ ہی وہ مجھے جانتی ہیں اس لیے سوچ کر رہ جاتی ہوں۔“ (ارے یہ کیا بات ہوئی، وہ تو اپنی ہر ریڈر سے بات کرتی ہیں آپ منگل، بدھ کو ہمیں تین بجے کے بعد فون کرلیں۔) سنگ سنگ چلیں والا جو سلسلہ ہے اس میں شرکت کرسکتی ہوں؟ (جی بالکل) اس بار جس افسانے کی وجہ سے قلم اٹھایا ہے وہ ہے ہماری پیاری مصنفہ طیبہ عنصر مغل کا وقت کا پہیا، کمال کردیا طیبہ آپی نے بات چھوٹی سی ہے لیکن کیا منظر کشی کی ہے ایک بیٹی کے لیے کتنا مشکل ہوتا ہوگا اپنا گھر چھوڑ کر کسی دوسرے کے گھر کو اپنانا میں تو یہی سوچ رہی ہوں کہ اگر میری بھی شادی ہوگئی تو میری امی کا کیا ہوگا ابھی تو میں نے پورا گھر سنبھالا ہوا ہے بعد میں کیا ہوگا۔“ (ضرور ہوگی آپ کی شادی بھی..... تو آپ بھی دستورِ دنیا کے مطابق اور اپنے گھر کی تربیت کے حساب سے ہی کریں گی۔)

تسنیم کوثر، کراچی سے۔ ”جولائی کا پاکیزہ پڑھا ہمیشہ کی طرح کچھ ناولز افسانے بہت اچھے لگے۔ کچھ کم اچھے لگے اور کچھ بس گوارا سے رہے۔ عید کے رنگ خوشیوں کے سنگ صبا آصف نے اچھا لکھا۔ اکثر گھرانوں میں بالکل ایسا ہی ہوتا ہے۔ میری عید تم ہو.... غزالہ جلیل راؤ کی کہانی بھی بہت پیاری لگی۔ البتہ فرح بھٹو کی محبت جگنوؤں سی اسٹارٹ میں تو یہ اسٹوری بہترین رہی مگر اس کا اینڈ بالکل پھیکا سا لگا سوری مگر جناب خشکی کا تمر بچہ شمیم فضل خالق نے جاندار اور شاندار لکھا۔ اسی طرح گیدڑ بھبکی فوزیہ سرور کا یہ افسانہ بے مثال اور بے حد عمدہ لگا دل سے یہ تحریر پسند آئی۔ فوزیہ سرور خوش رہو۔ فرینڈ شپ، شگفتہ بھٹی نے بھی مختصر مگر جامع تحریر رقم کی۔ منی ناول میں صُفہ، دُردانہ نوشین خان کا ناول غضب کا حسین لاجواب اسٹوری سے سجا نمبر ون رہا۔ ہمیں بہت پسند آیا۔ (بہت شکریہ، آپ کی تعریف مصنفہ تک پہنچ گئی۔) البتہ پہ کہاں بچیں کہ دل ہے۔ اسٹوری میں جان ہے مگر بے حد سست روی کا شکار ہے۔ (یہی ٹھہراؤ اس کا حسن ہے) شمع ہدایت میں معرفتِ علم الٰہی اختر شجاعت صاحبہ... بہت خوب صورتی سے ایک جامع اور بھرپور دل کو چھونے والے انداز میں لکھتی ہیں ان کے پاس اسلامی معلومات کا خزانہ ہے۔ ان کی تحریر میں انتہائی احترام اور دل سے پڑھتی ہوں انہیں میرا اسلام کہیے گا۔“ (ان کی طرف سے وعلیکم السلام اور پاکیزہ کا سالانہ خریدار بننے کے لیے 900 روپے بذریعہ منی آرڈر سرکولیشن منیجر منیر حسین کے نام۔ آفس کے ایڈریس پر ارسال کردیں اپنے مکمل نام و پتے کے ہمراہ۔)

☆☆☆

اچھا تو پیاری بہنو! اب اجازت چاہتے ہیں انشاء اللہ اگلے ماہ نئی آب و تاب اور سج دھج سے آپ کے پیارے ناسے لیے پھر حاضر ہوں گے۔ پروردگار ہم سب کو صحت و سلامتی سے رکھے۔ اے ہمارے رب اپنے پیارے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے میں ہمارے گناہانِ کبیرہ، صغیرہ کو معاف فرما، ہماری توفیقاتِ دینی میں اضافہ فرما اور ہمارا خاتمہ ایمانِ کامل پر ہو بے شک تو علیٰ کُلّ شئی قدیر ہے۔

آپ کی خیرخواہ
نزہت اصغر

پاکیزہ میں خط لکھنے کا پتا

مدیرہ ماہنامہ پاکیزہ۔ 63.c فیز III ایکسٹینشن، ڈیفنس۔ مین کورنگی روڈ۔ کراچی۔ پوسٹ کوڈ 75500
فون نمبر 021-35804200 , 021-35386783,021-35802552 EXT 107,118



پاکیزہ ڈائری

عظمیٰ آفاق سعید

حمد باری تعالیٰ

اے اللہ اے میرے مالک تو نے بنایا یہ سنسار
تو ہی سب کا داتا ہے اور تو ہی سب کا پالن ہار
جب کشتی گھر جائے بھنور میں، سب تدبیریں ہوں بیکار
تو ہی پار لگائے مولیٰ تو ہی سب کا کھیون ہار
تیری رحمت سب کے لیے، تیری عظمت سب پر لازم
کوئل کی کوکو ہو یارب یا ہو چڑیوں کی چہکار
تیری رحمت، تیری الفت، تیری معافی، تیری بخشش
جب بھی مانگا تو نے دیا ہے سن لیتا ہے تو ہر بار

کلام: ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی

نعت شریف بحضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

ذاتِ نبی پاک سے آس لگائے بیٹھا ہوں
علم لدنی کے حصول کی تمنا سجائے بیٹھا ہوں
بے علم و عمل راہوں پہ چلتے چلتے
کانٹے اپنی راہ میں بچھائے بیٹھا ہوں
علم خاص کے قفل کو کھولیں گے وہ
بس اسی حسرت میں جھولی پھیلائے بیٹھا ہوں
سنا ہے خدا اور رسول پاکؐ میں قربت بہت ہے
میں اسی قربت کو وسیلہ بنائے بیٹھا ہوں
مقامِ مصطفیٰؐ ہر بلندی سے بلند ہے
اس لیے تو گردن کو جھکائے بیٹھا ہوں
مانا کہ نہ زادِ سفر ہے نہ کوئی کام بھلے ہیں میرے
پھر بھی آمدِ نبی پاکؐ کی محفل سجائے بیٹھا ہوں
یہ تو بس ان کا کرم ہے وہ سن لیتے ہیں
ورنہ تو سلسلہ بارِ گناہوں کا بڑھائے بیٹھا ہوں

عقیدت گزار، نعیم احمد
انتخاب: [illegible]

تمنائے مومن

کبھی ہم کو بھی بیت اللہ کا دیدار ہوجائے
بس اتنا ہی کرم مجھ پہ میرے سرکار ہوجائے
کرا دے سیر جو مجھ کو درودیوار کی مولا
معتبر سب کی نظروں میں یہ گنہگار ہوجائے
میسر ہوں نہ گر تیرے چمن کی ادھ کھلی کلیاں
تو میرے واسطے پھولوں کا بن بھی خار ہوجائے
سنہری جالیاں اکثر میرے خوابوں میں آتی ہیں
حقیقت میں بھی اے مالک کبھی دیدار ہوجائے
میری تو جان بھی صدقے رسول پاکؐ پہ ہوگی
تمنا میری جو پوری اگر اِک بار ہوجائے

کلام: ہما علی، اسلام آباد

سبحان اللہ

دنیا کے شاعروں کا دیوان پڑھ کے دیکھو
پھر اس کے بعد رب کا قرآن پڑھ کے دیکھو
آنکھیں بھی ہوں گی روشن، دل بھی بنے گا گلشن
تم صرف ایک سورۂ رحمٰن پڑھ کے دیکھو

از: حمیرا وحید، واہ کینٹ

مقدس لفظ

قرطاس کے چہرے پر
ایک لفظ لکھا میں نے
اس لفظ کی خوشبو سے
ہر چیز مقدس ہے
ہر چیز منور ہے
ہر چیز مکمل ہے
وہ لفظ ہے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مرسلہ: صبا نور، لیہ

گُر کی بات

☆اچھے وقت سے زیادہ اچھا دوست عزیز رکھو...... کیونکہ اچھا دوست برے وقت کو بھی اچھا بنا دیتا ہے۔

☆اپنا فائدہ سوچے بغیر سب کے ساتھ اچھائی کرتے رہو...... کیونکہ جو لوگ پھول تقسیم کرتے ہیں ان کے ہاتھوں میں خوشبو ضرور رہ جاتی ہے۔

از: بشریٰ رضوی، کراچی

مولانا رومی کی پسندیدہ دعا

اے اللہ! مجھے وہ طاقت نہ دے جس سے میں دوسروں کو کمزور کروں، مجھے وہ دولت نہ دے جس کی خاطر میں دوسروں کو غریب سمجھوں...... مجھے وہ علم نہ دے جسے میں اپنے سینے میں چھپا کر رکھوں۔ مجھے وہ بلندی نہ دے کہ مجھے اپنے سوا کچھ نظر نہ آئے۔

مرسلہ: نور افشاں، شکار پور

میرا بچپن

وہ ماں کی گود اور بابا کے کاندھے
نہ جاب کی سوچ نہ لائف کے پنگے
نہ شادی کی فکر نہ فیوچر کے سپنے
وہ اسکول کے دوست وہ کپڑے گندے
وہ گھومنا پھرنا وہ تفریح کے رستے
وہ ہر عید پر کہنا بابا نئے کپڑے
لیکن اب کل کی ہے فکر اور ادھورے ہیں سپنے
مڑ کے دیکھو تو بہت دور ہیں اپنے
منزلوں کو ڈھونڈتے کہاں کھو گئے ہم
کیوں اتنی جلدی بڑے ہو گئے ہم

از: مسز لیسین، لیہ شہر

جمعتہ المبارک

1۔ جمعہ مومن کے لیے عید کا دن ہے۔

2۔ جمعے کے دن جہنم کی آگ نہیں جلائی جاتی۔

3۔ شب جمعہ و جمعہ دوزخ کے دروازے نہیں کھلتے۔

4۔ جمعے کے دن کا غسل خصوصاً زوال سے پہلے [illegible]

شر سے دوری کا باعث ہے۔

5۔ شب جمعہ سے لے کر شب ہفتہ تک درود پاک کے ورد سے بہتر کوئی ذکر نہیں۔

سبحان اللہ......

از: ماہین ضیا بنگش، کیماڑی

کردار کی خوشبو

☆نیک لوگوں کی صحبت سے ہمیشہ بھلائی ملتی ہے کیونکہ ہوا جب پھولوں سے گزرتی ہے تو وہ بھی خوشبودار ہو جاتی ہے۔

☆خلوص اور اچھائی صرف اپنے الفاظ میں نہیں بلکہ اپنی نیت اور فطرت میں پیدا کرو تاکہ تم لوگوں کے عیب نہیں بلکہ ان کی خوبیاں دیکھ پاؤ، بے شک یہ عمل تمہاری عزت اور بخشش کا وسیلہ ہے۔

☆وہ جگہ چھوڑ دو، جہاں تمہارے احساس اور تمہارے الفاظ کی قدر نہ ہو...... چاہے وہ کسی کا گھر ہو یا دل۔

☆نرم مزاجی ایمان کی علامت ہے۔ یہ فطری ہو تو اللہ کا کرم اور کوشش سے حاصل ہو تو اللہ کا انعام......

از: بلقیس جعفر، کوئٹہ

دوست

دن بیت جاتے ہیں سہانی یادیں بن کر
باتیں رہ جاتی ہیں کہانی بن کر
پر دوست تو ہمیشہ یاد رہتے ہیں
کبھی ہونٹوں کی ہنسی تو کبھی
آنکھوں کا پانی بن کر

از: نگہت آصف، لاہور

خدا کا رشتہ

وہ اک اندھی لڑکی ہے
میں ہوں گونگا اور بہرہ
میرے اشارے دیکھ نہ پائے
اس کی باتیں سن نہ پاؤں
ہم دونوں میں پیار ہوا
ہم دونوں نے شادی کر لی
پیار کا رشتہ خدا کا رشتہ، خدا کا تحفہ

کلام: ممتاز نقی مصطفیٰ
پسند: گل ناز، کراچی

میرے دل کے عذاب دیکھ ذرا

میرے دل کے عذاب دیکھ ذرا
تو نے اس بات کو کبھی سوچا
بے سبب کوئی غم نہیں ہوتا
لاکھ چاہو ہنسی نہیں آتی
گرنے لگتے ہیں بات، بات پہ اشک
چاہتیں ہیں عذاب جیون کا
لحہ لحہ غموں کی بارش ہے
دکھ میں ڈوبی ہر ایک خواہش ہے
میرے دل کے عذاب دیکھ ذرا
تجھ کو کھو کر میں اک زمانے سے
لحہ لحہ اداس رہتی ہوں
زندگی مجھ سے اجنبی ٹھہری
موت کے آس پاس رہتی ہوں
تجھ کو معلوم ہی نہیں ہمدم
جس اذیت سے میں گزرتی ہوں
اپنے اندر میں ٹوٹ کر ہر پل
آئینوں کی طرح بکھرتی ہوں
میرے دل کے عذاب دیکھ ذرا
تو نے اس بات کو کبھی سوچا
بے سبب کوئی غم نہیں ہوتا

کلام: تمثیلہ لطیف، لاہور

پتے کی بات

☆سنا ہے دوستوں کی محبت میں لوگ جان بھی دے دیتے ہیں لیکن...... جو وقت نہیں دے سکے تو وہ جان کیا دے گا۔

☆دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتے ہو تو صرف اپنے رب کی بارگاہ میں رویا کرو... کیونکہ...... یہ وہ جگہ ہے جہاں نہ جتایا جاتا ہے، نہ ماضی کا طعنہ دیا جاتا ہے، نہ

پردوں میں ہم گنہگاروں کو ڈھانپ لیا جاتا ہے...... سبحان اللہ......

☆اس شخص کا دل کبھی مت توڑو جو آپ کو پسند کرتا ہے۔

☆اس شخص کو خدا حافظ مت کہو جس کو آپ کی ضرورت ہو۔

☆اس شخص کو شرمندہ نہ کرو جو آپ پر مکمل بھروسا رکھتا ہو۔

☆اس شخص کو کبھی مت بھلاؤ جو آپ کو ہمیشہ یاد رکھتا ہو

از: وزیہ ظفر، چکوال

مشکل اور ناممکن

مشکل اور ناممکن دنیا میں کچھ بھی نہیں...... اگر انسان چاہے تو...... کوئی بھی کام کرنے سے پہلے انسان کو مشکل لگتا ہے لیکن اگر اس میں ہمت اور لگن ہے تو وہ کچھ بھی نہیں...... اور یہ بھی سچ ہے کہ ہمتِ مرداں مددِ خدا......

آج کے اس ترقی یافتہ دور میں تو ناممکن لفظ کو ہی ڈکشنری سے نکال دینا چاہیے۔ کیونکہ......

کوشش کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا
وہ کون سا عقدہ ہے جو حل ہو نہیں سکتا

......☆......☆......

جس کو طوفاں سے الجھنے کی ہو عادت محسن
ایسی کشتی کو سمندر بھی دعا دیتا ہے

ہمت ہو تو ہر مشکل آسان...... مگر سمت اور منزل بھی مثبت ہو۔

از: فریدہ فضل، ڈیلاس یو ایس اے

اس لہو کے نام جو پاکستان کے لیے بہا اور پاکستان میں اجنبی ٹھہرا

محبتوں میں ہر اک لمحہ وصال ہو گا یہ طے ہوا تھا
بچھڑ کے بھی ایک دوسرے کا خیال ہو گا یہ طے ہوا تھا
یہ کیا کہ سانسیں اکھڑ گئی ہیں سفر کے آغاز میں ہی یارو
کوئی نہ تھک کے راستے میں نڈھال ہو گا یہ طے ہوا تھا
وہی ہوا ناں، بدلتے موسم میں تم نے ہم کو بھلا دیا ہے
کوئی بھی رت ہو نہ چاہتوں کو زوال ہو گا یہ طے ہوا تھا

بچھڑ گئے ہیں تو کیا ہوا ہے، یہی تو دستورِ زندگی ہے
جدائیوں میں نہ قربتوں کا ملال ہوگا یہ طے ہوا تھا
محبتوں میں ہر اک لمحہ......
چلو کہ فیضان کشتیوں کو جلا دیں گمنام ساحلوں پر
کہ اب یہاں سے نہ واپسی کا سوال ہوگا یہ طے ہوا تھا

انتخاب: سعدیہ جواد، کھاریاں

اسے ساتھ لے کر آنا

بھیگے ساون
جب چاروں جانب گھٹائیں چھا جائیں
اور تم، ہم شام میں لے کر آؤ تو
اسے ساتھ لے کر آنا کہ
جس کے ہونے سے تیرگی میں روشنی پھوٹ پڑے
جس کی میٹھی آواز سے
زخمِ دل کو مرہم سا مل جائے
میرے دھواں، دھواں چہرے پر
بہار میں لپٹے سات رنگ بکھر جائیں
مجھ سے غم گزیدوں کو نوید صبح مل جائے
من مندر میں جدائی کی زرد منڈیروں پر
تیرے وصل کے گلاب کھل جائیں
درد کی اذیتوں کا خاتمہ ہو جائے
کہ.....اگر تو آ جائے

کلام: نسیم سکینہ صدف، ڈسکہ

حکیم لقمان کی اولاد کو نصیحت

بیٹا اللہ تعالیٰ سے اتنا ڈر کہ وہ تجھے اپنی رحمت سے مایوس نہ کر دے۔

جو جھوٹ بولتا ہے اس کے چہرے کی رونق چلی جاتی ہے، جس کے اخلاق برے ہوتے ہیں اسے غم بہت زیادہ لاحق ہوتا ہے۔ چٹانوں کو ان کی جگہ سے منتقل کر دینا زیادہ آسان ہے بہ نسبت نا سمجھ کو سمجھانے کے۔ بیٹا، میں نے چٹان، لوہا اور بھاری سے بھاری چیز کو اٹھایا لیکن مجھے کسی چیز کا بوجھ اتنا بھاری نہیں لگا

چکھی ہے مگر محتاجی جیسی کڑوی چیز کوئی نہیں چکھی۔ بیٹا کسی جاہل کو اپنا قاصد نہ بنا اگر تجھے کوئی دانا آدمی نہ ملے تو خود بن جا۔ بیٹا جھوٹ سے بچ کیونکہ یہ چڑیا کے گوشت کے مانند مرغوب تو بہت ہے لیکن جلد ہی اپنے کھانے والے کو (گرمی کی وجہ سے) ابال ڈالتا ہے۔ بیٹا جنازوں میں شرکت کیا کر، شادیوں میں نہ جایا کر کیونکہ جنازے تجھے آخرت یاد دلائیں گے اور شادیاں دنیا کی رغبت دلائیں گی۔

از: شازیہ میواتی، کھڈیاں خاص، ضلع قصور

اے عید

خوشیوں کی سوغات لانا
مسرتوں کے گلاب کھلانا
محبتوں کے دیپ جلانا
مسکراہٹوں کے جام پلانا
اے عید
سب کے چہروں پر
روشنی کی قندیلیں جلانا

از: صائمہ پرویز، کراچی

محب وطن کے دل کی آواز

اے میرے وطن، پیارے پیارے وطن
تو سلامت رہے تا قیامت رہے
تیری آن بان سلامت رہے
خدا کی تجھ پر خاص عنایت رہے
مٹی میں تیری زرخیزی رہے
تیری فصلیں ہمیشہ لہلاتی رہیں
خوشیوں کے نغمے سناتی رہیں
فضائیں بھی ہر دم اٹھلاتی رہیں
بہاروں سے رہے تیرا ناتا سدا
خزاؤں کا نہ تجھ کو اندیشہ رہے
اے میرے وطن، میرے پیارے چمن
تیرے واسطے ہو قربان میرا تن من
جو پڑے وقت تو واروں میں اپنا جیون
بس تو سلامت رہے تا قیامت رہے

میں اکثر گنگناتی ہوں

صغریٰ زیدی

☆ساجدہ ظفر.....کمالیہ
تم نے جگنو سے دوستی کر لی
ہم ستارے تلاش کرتے رہے
کیا بتائیں کہ اب کے ساون میں
ہم تجھے کتنا یاد کرتے رہے

☆ایمن زرناب.....ٹوبہ ٹیک سنگھ
مہکتا نہیں بارشوں سے بھی
مجھے پکا آنگن نہیں چاہیے

☆حمنیٰ قندیل.....کمالیہ
پھر یاد آیا وہ گزرا ہوا ساون مجھ کو
پھر میری آنکھ نے رونے کا بہانہ چاہا

☆زرینہ مشتاق.....منڈی بہاؤالدین
عجب دل کی بستی عجب دل کی وادی
ہر اک موڑ موسم نئی خواہشوں کا
لگائے ہیں ہم نے بھی سپنوں کے پودے
مگر کیا بھروسا یہاں بارشوں کا

☆عروبہ ناز.....کوٹلی
دل سے نکلی ہی نہیں شام جدائی والی
تم تو کہتے تھے برا وقت گزر جاتا ہے

☆نازیہ.....جہلم
کبھی کبھی تو میرے دیکھنے کو دیکھا کر
کبھی کبھی تو محبت سے دیکھتی ہوں میں

☆طیبہ الیاس.....سرگودھا
محبت ہے بہت سرکش
بلا کا حافظہ اس کا
جسے ہم بھول جاتے ہیں

☆رعنا مشتاق.....سرگودھا
کل کی بارش سے پرندے کہاں سوئے ہوں گے
آج کی دھوپ اسی شرم سے دھندلائی ہے

☆ایمن رانی.....کمالیہ
یہ بوند بوند سی بارش کسی کی یادوں کی
میرے یقین کا کچا مکاں گرائے گی

☆شمع حسین.....ٹورنٹو
یوں تو وہ روز مجھے دعا دیتے ہیں
مگر "ع" پر کیوں نقطہ لگا دیتے ہیں

☆فرح طاہر.....ملتان
اس سرابِ زندگانی میں اے خلاق کُن فیکون
میری حقیقت ہے یہی انا للہ وانا الیہ راجعون

☆رفیعہ ابدالی.....کراچی
میرے صبر پر کوئی اجر کیا
مری دوپہر پہ یہ ابر کیوں
مجھے اوڑھنے دے اذیتیں
مری عادتیں نہ خراب کر

☆فصیحہ آصف خان.....ملتان
رنگ کیسے کیسے بدلتا ہے آدمی
موم سے پتھر میں ڈھلتا ہے آدمی
کر دیا حالات نے برباد مجھے یوں
ورنہ آسانی سے کب بکھرتا ہے آدمی

☆غزنہ مہناز.....راولپنڈی
وفا کی کرچیاں ٹوٹی ہوئی میں یاد رکھوں گی
وہ اپنی چاہتیں چھوٹی ہوئی میں یاد رکھوں گی
سنبھالا تا عمر جس کو تھا اپنی جان سے بڑھ کر

☆جمیلہ بلوچ......کوئٹہ
افلاک کے پردوں سے یہ جاری ہوا فرمان
والعصر خسارے ہی خسارے میں ہے انسان
☆ہماعلی......اسلام آباد
جو تم نے کبھی کی ہی نہیں جاناں
مجھے وہ محبت اداس رکھتی ہے
☆کوثر خالد سودا......فیصل آباد
بُت جھوٹ کے قلم سے گراتا چلا گیا
سچ بات دوسروں کو سناتا چلا گیا
اس دیس کا گلوں سے گریبان کاڑھ کے
کانٹے جو تھے تمام گراتا چلا گیا
☆ایمن......ٹوبہ ٹیک سنگھ
شامِ غم لیکن خبر دیتی ہے صبحِ عید کی
ظلمتِ شب میں نظر آئی کرن امید کی
☆صائمہ قیصر......راولپنڈی
عید کی رات ہے برسات میری آنکھوں سے
لیجیے بس یہی سوغات میری آنکھوں سے
پھر نئے زخم لیے زیب بدن عید کے دن
پوچھ لو کیسے کٹی رات میری آنکھوں سے
☆ممتاز خانم......کراچی
میرے آنگن میں دبے پاؤں نئے روگ لیے
سال کے سال کوئی عید چلی آتی ہے
☆غزالہ طارق......امریکا
رگڑ کر قلب کی سل پہ جو اسم یار کا چندن
لہو میں بانٹ دیتے ہیں انہیں عُشاق کہتے ہیں
☆نگہت آصف......لاہور
کتنی معصوم سی تمنا ہے
نام اپنا تری زباں سے سنوں
☆کسنبل ملک......شاہدرہ، لاہور
کھلا یہ راز کہ وحدت میں کیا بڑائی ہے

☆زرینہ خان......بہارہ کہو
اس رونقِ بہار کی محفل میں بیٹھ کر
کھاتے رہے فریب بڑی سادگی سے ہم
☆سائرہ مشال......کراچی
سب اہلِ شہر جس پہ اٹھاتے تھے انگلیاں
وہ شہر بھر کو وجہِ زیارت بھی کر گیا
محسن یہ دل کہ اس سے بچھڑتا نہ تھا کبھی
آج اس کو بھولنے کی جسارت بھی کر گیا
☆آمنہ نثار......فیصل آباد
عید کے دن بھی تری یاد سے ہم نہیں غافل
عید کے دن بھی کسی لمحے سکونِ دل نہیں
☆طلعت ......ملتان
ہم وہ پاگل ہیں کہ ہاتھوں سے گنوا کر ہیرے
ہاتھ ملتے بھی نہیں، سوگ مناتے بھی نہیں
☆ماریہ آصف......اسلام آباد
نہیں ممکن ہے کہ ہر احسان اتارا جائے
آپ خوشبو کے عوض پھول کو کیا دیتے ہیں
☆بشریٰ رضوی......کراچی
جنونِ عشق تھا تو گزر جاتی تھی رات باتوں میں
فرارِ عشق ہے تو ہر لمحہ عذاب لگتا ہے
☆جبیں نیاز......ملتان
جو باتیں پی گیا میں
وہ باتیں کھا گئیں مجھ کو
☆شہلا نواز......لاہور
وہ مجھے بھول ہی گیا ہوگا
یاد رکھتا تو سلسلے رکھتا
☆صبا نور......لیہ
وہ مختص لباس تھا میرا
رقیبوں کو مبارک ہو اترن ہماری



پیاری بہنو! خوش ذائقہ کے ان صفحات میں ہم آپ کے لیے معروف میزبان اور شیف شگفتہ یاسمین کے تیار کردہ کھانوں کی تراکیب بعنوان ''امی کی ریسیپی'' لے کر آئے ہیں۔ آپ کے پسندیدہ ماہنامہ پاکیزہ میں نت نئے سلسلے آپ ہی کے لیے ہیں۔ یوں ہر دفعہ شگفتہ کی ترکیبوں کے ساتھ، ساتھ ہماری قاری بہنوں کے بنائے ہوئے پکوان بھی انشاءاللہ ان صفحات کی زینت بنتے رہیں گے۔

(مدیرہ)

امی کی ریسیپی

تندوری توا چکن

اشیا ثابت چکن لے لیں اور اس پر بڑے، بڑے کٹس لگا لیں۔ درمیانی پیاز، ایک عدد۔ لہسن، ادرک پیسٹ، دو دو، چائے کے چمچ۔ کالی مرچ پاؤڈر، آدھا چائے کا چمچ۔ نمک، حسبِ ذائقہ۔ سرخ مرچ، حسبِ ذائقہ۔ گرم مسالا پاؤڈر، ایک چائے کا چمچ۔ ٹماٹر، دو عدد۔ بھنے ہوئے چنے یا بھنا ہوا بیسن، دو کھانے کے چمچ۔ خشخاش، دو کھانے کے چمچ۔ لیموں بڑا، ایک عدد۔ زردہ رنگ، چوتھائی چائے کا چمچ۔ آئل یا بٹر، حسبِ ضرورت۔ گول توا، دہی، تین کھانے کے چمچ۔

ترکیب زردہ رنگ کو لیموں کے عرق میں گھول کر پوری چکن پر اچھی طرح مل دیں۔ اب علاوہ دہی تمام مسالے گرائنڈ کرلیں اور چکن کو اس آمیزے میں اچھی طرح میری نیٹ کرلیں۔ اور ایک سے دو گھنٹے تک ریفریجریٹر میں رکھ لیں۔ اب گول الٹے توے میں بٹر یا آئل گرم کریں اور اس میں چکن رکھ دیں۔ ایک سائڈ ہوجائے تو پلٹ دیں اب دہی پھینٹ کر میں کوئلے آگ پر دہکا کر اس کی دھونی دے دیں۔ مزیدار تندوری چکن تیار ہے۔

ربڑی کھیر

اشیا دودھ، ایک لیٹر۔ چاول، ایک چوتھائی کپ۔ بھگو کر پیس لیں۔ کاجو، آٹھ عدد۔ کاٹ کر رکھ لیں۔ بادام، آٹھ عدد۔ کاٹ کر رکھ لیں، کشمش، ایک کھانے کا چمچ۔ چینی، آدھا کپ۔ الائچی پاؤڈر، آدھا چائے کا چمچ۔ ربڑی، ایک پاؤ۔

ترکیب دودھ کو ابال لیں اس میں چاول ڈال لیں اور چاول کو گلنے دیں۔ آنچ ہلکی رکھیں اور چمچہ چلاتے رہیں۔ دودھ تھوڑا گاڑھا ہو جائے تو اس میں ڈرائی فروٹ ڈال دیں۔ کشمش بھی ڈال دیں۔ چمچ مستقل چلاتے رہیں۔ چینی ڈال دیں۔ اس میں الائچی پاؤڈر بھی ڈال دیں۔ اور ڈھکن ڈھک دیں 2 سے 3 منٹ کے لیے۔ اب اس میں ربڑی ایڈ کریں اور مکس کریں۔ اب پیالے میں نکال لیں اور ڈرائی فروٹ کی ہوائیوں سے سجا دیں اور ٹھنڈا کر کے نوش فرمائیں۔

کالی دال کے کباب

اشیا دال ملکہ مسور۔ ایک کپ بھگو کر رکھ دیں، اس کے بعد دال کو نمک کے ساتھ ابال لیں۔ آلو، دو عدد۔ (ابال لیں اور میش کریں) چاٹ مسالا، آدھا چائے کا چمچ۔ زیرہ، ایک چائے کا چمچ۔ پیاز، ایک عدد۔ چوکور کاٹ لیں۔ ہرا دھنیا۔ کاٹ لیں۔ ہری مرچ دو سے تین عدد، باریک کاٹ لیں۔

پیسٹ، ایک چائے کا چمچ۔ دھنیا پاوڈر، آدھا چائے کا چمچ۔ نمک، حسبِ ذائقہ۔ انڈا، ایک عدد۔

ترکیب: ایک پیالے میں سب چیزیں ڈال دیں۔ دال اور آلو اچھی مکس کریں۔ کباب کی شکل دے دیں۔ اب کباب کو انڈے میں ڈپ کر کے شیلو فرائی کریں۔

بہاری کباب

اشیا: گوشت، دو کلو باریک کٹا ہوا، چربی کے بغیر۔ زیرہ سفید، دو چائے کے چمچ۔ (پیس لیں) پیاز، ایک درمیانی پیس لیں۔ تین کھانے کے چمچ۔ تلی ہوئی پیاز، دو کھانے کے چمچ پیس لیں۔ لال مرچ۔ ایک چائے کا چمچ۔ گرم مسالا، دو چائے کے چمچ۔ جائفل، جاوتری، دو چائے کے چمچ۔ لہسن پسا ہوا، دو چائے کے چمچ۔ ادرک پسی ہوئی، دو چائے کے چمچ۔ نمک، حسب ضرورت۔ سرسوں کا تیل، تین سے چار چائے کے چمچ۔ کچا پپیتا، دو چائے کے چمچ۔

ترکیب: سب مسالے گوشت میں مکس کر کے چار سے چھ گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ اب سیخ میں پرو لیں اور کوئلے پر پکا لیں۔ اوون میں بھی رکھ سکتے ہیں آخر میں کوئلے کا دھواں دے دیں۔ اوون نہ ہو تو پریشر ککر میں بھی بنا سکتے ہیں اور آخر میں کوئلے کا دھواں دے دیں۔

گلاوٹ کا قیمہ

اشیا: قیمہ، دو کلو۔ سفید زیرہ کچا، دو چائے کے چمچ (پیس لیں)۔ کچی پیاز دو کھانے کے چمچ۔ (پیس لیں) تلی ہوئی پیاز، ایک کھانے کا چمچ۔ (پیس لیں) لال مرچ، ایک چائے کا چمچ۔ گرم مسالا، دو چائے کے چمچ۔ جائفل، جاوتری، دو چائے کے چمچ۔ (پیس لیں) لہسن پسا ہوا، دو چائے کے چمچ۔ ادرک، پسی ہوئی دو چائے کے چمچ۔ نمک، حسبِ ذائقہ۔ سرسوں کا تیل حسبِ ضرورت، کچا پپیتا، دو چائے کے چمچ۔

ترکیب: سب چیزوں کو قیمے میں مکس کر کے رکھ دیں 2 گھنٹے کے لیے۔ پھر اوون میں یا کڑاہی میں پکنے

چمچے کی مدد سے اس کو مکس کریں جب سب یک جان ہو جائے تو سمجھ لیں گلاوٹ کا قیمہ تیار ہو گیا۔ اب اس میں کوئلے کا دھواں دے دیں۔

پیاز لچھے دار کاٹ کر اس کو گارنش کریں اور نان کے ساتھ نوش فرمائیں۔

کریم کوکٹیل

اشیا: فریش کریم، دو پیکٹ۔ دودھ، آدھا لیٹر۔ چینی، (پسی ہوئی) چھ سے آٹھ کھانے کے چمچ۔ کارن فلاور، دو کھانے کے چمچ۔ اسٹرابیری جیلی، ایک پیکٹ۔ بنانا جیلی، ایک پیکٹ۔ فروٹ کوکٹیل، ایک ٹن۔ ڈرائی فروٹ، حسب ذوق۔

ترکیب...... فریش کریم کو ٹھنڈا کر کے بیٹ کر لیں۔ اسٹرابیری اور بنانا جیلی بنا کر سیٹ کر لیں۔ دودھ میں چینی ڈال کر ابال لیں، کارن فلاور تھوڑے سے دودھ میں گھول کر ابلتے ہوئے دودھ میں ملا کر پکائیں اور پھر ٹھنڈا کر لیں۔ ٹھنڈا ہونے پر اس میں پھینٹی ہوئی کریم فولڈ کریں پھر فروٹس (بغیر سیرپ کے) اور جیلی بھی ڈالیں۔ اوپر سے نٹس سے گارنش کر کے جیلی سے ڈیکوریٹ کریں۔

از: عروبہ ناز، کوٹلی

رولی پولی سیخ کباب

اشیا: قیمہ، (مشینی) آدھا کلو۔ آلو، دو عدد۔ (ابال لیں) ثابت لال مرچ، تین سے چار عدد۔ ٹماٹر، دو عدد۔ (باریک کاٹ لیں) سرکہ، دو کھانے کے چمچ۔ ڈبل روٹی کا چورا (بریڈ کرمز لگانے کے لیے) حسب ضرورت۔ نمک، حسبِ ذائقہ۔ تیل، ڈیپ فرائی کے لیے۔

ترکیب: تمام اشیا ملا کر قیمہ کو ابال لیں جب قیمے کا پانی خشک ہو جائے تو ٹھنڈا کر کے قیمے کو ہاتھ سے مکس کر لیں اور سیخ کباب کی شکل میں بنا کر فریج میں تقریباً دو گھنٹے کے لیے رکھ دیں پھر ایک کڑاہی میں تیل گرم کریں اور سیخ کباب کو بریڈ کرمز میں کور کر کے گولڈن براؤن کر لیں اور املی کی چٹنی یا رائتے کے ساتھ نوش فرمائیں۔



بزمِ پاکیزہ

پاکیزہ بہنیں

پہلا انعام یافتہ سوال

☆ ماہ نور خان...... بہارہ کہو

سوال: ظالم سماج میں کون، کون شامل ہے؟

جواب: جو تمہاری بات نہ مانے وہی ظالم سماج، اب تم گنتی چلی جاؤ۔

دوسرا انعام یافتہ سوال

☆ آسیہ عامر...... کراچی

سوال: باجی! ماں میں اور ساس میں زمین آسمان کا فرق کیوں ہوتا ہے؟

جواب: اُن کے سلوک اور برتاؤ کا فرق ہے اس کے علاوہ سوچ کا فرق ہے۔

☆ ایمن رانی...... کمالیہ

سوال: آج کل لوگ قیمت تو ہر چیز کی جانتے ہیں مگر قدر و قیمت کسی چیز کی نہیں...... کیا وجہ ہے؟

جواب: پہلے تم خود تو چیزوں کی قدر کرنا سیکھ لو پھر توقع بھی رکھ لینا۔

☆ عروبہ ناز...... کوٹلی

سوال: دل لگایا تھا دل لگی کے لیے مگر......؟

جواب: آگے کا قصہ بھی خود ہی سنا دو، پہیلیاں کیوں بجھوا رہی ہو۔

☆ ساجدہ ظفر...... کمالیہ

سوال: بچپن میں کپڑے میلے، دل صاف اور زبان کچی ہوتی تھی لیکن جب سے بچپن گیا ہے......؟

جواب: اب تم میں یہ اوصاف الٹ ہو گئے ہیں تو ہمارا کیا قصور۔

جواب: شوہر کے پیسوں سے اے سی آتا ہے اور جب خراب ہو جائے تو وہی باتیں بھی سنتا ہے۔

سوال: آج کل لڑکے جہیز کے ذریعے اپنی قیمت لگواتے ہیں، لڑکیاں کیسے قیمت لگواتی ہیں۔

جواب: اپنی ڈگری کی قیمت...... وہ کیا کسی سے کم ہیں۔

سوال: اگر دل کی نگری پر جدائی کا ایٹم بم گر جائے تو؟

جواب: پارہ، پارہ ہونا اس کا مقدر......

☆ نسرین یاسین...... حیدر آباد

سوال: رمضان المبارک میں ہر چیز کیوں مہنگی ہو جاتی ہے؟

جواب: مانگ جو بڑھ جاتی ہے۔

سوال: بہتی گنگا میں ہاتھ کیوں دھوئے جاتے ہیں؟

جواب: تو کیا سوکھی گنگا میں دھوؤ گی۔

سوال: دو اور دو پانچ کرنے کا طریقہ بتائیں؟

جواب: ہم تو سیدھے سادے لوگ ہیں، یہ طریقے تو تم خود ہی سوچو۔

☆ ناعمہ تحریم...... کراچی

سوال: آنکھ کے اندھے اور عقل کے اندھے میں کیا فرق ہے؟

جواب: آنکھ کا اندھا تو راہ تلاش بھی لیتا ہے جبکہ عقل کا اندھا راہ دیکھتے ہوئے بھی بھٹک، بھٹک جاتا ہے۔

ہاتھ سے کیوں نہیں؟
جواب: کیا آپ نے کوشش کی ہے؟
سوال: دودھ کا جلا چھاچھ کو پھونک، پھونک کر کیوں پیتا ہے؟
جواب: دھوکا جو کھایا ہوتا ہے اس لیے ہر سفید مائع سے ڈرے گا ناں۔
☆نسیم منظر......بفرزون
سوال: صبح کا بھولا اگر شام کو گھر لوٹ آئے اسے بھولا کیوں نہیں کہتے؟
جواب: گھر تو لوٹ آیا ہے ناں بیچارہ۔
سوال: اگر کوئی پریشان ہو اس کے چہرے پر مسکراہٹ لانے کے لیے کیا کرنا چاہیے؟
جواب: تسلی کے دو بول اور مشکلات سے لڑنے کا حوصلہ دیجیے۔
سوال: اگر بجلی کی طرح دلوں میں بھی لوڈ شیڈنگ شروع ہو جائے تو؟
جواب: ہوتی تو ہے جبھی تو کارڈیو وارڈ جانا پڑتا ہے۔
☆مریم کاشف......لطیف آباد
سوال: میں نے اس عید پر اپنے بھائیوں سے خوب عیدی اینٹھی میری بھابیاں کیوں جلیں؟
جواب: سچ بتاؤں تو جیسے تم جلیں جب نندوں نے عیدی مانگی تھی۔
سوال: لکیر کا فقیر کس فقیر کو کہتے ہیں؟
جواب: جو ایک لکیر پر ہی چلتا، چلتا عمر گزارے اور لکیر پھر بھی ختم نہ ہو۔
سوال: بلی تھیلے سے کب باہر نکلتی ہے؟
جواب: ارے عید کے دن جو تم نے جھگڑا کیا تھا اپنے گھر میں تو تمہاری نند نے کیا کہا تھا یہی ناں کہ "اب بلی تھیلے سے باہر نکلی ہے" سمجھ آیا؟
☆حمیرا وحید......واہ کینٹ
سوال: بیٹا اس بار عید پر آپ کو کیا لا کر دوں؟
جواب: باجی بجلی تاکہ میں سکون کی نیند سو سکوں۔

سوال: چینی اور بے چینی میں کیا فرق ہے؟
جواب: زیر اور زبر کا...... کاش کہ تم نے پکی پکی اچھی طرح پڑھی ہوتی۔
سوال: میں کس کام میں مصروف رہوں کہ ساس اور نندوں کے بتائے ہوئے کاموں سے بچی رہوں؟
جواب: اپنے میاں اور بچوں کے کپڑے استری کرتی رہو، جوتے پالش کرتی رہو۔
☆سائرہ مشال......کراچی
سوال: آجا شام ہونے آئی، موسم نے لی انگڑائی؟
جواب: ہاں، ہاں فکر نہ کرو اماں چمٹا لے کر آ رہی ہیں۔
سوال: جب عید پر بھی سیاں جی اپنے درشن نہ کروائے تو انہیں راہِ راست پر کیسے لایا جائے؟
جواب: سیاں جی دور دیس میں ہیں کیا؟ وڈیو کال کر لو ناں......
☆آسیہ عامر......کراچی
سوال: باجی میں منجی کتھے ڈانواں؟
جواب: اپنے بیڈروم میں بھئی اور کہاں۔
☆ماہ نور خان...... بہارہ کہو
سوال: دل کی اجڑی نگری آباد کیسے ہو؟
جواب: مکان برائے کرایہ کا اشتہار دے دو۔
☆فرحت احمد...... گلشن حدید کراچی
سوال: کیا دماغ میں دہی ہوتا ہے جس کی وجہ سے لسی بنائی جاتی ہے؟
جواب: ہاں بھئی زیادہ گڑبڑ کرنے سے دماغ کا گھٹالا بنتے بنتے دہی بن جاتا ہے۔
سوال: کہانیوں میں ہمیشہ چڑیا دال کا اور چڑا چاول کا دانہ ہی کیوں لاتا ہے؟
جواب: دونوں کو یہی کھیت نزدیک پڑتے ہوں گے۔
☆☆☆



بالوں کی بہترین نشوونما کے لیے ایک آزمودہ نسخہ ہمیں فضہ بتول نے بہارہ کہو سے بھیجا۔
سرسوں کا تیل، ایک کپ
زیتون کا تیل، ایک کپ
چنبیلی کا تیل آدھا کپ
کیری، امبی، ایک درمیانہ سائز کی
میتھی دانہ، تین چٹکی
سمندری گھاس، دو چٹکی
یہ تمام اشیا ایک اسٹیل کی دیگچی میں چولھے پر ہلکی آنچ پر رکھ کر یکجا کر لیں۔ ٹھنڈا ہونے پر شیشے کی بوتل میں ڈال لیں اور ہفتے میں دو سے تین مرتبہ بالوں کا مساج کریں اور چار گھنٹے بعد بال دھو لیں۔

بالوں میں چمک کیسے آئے؟

☆بال دھونے کے بعد لیموں کا عرق ملا پانی بالوں میں ڈالیں تولیے سے بال نہ رگڑیں۔ انہیں اپنی انگلیوں سے دھیرے، دھیرے سلجھائیں اور خوب موٹے بڑے دندانوں والے کنگھے سے ہلکے، ہلکے بال سلجھائیں۔
☆ہفتے میں ایک مرتبہ دہی اور کیلے کو خوب پھینٹ کر بالوں میں ماسک کی صورت لگائیں جڑوں تک اور ایک گھنٹے بعد دھو لیں۔

جلد کی صفائی اور نگہداشت

ماہرِ غذائیت اور ماہر حسن بھی کہتے ہیں کہ جلد کو صاف کرنے میں لیموں، کینو، مالٹے کے چھلکے اور کیلے کے چھلکے کا اندرونی حصہ بہت کارآمد ہوتا ہے۔ اسی

مختلف ماسک بھی بنائے جاتے ہیں جیسے کچے دودھ میں جو یا بیسن اور چاول کا آٹا گھول کر چہرے، ہاتھ، پیر کی صفائی کی جاسکتی ہے۔ ماسک کے طور پر جو کا آٹا، انڈے کی سفیدی اور شہد ملا کر لگائیں۔
سوجی/روا دودھ میں بھگو کر بہترین اسکرب بنتا ہے۔ اسی طرح مسور کی دال دودھ میں بھگو کر پیس لیں۔ یہ بھی بہترین کلینزر اسکرب ہے۔ گرمیوں میں سیر و تفریح کرتے ہوئے چہرے کی جلد شدید متاثر ہوتی ہے خاص کر سمندر کی سیر کے بعد تو sun burn ہو جاتا ہے۔ یہ سارے نسخے اس کے لیے بہترین ہیں۔
اسی طرح لیموں کا عرق شہد اور انڈے کی سفیدی تو چہرے کی شادابی کے لیے بہترین ہیں۔
ان سب بیرونی نسخوں کے ساتھ اپنی غذا بھی متوازن رکھیں، وقت پر سونا، کھانا، جاگنا اور دھوپ میں پھرتے ہوئے احتیاطی تدابیر مطلب حتی المقدور چہرہ کور رکھنا، سن گلاسز پہننا اور براہِ راست سورج کی شعاعوں سے بچنا ضروری ہے۔ موسمی سبزیوں اور پھل کا استعمال، صاف سادہ پانی کا استعمال اور مرچ مسالوں اور تلی ہوئی اشیا سے اجتناب بھی ضروری ہے۔
اپنے آپ کو بے وجہ تکان، فضول پریشانی اور غیر دانش مندانہ افعال سے بھی بچائیں۔ ہم بلاوجہ کسی فضول سی بات پر گھنٹوں بحث کر کے اپنے چہرے اور گردن کے عضلات کو تھکاتے ہیں اس عرصے میں کوئی صحت مندانہ، خوشگوار اور سود مند گفتگو اور کام بھی ہو سکتا ہے۔ جس سے آپ کے اعصاب تناؤ کا شکار ہونے کے بجائے ریلیکس ہوں۔

روحانی مشورے

ادارہ



تلاوت قرآن مجید اور دعائیں

قرآنی آیات ودعاؤں سے مشکلات کا حل

عزیز قارئین تمام مسائل کا حل قرآن پاک میں ہے۔ جس گھر میں قرآن پاک کی تلاوت ہوتی ہے اس گھر میں برکت زیادہ ہوتی ہے۔ وہاں ملائکہ آتے ہیں، شیاطین دور رہتے ہیں، قرآن پاک کی تلاوت کرنا گناہوں کا کفارہ ہے۔ عذاب خدا سے امان ہے۔

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ

ترجمہ: آگاہ کہ خدا کی یاد سے دلوں کو تسلی ہوا کرتی ہے۔

وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ

ترجمہ: مجھ سے دعا مانگو میں تمہاری دعا قبول کرتا ہوں۔" دعا مومن کی ڈھال ہے۔ جب بار، بار دروازہ کھٹکھٹایا جائے گا تو کبھی نہ کبھی تو دروازہ کھل جائے گا۔

حروف مقطعات

پروردگار عالم نے قرآن پاک میں تمام عالم کے رموز اتارے ہیں جسے سمجھنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ ان میں محکم آیات اور متشابہات آیات ہیں جو کسی عالم دین اور مفسر قرآن کی مدد سے ہی سمجھی جاسکتی ہیں۔ اس لیے قرآن پاک کی تجوید کے ساتھ اس کا سمجھنا بھی ہر مسلمان پر فرض ہے۔ انہی رموز میں سے ایک حروف مقطعات ہیں جن کا علم اللہ اور اس کے رسول برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا ان صاحبان علم واولیاء واوصیا کو ہے جن پر اللہ پاک کا خاص کرم ہے۔

ہمیں تو ان حروف کو باوضو چھونا اور دیکھنا ہی زیبا ... نقش یا لوح قرآنی ہر گھر میں ... اور ہر جائز حلال

برکت سے اللہ کی رحمت کا نزول رہے (الٰہی آمین) اور وہ لوح یہ ہے۔

الٓمٓ	الٓمٓصٓ	الٓرٰ
الٓمٓرٰ	کٓھٰیٰعٓصٓ	طٰہٰ
طٰسٓ	طٰسٓمٓ	یٰسٓ
صٓ	حٰمٓ	عٓسٓقٓ
قٓ	نٓ	

نمازِ فجر کے بعد اس کی زیارت کریں اور تلاش معاش کو جانے سے قبل بھی اول وآخر تین دفعہ درود شریف پڑھ کر ایک، ایک حرف کو صحیح مخارج سے ادا کر کے پڑھیں اور اللہ کے حضور اپنی حاجات طلب کریں۔ بے شک وہ ہی قاضی الحاجات ہے۔ (الٰہی آمین)

حضرت علی کرم اللہ وجھہ کی تعلیم کردہ دعا برائے امراض قلب

ہر واجب نماز کے بعد دل کے مقام پر ہاتھ رکھ کر پہلے درود پڑھے۔ پھر گیارہ مرتبہ (یا حی یا قیوم) کہے۔ اور بارھویں مرتبہ یوں کہے۔

(یا حی یا قیوم یا لا الہ الا انت اسئلک ان تحی قلبی)

ترجمہ: اے زندہ! اے قائم رہنے والے، اے نہیں ہے کوئی معبود مگر میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو زندہ کردے میرے دل کو۔ آخر میں پھر درود پاک پڑھیں۔

حضرت محمد وآل محمد کے وسیلے کے ساتھ اسمائے باری تعالیٰ کا ورد کیا جائے تو کامیابی ونجات یقینی ہے۔ آپ اپنے جائز مقصد کے حل کے لیے کسی اسم مبارکہ کا ورد کرنا چاہیں تو ضروری ہے کہ لالچ، غیبت، تہمت، جھوٹ، شراب نوشی، زنا، لوٹ کھسوٹ، غرور تکبر، حسد اور بغض جیسے تمام امراض خبیثہ سے خود کو دور رکھیں۔ جس اسم کا آپ ورد کریں پڑھتے وقت یہ خیال رکھیں کہ اس کی قرات ٹھیک ہونی چاہیے۔ ہر مہینے میں ایک مرتبہ صدقہ ضرور دیں۔ پڑھنے سے پہلے اور اختتام پر بھی کم از کم 14 چودہ مرتبہ درود پاک لازمی پڑھیں۔

برائے بلندی درجات: اَلْعَلِیُّ

بہت بلند وبالا

یَا عَلِیُّ بِحَقِّ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ بِحَقِّ یَا عَلِیُّ

برائے رشد وہدایت: اَلرَّشِیْدُ

رشد وہدایت دینے والا

یَا رَشِیْدُ بِحَقِّ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ بِحَقِّ یَا رَشِیْدُ

برائے فتح وکامیابی اَلْفَتَّاحُ

بہت بڑا مشکل کشا

یَا فَتَّاحُ بِحَقِّ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ بِحَقِّ یَا فَتَّاحُ

حصول حکمت کے لیے اَلْحَکِیْمُ

بڑی حکمتوں والا

یَا حَکِیْمُ بِحَقِّ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ بِحَقِّ یَا حَکِیْمُ

برائے قبولیت دعا اَلْمُجِیْبُ

دعائیں سننے اور قبول کرنے والا

یَا مُجِیْبُ بِحَقِّ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ بِحَقِّ یَا مُجِیْبُ

نماز کی گہرائیاں

اگر تمہارے گھر کے سامنے تالاب ہو اور تم دن میں پانچ بار اس میں نہاؤ تو کیا تمہارے بدن پر میل باقی رہے گا؟ اصحابؓ نے جواب دیا کہ نہیں یارسول اللہ...... رسول اللہؐ نے فرمایا کہ (اسی طرح) اگر تم پانچ وقت نماز کو (حضور قلب اور معانی کی جانب توجہ سے) ادا کرو تو تمہارے دل پر (دنیا کا) میل باقی نہیں رہے گا۔

☆اے ایمان والو! نماز کے قریب نہ جاؤ جب تم نشے (بے عقلی) کی حالت میں ہو مگر اس وقت (جاؤ یہاں تک) کہ جو کہہ رہے ہو وہ سمجھ رہے ہو۔ (القرآن)

☆اے بھائی تم اللہ کی قربت کے لیے نماز ادا کرتے ہو اور اس کے بعد گناہ بھی کرتے ہو یعنی نماز پڑھنے کے باوجود تم پر شیطان کا قبضہ اور تسلط ہے کیا تم نے کبھی اس آیت میں غور کیا ہے کہ (نماز بری باتوں سے روکتی ہے)

☆تم اللہ سے قریب ہونے کے لیے نماز سالوں سے پڑھ رہے ہو تو تم بے شمار نمازیں پڑھ کر اللہ سے کتنے قریب ہوئے؟ حقیقتاً اگر تم کو اللہ کی قربت (نزدیکی) نصیب ہوتی تو تم پر شیطان کا قبضہ نہ ہوتا۔ پس اے بھائی سمجھ لو کہ تمہاری نمازیں اللہ کے لیے ہیں، حدیث ہے کہ جو شخص چالیس دن خلوص سے اللہ کے لیے عمل کرتا ہے تو حکمت کے چشمے اس کے دل سے جاری ہوجاتے ہیں یہ تو چالیس دن کی بات ہے۔ تم تو چالیس، چالیس مہینوں اور چالیس، چالیس سالوں سے نماز قربتہ الی اللہ (اللہ سے قریب ہونے) کی نیت سے پڑھ رہے ہو اور ابھی تک گناہ کررہے ہو۔ اتنی عبادت و ریاضت کے بعد بھی تمہارے اوپر شیطان کا قبضہ ہے۔ جبکہ قولِ معصوم میں چالیس روز کی پُرخلوص عبادت کا تذکرہ ہے۔

بس بھائی ہوشیار ہو جاؤ کہ تمہاری نماز اللہ کے لیے نہیں ہے۔ بس نماز کو معانی کی جانب توجہ سے پڑھو







اس بات کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کرائی جارہی تھی کہ کسی مستند ادارے کے تحت ماہر تجربہ کار ہومیو پیتھک ڈاکٹروں کا بورڈ ہو جو لوگوں کی صحت کے مسائل کو اپنی ماہرانہ رائے اور تجربے کی روشنی میں نہ صرف حل کرے بلکہ ان کی رہنمائی بھی کرے۔ لہٰذا اس سلسلے کے تحت ہماری کوشش ہوگی کہ ہم آپ کو مختلف امراض کے متعلق آگاہی بھی فراہم کریں اور آپ کے جو صحت کے مسائل ہوں اس کو بورڈ کے ماہر و تجربہ کار ڈاکٹرز کے ذریعے حل کرائیں تاکہ آپ کا معیارِ صحت بلند ہو لہٰذا آپ کے جو بھی صحت کے مسائل ہیں انہیں ہمیں اس پتے پر لکھ بھیجیں، ڈاکٹر حامد جنرل ہومیو پرائیویٹ لمیٹڈ آرام باغ روڈ کراچی 74200۔ ہم ماہنامہ پاکیزہ کے ذریعے آپ کی بیماری کے متعلق آپ کی رہنمائی کریں گے لیکن اس کے لیے اپنا مکمل نام، عمر، پتا اور جو کام کرتے ہیں اس کے متعلق، ازدواجی حیثیت، بیماری کے متعلق، کب سے ہوئی، کیا علاج کیا؟ کسی قسم کی کوئی رپورٹس ہوں تو اس کی فوٹو کاپی جو پڑھنے کے قابل ہوں ساتھ بھیجیں تاکہ صحیح تشخیص کی جاسکے اور دوا بھی صحیح تجویز ہو۔ (اپنے علاقے میں دوا نہ ملنے کی صورت میں ہم سے رجوع کریں)

بڑھا ہوا جگر

مسز طارق......سیالکوٹ

میرا مسئلہ یہ ہے کہ دو انچ جگر بڑھا ہوا ہے، لیکوریا بہت زیادہ ہے، ہر قسم کے ٹوٹکے، دوائی وغیرہ استعمال کرتی ہوں لیکن کوئی افاقہ نہیں ہوتا۔ میری گردن بہت کالی ہے۔ کمر میں درد بھی بہت زیادہ ہے، سانس بھی پھولتا ہے۔ گرمی میں پسینا بھی بہت زیادہ آتا ہے، بدبودار۔ پندرہ سال سے آپ کا رسالہ پڑھتی آرہی ہوں۔

جواب۔ صحیح تشخیص صحیح علاج کے لیے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ بہت مختصر آپ نے حال لکھا ہے۔ اور نہ ہی علاج کی ہسٹری، کب سے ہے اور کیا کیا دوائیاں کھائیں؟ اور نہ ہی کوئی ٹیسٹ رپورٹس۔ برائے مہربانی الٹرا ساؤنڈ Whole abdomen اور LFT اور CBC کی رپورٹس کرا کر مکمل حال بتائیں تاکہ صحیح تشخیص اور پھر صحیح دوا تجویز کرسکیں گے۔

پیٹ اور بال

مریم......راولپنڈی

ٹوکن

برائے شوابے ہومیو کلینک

ستمبر 2018ء

اپنا مسئلہ اس ٹوکن کے ساتھ روانہ کریں۔ ٹوکن کے بغیر آئے ہوئے مسئلوں پر توجہ نہیں دی جائے گی۔ اپنا مسئلہ جس مہینے بھیجیں اسی مہینے کا ٹوکن استعمال کریں۔

نام: ______

پتا: ______

وہ مسئلہ اللہ کا شکر ہے تھوڑا بہتر ہوا ہے۔ لیکن بالکل درد ختم نہیں ہوا ہے۔ پیٹ بھی کم نہیں ہوا ہے اور نہ ہی غیر ضروری بالوں کا مسئلہ حل ہوا ہے۔ وہ ویسے ہی ہیں بلکہ اپر لپس پر اور واضح ہو رہے ہیں۔

جواب۔ ابھی وہی دوا یعنی PTK-60 اسی طرح لیتی رہیں اس کے ساتھ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Pulsatilla 30 اور Calc Phos-30 کے 5,5 قطرے آدھا گلاس پانی میں ڈال کر دن میں تین مرتبہ لیں۔ ایک ماہ تک۔ قد، وزن اور کمر، پیٹ کا سائز بھی ساتھ لکھیں۔

ناک کا گوشت

رعنا......ناظم آباد

میں نے اپنی بیٹی کا مسئلہ لکھا تھا۔ بیٹی کا مسئلہ ناک کا گوشت، وزن کی زیادتی اور جسم پر رُواں بہت ہے۔ آپ نے جو دوا تجویز کی تھی......اس سے بیٹی کو صرف سانس لینے میں آرام آیا ہے۔ باقی مسئلے ویسے ہی ہیں۔ کیا ناک میں ڈالنے کے قطرے بھی ہوتے ہیں۔

جواب۔ بیٹی کو جس چیز میں فائدہ ہوا ہے اسی کے لیے دوا دی گئی تھی۔ عمر، قد کے حساب سے وزن کتنا ہے؟ یہ آپ نے نہیں لکھا۔ دوا کیسے تجویز کریں، کتنا اور کیا کھاتی ہیں؟ کیا کرتی ہیں؟ ورزش کتنی کرتی ہیں، کچھ بھی نہیں لکھا۔ ناک کے گوشت کے لیے ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Thuja-Q کا ایک قطرہ دونوں نتھنوں میں ڈالیں۔ Calc, Flour-30, Calc- Phos30 اور Teucrium mar. 30 کے 5,5 قطرے آدھے گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ پلائیں۔

ماہانہ ایام

نام شائع نہ کریں

میں شوابے ہومیو کلینک بہت شوق سے پڑھتی



بڑھ گیا ہے۔ پیٹ اور کولہے بہت بھاری ہو گئے ہیں۔ پیٹ باقاعدہ لٹک گیا ہے۔ اس کے ایام میں بھی بے قاعدگی ہے۔ دوسرے تیسرے مہینے ہوتے ہیں۔ رنگ سانولا ہو گیا ہے۔ آنکھوں کے نیچے گہرے حلقے بن گئے ہیں۔ اکثر سر درد رہتا ہے۔ ڈاکٹر کو دکھایا تھا وہ کہتی ہے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ صرف وزن کم کریں۔ چاول، بڑا گوشت، دہی، نان وغیرہ بالکل نہیں کھاتی۔ سیڑھیاں بھی بہت اترتی چڑھتی ہے۔ مہربانی فرما کر کوئی اچھی سی دوا تجویز کردیں۔

جواب۔ ماہواری کب شروع ہوئی اور جس عمر میں شروع ہوئی اس وقت اس کی کیا حالت تھی؟ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Magnesium Phos Pentarkan Ptk-60 ایک گولی دن میں 2 مرتبہ چوسیں۔ جبکہ Pulsatilla 200 کے 5 قطرے آدھے گلاس پانی میں ہفتہ میں ایک مرتبہ لیں، Calc Phos 30 کے 5,5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ لیں۔ 2 ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

قارئین نوٹ کرلیں

جواب پاکیزہ کے ذریعے ہی دیا جائے گا۔ اس لیے جوابی لفافہ نہ بھیجا کریں اور نہ ہی فون کریں۔

جسمانی مسائل

ریشماں......چکوال

میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے بال سفید ہونا شروع ہو گئے ہیں، لیکوریا بھی ہے۔ ماہواری کا نظام ٹھیک نہیں ہے۔ میرے منہ پر دانے، کیل مہاسے اور جھائیاں بہت زیادہ ہیں۔ کبھی جلد کا رنگ بڑا گورا ہوا کرتا تھا اب تو ایسے ہوگیا ہے جیسے بہت عرصہ سے بیمار ہوں۔ شوہر اور بچوں کی وجہ سے ذہنی طور پر پریشان رہتی ہوں۔



کریں جن سے میں فریش نظر آؤں۔

جواب۔ آپ کا..... اصل مسئلہ یہ ہے کہ آپ کی شادی انتہائی کم عمری میں ہوگئی، پھر 6 سال میں 3 بچے بھی ہو گئے۔ آپ کے اندر خون کی کمی ہے اور کمزوری بھی۔ ہر چیز کا علاج دوا سے نہیں ہوتا۔ آپ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Lycopodium 30، Sepia 30 کے 7,7 قطرے آدھے گلاس پانی میں دن میں تین مرتبہ لیں، چہل قدمی کریں اور متوازن غذا کا استعمال کریں۔

جگر کا مسئلہ

شمشاد......لسبیلہ

میرا مسئلہ یہ ہے کہ کچھ دنوں پہلے میرے داہنی طرف درد ہوا۔ ڈاکٹر نے نیند کی گولیاں دے دیں۔ گولی کھاؤ تو نیند آ جاتی ہے۔ آنکھ کھلتی ہے تو پھر درد شروع ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر نے کہا کہ 6 ماہ علاج کروانا پڑے گا۔ پھر ٹھیک ہو جاؤ گی۔ میں ایک غریب فیملی سے تعلق رکھتی ہوں۔ اتنا مہنگا علاج نہیں کروا سکتی۔ مہربانی فرما کر میرے لیے کوئی علاج تجویز فرمائیں۔ تا زیست دعا گو رہوں گی۔

جواب۔ رپورٹس کے مطابق خون کی کمی ہے اور جگر کا مسئلہ ہے۔ آپ نے یہ نہیں لکھا کہ گردے کا درد کس طرف کہاں ہوا تھا۔ کیا کھانے سے ہوا تھا۔ اب کیفیت کیا ہو رہی ہے۔ پیشاب، بھوک اور درد کی تفصیل کے ساتھ یہ بھی لکھیں، کسی اچھی جگہ سے الٹرا ساؤنڈ Whole Abdomen، E S R، CBC HCV LFT کرائیں۔ رپورٹ کمپیوٹر پر ہو ہاتھ سے لکھی نہ ہو۔ فی الحال ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Berberis VulgQ کے ساتھ ساتھ Carduus

قطرے آدھے گلاس پانی میں ڈال کر دن میں تین مرتبہ پئیں۔ اس کے علاوہ Ferr. Phos 30 کے 5,5 قطرے آدھا گلاس پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ پئیں۔ ایک ماہ بعد کیفیت بتائیں، نظر بھی چیک کرائیں۔

کمزوری اور دمہ

تازیہ......لاہور

میرا بیٹا جب سے پیدا ہوا ہے۔ صرف چار مہینے ٹھیک رہا ہے۔ اس کے بعد سے اس کو ہر وقت نزلہ زکام اور شدید کھانسی رہتی تھی۔ ساری رات کھانستا رہتا اور میں ساری رات گود میں لے کر گزارتی تھی۔ بہت علاج کروائے مگر آرام نہیں آتا تھا۔ پھر جب تقریباً اڑھائی سال کا تھا تب سے ایسی کھانسی لگی ہے کہ آج تک ٹھیک نہیں ہوئی اور اب دمہ بن چکا ہے۔ نیبولائز کئی، کئی بار کرتے ہیں، کبھی کبھی نیبولائز کرنے سے بھی فرق نہیں پڑتا اور اب صبح شام انہیلر کے بھی دو پف دیتے ہیں تو چار پانچ گھنٹے گزرتے ہیں۔ یہاں پر ہومیو ڈاکٹر سے تین مہینے علاج کروایا مگر آرام نہیں آیا کوئی ڈاکٹر کہتا ہے کہ اس کے پھیپھڑے سکڑ گئے ہیں اور کوئی کہتا ہے بچے کی سانس کی نالیاں تنگ ہوگئی ہیں جو ریشے سے بھر جاتی ہیں۔ کمزور بھی بہت ہے۔ بازو بہت پتلے ہیں جسم پر چمڑا ہی نظر آتا ہے۔ گوشت کا تو نام ونشان نہیں ہے۔ نظر بھی بہت کمزور ہے۔ اسکول میں بلیک بورڈ کے بالکل پاس بیٹھتا ہے تب نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ اس کی آنکھ کی پتلی میں کمزوری ہے جس کی وجہ سے اسے نظر نہیں آتا اور یہ مسئلہ آپریشن سے حل ہوگا۔ میرے بیٹے کے لیے کوئی اچھی سی دوا بتائیں جس سے بچے کی بیماری ٹھیک ہو جائے۔

جواب۔ خاندان میں جب کسی کو ٹی بی ہو، دمہ ہو یا نزلہ، زکام کا مسئلہ ہو اور ماں دورانِ حمل اپنی صحت کا خیال نہ رکھے یا وہ خود کمزور ہو تو اس کے ہاں

کی بھی کمزوری ہوتی ہے اور جب دودھ پلانے کے زمانہ میں ماں اپنی صحت کا خیال نہ رکھے تو بچے مختلف بیماریوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی رہیں کیونکہ ہر کام اس کی مرضی سے ہوتا ہے جب وہ چاہتا ہے۔ اپنی صحت کا پہلے خیال کریں۔ بچے کو تازہ ہوا زیادہ دیں، گائے اور بکرے کا گوشت کھلائیں، موسم کی سبزیوں کے ساتھ موسم کے تمام پھل دیں۔ اصلی دیسی مرغی اور انڈا فائدہ مند ہے۔ میدے سے بنی چیزیں پراٹھا، بسکٹ، ڈبل روٹی، پاپے نہ دیں۔ چینی کی چیزوں سے بھی پرہیز کرائیں۔ نہانے کے بعد پنکھے، اے سی یا دھوپ میں فوراً نہ جائیں اسی طرح گرمی سے یکدم ٹھنڈی جگہ میں نہ جائیں...... ٹھنڈا پانی، شربت، کولڈ ڈرنکس، قلفی، برف جیسی چیزوں سے بچیں۔ نارمل پانی دیں۔ شہد اصلی صبح ناشتے میں دیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Grindelia Pentarkan- Ptk-51 کے 10 قطرے آدھا گلاس پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ دیں، ایمرجنسی کی صورت میں اس کے 15 سے 20 قطرے آدھے گھنٹے یا ایک گھنٹے سے بھی دے سکتی ہیں۔ ایک ماہ بعد کیفیت سے دوبارہ مطلع کریں۔

ماہانہ نظام کی خرابی

دریشک......بنوں

جو مسائل میرے ساتھ ہیں وہ لکھ رہی ہوں۔ ماہانہ ایام صرف ایک دن کے ہوتے ہیں۔ چہرے پر بال ہو گئے ہیں۔ آنکھوں کے نیچے حلقے اور گڑھے بن گئے ہیں۔ نیند بہت کم آتی۔ صرف 3 سے 4 گھنٹے اور بار، بار آنکھ کھلتی رہتی ہے۔ ٹانگوں پر اکثر اور باقی جسم پر بھی کبھار اس قدر خارش ہوتی ہے کہ خون نکلنے لگتا ہے۔ سانس کی تکلیف ہے۔ انہیلر کا استعمال کرتی ہوں۔ سینے میں اکثر جلن رہتی ہے اور گیس بنتی ہے۔ گردن معمولی سی سوجی ہوئی ہے۔ سر کے پچھلے حصے



چہرے کی اسکن ڈھیلی ہو گئی ہے۔ آنکھوں کے پاس لائنیں پڑ گئی ہیں۔ سر کے بال بہت گھنے اور خوبصورت تھے اب بے حد ہلکے ہو گئے ہیں اور تیزی سے سفید ہو رہے ہیں۔ بال گر بھی رہے ہیں۔

جواب۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Sulphur 200 کی ایک خوراک 5 قطرے ایک گھونٹ سادہ پانی صبح نہار منہ لے کر ایک دن کے بعد مندرجہ ذیل ادویات شروع کریں۔ Asafoetida Pentarkan-Ptk-12 دس قطرے ایک گھونٹ سادہ پانی میں دن میں 3 مرتبہ، Ferrum Pentarkan-Ptk-45 2 گولیاں تھوڑے پانی سے دن میں 3 مرتبہ، Grindelia Pentarkan- Ptk-51 10 قطرے ایک گھونٹ پانی میں دن میں 3 مرتبہ، Magnesium Phos Pentarkan- Ptk-60 ایک گولی دن میں 3 مرتبہ، Passiflora Pentarkan- Ptk-66 15 قطرے ایک گھونٹ پانی میں شام اور رات کو، Urtica Pentarkan- Ptk-86 دس قطرے ایک گھونٹ سادہ پانی میں دن میں 3 مرتبہ لیں۔

چہرے پر ورم

سنجانہ......ڈیفنس

میں ہومیو کلینک کافی عرصے سے پڑھ رہی ہوں۔ آج بڑی ہمت کر کے آپ کو اپنے مسئلوں سے آگاہ کر رہی ہوں، میں کئی بیماریوں میں مبتلا ہوگئی ہوں۔ جسم ہر وقت سست رہتا ہے۔ ذرا سا چلتی ہوں تو گرمی اور گھبراہٹ سے چہرہ سرخ ہو جاتا ہے۔ سانس بہت پھولتا ہے۔ پیشاب کے بعد قطرے بھی آتے ہیں۔ پاخانہ بھی صحیح نہیں آتا، دو تین بار جانا پڑتا ہے۔ صبح سو کر اٹھتی ہوں تو ہاتھوں اور چہرے پر بھی ورم ہوتا ہے، ہاتھوں کا ورم تو کچھ دیر بعد کم ہو جاتا ہے لیکن چہرے پر ہر وقت

کی بھی شکایت ہوگئی ہے۔ پیٹ بھی بہت پھول گیا ہے۔ آپ کی بڑی مہربانی ہوگی میرے خط کا جواب اگلے مہینے کے شمارے میں ضرور دیجئے گا۔

جواب۔ آپ کے اعتماد کرنے کا اور پسندیدگی کا شکریہ۔ آپ نے اپنا وزن اور عمر نہیں لکھی۔ نا اُمید نہ ہوں۔ یہ بہت اچھی بات ہے کہ آپ نماز پڑھتی ہیں۔ اللہ ہی مسئلے ... کو حل کرنے والا ہے۔ آپ کراچی میں رہتی ہیں، بہتر ہے کہ ٹائم لے کر آ کر ملیں۔ آپ بلڈ ٹیسٹ کرائیں، Urea,Uric Acid E S R، CBC Lpid profile اور فی الحال ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ 10 قطرے ایک گھونٹ سادہ پانی کے ساتھ دن میں تین مرتبہ Solidago Pentarkan- Ptk-79، 10 قطرے ایک گھونٹ سادہ پانی کے ساتھ دن میں 3 مرتبہ Viscum Pentarkan- Ptk-89، ایک گولی دن میں 3 مرتبہ Magnesium Phos Pentarkan- Ptk-60، نمکین چیزیں اور مرغن اشیا سے پرہیز کریں۔ ایک ماہ بعد دوبارہ حال بتائیں۔

پٹھوں میں کھنچاؤ اور درد

مسز راولا......صادق آباد

عرصہ 4 سال سے پٹھوں میں کھنچاؤ کی شکایت ہے، دو سال پہلے ڈاکٹر سے علاج بھی کروایا، وقتی افاقہ ہوتا ہے۔ اب حالت یہ ہے کہ گردن، ٹانگوں، بازو میں شدید کھنچاؤ ہے، ہاتھ پاؤں میں مروڑ پڑتی ہیں، نماز بھی نہیں پڑھی جاتی، روزانہ دبوانا پڑتا ہے تب کہیں رات گزرتی ہے، کولھے اور پسلیوں کے نیچے 10 منٹ چلنے سے درد شروع ہو جاتا ہے۔ اب تو میں تکیہ بھی نہیں رکھتی کہ گردن اکڑ جاتی ہے۔ بلڈ پریشر رہتا ہے اور گیس بھی ہوتی ہے۔ اب سر میں درد بھی رہتا ہے۔

جواب۔ جتنا پیدل چل سکتی ہیں چلیں، تیز م[...] مسالے اور مرغن کھانوں سے بچیں، [U]rea, Uric Acid، ESR، CBC Lipid profile، Serum Calcium,Vit-D, کرائیں اس وقت تک ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعم[ال] کریں۔ [C]arbo Vegetabilis Pentarkan- Ptk-22 ایک گولی دن میں تین مرتبہ تھوڑے پانی [کے] ساتھ نگلیں، [Rh]us toxicodendron Pentarkan- Ptk-73 ایک گھونٹ سادہ پانی میں [...] قطرے دن میں 4 بار لیں۔ [S]pigelia Pentarkan- Ptk-81، 15 قطرے آدھا کپ پا[نی] میں دن میں 3 مرتبہ، ایک ماہ بعد کیفیت سے مط[لع] کریں۔

نسوانی حُسن اور لیکوریا

بسنتی......احمد پور شرقیہ

مجھے پانچ چھ سالوں سے لیکوریا کی شکایت [ہے] جس کا کوئی خاص وقت مقرر نہیں، کسی بھی وقت کم [...] زیادہ ہوتا ہے۔ مجھے اس بیماری سے چھٹکارا دلانے م[یں] میری مدد کیجئے۔ ساری عمر دعائیں دوں گی۔ پچھلے [...] عرصے میں میرا وزن بے حد بڑھ گیا ہے۔

جواب۔ آپ [S]erum Prolactin, Insulin, Thyroid Profile چیک کرا کر رپور[ٹ] بھیجیں۔ ان تمام چیزوں سے بچیں جو ذہنی انتشار [کا] باعث بنیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی [...]dium 30, Natr-Mur 30, Borax 30 کے 7، 7 قطر[ے] آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ استعمال کریں۔

☆☆☆